مقاماتِ مظہری

احوال وملفوظات ومکتوبات

حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید

تالیف:
حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ

تحقیق وتعلیق وترجمہ
محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس

مقاماتِ مظہری

احوال وملفوظات ومکتوبات
حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید

۱۱۱۱ھ — ۱۱۹۵ھ
۱۷۰۰ء — ۱۷۸۱ء

تالیف:
حضرت شاہ غلام علی دہلوی ؒ

تحقیق وتعلیق وترجمہ
محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور ☎ 37352795

کتاب	:	مقاماتِ مظہری
تالیف		شاہ غلام علی دہلویؒ
تحقیق و تعلیق و ترجمہ	:	پروفیسر محمد اقبال مجددی
طابع	:	آر۔ آر۔ پرنٹرز
ناشر	:	چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول۔ میاں شہزاد رسول
طبع سوم	:	۲۰۱۵ء
قیمت	:	=/ روپے

فہرست

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

☆☆☆☆☆

عکسیات شامل مقاماتِ مظہری

(یہ تمام عکسیات کتاب کے آخر میں ملاحظہ کریں)

(۱) دیوان مظہر خریطہ جواہر، طبع اوّل، مطبع مصطفائی کانپور، ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء، ص ۱۳۲!
(۲) خودنوشت تحریر حضرت مظہر یعنی مکتوب بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مملوکہ حضرت زید ابوالحسن دہلی (بشکریہ عبدالرزاق قریشی مرحوم)، ص ۱۳۶
(۳) خودنوشت مکتوب حضرت مظہر بنام اخوند ملا نسیم (از لوائح خانقاہ مظہریہ)، ص ۱۳۸
(۴) دو وقف نامے متعلقہ خانقاہ حضرت مظہر، مملوکہ جناب پروفیسر منظور الحق صدیقی (راولپنڈی)، ص ۱۵۸، ۲۷۰
(۵) عکس تحریر حضرت شاہ غلام علی دہلوی، (حاشیہ بشاراتِ مظہریہ، قلمی نسخہ برٹش میوزیم)، ص ۱۶۹
(۶) مقاماتِ مظہری، طبع اوّل، مطبع احمدی، دہلی ۱۲۶۹ھ، ص ۱۷۱
(۷) پاکستان و ہند کا وہ نقشہ جو حضرت میرزا مظہر کی شہادت سے اٹھارہ سال بعد ۱۷۹۸ء میں فرینکلن نے شائع کیا، (مابین ص) ماخوذ از History of the Reign of Shah Aulum, London, 1798.
(۸) حضرت مظہر کے خلیفہ اخوند ملا نسیم کی دو مہریں (مخزونہ خانقاہ نورمحل۔ اوچ۔ دیر) ص ۴۳۳
(۹) دستخط میر عبدالباقی خلیفہ حضرت مظہر، ص ۴۱۴
(۱۰) تحریر میر عبدالباقی خلیفہ حضرت مظہر، ص ۴۱۴
(ماخوذ از مآل الکمال مؤلفہ میر عبدالباقی، قلمی، مخزونہ کتب خانہ نورمحل، مذکور)،
(۱۱) تحریر قاضی ثناء اللہ پانی پتی (مخزونہ خانقاہ نورمحل، اوچ، دیر)، ماخوذ از لوائح خانقاہ مظہریہ، ص ۳۶۴
(۱۲) گنبد مزارات چبوترہ حضرت مظہر، تعمیر ۱۴۰۰ھ، ص ۳۶۴

اس فہرست میں شامل صفحات کے نمبر ''مقاماتِ مظہری'' کی اشاعت ہذا کے مطابق ہیں۔

(۱۳) مزارات مرشد و مرید یعنی حضرت مظہر و مؤلف مقاماتِ مظہری (حضرت شاہ غلام علی ، ماخوذ ا
کتابچہ سر بند طبع ترکی)، ص ۱۴۸

(۱۴) حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی مسجد، ص ۴۴۷

(۱۵) (بائیں جانب) مزار حضرت سید نور محمد بدایونی مرشد حضرت مظہر، ص ۲۲۸

☆☆☆☆☆

محمد اقبال مجددی

(مرتب کتاب حاضر)

پیدائش

۱۵ ستمبر ۱۹۵۰ء بمقام قصور (من مضافاتِ لاہور، پنجاب، پاکستان)

تعلیم

ایم اے تاریخ (درجہ اوّل) پنجاب یونیورسٹی، لاہور

تالیفات

۱۔ احوال و آثارِ سیّد شرافت نوشاہی، لاہور

۲۔ احوال و آثار عبداللہ خویشگی، قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء

۳۔ تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند، لاہور، ۲۰۱۳ء

مرتبات

۴۔ مقامات مظہری (احوال و افکار میرزا مظہر جان جاناں شہید (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء)

۵۔ حسنات الحرمین (ملفوظات خواجہ محمد معصوم سرہندی (ف ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) تالیف خواجہ عبید اللہ مروج الشریعت (تحقیق متن، ترجمہ، حواشی، مفصل مقدمہ) موسیٰ زئی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، ۱۹۸۱ء

۶۔ ملفوظاتِ شریفہ شاہ غلام علی دہلوی، جامع خواجہ غلام محی الدین قصوری، تحقیق و تعلیق و تقدیم، لاہور ۱۹۷۸ء۔

۷۔ اثبات المولد والقیام، تحقیق و تقدیم، استنبول، ترکی۔

۸۔ رشحاتِ عنبریہ (احوال و مقامات شاہ احمد سعید مجددی) تحقیق و تقدیم، استنبول، ترکی۔

۹۔ حدیقۃ الاولیاء (پنجاب و نواحی آں کے صوفیہ کا تذکرہ) تالیف مفتی غلام سرور لاہوری، لاہور، ۱۹۷۵ء، دوم ۲۰۰۰ء۔

۱۰۔ لطائف المدینۃ (احوال خواجہ محمد سعید سرہندی ف ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ء) تالیف شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی، تحقیق و تعلیق و ترجمہ، لاہور، ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ مقاماتِ معصومی (احوال و تعلیمات خواجہ محمد معصوم سرہندی) تالیف صفر احمد معصومی، تحقیق و تعلیق ......ترجمہ) جلد اول (مقدمہ مجددی تحریک جلد دوم، (اردو ترجمہ) جلد سوم فارسی متن، جلد چہارم (تعلیقات و توضیحات)، لاہور، ۲۰۰۴ء۔

۱۲۔ احوالِ مشائخِ کبار (ملفوظات شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری ف ۱۱۰۴ھ/۱۶۹۳ء) تالیف شیخ سلیمان بن سعد اللہ لاہوری) تحقیق و تقدیم، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء۔

۱۳۔ زاد المعاد (تذکرۂ خواجہ حسام الدین احمد ف ۱۰۴۳ھ/۱۶۳۳ء) تالیف خواجہ کلاں بن خواجہ باقی باللہؒ جلد اول (نقشبندی مشائخ کی سعی ہای احیائے دین، احوال و آثار حضرت خواجہ باقی باللہ، خواجہ حسام الدین احمد، خواجہ کلاں) جلد دوم (اردو ترجمہ)، جلد سوم (فارسی متن) جلد چہارم (تعلیقات و توضیحات)، گوجرانوالہ، ۲۰۱۳ء۔

۱۴۔ معمولات مظہریہ (احوال و ملفوظات و معمولات حضرت مظہر جانِ جاناں شہید) تالیف شیخ نعیم اللہ بہڑایچی، ترجمہ و تعلیقات، زیر طبع۔

۱۵۔ بشارات مظہریہ (احوال و مکتوبات حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید) تالیف نعیم اللہ بہڑایچی تحقیق و تعلیق و ترجمہ، زیر طبع۔

۱۶۔ کمالاتِ مظہریہ (احوال حضرت میرزا مظہر جان جاناںِ شہید) تالیف شاہ غلام علی دہلوی، زیر چاپ۔

۱۷۔ تذکرہ علمائے ساہووالہ (سیالکوٹ) تالیف محمد شہنواز الدین، تحقیق و حواشی، لاہور، ۱۹۷۱ء۔

۱۸۔ تذکرہ شرافت نوشاہی (احوال و سخنان) شریک مرتب ڈاکٹر عارف نوشاہی، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء۔

۱۹۔ رسائل در دفاع حضرت مجدد الف ثانی مؤلفہ وکیل احمد سکندر پوری، لاہور، ۲۰۱۱ء۔

۲۰۔ دفاع حضرت مجدد الف ثانی (رسائل کا مجموعہ)، گوجرانوالہ ۲۰۱۲ء۔

مقالات

اب تک تقریباً ایک ہزار تحقیقی مقالات دنیا کے موقر جرائد میں طبع ہو چکے ہیں یعنی معارف (دارالمصنفین، اعظم گڑھ، برہان (ندوۃ المصنفین، دہلی)، مجلّہ علوم اسلامیہ (علی گڑھ)، اورینٹل کالج میگزین (لاہور) مجلّہ تحقیق (لاہور) صحیفہ (لاہور)، المعارف (لاہور) بصائر (کراچی)، اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی، لاہور)، دانشامہ جہان اسلام، (تہران، ایران)، دانشامہ زبان وادب فارسی درشبہ قارہ (تہران، ایران)۔

☆☆☆☆☆

نقش ثالث

مقاماتِ مظہری کا تیسرا ایڈیشن قارئین کے ہاتھوں میں ہے' اس کے پہلے دو ایڈیشن ۱۹۸۳ء اور ۲۰۰۱ء) اُردو سائنس بورڈ' لاہور سے شائع ہوئے تھے کہ اس دوران ۲۰۰۵ء کو شاہ ابوالخیر اکیڈمی' دہلی (واقع درگاہ مظہری) نے ایک طباعت کا اہتمام کیا' ضرورت اس امر کی تھی کہ حضرت مرزا مظہر کی خانقاہ کا یہ ایڈیشن ہماری دونوں طباعتوں سے زیادہ وقیع اور جامع ہوتا اور اس کے بزرگ مہتمم حضرت انس ابوالنصر فاروقی سلمہٗ جو کہ مرکز میں تھے' ہماری کوتاہیوں اور غلطیوں کی نشاندہی فرما کر اس کو شائع کرتے لیکن انہوں نے تو اس کی اس طرح تلخیص کر دی کہ گویا کتاب کی اصل روح جاتی رہی' یعنی ہمارا ۲۱۴ صفحات کا مفصل مقدمہ جو کہ کتاب کو سمجھنے کے لئے ناگزیر تھا' خارج کر دیا۔ اسی طرح ہر فصل پر ہمارے حواشی میں تھے۔ مثلاً سترھویں فصل (احوال خلفائے حضرت مظہر) پر ۱۳۹ حواشی میں سے صرف ۷۸ رکھے گئے اور حضرت مظہر کے مکتوبات پر ہم نے ۲۱۴ توضیحی حواشی لکھے تھے جن میں سے صرف ۱۰۳ رہنے دیئے گئے' مقاماتِ مظہری کے آخر میں معروف عالم و محدث حضرت شاہ عبد الغنی مجددی نے مؤلف حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے احوال پر ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا تھا' جس پر ہم نے ۲۳۱ حواشی لکھے تھے' جس سے تحقیق کی راہیں ہموار ہو سکتی تھیں لیکن ان میں سے بھی صرف ۹۴ حواشی رکھے گئے' باقی سب ختم کر دیئے گئے۔

بظاہر اس علمی قطع و برید کے اسباب معلوم نہیں ہو سکے' امید ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب آئندہ ہماری کسی کتاب کے ساتھ اس قسم کا سلوک نہیں فرمائیں گے۔

موجودہ ایڈیشن میں بعض ترمیمات اور اضافت کیے گئے ہیں' اس طباعت کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کا سبب دیگر علمی تحقیقات میں مصروفیت تھا' یعنی اس دوران حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے احوال پر ایک اہم مخطوطہ مقاماتِ معصومی مرتب کیا اور خواجہ حسام الدین احمد خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے حالات پر بھی ایک نو دریافت ماخذ زاد المعاد (تالیف خواجہ کلاں بن خواجہ باقی باللہؒ) ایڈٹ کیا۔

یہ دونوں مخطوطات ایک ہی اصول ترتیب کے مطابق مرتب کیے گئے' یعنی ایک ایک جلد فارسی متن' ایک میں اُردو ترجمہ اور ایک ایک حصہ تعلیقات و توضیحات کے لیے مخصوص کیا گیا' اسی طرح ان دونوں کتابوں پر اتنے مفصل مقدمات لکھے کہ ان کی الگ الگ جلدیں بنائی گئیں۔

اس دوران علماء وصوفیہ پر تحقیقی مقالات کا سلسلہ برابر جاری رہا اور ان کا ایک مجموعہ تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں طبع ہوا۔

مقاماتِ مظہری کے ناشر میرے عزیز دوست چودھری غلام رسول صاحب ہیں جو تصوف کی بیش بہا کتب شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں' موصوف کے صالح صاحبزادہ چودھری جواد رسول صاحب اس نے اس کتاب کی اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی لی اور اس کی طباعت کو خوبصورت بنانے میں اپنی مہارت کا ثبوت دیا۔ کتاب کی کمپوزنگ مسٹر ریحان علی نے بڑی چابکدستی سے کی اور تمام اغلاط بڑی محنت سے درست کر کے اسے پرنٹنگ کے قابل بنایا' ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر واجب ہے۔

دارالمؤرخین
۱۹۶۔بی سبزہ زار' لاہور

محمد اقبال مجددی
۲۹ ستمبر ۲۰۱۵ء

☆☆☆☆☆

نقشِ ثانی

مقاماتِ مظہری کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۳ء کو اُردو سائنس بورڈ نے طبع کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسے غیر معمولی پذیرائی نصیب ہوئی۔ اب احباب و قارئین کے اصرار پر اسے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اس دوران مواد کی جمع آوری اور علمی تحقیقات کی غرض سے طویل سفر کیے، ۱۹۸۶ء میں انگلستان، ۱۹۸۹ء کو ہندوستان اور اس کے بعد ایران جا کر وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ کیا اور اہلِ علم و دانش سے ملاقات کے مواقع ملے۔ ان اسفار میں مقاماتِ مظہری کا مسودہ ہمراہ رکھا اور اس کے حواشی پر تصحیحات و اضافات کرتا رہا۔ ان مہمات میں جدید اور نو دریافت مآخذ و مراجع سے کماحقہ استفادہ کیا۔ ۱۹۸۳ء کے بعد سلسلہ مظہریہ سے متعلق کئی اہم کتابیں بشاراتِ مظہریہ، معمولاتِ مظہریہ اور کمالاتِ مظہریہ مرتب کیں اور ان پر حواشی و تعلیقات کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (ف ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۹ء) کے احوال و معارف پر مشتمل ایک کتاب مقاماتِ معصومی کا خطی نسخہ مرتب کیا جس پر سات سو صفحات کے تعلیقات جداگانہ کتابت ہوئے، اسی طرح اس پر مفصل مقدمہ لکھ کر گیارھویں صدی ہجری/ سترھویں صدی عیسوی کے علمی، عرفانی اور معاشرتی پس منظر میں حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کی شخصیت اور ان کی تحریک احیائے دین کا جائزہ لیا۔ جو بذاتِ خود ایک ضخیم کتاب کے مساوی ہے۔

اس دوران حضرت خواجہ حسام الدین احمد (ف ۱۰۴۳ھ/ ۱۶۳۳ء) خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ باقی باللہ کے احوال و افکار پر ایک نو دریافت ماخذ زاد المعاد ایڈٹ کیا اور پاکستان و ہند کے علماء و مشائخ، مؤرخین و سلاطین پر تقریباً سات سو مقالات لکھے، جن میں سے بعض پاکستان کے موقر رسائل میں اور باقی دانشنامہ شبہ قارہ (تہران۔ ایران) میں شامل ہیں۔ برطانیہ میں مرتب ہونے والی Socio-Cultural and Intellectual Atlas of the Muslims of South Asia

میں پاکستان و ہند کے علماء و صوفیہ کی تصانیف، ملفوظات، مکتوبات اور تذکروں میں موجود ایسے اشارات جن سے دورِ وسطیٰ کی معاشرت اور ان کی علمی سرگرمیوں کی عکاسی ہوتی ہے، کی تخریج کر کے پاکستان کی نمائندگی کا شرف حاصل کیا۔ گویا اس قسم کے وقت طلب اُمور میں مصروفیت مقاماتِ مظہری کے نقش ثانی کی تیاری میں تاخیر کا سبب بنی۔

اُردو سائنس بورڈ کے موجودہ ڈائریکٹر جنرل اور ہمارے ملک کے نامور محقق جناب محمد اکرام چغتائی کا شکریہ ادا کرنا میرے لیے واجب ہے جن کی خصوصی توجہ سے اس کتاب کی اشاعت ثانی عمل میں آئی۔

محمد اقبال مجددی

دارالمؤرخین۔196-بی سبزہ زار' لاہور

۲۹ رمضان ۱۴۱۹ھ/ ۱۸ جنوری ۱۹۹۹ء

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(طبع اوّل)

۱۹۶۴ء کے آغاز کی بات ہے جب پہلی مرتبہ مجھے مخدومی مولوی شمس الدین مرحوم (تاجر کتب نادرہ، لاہور) کے ذاتی کتب خانہ میں مقاماتِ مظہری کے طبع اوّل کا نسخہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ راقم اس وقت ہائی سکول کا طالب علم تھا، کتاب کی ورق گردانی سے اس کے اعلیٰ مطالب کا ادراک نہ کر سکا۔ لیکن مرحوم کے انتقال ۱۹۶۸ء تک کئی مرتبہ اسے دیکھا اور پڑھا تو اس وقت سے اس کتاب کے صاحب سوانح حضرت میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت اور ہماری معاشرتی تاریخ میں اس شخصیت کا نقش دل و دماغ پر گہرا ہوتا چلا گیا۔

یہاں تک کہ مرحوم کی صحبت کے اثر سے راقم نے سلسلہ نقشبندیہ کی تاریخ اور اس کے افکار و اثرات کا وسیع پیمانے پر جائزہ لینا شروع کیا اور اس سلسلے کے بے شمار مآخذ نظر سے گزرے تو اس کتاب کی انفرادیت و اہمیت کا اندازہ ہوا۔

۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں اس کا اُردو میں ترجمہ شروع کر دیا۔ مختلف موانع کی وجہ سے یہ کام کئی مرتبہ رُک گیا۔ طویل علالت اور پھر حواشی اور مقدمہ نے بھی بہت وقت لے لیا۔ بحمد للہ! اب کام مکمل ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

اس سلسلے میں چند اُمور کی وضاحت کرنا لازم ہے:

(۱) اس ترجمہ میں ہر ممکن فارسی متن کے مطالب کی ترجمانی کی گئی ہے۔

(۲) القاب اور دعائیہ جملوں کو بدلا نہیں گیا۔

(۳) تصوف کی اکثر اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا گیا، بلکہ آخر میں ان اصطلاحات کی ایک مختصر فرہنگ

لگا دی گئی ہے۔

(۴) حواشی کو بے جا طول نہیں دیا گیا اور نہ ہی ان حاشیوں میں بے محل اقتباسات دیئے گئے ہیں، بلکہ مطبوعہ مراجع کی فقط نشاندہی کر دی گئی ہے اور غیر مطبوعہ مآخذ کے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔

(۵) حواشی میں صرف غیر معروف شخصیات کے نہایت مختصر حالات دیئے گئے ہیں۔ مشہور اصحاب کا صرف زمانۂ حیات ہی لکھا گیا ہے۔

(٦) ترجمہ میں قوسین میں صفحات کے نمبر مقاماتِ مظہری فارسی طبع اوّل کے مطابق ہیں۔

اظہارِ تشکر

جن اصحاب نے اس کام میں علمی تعاون اور رہنمائی کی، ان کا شکریہ ادا کرنا بھی میرا فرض ہے۔ ان بزرگوں میں خانقاہ حضرت مظہر کے سجادہ نشین حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مدظلہ (دہلی) جنہوں نے نہ صرف میری درخواست پر اس ترجمہ پر ایک تقریظ لکھی بلکہ کئی مغلق مقامات کو سمجھنے میں بھی تعاون فرمایا۔

کتاب میں شامل احادیث کی تخریج کے سلسلے میں ونسنگ کے معجم سے مدد لینے کے باوجود راقم اصل متون حدیث سے تقابل کے لیے مولانا عبدالحکیم شرف قادری اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب کی خدمت میں کئی مرتبہ حاضر ہوا۔ ان حضرات نے بلاتردّد تعاون کیا۔

حضرت سید شرافت نوشاہی سے کئی اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ معروف شاعر جناب نظیر لدھیانوی سے مقاماتِ مظہری میں شامل فارسی اشعار کو سمجھنے میں بہت مدد ملی۔ جناب مرزا غلام قادر سے نہ صرف بعض توضیح طلب مقامات کی وضاحت کے سلسلے میں رجوع کیا گیا بلکہ انہوں نے حضرت شیخ اکبر ابن عربی کے اقوال کی تخریج میں خاص رہنمائی فرمائی۔ اسی طرح دوست عزیز جناب اکرام چغتائی نے اس سلسلے کے کئی یورپین مآخذ سے مطلع کیا۔ اُردو زبان و ادب کے معروف محقق جناب مشفق خواجہ کے کتب خانہ سے کئی نادر خطی تذکروں کے روٹوگراف سے استفادہ کیا۔ ڈاکٹر اختر امرتسری صاحب کے کتب خانہ سے کئی اہم کتابیں ملیں۔

مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور جناب ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے علمی تعاون اور مسلسل حوصلہ افزائی نے مہمیز کا کام کیا۔

مرکزی اُردو بورڈ کے مہتمم طباعت جناب فضل قادر فضلی کی فنی مہارت اور مثالی محنت سے یہ کتاب جدید ترین زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی اور عزیز دوست جناب محمد عالم مختار حق کی دقیق پروف ریڈنگ نے اسے بہت حد تک اغلاط سے پاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ ان معاون اصحاب کو جزائے خیر دے، آمین!

محمد اقبال مجددی

دارالمؤرخین۔ لاہور

۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

۲۱ اپریل ۱۹۸۱ء

☆☆☆☆☆

تقریظ

از

حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی، سجادہ نشین درگاہ حضرت مظہر، دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ علیٰ رسولہٖ و آلہٖ و صحبہٖ

"مقاماتِ مظہری" حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کی تالیف ہے، یہ مبارک اور مستند کتاب فارسی میں ہے۔ ایک عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس کتاب کا اُردو میں ترجمہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے اس کام کی توفیق جناب محمد اقبال صاحب مجددی کو دی۔ آپ گورنمنٹ ایم، اے، او کالج، لاہور میں تاریخ کے لیکچرار ہیں۔ آپ نے صرف ترجمہ ہی نہیں کیا ہے بلکہ مفید حواشی اور مقدمہ لکھ کر کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ کثیر دے:

جہاں میں تو کار نکوئی رہے گا
نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا

ابوالحسن زید فاروقی دہلوی
حال وارد لاہور

دوشنبہ ۳ ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ
۱۳ اکتوبر ۱۹۸۰ء

☆☆☆☆☆

مقدمہ

نوشتہ

محمد اقبال مجددی

حضرت مظہر کا سیاسی اور سماجی ماحول

حضرت مظہر جان جاناں کا عہد (۱۱۱۱۔۱۱۹۵ھ/۱۷۰۰۔۱۷۸۱ء) سیاسی اعتبار سے پاک و ہند کی تاریخ کا بڑا پرآشوب دور ہے۔ جب آپ نے ہوش سنبھالا تو وسیع و عریض مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام آچکا تھا۔

اولوالعزم مغل سلاطین اور مجاہد کبیر اورنگ زیب کی اولاد شمشیر و سناں کو فراموش کر کے لہو ولعب میں ڈوب چکی تھی۔

اورنگ زیب نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ وہ:

صلح اور خوشی سے سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں۔

بعض مؤرخین نے اسے اورنگ زیب کی غلط فہمی اور اسی بنیاد پر اسے زوال سلطنت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔
لیکن حالات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد پروفیسر نظامی کی اس رائے سے مکمل اتفاق کیے بغیرہ چارہ نہیں:

یہ وصیت حالات کے گہرے مطالعہ اور اپنے بیٹوں کی صلاحیتوں کے صحیح جائزے پر مبنی تھی۔ اس کی دور بین نگاہوں نے ان طاقتوں کو اُبھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا، جن کا استیصال ایک مرکز سے قطعاً ناممکن تھا۔ لیکن اس کے تنگ نظر اور خودغرض جانشینوں نے اس وصیت کی طرف توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو تین مرکزوں میں تقسیم ہو کر مخالف قوتوں کو دبانے میں صرف کی جا سکتی تھی، آپس میں لڑ کر ختم ہوگئی[1]

اورنگ زیب کی وفات ۱۷۰۷ء سے لے کر ۱۷۵۷ء تک کبھی مسلسل اور کبھی غیر مسلسل تخت نشینی کی جنگوں نے سیاسی نظام کو متزلزل کر دیا' اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ بادشاہوں کے ذاتی کردار نے حالات کو بد سے بدتر بنا دیا۔ جس سے ملک دشمن طاقتیں تیزی سے اُبھرنے لگیں اور اپنے استحکام کے لیے یہ باغی قوتیں ہر طرف لوٹ مار کر کے نہ صرف بے چینی میں اضافہ کرتی رہیں بلکہ عوام کو اقتصادی مسائل سے الگ نپٹنا پڑا۔

نوٹ: توضیحات وحواشی ہر باب کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

مسلم اور مسلم حکومت کی دشمن اقوام[۲] مرہٹے، جاٹ، سکھ اور انگریز ان حالات سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے رہے۔ ان کی سیاسی کارروائیوں سے حکومت کو ناقابل تلافی ضعف یقیناً پہنچا، لیکن ان کی حرکات سے عوامی زندگی جس طرح متاثر ہوئی اس کی مبالغہ کی آمیزش سے پاک تصاویر کی جھلک دیکھنا مفقود ہو تو حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مظہر کے مکتوبات کے علاوہ اس دور کے ملفوظات کا بغور مطالعہ لازم ہے۔

یہ تو ملک اور حکومت کی دشمن وہ قوتیں تھیں جن کو کبھی ماضی میں مرکزی حکومت کی طرف سے نقصان پہنچا تھا یا انہیں دبانے کی کوشش کی گئی اور اب مرکز کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر اس کا بدلہ لے رہی تھیں، لیکن خود مغل دربار میں موجود امراء جن کے آباء واجداد پر مغل سلاطین مسلسل نوازشات کی بارش کرتے رہے تھے۔ اب ان کی اولاد ہی حکومت کی جڑیں کاٹنے میں شب و روز مصروف نظر آتی تھی۔

دربار میں موجود پارٹیوں میں سے ایرانی اور تورانی جماعتیں خاص طور سے افسوسناک حد تک خود غرضی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ ایک طرف تو دربار میں ان کی گروہ بندی ہوتی تھی تو دوسری طرف یہی امراء بیرونی طاقتوں سے سازباز بھی کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے سماج اور سیاست کا ہر گوشہ ان کی شاطرانہ چالوں سے متاثر ہوتا تھا۔ جس کے مسموم اثرات محلات سے لے کر جھونپڑیوں تک محسوس ہوتے تھے۔ جادو ناتھ سرکار نے متاخر سلاطینہ مغلیہ کے دور کی تاریخ کو انہی جماعتوں کی چشمک کی تاریخ قرار دیتے ہوئے ان اُمور سے اتفاق کیا ہے[۳] مؤرخین نے سیاسی جماعتوں کے کردار اور ان کے نتائج پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں[۴] جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جماعتیں کسی بھی مخلص امیر کو پس منظر سے منظر میں نہیں آنے دیتی تھیں۔

ان حالات میں جو بیرونی حملے ہوئے ان میں نادرشاہ اور احمد شاہ درانی کے حملوں سے پیدا شدہ نتائج سے ہم نے اسی مقدمہ میں بحث کی ہے۔ ان کے اثرات سے ملکی، سیاسی اور معاشی بدحالی کے علاوہ حکومت دشمن طاقتوں کو اُبھرنے کے مواقع ملے، صوبائی خودمختاری کے رجحانات میں استحکام پیدا ہوا اور مرکزی حکومت کی بے بسی نہ صرف عوام پر ظاہر ہوگئی بلکہ درباری اور درباروں سے باہر حکومت کرنے کے عزائم رکھنے والے گروہ سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے کوشش کرنے لگے۔

چنانچہ سعادت علی خان نے اودھ، علی وردی خان نے بنگال اور نظام الملک نے دکن میں آزادانہ حکومتوں کی بنیاد ڈال دی تھی۔ پنجاب میں سکھوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ مرہٹوں کے عروج کی یہ انتہا تھی کہ انہوں نے مختلف علاقوں میں اپنے گورنر مقرر کرنا شروع کر دیئے تھے۔ ۱۷۶۰ء کو ان کا دہلی پر قبضہ ہوگیا۔ ان حالات میں حکومت کچھ بھی نہ کر سکی۔

ان حالات میں احمد شاہ درانی کے ہاتھوں پہنچنے والے نقصانات کا پورا علم ہونے کے باوجود علمائے اسلام نے اسے ہندوستان پر حملہ کر کے یہاں کے عوام کو ''کفار مرہٹوں'' سے نجات دلانے کی دعوت دی۔ جس کے نتیجے کے طور پر پانی پت کی میدان میں اڑھائی ماہ تک (کم نومبر ۱۷۶۰ء سے ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء) درانی اور مرہٹوں کے مابین مسلسل خون ریز جنگ میں مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی[۵]

اگر سلطنت مغلیہ میں تھوڑی سی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے فائدہ اُٹھا کر اپنے اقتدار کو دوبارہ قائم کر سکتی تھی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مغلیہ سلطنت اس وقت ایک بے روح جسم کی مانند تھی، جنگ پانی پت کا اصل فائدہ فاتحین جنگ پلاسی نے اُٹھایا[۶]

ان حالات میں مسلمانوں کی حالت بہت ابتر ہوگئی تھی اور ہر صوبے کے مسلم عوام نہ صرف معاشرتی بے چینی محسوس کرتے تھے بلکہ ان کو اپنا مذہب بھی خطرے میں نظر آتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ ابوسعید حسنی کو لکھتے ہیں:

> یہ حالت بھی عجیب حالت ہے۔ کافر سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں کے مسلمانوں کے شہروں پر غلبہ پا جانے، ان کے مالوں کو لوٹنے اور ان کے بے عزت و بے آبرو کرتے رہنے کی وجہ سے آرام و آسائش خواب و خیال ہوگئی۔ چنانچہ فقیر اپنے متعلقین کے ساتھ مراد آباد منتقل ہو گیا ہے، اور دوآبے کا سارا علاقہ ان مفسدوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زیر و زبر ہو رہا ہے[۷]

جس دوآبے کی تباہی کا اس خط میں ذکر کیا گیا ہے، کتب تاریخ سے ۱۷۶۴ء میں اس علاقے کے دارالحرب ہونے کا ثبوت ملتا ہے[۸]

حضرت مظہر کے خلیفہ اجل قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جنگ و جدل کے مرکز پانی پت سے مسلمانوں کے زوال سے لے کر ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء تک کے حالات کا نہایت بصیرت افروزی کے ساتھ جائزہ لیتے

ہوئے لکھتے ہیں:

کفر کے غلبہ سے دل تنگ ہے۔ ہندوستان میں مدت مدید سے اسلام ضعیف ہو گیا ہے۔ ''روافض کے تفوق''، ''آسیب سکھاں''، ''تسلط مرہٹہ''، ''کفر کی رسوم کے ظہور'' اور ''مسلمانوں کی مغلوبی'' تو بہت ہی افسوس کی بات ہے۔ (ان حالات میں) بادشاہ اسلام اور مسلمانوں کے لشکر میں جہاد اور اعلاء کلمۃ الحق کی توفیق نہیں ہے۔ چند بار احمد شاہ درانی ہندوستان میں آیا لیکن اس کا کوئی ''بندوبست'' نہ ہو سکا۔ (نتیجہ یہ ہوا کہ) لاہور اور سرہند پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ حضرات کے مزارات کو بہت نقصان پہنچا۔ سنا ہے کہ شاہ زمان جہاد کے ارادہ سے اس طرف آ رہا ہے۔ خدا کرے کہ کفار ذلیل اور اسلام کا غلبہ وعزت ظہور میں آئے[9]

حضرت مظہر حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دراصل ان شہروں پر خدا کا غضب ہے:

شہر کے لوگوں کا حال...... کہاں تک لکھوں، خدا اس شہر سے اپنا غضب اُٹھا لے کیوں کہ اُمورِ سلطنت میں کوئی نظم ونسق باقی نہیں رہا[10]

ان حالات میں راسخ العقیدہ صوفیہ نے اصلاح وتربیت کے باقاعدہ جامع پروگرام کے تحت اس مایوسی اور قنوطیت کے دور میں جو اقدام کیے، ان کا ذکر الگ ''صوفیہ کا کردار'' کے تحت کیا جا رہا ہے۔

ان حالات میں حضرت مظہر تو ایک ایک عہدہ دار امیر کے حالات سے باخبر تھے[11] اور اقتصادی بدحالی کے اس انتہائی مایوسی کے زمانہ میں بھی ان امراء کے ساتھ مالی تعاون کے خواہش مند نظر آتے تھے[12] ان سیاسی حالات سے براہِ راست[13] اثر قبول کرنے کے بعد آپ اور آپ کے مخلصین کے اصلاحی کارناموں کی تفصیلات کا اس کتاب میں مطالعہ کرتے وقت حضرت مظہر کا یہ قول پیش نظر رہے:

اللہ تعالیٰ نے مجھے عقل کامل اور اصابت رائے عطا فرمائی ہے، اُمورِ سلطنت اور انتظامِ مملکت کا تدبر اور ہر کسی کے حالات کے مطابق ہم اچھے طریقے سے اسے تعلیم دے سکتے ہیں۔ اس لیے اس وقت کے امراء مجھ سے مہمات کے سلسلے میں صلاح ومشورہ لے کر عمل کرتے ہیں[14]

بادشاہوں کی حالت

حضرت مظہر نے اورنگ زیب عالمگیر سے لے کر شاہ عالم ثانی تک گیارہ [15] بادشاہوں کا زمانہ پایا' ان سب کے حالاتِ زندگی اور سیاسی نشیب و فراز میں ان کا کردار بیان کرنا بذاتِ خود ایک ضخیم کتاب کا مقتضی ہے۔ لیکن ان میں سے بعض ایسے سلاطین جن کے عہد کے حوادث نے عوامی زندگی کو براہِ راست متاثر کیا، ان کا کردار صرف اس لیے بیان کیا جا رہا ہے کہ قارئین اس عہد میں راسخ العقیدہ علماء وصوفیہ کی معاشرتی اصلاح کی کوششوں کو بخوبی سمجھ سکیں۔

اورنگ زیب کی وفات ۱۷۰۷ء سے لے کر ۱۷۱۹ء تک بارہ سالوں میں چھ مرتبہ تخت نشینی کے لیے جنگیں ہوتی رہیں۔ اس خانہ جنگی نے جہاں سیاسی خلا پیدا کیے وہاں ناقابل تلافی اقتصادی بحران بھی پیدا کیا۔ ان مسلسل تخت نشینی کی جنگوں کے نقصانات کا کسی نے بھی ازالہ کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اورنگ زیب جیسے زاہد اور مجاہد بادشاہ کی اولاد اپنے اجداد کے عمل کے بالکل مخالف اور مستقبل کے خدشات سے بے پرواہو کر عیش کوشی اور تسہل پسندی کی زندگی گزارنے لگی۔

عیش وعشرت میں جو سرمایہ اُڑ رہا تھا وہ ان مذکورہ جنگوں کے علاوہ تھا۔ جہاندار شاہ طبعاً عیش پسند تھا۔ لال کنور نام کی ایک عورت میں اسے نہ صرف دلچسپی پیدا ہوگئی بلکہ وہ سلطنت کے معاملاتِ میں بھی دخل دینے لگی۔ اسے امتیاز محل کا خطاب دیا گیا۔ اس کے خاندان کے تمام افراد کو بھی خطابات سے نوازا گیا۔ لال کنور کے لیے دو کروڑ روپے سالانہ گھر کا خرچ مقرر ہوا، زیبائش کا سامان اس کے علاوہ تھا۔ نور جہان کی طرح لال کنور کے نام کا سکہ بھی جاری ہوا تھا۔ وہ اس بازاری عورت کی خاطر شاہی وقار بھی کھو بیٹھا تھا [16]

فرخ سیر نے ان حالات سے فائدہ اُٹھایا اور ساداتِ بارہہ کی مدد سے تخت پر قبضہ کرلیا۔ گویا اب سلطنت کا اصل اقتدار ان حلفیوں یعنی ساداتِ بارہہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے عمل دخل سے جہاں سیاست میں ناقابل حل مسائل پیدا ہوئے، وہاں سیاسی جماعتوں کی رسّہ کشی و چشمک نے مستقبل کی سیاست کو خوب اُلجھایا اور اس سیاسی ابتری سے فائدہ اُٹھا کر مرہٹے پھر میدان میں آ دھمکے جنہیں ان سلاطین کے جدِ مثالی اورنگ زیب نے کچل کر رکھ دیا تھا۔ لیکن ان حالات میں انہوں نے اتنی قوت مجتمع کر لی تھی کہ ساداتِ بارہہ کو ان سے صلح کر کے انہیں اپنا حلیف بنانا پڑا۔ فرخ سیر ان ہی ساداتِ بارہہ

کے ہاتھوں بے دردی سے قتل ہوا پھر وہ اپنی مرضی کے بادشاہ تخت نشین کرتے اور انہیں راستے سے ہٹاتے رہے۔ان کی بادشاہ گری کا یہ عمل ۱۷۱۹ء تک جاری رہا۔

محمد شاہ کے طویل عہد حکومت ۱۷ (۱۷۱۹ء ــــ ۱۷۴۸ء) میں بھی اس گرتے ہوئے نظام کو سنبھالنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ نظام الملک آصف جاہ نے جو ایک مخلص امیر تھا، حالات پر قابو پانے کی انتہائی کوشش کی لیکن بے سود۔ وہ بھی تنگ آ کر واپس دکن چلا گیا۔

محمد شاہ نے ملک کے نظم ونسق کی ساری ذمہ داریاں وزراء پر ڈال دیں اور خود عیش وعشرت میں ڈوب کر اُمورِ سلطنت سے غافل رہنے لگا۔عوام کو سلطنت کی بے بسی کا اس وقت احساس ہوا جب نادر شاہ نے نہ صرف دہلی بلکہ اس کی زد میں آنے والے تمام علاقوں کو غارت کر دیا۔

جب محمد شاہ کو نادر شاہ کے ہندوستان پر حملے کی اطلاع ملی تو اس نے نہایت بدحواسی میں زوجہ بہادر شاہ (حضرت مہر پرور) سے مشورہ طلب کیا۔حادثہ نادر شاہی کے معاصر مؤلف نے اس معمر خاتون کے جواب کو محفوظ رکھا ہے جو صحیح ترین تجزیے پر مبنی ہے، ملاحظہ ہو:

> شخصی کہ از ایام طفولیت عمر در صحبت زنان بسر بردہ باشد، از او در میدان نبرد چہ دلیری می تواند شد وصریح می دانند کہ جمیع امرایان بنا بر بے خبری وسستی عمل شما ملک پادشاہی را متصرف شدہ، خزانہ و جواہر بے شمار جمع کردہ اند و ہیچ کس تابع وحکم والانیست، شما ہمیں چہار دیواری قلعہ ارک را سلنت خود تصور فرمودہ سیر باغات وصحبت اوباش غنیمت شمردہ، از ممالک محروسہ، مطلق بے خبر ہستید [۱۸] ......

وارد تہرانی نے لکھا ہے کہ محمد شاہ اپنے ستائیس سالوں میں سوائے سیر و شکار کے دہلی سے باہر نہیں نکلا [۱۹] اورنگ زیب نے جن خلافِ شریعت شاہی رسوم کو ختم کر دیا تھا ان بے پروا بادشاہوں کے دور میں پھر شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ معاصر کتب تاریخ شاہد ہیں کہ جہاندار شاہ اور محمد شاہ، وقت معینہ پر جھروکہ میں ظاہر ہوتے تھے [۲۰] اس طرح متاخر مغل سلاطین نے شطرنج بازی کے بندوبست کے لیے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا تھا [۲۱]

محمد شاہ کا جانشین احمد شاہ بھی اس قابل نہیں تھا کہ وہ اس کانٹوں کے تخت پر امن سے بیٹھ سکتا نہ اس کی باقاعدہ تعلیم وتربیت کی گئی تھی نہ اسے سلطنت کے اُمور کا کوئی تجربہ تھا بلکہ عیش کوشی میں اس سے

ایسے افعال سرزد ہوتے تھے جو ملک کے دامن پر بدنما داغ تھے۔ اس نے مملکت کا تمام تر نظام جاوید خان خواجہ سرا کے سپرد کر دیا۔ جو جاہل مطلق، ناتجربہ کار اور خودغرض تھا۔ اس نے شہزادہ کے محل کو خوب صورت عورتوں سے بھر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محل کے ایک کوس تک عورتیں ہی عورتیں نظر آنے لگیں۔

احمد شاہ کے بعد عالمگیر ثانی تخت نشین ہوا تو وہ خرابی صحت کے باعث ملک کے معاملات کو درست نہ کر سکا۔

شاہ عالم ثانی [۲۲] آخری حکمران ہے جس کا تعلق حضرت مظہر کے زمانہ سے ہے۔ اس کا عہد بھی ویسا ہی پُر آشوب تھا جیسا پہلے تھا، بلکہ بقول میر تقی میر اس کی بادشاہی محض ایک تہمت تھی۔ وہ تعلیم یافتہ، سنجیدہ اور تجربہ کار تھا اور ان اوصاف کی وجہ سے اس سے بہتری کی اُمید تھی لیکن اس وقت ملک کے سیاسی، اقتصادی اور سماجی حالات اتنے بے قابو ہو چکے تھے کہ اسے ایک مرکزی وحدت پر لانا ممکن نہیں رہا تھا۔

فرینکلن نے جو اس کے عہد میں ہندوستان میں مقیم تھا لکھا ہے:

> شاہ عالم کا دماغ بڑھاپے کے باعث کمزور ہو چکا تھا اور اسے مسلسل ناکامی نے فہم اور ادراک سے تقریباً عاری کر دیا تھا [۲۳]

۱۷۷۵ء میں وارن ہیسٹنگز نے وطن جاتے ہوئے شاہ عالم کے متعلق لکھا تھا:

> اس کی انتہائی بے حسی اور کاہلی نے اسے اس قابل نہیں رکھا کہ وہ بڑی سے بڑی طاقت کی امداد سے بھی اپنے حالات کو درست کر سکے یا حالات کا کسی طرف رخ ہی موڑ سکے [۲۴]

بادشاہ نے حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ملک کے حالات کا خود اس طرح اعتراف کیا تھا:

> غلبۂ کفر اور رعیت کا تفرق و انتشار اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ سب کو معلوم ہے، چنانچہ مجھے تو سونا اور کھانا پینا دوبھر اور تلخ ہو گیا ہے [۲۵]

ان حالات میں شاہ ولی اللہ نے بادشاہوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا:

> اے بادشاہو! ملاء اعلیٰ کی مرضی اس زمانے میں اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تم

تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک مسلم مشرک سے بالکلیہ جدا نہ ہو جائے اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جا کر شامل نہ ہو جائیں۔ اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کی بدولت وہ آئندہ سر اُٹھا سکیں...... اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو، اور اس کے شعائر کا اعلانیہ اظہار کیا جائے...... چاہیے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعے وہ اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح کر سکے[26]

امراء کا کردار

اٹھارھویں صدی کے اعیان سلطنت کا کردار بھی سلاطین سے زیادہ مشکوک، خودغرضانہ اور ملک دشمن کارروائیوں کا مرکب تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے وزراء و امراء کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ وہ:

صبح کو ایک رائے قائم کرتے ہیں اور شام کو توڑ دیتے ہیں[27]

شاہ ولی اللہ کے ان تجرباتی بیانات کی تصدیق معاصر کتب تاریخ سے بخوبی ہوتی ہے[28] مرکزی حکومت کی دشمن طاقتوں سے ان کے تعلقات اور فرانسیسیوں اور انگریزوں سے ان کا آزادانہ نامہ و پیام ملک دشمنی کی واضح علامت تھی۔

مغل امراء میں قابلیت و سیاسی بصیرت تو بہت دور کی بات ہے، ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے محض اپنی نقالی اور لطیفہ گوئی کے فن سے شاہی دربار میں اتنا قرب حاصل کر لیا تھا کہ عمدۃ الملک امیر خان انجام نے لطیفہ گوئی کے فن سے ترقی کر کے محمد شاہ بادشاہ سے الہ آباد کی صوبیداری حاصل کی تھی[29]

مزید ستم یہ ہوتا تھا کہ دور افتادہ صوبوں میں جن گورنروں کی تقرری ہوتی تھی وہ بُعد، مسافت اور تن آسانی کے باعث وہاں خود نہیں جاتے تھے بلکہ اپنے نائبوں کو وہاں بھیج دیتے تھے جن سے نہ صرف صوبوں کی معاشی حالت خراب ہوتی بلکہ وہاں پر مرکزی حکومت کا اثر و رسوخ ہی خطرے میں رہتا تھا۔ چنانچہ نادر شاہ کے حملے سے پیشتر کابل کے ناظم ناصر خان نے بیس سال سے کابل کی سکونت ترک کر رکھی تھی اور وہاں اپنے ایک ملازم عبدالرحیم ماہی گیر کو چھوڑ کر خود پشاور رہتا تھا[30]

نادر شاہ کے ہندوستان پر حملے سے پیشتر صوبہ داروں کی جو حالت زار تھی وہ ایک معاصر مؤرخ کی زبانی ملاحظہ ہو:

مطلق گوش بر آوازہ طلب سلطانی نداشتہ بہ عذر ہای بے جا از جائے خویش حرکت جائز نمی شمارند[۳۱]

نادر شاہ کے مقابلہ پر بصد حیلہ امراء خم خانوں سے نکلے بھی تو مقابلہ تو درکنار وہ اس کی آمد کے انتظار کی صعوبت ہی برداشت نہ کر سکے' حادثہ نادر شاہی کے مؤلف نے اس مقام پر جو تصویر کشی کی ہے اس کے برجستہ الفاظ پڑھنے کے لائق ہیں:

امرایان حضور (محمد شاہ) گاہی روی جنگ ندیدہ ودند و ہمیشہ در سایہ خمخانہ خو پذیرہ و جای بند بودند و مدام در شراب خوری و بچہ بازی و حرام کاری اشتغال داشتند طاقت صعوبت و کربت و غربت و ہمت جنت و جدل در خود ندیدہ[۳۲] ......

ہمیں یہاں امراء کی عیش و عشرت کی داستانیں لکھنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دہلی مرکز علم و دانش جہاں کا ماحول نہ صرف مقامی باشندوں بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے جاذب توجہ تھا، اب اس قسم کے امراء کے باعث وہاں کی ہوا ''شہوت آمیز'' اور ''فضا باہ انگیز''[۳۳] ہو گئی تھی[۳۴]

امراء کے اس کردار کے باعث عوامی زندگی بُری طرح متاثر ہو رہی تھی یہاں تک کہ بعض امراء ''امرد پسندی'' کو بہ حیثیت فن ترقی دے کر باقاعدہ اس کی تعلیم دینے لگے تھے[۳۵]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عیش کوشی کے یہ تمام تر واقعات نادر شاہ کے حملہ ۱۷۳۹ء کے بعد تک جاری تھے[۳۶] اگر صرف امراء و سلاطین کی آرام طلبی اور عیش و نشاط پر تحقیق کی جائے تو زیر بحث زمانہ کا کوئی دقیقہ بھی اس سے خالی نظر نہیں آئے گا۔

ان حالات میں بعض بوریہ نشینوں اور خانقاہوں کے بے سر و سامان مقیموں نے اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت مظہر اور حضرت شاہ فخر دہلوی نے باقاعدہ امراء کو ان کی حرکات پر مسلسل متنبہ کیا[۳۷]

دوسری طرف انہی حضرات نے بعض محب وطن امراء سے روابط قائم کیے اور ان کا باہمی اتحاد کروانے کی سعی کی' آصف جاہ اوّل جو کہ خود غرض امراء کی حرکات سے تنگ آ کر گوشہ نشین ہو گیا تھا

اسے شاہ ولی اللہ نے دعوت دی کہ وہ مسلم دشمن طاقتوں کا مقابلہ کرے، انہوں نے نجیب الدولہ اور دیگر روہیلہ سرداروں کو احمد شاہ درانی کا حلیف بنا کر پانی پت کے میدان میں کفار کو شکست فاش دی۔ اسی طرح تورانی پارٹی کے تقریباً تمام امراء کے براہ راست، ان راسخ العقیدہ علماء و صوفیہ سے روابط تھے۔ جن کی مدد سے ملک کو زوال اور تباہی سے بچانے کے لیے ان حضرات نے سعی کی۔

نادر شاہ کا حملہ

پاک و ہند پر نادر شاہ کے حملے ۱۷۳۹ء کی تفصیلات میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے اس وقت ہم صرف چند متعلقہ اُمور سے بحث کر رہے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور اس مکتبہ فکر کے علماء نے درانی کے پیشرو حملہ آور نادر شاہ کو ہندوستان پر حملے کی دعوت کیوں نہ دی جب کہ ہندوستان کے سیاسی و سماجی حالات اس وقت بھی یکساں زوال پذیر تھے؟

نادر شاہ کے ایرانی مؤرخین کی کتابوں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو عیاں ہوتا ہے کہ "انہوں نے نادر شاہ کے حملے کے جواز تراشے تھے اور ان گنت صفحات مرہٹوں کے ظلم و ستم کی داستانوں کے لیے وقف کیے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نادر شاہ نے تحفظ اسلام کی خاطر اور کفار مرہٹوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے یہ حملہ کیا تھا"۔

لیکن نادر شاہ کے حملے کے بعد درانی کو ہندوستانی مسلمانوں کا واحد نجات دہندہ [۳۸] تصور کرنے والے شاہ ولی اللہ نے نادر شاہ کے حملے کا جو کلی نتیجہ اخذ کیا وہ ان کے ہندوستان کی سیاست سے گہری وابستگی کی واضح دلیل ہے۔ شاہ صاحب درانی کو حملہ کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ نادر شاہ کی طرح عمل ہو...... کہ وہ مسلمانوں کو زیر و زبر کر گیا اور مرہٹہ و جٹ کو سالم و غانم چھوڑ کر چلتا بنا۔ نادر شاہ کے بعد سے مخالفین قوت پکڑ گئے اور لشکر اسلام کا شیرازہ بکھر گیا اور سلطنت دہلی بچوں کا کھیل بن گیا۔ پناہ بخدا اگر قوم کفار اسی پر رہے اور مسلمان ضعیف ہو جائیں تو اسلام کا نام بھی کہیں باقی نہ رہے گا [۳۹]

گویا شاہ ولی اللہ اور آپ کے ہم خیال علماء و ارکانِ سلطنت ان تمام خدشات سے آگاہ تھے جو اس

حملے کے خطرناک نتائج کی صورت میں برآمد ہوئے تھے۔

نادر شاہ کے حملے سے ہر شعبۂ زندگی پر منفی اثرات پڑے سیاست، معیشت، مذہب اور معاشرت سب کچھ اس کی لپیٹ میں آ گیا۔

نادر شاہ کی تباہ کاریوں سے پیدا شدہ چند حوادث کا یہاں مجملاً ذکر کیا جا رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے نادر شاہ کے حملے سے پیشتر پیش گوئی کی تھی:

آباد بستیاں برباد اور تباہ ہو جائیں گی اور ایسی آفت آئے گی کہ اس کا علاج ارکانِ سلطنت نہ کر سکیں گے...... اور ایسا بھی نظر آتا ہے کہ شہر دہلی جو دارالسلطنت ہے وہ ہر جانب سے آفات کی زد میں ہے [40]

بالکل ایسا ہی ہوا جب نادر شاہ کی فوج دہلی پہنچی تو بقول سوانح نگار شاہ ولی اللہ:

(نادری) جس جان دار کو پاتے خواہ وہ انسان ہوتا یا حیوان قتل کر دیتے، یہاں تک کہ انہوں نے کتے اور بلیوں تک کو نہ چھوڑا اور شہر کے بازاروں اور مکانوں کو آگ لگا دی' قتل ہونے والوں کے پشتے پر پشتے لگ گئے' سوق سلطانی میں جو چاندنی چوک کہلاتا ہے خون کی ندیاں بہ گئیں [41]

نادر گردی کا خود ایرانی مؤرخین نے بھی اعتراف کیا ہے۔

محمد شفیع وارد تہرانی نے ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء میں نادر نامہ یا تاریخ نادر شاہی کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں اس نے نادر گردی کی تمام تر تفصیلات دے دی ہیں۔ دہلی میں قتل عام کے آغاز سے چند روز پہلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

نادر کے سپاہیوں نے محلوں اور گھروں کو لوٹنے کے بعد آگ لگا دی اور اس قدر دست درازی کی کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی محال ہے [42]

وارد نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اس حملہ میں ایک لاکھ افراد قتل ہوئے [43]

اس نادری قتل عام سے بچنے کے لیے بہت سے افراد دہلی کی جامع مسجد میں چلے گئے، لیکن نادر شاہ کے سپاہی وہاں بھی پہنچ گئے اور مرد و زن، طفل و جوان اور پیر و منحنی کی تفریق کیے بغیر انہیں تہ تیغ کر ڈالا۔ ان میں سے ایک شخص بھی زندہ نہ بچا...... جب

مسجد میں قتل ہونے والوں کی تعداد کی تحقیق کی گئی تو ان کی تعداد چھ سو بیاسی تک پہنچی [۴۴]

اس کے علاوہ مسجد میں مقیم اولیاء، علماء وفضلاء، استاذ ومرید ومرشد بھی شہید ہوئے [۴۵]

یہ تو عوامی قتل وغارت کی حالت تھی، نادر شاہ نے بعض عہدہ داروں کو بھی بے دریغ قتل کروایا جن میں سے بعض کے پیٹ چاک کیے گئے۔ بعض کو پھانسی اور بعض اوقات صرف حساب نہ لانے کے جرم میں پچیس تیس ملازمین کو بھی بیک وقت قتل کر دیا گیا [۴۶]

دہلی کے حادثہ سے قبل نادر شاہ جب لاہور پہنچا تو:

صوبہ لاہور کو خاک برابر کر ڈالا اور باشندے شہروں سے فرار ہو گئے۔ اکثر داد وفریاد کے لیے محمد شاہ کے پاس دہلی گئے [۴۷]

دہات آن (لاہور) نواحی را تاخت وتاراج نمودہ [۴۸]

محمد شاہ اور نادر شاہی افواج کے کرنال میں جنگ کے آغاز سے پہلے کا ذکر کرتے ہوئے حادثہ نادر شاہی کا معاصر مؤلف لکھتا ہے کہ جب نادری سپاہی دیہات میں گئے تو جس متنفس کو پاتے بے دریغ قتل کر ڈالتے اور پورے قصبے کی تباہی کے واقعات لکھنے کے بعد حسرت سے تحریر کیا ہے:

گویا درآنجا گاہی آبادی نبود [۴۹]

اس قتل عام کے علاوہ تقریباً چار پانچ ہزار مغلیہ سپاہی بھی مارے گئے [۵۰] جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ نادر شاہ کے اس حملے سے ہر شعبۂ زندگی متاثر ہوا، اس لیے مزید تفصیل اقتصادی بدحالی اور سماجی حالت وغیرہ کے تحت ملاحظہ کریں تاکہ حضرت مظہر [۵۱] کی معاصر شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمات اور فکر کی بلندی کا اندازہ ہو سکے۔

احمد شاہ درانی کے پاک و ہند پر حملے

درانی نے ۱۷۴۷ء سے ۱۷۶۹ء تک پاک و ہند پر نو حملے کیے اور یہ تمام تر حملے حضرت مظہر کی زندگی میں ہوئے تھے۔ ان میں سے وہ معرکے جن میں وہ پیش قدمی کرتا ہوا دہلی تک آیا تھا، حضرت مظہر ان حوادث کے عینی شاہد ہیں اور چونکہ آپ کے مخلصین ومتوسلین کثیر تعداد میں مختلف امراء کے لشکروں میں شامل وملازم تھے اس لیے دیگر جنگوں کے بارے میں ان مریدوں کے فراہم کردہ واقعات بھی جنہیں آپ نے مکاتیب میں قلم برداشتہ لکھا ہے، خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔

ان حملوں کی تفصیلات مختلف مستند کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اس لیے ہم قارئین کو اس وقت ان کی تفصیلات میں اُلجھانا نہیں چاہتے بلکہ حملوں کے دوررس نتائج میں سے بعض پر بحث کر رہے ہیں۔ عوامی زندگی کا ان حوادث سے متاثر ہونا اور علماء وصوفیۂ پاک و ہند کی درانی کے ساتھ ہمدردیوں کے حوالے سے بعض ایسے گوشوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، جن پر ہمارے مؤرخین نے ابھی تک ٹھوس دلائل کے ساتھ بحث نہیں کی ہے۔

سیاسی نقطۂ نظر سے حضرت مظہر کے بھی وہی نظریات تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے تھے۔
بعض سطحی فکر کے مالک اصحاب نے یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ:

حضرت شاہ ولی اللہ اور آپ کے مکتب فکر کے علماء نے درانی کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دے کر سخت غلطی کی ہے۔ جس سے منفی نتائج پیدا ہوئے۔

اس لایعنی اعتراض کے جواب میں سب سے پہلے ہمیں یہ واضح کرنا ہے کہ پاک و ہند پر حملوں کے آغاز سے پیشتر درانی کے فقط حضرت شاہ ولی اللہ سے ہی مراسم نہیں تھے بلکہ اس عہد کے دیگر صوفیہ سے بھی اس کے مخلصانہ روابط تھے۔

حضرت شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری (ف ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) کے ساتھ اس کی مراسلت تھی۔ حضرت شاہ فقیر اللہ کے کئی مکتوبات اس کے نام آپ کے مجموعہ مکتوبات میں موجود ہیں [۵۲] بلکہ بعض مکاتیب سے تو یہاں تک بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی جانشینی کے تنازعہ میں بھی آپ کسی شہزادہ کے طرف دار تھے۔ ان کے علاوہ حضرت میاں محمد عمر بن ابراہیم چمکنی پشاوری، حضرت حاجی محمد سعید لاہوری، میاں ثناء اللہ دہلوی، سید محمود بن سید علی شیخانی، سید نجیب کنڑی، میاں محمد عثمان، شیخ شکر اللہ ٹھٹھوی، شیخ بہلول جالندھری، میاں رحمت اللہ لاہوری، خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کشمیری (مؤلف تاریخ کشمیر اعظمی)، شیخ کمال الدین کشمیری اور صاحب زادگان سرہند میں سے حضرت خواجہ غلام محمد معصوم ثانی کے ساتھ اس کی مراسلت تھی۔ [۵۳]

جیسا کہ سرہند کی تباہی کے تحت ہم نے صاحب زادگان کی ہجرت کی تفصیلات دی ہیں، بعض واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد امجاد میں سے بعض حضرات درانی کے لشکر میں ہر وقت رہتے تھے [۵۴] قاضی ادریس جو حضرت مجدد کے نبیروں میں سے تھے، نے کئی

مرتبہ "غلبہ مرہٹہ اور غلبہ سکھاں" کے باعث جہاد کا فتویٰ دے کر درانی کی حیثیت کو مضبوط کیا تھا[۵۵]
اس لیے درانی کو ہندوستان پر حملہ کے لیے مدعو کرنے میں تنہا حضرت شاہ ولی اللہ کو ذمہ دار ٹھہرانا بھی غلطی ہے اور درانی کے ساتھ فقط شاہ ولی اللہ کی ہمدردی ظاہر کرنا بھی درست نہیں ہے جبکہ مذکورہ بالا تمام صوفیہ اس سے تعلق قائم کیے ہوئے تھے۔

سلاطین و امرائے ہند کی نااہلی اور مرہٹہ و سکھ گردی سے یہاں کی عوامی زندگی جس طرح متاثر ہوئی اور مسلم حکومت ان حالات میں جن حوادث سے گزر رہی تھی، ان کی جو تفصیلات ہم نے دی ہیں ان کی موجودگی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ نے ملک کے سیاسی حالات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد دو ایسی طاقتوں کا انتخاب کیا تھا جن کے ذریعے ان مفسد عناصر کی سرکوبی ممکن تھی یعنی احمد شاہ درانی اور نجیب الدولہ[۵۶] (روہیلے)۔

ان دونوں طاقتوں کا خلوص اور بے لوث خدمات اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہیں جب وہ ان دشمن قوتوں کو کچل کر ہندوستان کا تاج و تخت اس کے اصل وارثوں کے حوالے کرنے کے لیے بے تابانہ کوشش کرتے ہیں۔

کتب خانہ خالصہ کالج امرتسر میں درانی اور مغل سلاطین و امراء کے مراسلات کا ایک بہت بڑا مجموعہ موجود ہے۔ جس میں شاہ عالم ثانی کا ایک خط درانی کے نام بھی محفوظ ہے۔ اس خط میں جو اس نے بہار سے درانی کے نام اس کے ہندوستان پر پانچویں کامیاب حملے (۱۷۶۰ء) کے بعد ارسال کیا تھا، لکھا:

> ہندوستان کی حکومت میرے (شاہ عالم ثانی) کے حوالے کی جائے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو عماد الملک اور جاٹ کسی کو برائے نام بادشاہ بنا دیں گے اور حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو جائیں گے......اور عوام کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ نیز اس خط میں درانی کو یقین دلایا گیا تھا کہ وہ حالات کو درست کرنے میں کامیاب ہو جائے گا[۵۷]

اسی طرح اپنے چوتھے حملے (۱۷۵۷ء) کے بعد بھی اس نے اپنے حلیف امراء کے کہنے کے باوجود عالمگیر ثانی کو معزول نہیں بلکہ اسے اس کے تخت پر رہنے دیا۔

سردیسائی نے بعض معاصر مآخذ کی بنیاد پر ثابت کیا ہے کہ جنگ پانی پت میں درانی کے مقابلہ میں

مرہٹوں کی شکست فاش کے بعد درانی نے حالات کی نزاکت کا جائزہ لیتے ہوئے مغل حکومت اور مرہٹوں کے مابین صلح اور پائیدار امن کا معاہدہ کرنے کی کوشش کی تھی [۵۸] لیکن افسوس کہ خود مرہٹوں کی افتادِ طبع اور خود غرض مغل امراء کی وجہ سے یہ امن قائم نہ رہ سکا اور درانی کو کئی بار پھر ہندوستان پر حملے کرنے پڑے۔

پانی پت کے میدان میں درانی نے سب سے بڑی مسلم دشمن طاقت (مرہٹہ) کو کچل دیا تھا۔ اور اب ان کا ہندوستان میں مرہٹہ راج قائم کرنے کا خواب پریشان ہو چکا تھا اور ہندوستان کی حکومت اس وقت درانی کے رحم و کرم پر تھی لیکن اس نے نہایت خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطنت کے اصل وارث شاہ عالم ثانی کو جو ان دنوں بہار میں مقیم تھا، دہلی بلانے کی انتہائی کوشش کی، اور اس کی تخت نشینی کی تصدیق میں اس نے تمام والیان ریاست اور بنگال میں کلائیو کو شاہی فرامین کے ذریعے شاہ عالم ثانی کو بادشاہ تسلیم کرنے کی ہدایت کی۔ جب وہ دہلی نہ آیا تو اس نے اس کے بیٹے جوان بخت کو تخت نشین کر کے اس کے نام کا خطبہ اور سکہ رائج کرنے کا حکم دیا [۵۹]

درانی کے دیگر ہندوستانی حلیفوں کی بھی یہی خواہش تھی کہ ہندوستان کا تخت اس کے اصل وارثوں کے حوالہ کر دیا جائے' شاہ عالم ثانی کا ہم عصر سیاح فرینکلن، جسے نہ تو شاہ عالم ثانی سے کوئی دلچسپی تھی، نہ درانی سے اور نہ ہی نجیب الدولہ سے اس کا کوئی مفاد وابستہ تھا، اس نے نجیب الدولہ کا وہ خط نقل کیا ہے جو اس نے شاہ عالم ثانی کے نام لکھا تھا۔ اس میں اس نے شاہ عالم ثانی کے فوری دہلی پہنچنے سے جو سیاسی فوائد حاصل ہو سکتے تھے بیان کرنے کے بعد واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ:

> میری بھی یہ واحد تمنا پوری ہو جائے گی کہ مرنے سے پیشتر شہنشاہ کو اپنے عظیم بزرگوں کے تخت پر متمکن اور شاہی عظمت کو دوبارہ قائم ہوتا ہوا دیکھ لوں۔

> I shall have the singular satisfaction of feeling your majesty, before I die, seated on the throne of your illustrious ancestors and restored to imperial authority. [60]

اسی طرح منیر الدولہ جو کہ شاہ عالم ثانی کا مشیر تھا اور نام و پیام کے سلسلہ میں مرہٹوں اور پھر درانی کے پاس بھی گیا تھا، درانی کے ساتھ وہ ایک ماہ تک مقیم رہا۔ اس کی بھی دلی تمنا یہی تھی کہ شاہ عالم اپنے

تاج وتخت کو جلد از جلد سنبھال لے۔

یہ قیاس آرائی بھی بے بنیاد ہے کہ درانی، اس کے حلیف اور شاہ ولی اللہ ہندوستان میں موجود انگریزوں کے عزائم اور بڑھتے ہوئے اقتدار سے بے خبر تھے۔ گنڈا سنگھ نے معاصر دستاویزات کی روشنی میں درانی اور انگریزوں کے تعلقات پر ایک طویل ضمیمے [۶۱] میں ان تمام شواہد کو یکجا کر دیا ہے جو اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کافی ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے وینسی ٹاٹ کے ایک خط بنام درانی کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

> درانی نے انگریزوں کو بھی لکھا کہ وہ شاہ عالم کو دہلی پہنچنے کے لیے ہر قسم کی سہولت دیں...... شاہ عالم کو بہار سے بلانے کی کوشش اس لیے تھی کہ وہ انگریزوں کے اثر سے نکل آئے اور درانی کی موجودگی میں اپنی طاقت کا استحکام کرے [۶۲]

انہی بنیادوں پر حضرت شاہ ولی اللہ اور اس مکتبہ فکر کے علماء نے درانی کو ہندوستان پر حملہ کر کے اسلام دشمن طاقتوں سے ملک کو نجات دلانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ شاہ ولی اللہ ایک خط میں درانی کو لکھتے ہیں:

> اس زمانے میں ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار وشوکت ہو، اور لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو، دور اندیش اور جنگ آزما ہو، سوائے آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے۔ یقینی طور پر جناب عالی پر فرض عین ہے، ہندوستان کا قصد کرنا اور مرہٹوں کا تسلط توڑنا اور ضعفائے مسلمین کو غیر مسلموں کے پنجے سے آزاد کرنا۔ اگر غلبۂ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑا زمانہ نہ گزرے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائے گی کہ اسلام اور غیر اسلام کی تمیز نہ ہو سکے گی [۶۳]

حضرت مظہر نے براہِ راست درانی کو خطوط نہیں لکھے بلکہ آپ سے وابستہ امراء نے درانی کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی تھی۔ جیسا کہ ہم نے اسی مقدمہ میں عبدالاحد خان مجدالدولہ کے حضرت مظہر کے ساتھ روابط کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس خاکہ سے یہ سمجھ لینا دشوار نہیں ہے کہ جب چوتھے حملہ ۱۷۵۷ء کے دوران پنجاب میں داخل ہوتے ہی اسے جو تحریری دعوت نامے ملے، ان میں عبدالاحد خان

کا خط بھی موجود تھا۔ وہ حضرت مظہر اور شاہ ولی اللہ کی صحبت کے اثر سے درانی کا حلیف بنا تھا۔ اسی طرح اس موقع پر درانی کو دیگر دعوت ناموں میں انتظام الدولہ (وزیر محمد شاہی) کا بھی اسی نوعیت کا مراسلہ ملا تھا [۶۴] یہ انتظام الدولہ وہی ہے جس کے نام حضرت مظہر کے دو خطوط پائے جاتے ہیں [۶۵]

ان حلیفوں کے علاوہ بعض دیگر امراء نے بھی درانی کو ہندوستان پر حملے کرنے کے لیے علانیہ اور خفیہ خطوط بھیجے تھے لیکن ان کی اغراض سراسر دنیاوی تھیں وہ درانی سے بھرپور تعاون نہ کر سکے۔ چنانچہ:

> بادشاہ عالمگیر ثانی نے اپنے وزیر عماد الملک سے نجات حاصل کرنے کے لیے خفیہ خطوط درانی کے نام ارسال کیے تھے۔ ان میں بیگمات حرم شاہی کے بھی خطوط شامل تھے۔ اس کے علاوہ حیات اللہ شاہ نواز خاں، اور جے پور و مارواڑ کے ہندو راجاؤں مادھو سنگھ اور بجے سنگھ نے بھی درانی سے ہندوستان پر حملہ کر کے ان کے علاقوں کو مرہٹہ گردی سے بچانے کی درخواست کی تھی۔

ہاں یہ درست ہے کہ درانی اور اس کی فوج نے دیہاتوں اور شہروں کو لوٹا جس سے عوامی زندگی بھی خاصی متاثر ہوئی۔ شاہ ولی اللہ نے اسے جس خط میں ہندوستان پر حملے کی دعوت دی ہے، اسی میں اس پر یہ بھی واضح کرتے ہیں:

> خدا کی پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ نادر شاہ کی طرح عمل ہو...... کہ وہ مسلمانوں کو زیر و زبر کر گیا [۶۶]

لیکن اس کے باوجود اس کی فوج نے کئی مقامات پر غارت گری کی۔ ایک مکتوب میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ اسے کئی مقامات پر اب تک کامیابی اس لیے نہیں ہوئی ہے کہ اس نے لوٹ مار کو روا رکھا ہے [۶۷]

چونکہ حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مظہر کا تعلق براہِ راست عوامی زندگی سے تھا اس لیے دونوں حضرات کے مکتوبات میں درانی کے حملوں سے پیدا شدہ عوامی بے چینی اور اضطراب کی بڑی واضح تصاویر ملتی ہیں۔

لیکن ان حملوں کے جب مثبت نتائج خصوصاً مرہٹہ طاقت کا خاتمہ اور سکھوں کے زوال پر غور کیا جائے تو وہ اضطراب اطمینان میں بدل جاتا ہے۔

ان حالات کے بعد حکومت دشمن اور سماج کے بعض طبقات کی نقل وحرکت کی نفسیات بآسانی سمجھی جاسکتی ہیں۔ سکھوں اور مرہٹوں کی تباہ کاریوں سے پیدا شدہ نتائج ملاحظہ ہوں۔

سکھ

سکھوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن سکھوں کے مسلمانوں پر مظالم اور سکھ مسلم تعلقات کے بارے میں ابھی تک کوئی غیر جانب دار اور اعلیٰ درجہ کی تحقیقی کتاب منظر عام پر نہیں آئی۔

ابتداء میں سکھوں کے مسلمانوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ پھر جب سکھ تحریک نے مذہب کا لبادہ اُتار کر سیاسی رنگ اختیار کیا تو مسلم حکومت کے ساتھ ان کی چپقلش لازم تھی۔ اٹھارھویں صدی میں سکھ مسلم دشمنی پورے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ سکھوں کو سب سے زیادہ نقصان مسلم حکومت کی طرف سے پہنچا تھا اس لیے مسلمان ان کا براہِ راست نشانہ بنے۔

اس دور میں سکھوں کی دشمنی صرف مقتدر طبقہ تک محدود نہیں رہی تھی بلکہ عام مسلمانوں کی بھی انہوں نے مخالفت شروع کر دی۔ سکھ رہنماؤں نے حکم دیا کہ کوئی سکھ مسلمان بزرگوں کی قبروں پر نہ جائے۔ اگر جائے گا تو اس کو ۱۲۵ روپے جرمانہ کیا جائے گا[۶۸]

اورنگ زیب عالمگیر کے کمزور جانشینوں کی وجہ سے سکھوں کو اپنی طاقت بڑھانے اور فوج جمع کرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے نہ صرف مغلیہ حکومت سے جنگ شروع کی بلکہ وہ کل مسلمانوں کے خلاف ہو گئے تھے۔ اور ان کی چیرہ دستیاں اور مظالم اس حد تک پہنچ گئے کہ:

زنہائے حاملہ راشکم دریدہ وجنین راکشیدہ می کشتند[۶۹]

بندہ سنگھ کے مظالم سے سارا شمالی ہندوستان گھبرا اُٹھا۔ مسلمانوں کے دارالارشاد سرہند پر سکھوں نے مختلف حملے کیے اور کئی مرتبہ ان کا اس پر قبضہ ہوا[۷۰]

ان کے مظالم زندوں تک محدود نہ رہے، حضرت شاہ قمیص قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار خود ان کی اولاد سے جبراً کھدوایا گیا[۷۱] سہارنپور میں عورتیں، سکھوں کے ڈر سے کنوں میں ڈوب کر مر گئیں[۷۲]

نادر شاہ کے حملے سے ان کے حوصلے مزید بڑھ گئے اور مرکزی حکومت کی کمزوری کا فائدہ اُٹھا کر اُنہوں نے ۱۷۶۴ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا اور جہلم سے جمنا تک اپنا اقتدار جما لیا۔ ۱۷۶۵ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیان ان کا اٹک سے کرنال تک اور ملتان سے جموں تک قبضہ ہو گیا۔

اگر ہم اٹھارھویں صدی کے غیر تاریخی لٹریچر کا مطالعہ کریں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ سکھوں کے حملوں کی وجہ سے لوگ کس قدر پریشان، مشوش اور بدحال ہو گئے تھے۔ خصوصاً شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز دہلوی اور مرزا مظہر کی نگارشات میں ان کے مظالم اور ان کے عوامی زندگی پر گہرے اثرات کے نمایاں اشارات ملتے ہیں۔ ذیل میں ہم صرف حضرت مظہر کی تحریرات کے اقتباسات پیش کر رہے ہیں:

مولوی ثناء اللہ سنبھلی کو لکھتے ہیں:

> اس زمانے میں دل کو ایک سخت صدمہ پہنچا ہے' پچھلے مہینے کفار سکھ تھانیسر کے قلعہ پر قابض ہو گئے اور انہوں نے خوب قتل و غارت کیا' مولوی قلندر بخش [۳] جیوسلمہ ربہ مع بیوی بچوں کے لٹ کر اور جانیں بچا کر آئے' عجیب کیفیت ہوئی' **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون** ۔ بالکل ہی بے سروسامانی کی وجہ سے تھانیسر کے نواح میں مقیم ہیں اور ہم تک نہیں پہنچے' اس مصیبت کے علاوہ شرم کی بات یہ ہے کہ خصوصیت کے باوجود ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے کیوں کہ بے استطاعت ہیں' خدا اس کی تلافی کرے [۴]

ایک مکتوب میں غالباً احمد شاہ کے واپس چلے جانے کے بعد سکھوں کی شہر لاہور پر غارت و تباہی مچانے کی طرف اشارہ کیا ہے:

> مردم شہر را از آشوب کفار سکھ تشویش بسیار است' خدا تعالیٰ کفار را مقہور و مسلمین را منصور سازد [۵]

ایک مرتبہ دہلی میں سکھوں اور مرہٹوں کا آشوب اس قدر ہو گیا کہ حضرت مظہر لکھتے ہیں کہ اس مرتبہ ماہِ رمضان تنہائی میں ہی گزرے گا اور احباب کے اجتماع کی توقع نہیں ہے:

> ...... طرفی آشوب سکھاں است و طرفی ہنگامۂ مرہٹہ غالب است کہ ماہ مبارک امسال بہ تنہائی بگذرد' رضا بقضا واجب است [۶]

حضرت مظہر نے ایک سفر کا ارادہ کیا تھا کہ:

> خبر قرب سکھاں مانع شد [۷]

آپ نے پانی پت جانے کا ارادہ کیا تو ''آشوب سکھاں'' کی وجہ سے ملتوی کرنا پڑا۔

ارادۂ پانی پت درام، اگر چہ درین موقع ہم آشوب سکھاں شنیدہ می شود [۷۸]

ایک مکتوب میں میں پانی پت کی سیاسی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہاں ہمیشہ سکھوں کا ہنگامہ رہتا ہے:

در پانی پت ہمیشہ ہنگامۂ سکھاں می باشد [۷۹]

جب ضابطہ خان نے سکھوں سے معاہدہ کر لیا اور ان کی مدد سے نواح دہلی کو لوٹنا شروع کیا تو نجف خان نے اسے میرٹھ میں شکست دی اور سکھ اپنے ہی علاقہ کو لوٹنے پر مجبور ہو گئے [۸۰] حضرت مظہر اس کی خبر قاضی ثناء اللہ کو دیتے ہیں:

جنگ سکھاں با پانی پت روز پنجشنبہ و روز جمعہ برخاستہ رفتن آنہا معلوم شد...... و قصہ جنگ سکھاں مفصل معلوم شد [۸۱]

دیوان شیوناتھ [۸۲] دو ہزار افراد کی فوج کے ساتھ سکھوں پر حملہ آور ہوا تو سکھ منتشر ہو گئے:

شیوناتھ با دو ہزار کس بآن طرف دیروز رخصت شد' کفار سکھ متفرق می شوند [۸۳] ......

راؤ شیوناتھ از حضور مع فوج رفتہ، ان شاء اللہ خیر است [۸۴]

ایک موقع پر جب کہ قاضی ثناء اللہ کی والدہ، دہلی میں حضرت مظہر کے ہاں مہمان تھیں، انہیں سکھوں کی شورش کا علم ہوا تو سخت تشویش ہوئی۔ لکھتے ہیں:

از شورش کفار سکھ و آشوب جنگ با قلعہ خاطر فقیر و والدہ شما خیلی مشوش است و دعا ہا و ختمہا بہ عمل می آید' اللہ تعالیٰ تاثیر دہد و اجابت فرماید......فتنہ و فساد آن حدود در تحریر نمی آید و نیز معلوم شما است [۸۵]

پانی پت کے چودھری ایزد بخش، حضرت مظہر کے مخلصین میں سے تھے۔ اور انہوں نے پانی پت سے سکھوں کے فتنہ کو ختم کرنے میں خاصی جدوجہد کی تھی۔ ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے مولوی نعمت اللہ و محمد حسن خان کو لکھا:

چودھری ایزد بخش چودھری پانی پت از اخلاص مندان فقیر است و جہد و ہمت خود را صرف دفع فتنۂ سکھاں از بلدۂ پانی پت ہمیشہ می دارد و اعانت او بر ہمہ مسلمانان بقدر وسع لازم [۸۶]

نجیب الدولہ نے بھی سکھوں کے ساتھ کئی معرکہ آراء جنگیں کی تھیں [87] حضرت مظہر اپنے ایک مکتوب بنام ملا نسیم میں اطلاع دیتے ہیں کہ نجیب الدولہ سکھوں سے جنگ کرنے کے لیے دہلی کے قریب پہنچ گیا ہے:

دریں ایام کہ برائے تنبیہ کفار سکھ لشکر نجیب خان دہلی رسیدہ [88]

سکھوں کے مسلم عوام پر ظلم و ستم کے حقائق کو خود سکھ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے، ذیل میں ہم چند ایسے واقعات کی تلخیص اس لیے درج کر رہے ہیں تاکہ حضرت مظہر کے بیانات کی مطابقت میں آسانی ہو سکے۔

۱۷۵۷ء میں کرتار پور میں سکھوں کے قتل اور گردوارہ تھم کو جلانے کے ذمہ دار ناصر علی جالندھری کی لاش کو سکھوں نے قبر کھود کر باہر نکالا اور توہین کی [89] اسی سال ہر رات ہزار ہا سکھ لاہور کے نواحی علاقوں پر حملہ کر کے لوٹ مار کرتے پھرتے تھے لیکن کسی میں مقابلہ کی ہمت نہیں تھی، انہوں نے دوآبے کی تمام آبادی سے خراج لینا شروع کر دیا تھا [90] حدود ۱۷۶۱ء میں جب سکھ لاہور پر غالب آ گئے تو انہوں نے قرآن پاک کے ہزار ہا نسخے جلا ڈالے اور بہت بڑی تعداد میں ہمراہ لے گئے [91]

قاضی نور محمد نے جنگ نامہ میں لکھا ہے کہ ''کافر لعین سکھ'' ڈیرہ سے ملتان تک پھیل گئے تھے ۱۷۶۴ء میں اپنے ان مقبوضات میں شامل مساجد کو منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیا ہے:

که سکھائے بیدین کافر لعین
رسیدہ بہ لاہور و ملتان زمین
ز لاہور تا ڈیرہ در تاختند
بنائے مساجد برانداختند [92]

سکھوں کی اس قسم کی نقل و حرکت کی خبریں جب درانی کو افغانستان میں موصول ہوئیں تو اس نے اپنے بلوچ حلیف میر نصیر خان کو سکھوں کے خلاف جہاد میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے لکھا کہ اس وقت سکھوں کے خلاف جہاد حج سے افضل ہے [93]

افسوس کہ درانی اور اس کے حلیفوں کے سکھوں کے خلاف اس جہاد اور معرکوں سے فائدہ اُٹھانے والا کوئی حکمران ان فتوحات کے بعد آگے نہ آیا جس کے نتیجے کے طور پر انہوں نے پورے پنجاب پر

قبضہ کرلیا۔

سرہند کی تباہی

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے سرہند میں قیام کے باعث نہ صرف اس کو دائمی شہرت نصیب ہوئی بلکہ آپ کی اولاد و خلفاء کی دینی و مذہبی خدمات نے اسے اسلامی علوم کا مرکز بنا دیا تھا اس لیے بجا طور پر مسلمان اسے اسلامی ہند کا دارالارشاد کہنے لگے تھے۔

یہاں کا درس و تدریس کا سلسلہ صرف رسمی درس گاہوں جیسا نہیں تھا، بلکہ پاک و ہند کے راسخ العقیدہ مسلمان بادشاہ ملک کی مذہبی پالیسی وضع کرنے کے لیے اس دارالارشاد کی طرف رجوع کرتے تھے [۹۴]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات میں پاک و ہند میں اسلام کی زبوں حالی کا جس کرب ناک انداز میں نقشہ کھینچا گیا ہے، اس کے دیگر اسباب میں سے ایک سبب اس دارالارشاد سرہند کا جغرافیائی محل وقوع بھی ہے۔ چنانچہ نگرکوٹ (کانگڑہ) کو آپ نے دارالحرب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

> ان دونوں نگرکوٹ کے اطراف میں ''کفار دارالحرب'' نے مسلمانوں پر اور بلادِ اسلام پر کیسے کیسے مظالم اور آفتیں توڑی ہیں اور کس طرح کی اہانتیں اور اذیتیں پہنچائی ہیں، رسوا کرے اللہ پاک ان کو [۹۵]

یہی حال سرہند کے قریب ایک اور بستی تھانیسر کا تھا جو غیر اسلامی خصوصاً ہندو احیا کی تحریکوں کا مرکز تھی۔

پنجاب میں جن غیر مسلم تحریکوں نے جنم لیا ان میں سکھوں کی مذہبی و سیاسی تحریک خاص طور پر قابل ذکر ہے جس نے نہ صرف مسلمانوں کے اس دارالارشاد کو تباہ و برباد کر دیا بلکہ سارے ہندوستان پر سکھ راج کے عملی خواب بھی دیکھے۔

اس تحریک نے پہلے وحدت ادیان کے روپ میں سادہ لوح عوام کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی پھر جب اقتدار میں آئے تو جو طبقہ سب سے پہلے ان کے ظلم کا نشانہ بنا وہ مسلمان ہی تھے' ان کے قوت پکڑنے سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بے پناہ دینی و سیاسی بصیرت سے آنے والے حالات کو بھانپ لیا تھا اور جہانگیر کے ہاتھوں سکھوں کے پانچویں گرو ارجن کے قتل کو آپ نے

اپنے ایک مکتوب بنام شیخ فرید بخاری میں اسے کفار کی ''شکست عظیم'' قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

دریں وقت کشتن کافر لعین گوبند وال[96] بسیار خوب واقع شد و باعث شکست عظیم بر ہنود مردود گشت بہر نیت کہ کشتہ باشند و بہر غرض کہ ہلاک کردہ خوارے کفار خود نقد وقت اہل اسلام است ایں فقیر پیش از آنکہ ایں کافر را بکشند درخواب دیدہ بود کہ بادشاہ وقت کلہ سر شرک را شکستہ است والحق کہ آن گبر رئیس اہل شرک بود و امام اہل کفر[97]

عصر حاضر کے سکھ محققین نے اپنی جانبدار اور جذباتی تحریرات میں اعتراف کیا ہے کہ سکھوں کے خلاف حکمران طبقہ کے ذہنوں کو جو لوگ مسموم کر رہے تھے وہ سرہند کے یہی نقشبندی تھے بلکہ گرو ارجن کا قتل بھی اسی کا نتیجہ ہے، بقول ڈاکٹر گنڈا سنگھ:

The Naqshbandis of Sirhind, had been poisoning the minds of the ruling Junto in their respective spheres ever since the beginning of the seventeenth century. It was as result of their conspiracies that Guru Arjun, the fifth Guru of the Sikhs, had been tortured to death under the ordrs of Emperor Jahangir.[98]

ایک اور سکھ مؤرخ خوشونت سنگھ نے جو لقب ''مجدد الف ثانی'' کا مطلب نہیں سمجھ سکا اس واقعہ کو جذباتی رنگ میں بیان کرتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ حضرت مجدد نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا:

Mujadid Alif Sani, who claimed to be the second prophet of Islam after Mohammad, felt jeulous of Guru Arjun's influence, especially with Muslims, and wrote in strong terms to Jahangir against the Guru.[99]

حالانکہ نہ مجدد الف ثانی کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے حضرت نبی آخر الزمان ﷺ کے بعد خود کو نبی قرار دیا تھا اور نہ آپ کا یہ مکتوب گرامی براہِ راست جہانگیر کے نام ہے، بلکہ وہ تو فرید بخاری جو کہ جہانگیری امراء میں سے تھے، کے نام ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سکھوں نے اپنی اس ''شکست عظیم'' کا اصل سبب سرہند کے اس متبرک خانوادہ نقشبندیہ کو قرار دے دیا تھا، اور جونہی مسلمانانِ ہند کا سیاسی مرکز رو بہ زوال ہوا، انہوں نے دل کھول کر اس کا بدلہ لیا۔ ان کے ظلم کا نشانہ نہ صرف اہل سرہند بنے بلکہ پاک و ہند میں جہاں کہیں بھی انہیں موقع ملا، نیست و نابود کرنے کی پوری کوشش کی۔

سکھ خاص طور پر اہل سرہند سے مشتعل تھے کیوں کہ سکھ روایات کے مطابق یہی وہ شہر تھا جہاں ان کے گرو گوبند سنگھ کے دو چھوٹے لڑکوں کو قتل کیا گیا تھا۔

چنانچہ ۱۷۶۴ء میں جب سکھوں کا سرہند پر مکمل قبضہ ہو گیا تو گرو گوبند سنگھ کی پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لیے سکھ سرداروں نے گدھے منگوا کر اس سرزمین پر اپنے ہاتھ سے ہل چلایا[۱۰۰]

چنانچہ یہ اسی اثر کا نتیجہ تھا کہ یہ ان کا ایک مذہبی فریضہ بن گیا کہ ہر آنے والا سکھ سرہند کی ایک ایک اینٹ دریا میں ڈال دے[۱۰۱]

سرہند کی تباہی سے اس وقت کے مسلمانوں کے ذہنوں پر بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ چنانچہ حضرت مظہر کے مکاتیب میں اس عظیم سانحہ کا نہایت پردرد طریقے سے تواتر کے ساتھ ذکر ملتا ہے۔

گوبند سنگھ کے قتل (۱۷۰۸ء) کے بعد اس کے جانشین بندہ سنگھ نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ مسلمانوں کو بنایا[۱۰۲] اس نے ۱۷۱۰ء میں سرہند پر قبضہ کر لیا۔ انسانیت سوز ظلم کے علاوہ اس نے اپنے پاؤں سرہند سے باہر نکالنے شروع کر دیے اور اپنے مقبوضات کو ستلج تک وسیع کر لیا۔ سکھوں کی ان کارروائیوں سے مجبور ہو کر لاہور کر گورنر سید اسلم خان نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا[۱۰۳]

۱۷۱۰ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک سرہند پر سکھ دست درازی کرتے رہے ہیں[۱۰۴]

چنانچہ حضرت شیخ عبدالاحد وحدت معروف بہ شاہ گل رحمۃ اللہ علیہ نے سرہند سے محض اسی لیے ہجرت کی تھی کہ انہیں بذریعہ کشف معلوم ہو گیا تھا کہ کفار کا سرہند پر غلبہ ہونے والا ہے۔

۱۱۶۰ھ/ ۱۸۴۷ء میں احمد شاہ درانی جب پہلی مرتبہ ہندوستان پہنچا تو اس نے پشاور سے اپنے لشکر کے معززین کو سرہند شریف بھیجا۔ ان دنوں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے حضرت شاہ غلام محمد معصوم ثانی رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات تھے، آپ سے التجا کی گئی کہ آپ افغانستان تشریف لے آئیں لیکن

آپ نے اسے قبول نہ فرمایا۔

جب ۱۱۶۱ھ/ ۴۸ ۱۷ء میں درانی کا سرہند پر قبضہ ہو گیا تو آپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ درانی، عبداللہ عضدالدولہ کو سرہند کا ناظم مقرر کر کے خود افغانستان چلا گیا اور آپ کی اولاد میں سے تین صاحب زادگان حضرت غلام محمد پشاوری، حضرت عزت اللہ اور حضرت صفی اللہ معصومی رحمۃ اللہ علیہم کو احتراماً قندھار لے گیا۔ افغانستان میں اب تک حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد مبارک سے جتنے افراد ہیں وہ سب انہی تینوں حضرات کے اخلاف ہیں [۱۰۵] اس کے بعد وقتاً فوقتاً حضرات سرہند سکھوں کے غلبے کی وجہ سے سرہند سے ہجرت کرتے رہے۔ حضرت قاضی ادریس جو کہ درانی عہد میں افغانستان کے قاضی تھے اور جنھوں نے پاک و ہند پر اسلام دشمن طاقتوں کے غلبے کی وجہ سے کئی مرتبہ جہاد کا فتویٰ دیا تھا اور درانی کے لشکر کے ساتھ کئی مرتبہ ہندوستان بھی آئے تھے، اسی خانوادہ مجددیہ سے تعلق رکھتے تھے یعنی قاضی ادریس بن حضرت غلام حسین بن غلام محمد بن حضرت غلام محمد معصوم ثانی [۱۰۶]

صاحب زادگان سرہند نے بھی سکھوں کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا تھا۔ حضرت شیخ محمد جعفر بن خواجہ محمد اشرف بن خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی تو سرہند ہی میں سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے سرہند پر بندہ سنگھ کے حملے (۱۱۲۳ھ/ ۱۷۱۰ء) کے دوران شہید ہوئے تھے [۱۰۷]

اسی طرح حصرت شاہ عزت اللہ مجددی مذکور نے بھی عالمگیر ثانی کے عہد میں لودھیانہ میں سکھوں کے خلاف جو زبردست معرکہ ہوا تھا، میں شرکت کی تھی اور اپنے والد سے ''ناصر الدین'' کا لقب پایا تھا [۱۰۸]

حضرت مظہر کے مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت کی طرف سے سرہند کو سکھوں سے بچانے کے لیے جو لشکر جاتے تھے، ان میں حضرات مجددیہ بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ ملا رحیم داد روہیلہ [۱۰۹] کو مجدالدولہ نے سکھوں کی تنبیہ کے لیے بھیجا تو اس نے دس ہزار کا لشکر جمع کیا۔ بقول حضرت مظہر اس لشکر میں حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد نے کثیر تعداد میں شرکت کی:

جماعت کثیر از صاحب زادہ ہای سہرند ہمراہ او ہستند [۱۱۰]

لیکن معاصر کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہمات بھی خاطر خواہ کامیاب نہ ہو سکیں اور اہل سرہند کو سکون نصیب نہ ہوا۔ چونکہ علی محمد خان روہیلہ سرہند کا ناظم رہ چکا تھا اس لیے روہیلوں کو اس

خانوادہ سے عقیدت تھی۔ حضرت مظہر کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ بریلی میں بھی صاحب زادگان ہجرت کر کے مقیم ہو گئے تھے لیکن وہاں بھی انہیں امن کی زندگی گزارنے کا موقع نہیں ملا اور وہ غایت درجہ ''اضطرار'' میں بریلی سے نکلے اور دہلی میں حضرت مظہر کے ہاں قیام کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت مظہر نے ملکی حالات کی خرابی کے باعث اپنی کم مائیگی کا اظہار کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھا:

صاحب زادہ ہای سہرند از غایت اضطرار روزی از بریلی متفرق شدہ مع عیال باین طرف ریزش کردہ انداز فرط خجالت بے استطاعتی وکم خدمتی فرار از شہر ضرور افتادہ [۱۱۱] ......

حضرت شاہ عزت اللہ مجددی نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی کو حافظ الملک رحمت خان نے چھ ہزار روپے سفر خرچ کے لیے بھیج کر سرہند سے بریلی بلا لیا تھا [۱۱۲]

سرہند پر سکھوں کے حملے مسلسل جاری رہے۔ حضرت مظہر کو مسلمانوں کے اس دارالارشاد کی تباہی سے جو قلق ہوا، اس کا اظہار انہوں نے جا بجا فرمایا ہے۔

ایک خط میں لکھتے ہیں:

کافران سکھ خدا انہیں ذلیل کرے، کے ظلم سے متبرک شہر سرہند ویران ہو گیا ہے اور بزرگوں کے مزارات شہید ہو گئے ہیں اور صاحب زادگان شہر بہ شہر آوارہ پھر رہے ہیں۔ ایک جماعت نے اس طرف (دہلی) کا قصد کیا ہے۔ خاص طور پر حضرت میر اسد اللہ جو فقیر سے بہت محبت رکھتے ہیں تشریف لا رہے ہیں اگرچہ اس شہر (دہلی) کا حال بھی مخفی نہیں ہے [۱۱۳]

ایک اور مکتوب میں سکھوں کی شہر آشوبی کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

دریں ایام از اخبار موحش سکھاں در شہر طرفہ آشوبی است...... و در شہر حاکمی نہ، و این کافران نسبت بغاوت گران سابق موذی تر [۱۱۴]

سکھوں کی انتقامی کارروائیں صرف زندہ انسانوں تک محدود نہیں تھیں بلکہ کئی مقامات پر انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کے مزارات کو مسمار کیا بلکہ بعض مزارات کو کھود کر ان کی لاشوں کو باہر نکال کر بے حرمتی کی۔ حضرت مظہر کے ایک خلیفہ اور حضرت مجدد الف ثانی کے نبیرہ حضرت شاہ بھیکھ کے مزار

(واقع سرہند) کو کھود کر آپ کی لاش کو نکالنا چاہا لیکن ایک کرامت کے ظہور سے وہ اس پر دست درازی نہ کر سکے [۱۱۵]

قاضی نور محمد مولف جنگ نامہ، درانی کے ہمراہ اس کے ساتویں حملہ ہند کے دوران (۶۵-۱۷۶۴ء) جب سرہند پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سرہند شریف کا پورا شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ وہ کافی دیر تک گھومتا رہا لیکن انسان تو درکنار اسے بجز الو کوئی پرندہ بھی وہاں نظر نہ آیا اور آس پاس کے دیگر دیہات پر سکھ سردار قابض تھے [۱۱۶]

درانی نے یکے بعد دیگرے پنجاب پر زبردست حملے کر کے نہ صرف سرہند بلکہ پنجاب سے سکھوں کو مار بھگایا تھا لیکن افسوس کہ نہ تو حاکمانِ پنجاب میں اتنی اہلیت تھی کہ وہ اس امن سے فائدہ اُٹھا کر امن وامان بحال رکھ سکیں اور نہ سیاسی جماعتوں کے ان مرکزی اکھاڑوں سے کسی کو عوام کے امن وامان کی فکر تھی، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جونہی درانی افغانستان واپس جاتا، سکھ بڑھ کر کمزور مسلمان صوبے داروں کو کچل ڈالتے اور پھر وہی حالات ہو جاتے۔ عصرِ حاضر کے بعض سکھ مؤرخین نے بھی سکھوں کی سرہند میں تباہ کاریوں کو تسلیم کیا ہے [۱۱۷]

مرہٹے

مرہٹوں کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مظہر یکساں رائے رکھتے ہیں۔ اور ان کی نقل وحرکت سے عوام کی تباہی سے دونوں حضرات کے حساس دل انتہائی کرب کے ساتھ تڑپتے معلوم ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کی نظر میں ان کے دور میں مسلمانوں پر جتنی سختیاں آئیں وہ محض مرہٹوں کے ساتھ صلح کرنے کی وجہ سے تھیں [۱۱۸] آپ نجیب الدولہ [۱۱۹] اور دوسرے اربابِ حکومت کو متواتر خطوط کے ذریعے فتنۂ مرہٹہ کے استیصال کی ترغیب دیتے ہیں [۱۲۰]

مرہٹوں کے بارے میں حضرت مظہر کے ہاں بہت سے ایسے نکات ملتے ہیں جن سے نہ صرف شاہ ولی اللہ کے مکتوبات کے مندرجات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ اس دور کی کتب تاریخ کے مشمولات کی تشریح وتوضیح کے لیے اہم ہیں۔ ہم ان نکات کو یہاں یک جا کر رہے ہیں:

(بنام مولوی ثناء اللہ سنبھلی) کفار مرہٹوں کے ہنگاموں سے مت ڈریئے، ان شاء اللہ دوستوں کو نقصان نہیں پہنچے گا، ان مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے جتنی دفعہ سورۂ لایلاف

پڑھ سکتے ہوں پڑھیے اور کفار کے لشکر پر اسلام کی فتح کے لیے دعا اور صرف ہمت واجب ہے [۱۲۱] ......

حضرت مظہر نے متعدد مقامات پر مرہٹوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے لٹنے اور راستوں کے امن و امان کے مخدوش ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ایک مکتوب میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھتے ہیں:

چوں در حدود گنگا پار از اندیشہ افواج مرہٹہ تشویش بسیار است ارادہ پانی پت دارم [۱۲۲]

درین ایام آشوب و ہنگامہ حرکت مناسب نیست' اخبار آمدن مرہٹہ باین طرف (دہلی) برزبانہا است [۱۲۳]

حضرت مظہر نے اپنے ایک خط مکتوبہ ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء میں مرہٹوں کے ہاتھوں روہیلوں کی شکست کا سخت افسوس کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

اس علاقے پر مرہٹوں کے قبضے، قوم روہیلہ کا فرار، اور قصبات و دیہات کے تاخت و تاراج ہونے کے متعلق کیا لکھوں [۱۲۴]

۱۷۷۲ء میں مرہٹوں اور روہیلوں کے مابین کئی مرتبہ تنازعہ اور پھر صلح ہونے کا ذکر ملتا ہے [۱۲۵] اس سال کے آغاز میں ہی جنوری میں انہوں نے سہارنپور جو کہ ضابطہ خان بن نجیب الدولہ کی جاگیر تھی، پر حملہ کر دیا اور علاقہ کو خاصا نقصان پہنچایا [۱۲۶]

نادر شاہ کا معاصر مؤرخ وارد تہرانی لکھتا ہے کہ نادر شاہ کے حملے سے پہلے مرہٹہ گردی کے باعث دو تین سو سال پہلے کے آباد و شاداب علاقوں میں بہت غور و فکر کرنے کے باوجود دریائے نربدہ کے کنارے سے لے کر دارالخلافہ اکبر آباد تک تمام علاقے ''طغیان افواج مرہٹہ'' کے باعث صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں [۱۲۷]

گجرات کی آبادی اور رونق ضرب المثل تھی کہ اس کے بازاروں کو مصر کے بازاروں سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ بقول وارد تہرانی کہ آج ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء ہے لیکن یہ گجرات آج سے بیس سال پہلے مرہٹوں نے تباہ کر دیا تھا [۱۲۸]

مرہٹے چوتھ کے علاوہ جہاں کہیں جاتے تھے وہاں کے باشندوں سے خراج وصول کرتے تھے:

تا جائے کہ قدم آنہا رسیدہ، باج و خراج خویش و بر ذمہ ساکنان آن مکان مقرر

نمونه[۱۲۹] ......

یہ ''یاجوج طینت'' [۱۳۰] مرہٹے جب کسی علاقے پر حملہ کرتے تو خلافِ عہد وہاں سے تاوان لینے کے علاوہ کسانوں اور زرگروں سے دوچند اخراجات وصول کرتے تھے[۱۳۱] اور جہاں کہیں ان کے قدم پہنچتے تھے، وہاں سے ''اثر آبادی وعلامات معموری'' تک مٹ جاتی تھیں[۱۳۲]

شاہ عالم ثانی کے عہد کا سیاح پولیر جب ہندوستان آیا تو اسے کئی علاقے مرہٹوں کی وحشیانہ پیش قدمیوں کی وجہ سے تباہ شدہ حالت میں نظر آئے[۱۳۳]

مؤلف عماد السعادت کا بیان ہے کہ ''متھرا اور اکبر آباد کے مابین ایک مقام پر مرہٹوں نے مسلمان شہدا کی لاشوں کو ان کی قبروں سے کھدوا کر نکلوایا اور ان کے دانت توڑتے اور بآوازِ بلند کہتے: ''انہیں دانتوں سے انہوں نے گائے کا گوشت کھایا تھا'' [۱۳۴]

ان حالات میں سلاطین و امراء کا کردار بھی زیادہ مضبوط نہیں تھا۔ جب فرخ سیر اور سید برادران میں کشمکش ہوئی تو سید حسین علی نے دکن میں مرہٹوں کو اپنا ساتھی بنانے کی نیت سے انہیں تمام دکن سے چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا حق دے دیا۔ بادشاہ نے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو حسین علی ۱۷۱۹ء میں مرہٹوں کی فوج کے ساتھ دہلی پر حملہ آور ہوا۔ اس نوعیت کے بیسیوں واقعات کے پیش نظر حضرت شاہ ولی اللہ نے نجیب الدولہ اور احمد شاہ درانی کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔

یہ یاد رہے کہ درانی کو ہندوستان مدعو کرنے والے اس حقیقت سے آگاہ تھے:

> درانی سے جو نقصانات پہنچیں گے انہیں مرہٹوں کی مصیبت سے آسان خیال کر کے ایسا کیا گیا[۱۳۵]

یہاں اس امر کی وضاحت بھی لازم ہے کہ مرہٹہ گردی سے صرف مسلمان ہی متاثر نہیں ہوئے تھے بلکہ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی:

> سخت ناانصافی ہوگی اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ شاہ صاحب (ولی اللہ) غیر مسلم جماعتوں سے تعصب کی بنا پر یہ (اکثر بلادِ اسلام ان کے قبضہ میں آ گئے) لکھ رہے ہیں[۱۳۶]

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی جارحانہ کارروائیوں سے ہندو بھی متاثر ہوئے تھے۔ ہندوستان پر احمد

شاہ درانی کے پانچویں حملے کے دوران مرہٹہ گردی سے تنگ آ کر جے پور اور جودھ پور کے راجاؤں نے روہیلوں سے مل کر خود درانی کو ہندوستان پر نہ صرف حملہ کی دعوت دی بلکہ اسے یہاں قیام کرنے کے لیے کہا[۱۳۷]

بنگال کا مشہور شاعر گنگا رام بنگال پر مرہٹوں کے حملوں کا حال لکھتا ہے:

برگیوں (مرہٹوں) نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا...... کچھ لوگوں کے انہوں نے ہاتھ، ناک اور کان کاٹ لیے، کچھ کو مار ڈالا، خوبصورت عورتوں کو وہ رسیوں میں باندھ کر لے گئے، جب ایک بارگی زنا کر چکتا تو دوسرا کرتا۔ عورتیں چیخیں مارتی تھیں...... انہوں نے گھروں کو آگ لگا دی اور ہر طرف لوٹ مار کرتے ہوئے گھومے[۱۳۸]

بنگال کے مشہور پنڈت وینشو رودیاپتی نے ۱۷۴۴ء میں مرہٹوں کے ہنگاموں اور مظالم کا ذکر نہایت درد انگیز لہجے میں کیا ہے[۱۳۹]

ان حقائق کی موجودگی میں حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مظہر[۱۴۰] کے مرہٹہ گردی کے بارے میں عوامی جذبات کی ترجمانی بے معنی معلوم نہیں ہوتی۔

روہیلے

روہ افغانستان میں ایک بہت وسیع سلسلہ کوہستان ہے جس کے شمال میں کوہ کاشغر، جنوب میں بھکر اور بلوچستان، مشرق میں کشمیر اور مغرب میں دریائے ہلمند ہے۔ یہاں کے رہنے والوں کو روہیلہ کہتے ہیں[۱۴۱]

پاکستان و ہند کے انتہائی زوال پذیر مسلم دورِ حکومت میں اس دور کی دو اہم ترین اور حساس شخصیات یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت میرزا مظہر نے مسلم حکومت کو بچانے اور معاشرے کی فلاح کے لیے جن دو شخصیتوں کا انتخاب کیا ان میں ایک احمد شاہ درانی اور دوسرے نجیب الدولہ (روہیلے) تھے۔ انہوں نے ان دونوں طاقتوں کو آپس میں مستحکم کر کے ہندوستان کی سیاست کا رخ تبدیل کر دیا۔ جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی نے شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات میں اسے بطریق احسن بیان کر دیا ہے۔ ہم صرف روہیلوں اور حضرت مظہر کے تعلقات ہی اس وقت زیر بحث لائیں گے۔

حضرت مظہر صاحب زادہ محمد احسان کو لکھتے ہیں:

اخذ طریقہ کے لیے روہیلوں کا اتنا ہجوم ہے کہ تمام دن توجہ دینے سے فرصت نہیں ملتی۔ طاقت ختم ہوگئی ہے......اس قوم میں عجیب وغریب آثار ظاہر ہوئے' ہم نے یہ سفر بالکل ٹھیک کیا' فقیر کے پہنچنے کی خبر سن کر یہ لوگ دور دراز علاقوں سے احرام بستہ آتے ہیں' یہ لوگ آدمیت عرضی سے کم واقف ہیں اور ان کے علماء کا علم بھی فقہ کی دو کتابوں سے زیادہ نہیں ہوتا......امروہہ سے لے کر شاہجہان پور تک تمام منزلوں میں ٹولی ٹولی بنا کر ایک ایک گروہ نے قوم روہیلہ میں سے اکثر اور ہندوستانی لوگوں میں سے کمتر نے اخذ طریقہ کیا ہے اور منور و متاثر ہوئے ہیں ان میں سے ایک جماعت ساتھ آئی ہے اور کسب مقامات کے لیے میرے ساتھ دلی جانے کا ارادہ رکھتی ہے' اس علاقے کے اکثر علماء اس طریقے کی نسبت سے مشرف ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو دہلی جانے کی سکت نہیں رکھتے، میں نے اس شہر میں میر مبین خاں کو اپنی جگہ چھوڑ دیا ہے......لیکن (یہ) ایک آدمی کے بس کا کام نہیں کہ اس قافلے سے عہدہ برآ ہو سکے۔ میرا خیال ہے کہ تم (صاحب زادہ محمد احسان احمدی) کو بھی بلالوں تاکہ بعض شہر تم کو اور بعض میر مبین خان کو تفویض کروں [۱۴۲]

حضرت مظہر نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نام اپنے ایک مکتوب میں جس ''جماعت روہیلہ ہا'' کے ساتھ دہلی میں داخل ہونے کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد وہی مذکورہ جماعت ہے:

فقیر سیزدہم جمادی الاخریٰ داخل دہلی گردید و تا امروز کہ بیستم ماہ مذکور است معہ توابع مقرون عافیت است و مولوی عبدالرزاق و جماعت از روہیلہ ہا ہمراہ آمدہ اند وسلامہا رسانند [۱۴۳]

حضرت مظہر نے کچھ سامان سنبھل بھیجا تو راستے کی ڈاکا زنی کے خطرہ سے چند روہیلہ بندوقچیوں کو ہمراہ روانہ کیا [۱۴۴]

اس مقدمہ کے مختلف مقامات پر جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے ان دنوں مختلف ملک دشمن طاقتوں کے حملوں اور سیاسی ابتری کے باعث راستے غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر جانا خاصا دشوار

تھا لیکن حضرت مظہر کے ایک مکتوب بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے معلوم ہوتا ہے کہ جن علاقوں پر روہیلوں کا کنٹرول تھا وہ راستے پرامن تھے۔ اس مکتوب میں حضرت مظہر انہی راستوں سے سفر کرنے کا ارادہ ظاہر فرماتے ہیں:

> راہ امن راستہ سونی پت و پانی پت و کرانہ است از آنجا در عمل روہیلہ ہا، براہِ میراں پور و دارانگر، بمنزل مقصودمی رسم [۱۴۵]

ان روہیلہ سرداروں میں نجیب الدولہ سب سے اہم شخصیت ہے، جس کی اپنے عہد کے دو حساس ترین بزرگوں یعنی حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مظہر سے مراسلت تھی۔ ان دونوں حضرات نے مسلمانوں کے اس دورِ ابتلا میں اس شخصیت کی صلاحیتوں کو مسلم حکومت کو بچانے کے لیے اس طرح استعمال کیا کہ سلطنت مزید کچھ عرصہ کے لیے تباہی سے بچ گئی۔

نجیب الدولہ کا نام نجیب خان تھا وہ ۱۷۰۷ء میں پیدا ہوا، ۱۷۴۳ء میں آنولہ پہنچ کر نواب علی محمد خان کے یہاں ملازم ہو گیا۔ ترقی کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوا۔ جب صفدر جنگ اور مرہٹوں نے افغانوں پر حملے کیے تو نجیب الدولہ نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ حافظ الملک رحمت خان نے اس کو ایک ہزار سوار پر جملہ دار مقرر کیا' ۱۷۵۳ء میں احمد شاہ (جانشین محمد شاہ بادشاہ) اور صفدر جنگ میں چپقلش ہوئی تو نجیب الدولہ نے بادشاہ کی امداد کا تہیہ کر لیا' وہ دس ہزار روہیلوں کے ساتھ بادشاہ کے پاس گیا' عماد الملک نے شہنشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور اسے نجیب الدولہ کا خطاب ملا' اس جنگ میں اس نے اپنی مردانگی کے جوہر دکھائے۔ اب اس کی حیثیت بدل گئی تھی اور دہلی کی سیاست میں اس کا عمل دخل بڑھ گیا تھا' ۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۰ء تک وہ دہلی کی سب سے بڑی شخصیت تھی۔

جب جواہر سنگھ کی فوج نے جس میں مرہٹے، سکھ اور جاٹ تینوں شامل تھے، دہلی پر حملہ کیا تو اس نے مردانگی سے مقابلہ کیا۔ جادو ناتھ سرکار نے لکھا ہے:

> ایک مؤرخ کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس کی کس خوبی کی سب سے زیادہ تعریف کرے' میدانِ جنگ میں اس کی حیرت انگیز قیادت کی یا مشکلات میں اس کی تیز نگاہی اور صحیح رائے کی' یا اس کی اس فطری صلاحیت کی جو اس کو انتشار اور ابتری میں ایسی راہ دکھا دیتی تھی جس سے نتیجہ اس کے موافق نکل آتا تھا۔

اس کی مذہبی دلچسپیوں کا یہ عالم تھا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود، ادنیٰ پنج روپیہ واعلیٰ پانصد [۱۴۶]

نجیب الدولہ نے نجیب آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کی اساس مدرسہ رحیمیہ کے اصول و قواعد پر تھی، ولی اللّٰہی حکمت اور فلسفہ کی ترویج و اشاعت میں اس مدرسے کا خاص حصہ تھا، نجیب الدولہ حضرت شاہ ولی اللہ کے خاص معتقدین میں سے تھا، شاہ صاحب سے وہ اپنی مشکلات میں امداد واعانت اور رہنمائی کی درخواست کیا کرتا تھا۔ درانی کو ہندوستان مدعو کرنے میں شاہ صاحب کے ساتھ وہ بھی شریک تھا اور اس جنگ میں وہ مقدمۃ الجیش کا افسر تھا۔ درانی جب ہندوستان سے واپس ہوا تو اس کو ''امیرالامراء'' مقرر کیا۔ شاہ صاحب اسے ''امیرالغزاۃ، راس المجاہدین، منبع الحسنات'' وغیرہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

نجیب الدولہ نے ۳۱ اکتوبر ۱۷۷۰ء کو انتقال کیا [۱۴۷]

حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مظہر دونوں اس کے حق میں دست بدعا رہتے تھے اور اسے مہمات ملکی میں مشورے بھی دیتے رہتے تھے۔

اسی سلسلے کا یہ واقعہ کہ ایک مرتبہ ایک سپاہیانہ وضع عزیز حضرت مظہر کی خدمت میں آیا۔ آپ نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا: اجمیر سے۔ اس وقت مجھے اس کام پر مامور کر کے بھیجا گیا ہے کہ نجیب خان کی نگہبانی کے لیے آپ اپنے اصحاب کو سورۂ اخلاص کا ورد کرنے کا حکم دیں، پس آپ کے اصحاب نے سورہ اخلاص کا ورد کیا اور نجیب خان کفار کے شر سے محفوظ رہا [۱۴۸]

شاہ ولی اللہ نے کئی خطوط میں نجیب الدولہ کو لکھا ہے:

نصرت مسلمین کے لیے دعا کی جا رہی ہے، سروش غیبی سے آثار قبول محسوس ہوتے ہیں [۱۴۹]

دو مکاتیب میں شاہ صاحب نے اسے مسلمانوں کی فتح و نصرت کے بارے میں اپنے مکاشفات سے بھی آگاہ کیا ہے [۱۵۰]

حضرت مظہر نہ صرف اس کے لیے دعا و اعانت کرتے تھے بلکہ اس کی نقل و حرکت کی بھی اپنے متوسلین کو برابر اطلاع دیتے رہتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

بامیر کلو صاحب ومحبّ اللہ خان صاحب (پسر دوندے خان) احوال خود گفتہ بودم و برای روزگار اطفال بہ خانہ نجیب الدولہ بہادر نیز گفتہ بودم کہ مرا اینہا ہمیشہ خفہ می کنند[۱۵۱]

ایک اور مکتوب میں روہیلہ سرداروں کی نقل وحرکت کی اطلاع اس طرح دی ہے:

فیض اللہ خان دیروز کہ ہفتم بود داخل شدہ و حافظ (رحمت خان) بہ بریلی رسیدہ امروز خبر گرم بود کہ فردا شاید او ہم داخل شود و نجیب خان در سنبھل افتادہ است، می گویند کہ تا پانزدہم تمام خواہد شد چون سرداران ہم درین جا جمع شد[۱۵۲]

امروز کہ روز شنبہ و ہژدہم شہر حال است، نجیب الدولہ بہادر کو چیدہ رفت فردا۔ کوچ حافظ رحمت خان نیز شہرت دارد۔

یہ روانگی بقیاس ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان آنولہ سے کسی سمت ہوئی تھی[۱۵۳]

حضرت مظہر کے نجیب الدولہ کے علاوہ دیگر روہیلہ سرداروں دوندے خاں[۱۵۴] اور حافظ الملک حافظ رحمت خان[۱۵۵] سے بھی مراسم تھے۔ آپ کے کئی مکاتیب میں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے ان سرداروں پر آپ کے اثرات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نواب ارشاد خان اپنے ایک خط میں حضرت مظہر کو اطلاع دیتے ہیں:

علاوہ ازیں خبر کوچ دوندے خان بتاریخ ہفدہم است بطرف گھاٹ سہسوان باید دید[۱۵۶]
...... قبلہ من! ازین واضح تر ارشاد شود...... کہ دوندے خان شرے نہ رساند و توجہ فرمایند کہ اسباب مساعدت کند[۱۵۷]

نواب دوندے خان کے ہمشیرزادے محمد خان، حضرت مظہر سے بیعت تھے۔ حضرت مظہر کے تین مکاتیب بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی میں ان کی خصوصی عقیدت کا حال ملتا ہے۔ لکھا ہے کہ ان دنوں دوندے خان کے ہمشیرزادے محمد خان بسولی سے کسب مقامات کے لیے آئے ہوئے ہیں[۱۵۸] حضرت مظہر کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنی بیوی کو ان کی نگرانی میں دہلی سے سنبھل روانہ کیا[۱۵۹]

نیز محمد خان مذکور کے دو عریضے بنام حضرت مظہر خانقاہ نور محل اوچ دیرہ میں محفوظ ہیں، جنہیں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے لوائح خانقاہ مظہریہ میں شامل کر لیا ہے[۱۶۰] پہلے عریضے میں ہے کہ اگر بدایوں تشریف لائیں تو غریب خانہ راہ میں ہے، ایک روز قیام فرمائیں۔ دوسرے مکتوب میں دوندے

خاں کی انتہائی عقیدت کا ذکر ہے:

معروض می دارد کہ از نواب صاحب قبلہ کہ در بسولی تشریف آوردہ بودند، خبر صحت و سلامت ذات عالی استماع یافتہ بود، ہزار سجدہ شکر بدرگاہ واہب حقیقی بجا آوردہ آنچہ از تمنائے شرف ملازمت ومہجوری قدم بوس می گزرد [161]

نیز سیاسی طور پر سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں کے خلاف روہیلوں نے جو اقدام کیے ان کا ذکر مناسب موقع پر آئے گا، یہاں ہم روہیلوں کے اس منفی پہلو کا ذکر بھی کر دیں جس کی وجہ سے اس دور کی دونوں شخصیتیں یعنی حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مظہر بہت متاثر ہوئیں۔

روہیلوں کا منفی پہلو

درانی اور روہیلہ کی افواج جب کسی علاقہ میں لوٹ مار کرتی تھیں تو وہاں کے باشندے تباہ حال ہو جاتے تھے۔ جب یہ خبریں دہلی پہنچتیں تو یہ دونوں بزرگ اپنے خطوط کے ذریعے انہیں تنبیہ کرتے رہتے تھے۔ یہ تنبیہ نجیب الدولہ کی زندگی تک تو مؤثر رہی لیکن اس کی وفات ۱۷۷۰ء کے بعد انہوں نے جو تباہی مچائی وہ کسی طرح دشمن طاقتوں سے کم نہیں تھی۔ تاہم ان دونوں بزرگوں نے انہیں تنبیہ کرنے کی انتہائی کوشش کی۔

حضرت شاہ ولی اللہ، نجیب الدولہ کو لکھتے ہیں:

ایک بات اور کہنی ہے وہ یہ کہ جب افواج شاہیہ کا گزر دہلی میں واقع ہوا تو اس وقت اہتمام کلی کرنا چاہیے کہ دہلی سابق کی طرح ظلم سے پامال نہ ہو جائے۔ دہلی والے کئی مرتبہ اپنے مالوں کی لوٹ اور اپنی عزت کی توہین اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں، اسی وجہ سے کارہائے مطلوبہ کے حصول میں تاخیر ہو رہی ہے' آخر مظلوموں کی آہ بھی تو اثر رکھتی ہے...... اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ کاربستہ جاری ہو جائے تو پوری پوری تاکید کرنی چاہیے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں، ہرگز تعارض نہ کرے [162]

ایک اور مکتوب میں سخت تنبیہ کی ہے:

مسلمانانِ ہندوستان نے خواہ وہ دہلی کے ہوں خواہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ کے...... کئی

صدمات دیکھے ہیں، اور چند بار لوٹ مار کا شکار ہوئے ہیں۔ ''چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے'' رحم کا مقام ہے، خدا کا اور اس کے رسول (ﷺ) کا واسطہ دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کے مال کے درپے نہ ہوں[۱۶۳]

حضرت مظہر کے مکاتیب میں بھی روہیلوں کی تباہ کاری کے اشارات پائے جاتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں:

از مطالعہ احوال تباہ عزیزان این جا عدم قدرت بر تدارک وتلون مزاج روہیلہ ہا کہ اصلاً محل اعتماد نیستند[۱۶۴]

حضرت مظہر کی بیوی کی کچھ جائداد (زمین مزروعہ) تھی، فصل تیار ہو چکی تو اچانک روہیلوں کی فوج نے اسے پامال کر دیا، اس خط میں غالباً اسی طرح اشارہ کرتے ہیں:

بعد از انتظار دو ماہ، از ابتدای خریف گزشتہ بدست آمد' ناگاہ فوج روہیلہ ہا بر آن محال تاخت آورد۔ نہ خریف ماند نہ ربیع[۱۶۵]

جب حضرت مظہر کو ان کی مسلسل تباہ کاریوں کی اطلاعات ملتیں تو آپ پریشان ہو جاتے۔ ایک خط میں نہایت دکھ سے لکھا ہے:

صاحب من! (قاضی ثناء اللہ) روہیلہ ہا آدم نیستند اگر چہ ابنای حضرت آدم اند، علیہ السلام ومزاج فقیر بآنکہ معلوم شماست اصلاً رعایت نمی کند[۱۶۶]

یہ اشارہ بھی نجیب الدولہ کی وفات کے بعد کا معلوم ہوتا ہے:

از غایت تشویش سکھاں وروہیلہ ہا فرصت دستخط نمی شود[۱۶۷]

شاہ عالم ثانی نے مرہٹوں سے مل کر جب ضابطہ خان بن نجیب الدولہ پر حملہ کیا تو اس جنگ میں روہیلوں کی شکست پر حضرت مظہر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

غضب الٰہی روہیلہ ہارا بآن کثرت وشوکت بے جنگ و جدل ذلیل ساخت، مرہٹہ ہا باہمہ عداوت قدیم مروت با این قوم کردند۔ مستورات و اطفال سرداران را بحرمت نگاہ داشتند ودیگر مردم را یراق وپوشاک رخصت کردند ونقود ودواب ضبط نمودند' حکم بادشاہ ہم درمیان است امابضعف[۱۶۸]

اس کا پس منظر یہ ہے کہ نجیب الدولہ کی وفات (۱۷۷۰ء) کے بعد اس کا لڑکا نواب ضابطہ خان شاہ عالم ثانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور روایتی نذرانہ پیش کرنے سے انکار کر دیا اور باغیانہ رویہ اختیار کیا' اس لیے شاہ عالم نے مرہٹوں کی مدد سے جنوری ۱۷۷۲ء میں اس پر حملہ کر دیا اور اسے شکست دی۔ حضرت مظہر نے ''بے جنگ و جدل'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ جنگ بالکل نہیں ہوئی۔ حالانکہ بقول فرینکلن ''خونی جنگ'' ہوئی۔ روہیلے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ضابطہ خان کا پورا خاندان مرہٹوں کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد شاہ عالم کے حکم سے تمام افراد کو باعزت طور پر ضابطہ خان کے قلعہ غوث گڑھ پہنچا دیا گیا [۱۶۹]

حضرت مظہر کے ایک ارادت مند محمد حسن خان زادہ نے روہیلوں کی ایذا رسانی کی حضرت مظہر سے شکایت کی ہے:

روہیلہ ہا مردمان را ایذا رسانند، این ہمہ رویداد پیش نواب صاحب عرض نمود و نواب صاحب مذکور بطرف شیخ قاسم [۱۷۰] بطریقہ قدغن نوشتہ است [۱۷۱]

نجیب الدولہ کی عقیدت

یوں تو نجیب الدولہ کو علماء و مشائخ سے بہت عقیدت تھی لیکن اسے اپنے دو معاصرین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت میرزا مظہر جان جاناں سے خاص عقیدت تھی' حضرت مظہر لکھتے ہیں:

نواب درین ایام بافقیر بسیار حسن ظن بہم رسانیدہ [۱۷۲]

اس نے آرزو کی کہ آپ میرے علاقے میں مستقل قیام فرمائیں:

(نواب) آرزوی آن دارد کہ در ملک او اقامت نمایم و درین باب خطہا نوشتہ و در سنبھل نیز رو برو گفتہ بود [۱۷۳]

اس نے حضرت مظہر کے لیے چالیس روپے ماہوار وظیفہ تجویز کیا:

نجیب الدولہ......چہل روپیہ برائے فقیر تجویز شدہ بود [۱۷۴]

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مظہر نے یہ وظیفہ قبول نہیں کیا۔

نجیب الدولہ اور حضرت مظہر کے مریدین

حضرت میرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مرید مختلف امراء کے ہاں ملازم تھے۔ اس طرح ان کی معاشی خوش حالی کے علاوہ ان مریدین کے ذریعے حضرت مظہر سیاست اور معاشرت کو آلودگی سے پاک کرنے کے مشن کو پورا کر رہے تھے۔ ذیل میں چند مثالیں دی جا رہی ہیں:

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے دور کے مقتدر عالم اور حضرت مظہر کے سب سے مشہور خلیفہ تھے' ان کے بارے میں بعض لوگوں نے نجیب الدولہ سے شکایات کیں تو حضرت مظہر نے قاضی صاحب کو لکھا:

> نوشتہ بودم کہ اگر از مردم پانی پت کسی در لشکر نواب نجیب الدولہ اظہار شکایت مولوی صاحب نماید باید کہ او را دخل ندہند و حرف او نشوند و ازین معنی نواب را نیز آگاہ سازند...... و برحیم خان خان زادہ نیز نوشتم کہ نواب افضل خان [۱۷۵] را از کمالات مولوی (ثناء اللہ پانی پتی) آگاہ ساختہ رخنہ فریاد مردم پانی پت بستہ دارد...... و ملاقات افضل (خان) بکنند و ملاقات نجیب الدولہ ہم بکنند [۱۷۶] ......

ایک اور عقیدت مند میر محمد مبین خان جن کا ذکر خلفاء حضرت مظہر کے باب میں آیا ہے، کے والد سید حشمت خان بہادر شہسوار جنگ [۱۷۷] سے بھی حضرت مظہر کے مراسم تھے۔ میر محمد مبین خان بھی نجیب الدولہ سے ملے تھے اور وہ ملاقات ''عجب فوز عظیم'' کا درجہ رکھتی تھی۔ انہوں نے اس کی اطلاع خود حضرت مظہر کو ان الفاظ میں دی ہے:

> امروز کہ ہژدہم و روز شنبہ است، نجیب خان کوچ کردہ...... درین ہنگامہ نعمت ملاقات نواب صاحب زاد اللہ دولتہ و برکاتہ، عجب فوز عظیم بدست آمدہ [۱۷۸] ......

حضرت مظہر، نجیب الدولہ سے اپنے مریدین کی نوکری کے لیے سفارش بھی کیا کرتے تھے، اسی طرح دیگر اُمور کے علاوہ اس امر کی نشاندہی بآسانی ہو جاتی ہے کہ ان امراء کے لشکروں میں حضرت مظہر کے متوسلین حضرت مظہر کی نمائندگی کر رہے تھے۔

میاں پیر علی جو کہ زوجہ حضرت مظہر کا متبنیٰ تھا، کی نوکری کے لیے حضرت مظہر نے نجیب الدولہ سے سفارش کی تھی:

برائے میاں پیر علی بخدمت نواب نجیب الدولہ بہادر در مقدمات نوکری نوشتہ بودیم [179]......

ایک اور مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیر علی واقعی نوکری حاصل کر کے لشکر کے ساتھ چلا گیا تھا۔ لکھتے ہیں:

از روز یکہ شاہ علی بہ لشکر رفتہ است بخانہ نرفتہ ام [180]

مولوی محمد یونس مرحوم کا بیٹا بھی نجیب الدولہ سے متوسل تھا اس کا یومیہ بند ہو گیا تو حضرت مظہر کی خدمت میں اس کی بحالی کے لیے حاضر ہوا۔ لیکن ان دنوں نجیب الدولہ نہ صرف بیمار تھا بلکہ معاشی طور پر بدحال بھی تھا' لکھتے ہیں:

چوں نجیب الدولہ بیمار است و مربی ہم قوی نبود، کار صورت نگرفت' بنای چاری مراجعت بوطن کردند [181]

لیکن ان حالات میں بھی حضرت مظہر نے اس کی سفارش کرنے سے گریز نہیں کیا [182]

۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء میں نجیب الدولہ استسقا کے مرض میں مبتلا تھا جب کہ مرہٹوں نے رام چندر گنیش کی سرکردگی میں جنگ پانی پت کا انتقام لینے کے لیے جرار لشکر بھیجا تو نجیب الدولہ بیمار ہونے کے باوجود کرنال سے نکل کھڑا ہوا اور جنگ کا رخ اودھ کی طرف موڑ دیا [183] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء میں لکھا گیا۔

نجیب الدولہ کے حضرت مظہر کے مریدوں سے اس قدر اچھے مراسم تھے کہ وہ براہِ راست اس سے نوکری کے لیے ایک دوسرے کی سفارشات کیا کرتے تھے۔ لوائح خانقاہ مظہریہ میں شامل ''مکاتیب مابین متوسلین حضرت مظہر'' میں دو رقعات [184] اسی نوعیت کے ہیں۔ دوسرے مکتوب میں ایک مرید نے شاہ نور اللہ کی سفارش کی ہے [185]

نواب ارشاد خان جو کہ حضرت میرزا مظہر کے خلیفہ، حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد اور امین الدین خان بہادر سنبھلی مخاطب بہ امین الدولہ کے صاحب زادے تھے اور اعتضاد الدولہ خطاب پایا تھا [186] حضرت مظہر نے نجیب الدولہ سے ان کی موافقت کروانے کے سلسلے میں اہم اقدامات کیے تھے۔ تنگیٔ معاش سے گھبرا کر انہوں نے ایک خط حضرت مظہر کو لکھا تھا جس کے یہ الفاظ اسی طرف اشارہ

کرتے ہیں:

امید وارم کہ تنقیح مقدمات مفصل دریافتہ ارشاد شود چہ از برآمدن خانہ و چہ از موافقت نجیب الدولہ [187]

پھر آنولہ میں نجیب الدولہ اور نواب ارشاد خان کی ملاقات ہو جاتی ہے:

صبح روز یک شنبہ...... در آنولہ رسید...... دیروز صبح اوّل وقت نماز سحر گرفتہ سوار شدہ رفتم، در حواس باختگی ملاقات کردم و رخصت گرفتم، لیکن با دوندے خان بہادر کہ بعد انتظار دولت ملاقات (میسر) شد [188]

نواب ارشاد خان کے فرزند ظفر علی خان، حضرت مظہر کو بہت عزیز تھے [189] ان کے روزگار کے سلسلے میں حضرت مظہر نے نواب دوندے خان اور نجیب الدولہ دونوں سے پرزور سفارش کی تھی [190]

افضل الدولہ

افضل خان افضل الدولہ، نجیب الدولہ کا بھائی تھا [191] جب سکھوں نے پانی پت پر حملے کیے تو اسے ان کی تنبیہ کے لیے مقرر کیا گیا، پانی پت کا بندوبست بھی اسی کے سپرد تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایک خط میں حضرت مظہر کو لکھتے ہیں:

کار پانی پت وغیرہ اکثر بالفعل بہ افضل الدولہ متعلق گشتہ لہٰذا غلام ہم ارادہ ملاقات افضل الدولہ دارد [192]

بعض حاسدین نے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی نجیب الدولہ اور افضل الدولہ سے شکایت کی۔ قاضی صاحب کے ایک خط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ افضل الدولہ کے لشکر کا پیش امام اور کئی رسالدار حضرت مظہر کے متوسلین میں سے تھے:

چون در لشکر افضل الدولہ کسے آشنای غلام نیست لہٰذا بجناب عالی معروض می دارد، چوں پیش امام افضل الدولہ در جناب عالی داخل طریق است و بعضے رسالہ داران ہم بندگی دارند امیدوار است کہ شقہ خاص بنام پیش امام و آشنایان از رسالداران مرحمت شود کہ ثناء اللہ بما توسل دارد، در امور مرجوعہ او امداد و اعانت لازم [193]

حضرت مظہر نے اس سلسلے میں سفارشی رقعے، خانزادہ رحیم خان اور خانزادہ محمد حسن کے نام

ارسال کرنے کی اطلاع قاضی صاحب کو دی ہے، کہ اگر نجیب الدولہ کے لشکر میں کوئی مولوی ثناء اللہ کی شکایت کرے تو اس پر کان نہ دھرے جائیں[۱۹۴]

ملا رحیم داد اور حضرت مظہر

ملا رحیم داد خان ایک باہمت روہیلہ سردار تھا' پولیر نے بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ ایک بااصول، وعدہ کا پابند، مذہبی اور متشرع انسان تھا[۱۹۵] ابتداء میں وہ نجف خان کا ملازم تھا، اس کی جرأت اور حب الوطنی نے اس کے بہت سے دشمن پیدا کر دیئے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ چونکہ وہ لالچی تھا اس لیے نجف خان کی ملازمت ترک کر کے کبھی جاٹوں سے مل جاتا اور کبھی عبدالاحد خان سے[۱۹۶] لیکن ہمارے پیش نظر حضرت مظہر کے مکاتیب کے جو مجموعے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرت مظہر کے مشورے سے ملک دشمن ایرانی پارٹی جس کا سربراہ نجف خان تھا کو چھوڑ کو تورانی پارٹی کے لیڈر اور حضرت مظہر کے مکتوب الیہ عبدالاحد خان سے منسلک ہو گیا تھا۔

اگرچہ نجف خان کی بدولت اسے دربار دہلی سے بہت کچھ مل گیا[۱۹۷] سونی پت اور پانی پت کے علاوہ اس سے متصل دو اور پرگنے دے کر اسے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا گیا[۱۹۸] خوشونت سنگھ نے بغیر کسی حوالہ کے لکھا ہے کہ وہ پانی پت کا صوبے دار تھا[۱۹۹] تاریخ پٹیالہ کے ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہانسی کا بھی حاکم تھا[۲۰۰] لیکن بہت جلد اس نے جاٹوں، سکھوں اور نجف خان کے مقبوضات پر قبضہ کر کے اپنی حدود کو اتنی وسعت دی کہ اس کی کارروائیاں بقول پولیر "عبدالاحد خان سے بھی دو ہاتھ بڑھ گئیں"[۲۰۱] اور یہ کہنا مشکل تھا کہ اس کے قدم کہاں ٹھہریں گے۔ اگر قسمت ساتھ دیتی تو وہ نجف خان کے لیے ایک ایسا دشمن ثابت ہوتا جو اس نے کبھی نہ دیکھا ہوتا[۲۰۲]

اتفاق ایسا ہوا کہ وہ علاقہ جیند فتح کرنے کے بعد ۱۷۷۸ء میں واپس آ رہا تھا کہ سکھوں نے اس پر حملہ کر دیا وہ اور اس کے ساتھی بالکل بے خبر تھے۔ ملا رحیم داد زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا[۲۰۳]

حضرت مظہر کو اس قابل اور مخلص مسلم جرنیل کی شہادت پر بہت افسوس ہوا تھا۔ آپ کے مکتوبات سے چند اقتباسات کے ذریعے اس وقت کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

ایک مکتوب میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جاٹوں سے شکست کھانے کے بعد ملا رحیم داد میرے پاس آیا ہے۔ اس نے دس ہزار[۲۰۴] کا لشکر جمع کر کے سرہند کو

سکھوں سے بچانے کا عزم کر لیا ہے:

ملا رحیم داد از دست قوم جاٹ ہزیمت خوردہ این جا رسید و مجد الدولہ (عبد الاحد خان) محالات پانی پت وسونی پت و کرنال وغیرہ در وجہ جائیداد او دادہ و بتوقع تنبیہ کفار سکھ و تصرف بر سہرند، با دہ ہزار سوار و پیادہ، این مرد را چاکر گرفت، واین مرد با فقیر معرفتی داشت اما حالا نماند کہ بدانستم بوطن رفت۔ وہیچ از مخصوصان فقیر با او ہمراہ نیست۔ و جماعت کثیر از صاحبزادہ ہای سہرند ہمراہ او ہستند [۲۰۵]

حضرت مظہر کے ایک مکتوب سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ پانی پت کا ناظم بننے کے بعد حضرت مظہر کی ہدایت پر قاضی پانی پت حضرت ثناء اللہ سے بھی ملتا رہتا تھا۔ حضرت مظہر تجسس کے ساتھ اس صحبت کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں:

از صحبت خود با ملا رحیم داد بنویسند [۲۰۶]

ایک اور مکتوب میں ہے کہ جب ملا رحیم داد پانی پت سے بعض معاملات کے لیے دہلی آیا تو حضرت مظہر سے ملاقات کے دوران ملا نسیم کی خیریت اور پیغام پہنچایا:

ملا رحیم داد برائے ملاقات فقیر آمدہ بود خبر خیریت شما رسانید و گفت کہ آدم از وطن آمدہ و خط بنام فقیر آوردہ، ظاہراً آن خط گم شد [۲۰۷] ......

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مظہر کے خلیفہ ملا نسیم (ساکن و مدفون ریاست دیر) بھی ملا رحیم داد سے تعلق رکھتے تھے یا اس کے لشکر میں شامل تھے [۲۰۸]

حضرت مظہر نے اپنے سابقہ مکتوب میں قاضی صاحب کو لکھا تھا جو لشکر اس وقت سرہند کو سکھوں سے آزاد کرانے کے لیے ملا رحیم داد کی سرکردگی میں جا رہا ہے، اس میں میرے متعلقین میں سے کوئی بھی نہیں ہے، لیکن بعد میں یہ کمی بھی پوری ہوگئی اور آپ کے بہت سے مخلصین اس مجاہد کے لشکروں میں شامل ہوگئے۔ بعض اشارات ملاحظہ ہوں:

معلوم شد کہ ایشان (برخوردار عبد الاحد) مع میر صاحب و ہرسہ برخورداران بہ لشکر ملا رحیم داد رفتہ اند۔ خدا این حرکت را مبارک کند [۲۰۹]

قاضی صاحب کو ایک اور مکتوب میں اطلاع دیتے ہیں:

بنائے چارہ برائے تدبیر معاشش با دو کس از یاران طریقہ حافظ محبوب علی و عزیز خان روہیلہ روانہ لشکر ملا رحیم داد شدہ اند [۲۱۰]

حضرت مظہر کے ایک خلیفہ حضرت محمد احسان بھی ملا رحیم داد کے لشکر میں شامل تھے۔

قاضی صاحب کو ہی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

میاں محمد احسان صاحب از یک ہفتہ، مع خط فقیر بنام شما، روانہ لشکر رحیم داد شدہ اند [۲۱۱]

صاحب مقامات مظہری خود صاحبزادہ محمد احسان کی زبانی لکھتے ہیں:

ملا رحیم داد کے لشکر کی کفار سے شکست کے وقت میں بھی اس لشکر میں موجود تھا [۲۱۲]

سابقہ اوراق میں ملا رحیم داد کے سکھوں کے ہاتھوں شہید ہونے کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ حضرت مظہر کو اس سانحہ کا بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ ایک خط میں اس خبر وحشت اثر کا تذکرہ کرتے ہوئے جس طرح اطلاع دی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لالہ ہر پرشاد بن کیول رام بھی اس لشکر میں شامل تھا:

از دیروز خبر متوحش شہادت ملا رحیم داد و تباہی لشکر اسلام مشہور است بعض پیر زادہ ہا و میاں محمد احسان جیو و لالہ ہر پرشاد جیو را خدا حافظ باد [۲۱۳] ...... و سانحہ ملا رحیم داد فتنہ عظیم است [۲۱۴]

قتل ملا رحیم داد و شکست لشکر اسلام از دست کفار و آمدن تھانہ کفار در پانی پت اندیشہ اتلاف محصولات و ملک نگلہ ہمہ معلوم شد [۲۱۵]

...... قتل رحیم داد من وجہ جائے افسوس است و من وجہ مقام شکر، سر آن گفتہ خواہد شد [۲۱۶]

مجد الدولہ

عبد الاحد خان مخاطب بہ مجد الدولہ کشمیری، نواب عبد المجید خان مجد الدولہ کشمیری کا بیٹا تھا۔ عبد المجید خان، احمد شاہ بادشاہ دہلی کا بخشی سوم تھا ۱۱۶۵ھ/۵۲-۱۷ء میں فوت ہوا۔ عبد الاحد خان کے ابتدائی حالات معلوم نہیں ہیں ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۱ء میں وہ شاہ عالم کے پاس مرہٹوں کا وکیل بن کر فرخ آباد پہنچا، بہت چالاک تھا ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء میں حسام الدولہ معزول ہوا تو اسے نیابت وزارت ملی۔ اور سابقہ خطاب مجد الدولہ پر ''عمدۃ الامراء فرزند خان'' کے خطاب کا اضافہ ہوا۔

دربار شاہی میں مجد الدولہ کا زبردست حریف صرف مرزا نجف خان تھا اس نے ابتداءً حسام الدولہ

کو زیر کرنے کے لیے اس کا ساتھ دیا تھا، مگر آخر میں دونوں ایک دوسرے کے بدخواہ بن گئے۔ اس نے نجف خان کو نیچا دکھانے کے لیے روہیلوں اور مرہٹوں کو ساتھ ملایا۔ سازش کا جب انکشاف ہوا تو نجف خان نے مجدالدولہ کو بادشاہ کی اجازت سے گرفتار کر لیا اور مجدالدولہ سے ذاتی اغراض کے حصول کے لیے افراسیاب خان نے اس کی رہائی کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب ہو گیا۔ اسے ۱۱۹۶ء۔۱۷۸۲ء میں ''دیوانی خالصہ شریفہ'' کا عہدہ اور خلعت ملا لیکن بہت جلد افراسیاب خان سے بھی اس کے تعلقات خراب ہو گئے اور اس نے ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۴ء میں اس کا مال اسباب ضبط کر کے علی گڑھ کے قلعہ میں قید کر دیا' افراسیاب خان کے قتل کے بعد اسے پھر رہائی ملی۔ لیکن افراسیاب خان کے خسر شجاع دل خان نے اسے بادشاہ سے کسی قسم کی رعایت نہ ملنے دی۔ اس کے بعد مجدالدولہ کا نام تاریخ کے اوراق سے گم ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ۱۷۸۸ء میں اس کے انتقال کی خبر ملتی ہے [۲۱۷]

حضرت شاہ ولی اللہ کے ساتھ اس کے تعلقات تھے۔ شاہ صاحب کے ان باپ بیٹا دونوں کے نام خطوط ملتے ہیں [۲۱۸] جن میں شاہ صاحب انہیں مسلم دشمن طاقتوں کے استیصال کی دعوت دیتے ہیں۔

چونکہ حضرت مظہر نجف خان سے کبیدہ خاطر تھے اس لیے اس کے مقابلے میں مجدالدولہ کو بہت پسند فرماتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دربار شاہی میں باریابی سے بہت پہلے حضرت مظہر سے مجدالدولہ کے اچھے تعلقات تھے۔

لیکن ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء میں جب اسے بادشاہ کے مزاج میں خاصا رسوخ حاصل ہو گیا اور اسے دوسرا خطاب ''عمدۃ الامراء فرزند خان'' ملا تو اس کے مزاج میں تغیر آ گیا، اس موقع پر آپ نے اپنے مخلص ترین خلیفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے لیے بھی اس سے سفارش کرنا پسند نہ فرمائی، لکھتے ہیں:

> بجانب مجدالدولہ کہ بعد ترقی ایشان سلامی و رقعہ از ایشان بہ فقیر نرسیدہ و تغیر مزاج ایشان در عروج مراتب دولت مشہور است، نوشتین مناسب وضع فقیر نیست اگر مجد الدولہ اخلاص دارد و حرکتی از طرف او واقع می شود البتہ مرقوم خواہد شد [۲۱۹]

نواب قاسم علی خان (ناظم بنگال) جس کے حضرت مظہر سے مراسم تھے [۲۲۰] کے بارے میں حضرت مظہر نے اطلاع دی ہے کہ مجدالدولہ اس کی بادشاہ کے حضور میں حاضری اور ملازمت کے سلسلے میں مانع ہے [۲۲۱]

حضرت مظہر کی سودائی بیوی مردم محل کی کچھ مزروعہ جائیداد تھی جسے روہیلوں کی فوج نے پامال کر دیا تھا' اس جائیداد کی خاطر حضرت مظہر کو اپنی قدیم وضع یعنی توکل کے خلاف مجدالدولہ کی مدد لینا پڑی، ایک خط میں قاضی صاحب کو لکھتے ہیں:

امروز تا فردا پروانہ دیہ پیش عبدالاحد خان (مجد الدولہ) روانہ می کنم، خلاف رسم قدیم، یعنی قاعدہ توکل سازگار یا مانشد[۲۲۲]

ایک اور مکتوب میں اہم ترین سیاسی اطلاعات ملتی ہیں' ملاحظہ ہو:

درمیانۂ پادشاہ و نجف خان و عبدالاحد خان، بعد عہد و پیمان، مراجعت بدہلی قرار یافت و ضابطہ خان، بعد عفو تقصیرات و عطایای زیادہ بر حوصلہ او، معہ نجف قلی خان برائے تنبیہ سکھاں مقرر شد و پس از ملامت راجائے جے پور کہ تقبل دہ لک روپیہ پیش کش کردہ، ہفدہم این ماہ کوچ لشکر باین طرف می شود[۲۲۳]

اس خط میں مذکور اشارات کی تفصیل یہ ہے کہ جے پور کے راجہ مادھو سنگھ کے انتقال پر اس کا نوعمر بیٹا پرتاب سنگھ گدی پر بیٹھا۔ اس نے اپنے سرپرستوں کے کہنے سے شاہ عالم ثانی کو روایتی پیشکش نہیں بھیجی' بادشاہ نے مجد الدولہ کے مشورہ سے اس کی ریاست پر چڑھائی کی' فوج کی کمان مجدالدولہ کے سپرد ہوئی' مجدالدولہ کے مشوروں میں شروع سے عناد کا جذبہ کام کر رہا تھا وہ بادشاہ کو نجف خان سے دور رکھنا چاہتا تھا، لیکن نجف خان نے بھانپ لیا' ادھر پرتاب سنگھ کے وزیروں نے بھی سپر ڈال دی۔ نجف خان کے پہنچنے پر بادشاہ نے یہ طے کیا کہ دونوں وزیر مل کر خراج کی رقم مقرر کریں' نجف خان نے سکھوں سے صلح کر کے ضابطہ خان کو جو سکھوں کا ساتھی اور ہمدرد ہو گیا تھا اور بادشاہ عالم شاہ ثانی کا دشمن تھا، سلطنت کا حامی بنا لیا۔ بادشاہ نے معاف کر دیا تو نجف خان نے اسے سکھوں کی سرکوبی کے لیے آمادہ کیا' پولیر نے لکھا ہے کہ پیش کش کی رقم آٹھ لاکھ اور فرینکلن نے پانچ لاکھ اور سرکار کی تحقیق کے مطابق دو لاکھ تھی[۲۲۴]

۱۷۷۹ء میں سکھوں نے اچانک شورش برپا کر دی اور مغل بادشاہ کی حدود میں داخل ہو کر لوٹ مار کرنے لگے اور کرنال تک پہنچ گئے' اس شورش کو دبانے کے لیے مجد الدولہ کی کمان میں فوج بھیجی گئی، لیکن وہ اس مہم میں ناکام رہا سکھوں نے اس کو فریب دیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فریب کھانے میں خود

مجدالدولہ کا ہاتھ تھا۔ بادشاہ نے فوراً نجف خان کو طلب کیا لیکن اس کے آنے سے پہلے ہی مجدالدولہ دہلی پہنچ چکا تھا' اس نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا شاہ عالم نے اس کی صفائی کو بظاہر تسلیم کر لیا لیکن قرائن بتاتے ہیں کہ مجدالدولہ کو سزا ضرور ملی' حضرت مظہر نے مجدالدولہ کی گرفتاری سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کی پوری تائید تاریخ کی کتابوں سے ہوتی ہے۔ فراقی نے اس کی گرفتاری کی تاریخ کا قطعہ لکھا تھا [۲۲۵]

حضرت مظہر نے مذکورہ واقعات کے اشارے اپنے ایک اہم مکتوب بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی میں کیے ہیں [۲۲۶]

لیکن نجف خان کے مقابلے میں مجدالدولہ کی عوام میں زیادہ مقبولیت تھی۔ حضرت مظہر میاں محمد قاسم کو لکھتے ہیں:

جس دن سے نجف خان آیا ہے، اس شہر میں فقیر سے لے کر بادشاہ تک ہر شخص کی حالت خراب ہے ہر خاص و عام کی زبان پر مجدالدولہ کی رہائی کا ذکر ہے [۲۲۷]

مجدالدولہ کے بھائی ابوالقاسم خان کے ساتھ بھی حضرت مظہر کے اچھے تعلقات تھے۔ کئی خطوط میں اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے۔

اعظم الدولہ ابوالقاسم خان اگرچہ دونوں ٹانگوں سے معذور تھا لیکن اپنی انتظامی صلاحیت، سیاسی تدبر اور جرأت و دلیری کے لیے ممتاز تھا۔ ضابطہ خان نے اس کے خلاف سرکشی کی تو اس نے جنگ کرنے کے لیے مجدالدولہ کو بھیجا۔ وہ ۱۱ مارچ ۱۷۷۶ء کو نہایت دلیری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

حضرت مظہر نے اپنے ایک متوسل غلام مرتضیٰ کے بارے میں اسے لکھا تھا کہ اسے اپنے ہاں ملازمت دے دے [۲۲۸]

ایک اور خط میں اس کی بے چارگی و بے کاری کا ذکر کیا ہے؟

ابوالقاسم خان بے چارہ در قصبہ میرٹھ بیکار افتادہ [۲۲۹]

مندرجہ بالا سطور میں اس کے ضابطہ خان روہیلہ کے ہاتھوں مارے جانے کا ذکر کیا گیا ہے جب حضرت مظہر تک اس کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے اس موت کو شہادت کا درجہ دیا:

سانحہ شہادت نواب ابوالقاسم خان مرحوم کہ دل را داغ کردہ است روز پنجشنبہ بیست و

سوم محرم واقع شد و داد مردانگی داد خداش بیامرزاد [۲۳۰] ...... والم مرگ ناگہانی نواب ابوالقاسم خان از دل نمی رود [۲۳۱]

عماد الملک

میر شہاب الدین عماد الملک بن امیر الامراء غازی الدین فیروز جنگ بن آصف جاہ اوّل۔ پہلے میر بخشی مقرر ہوا، خدمات کے صلے میں عماد الملک کا خطاب ملا۔ صفدر جنگ اور مرہٹوں نے مل کر جب دہلی پر حملہ کیا تو چھ ماہ کی مسلسل لڑائی کے بعد صفدر جنگ کو شکست ہوئی' اس کے بعد وزیر انتظام الدولہ (۱۷۵۳-۱۷۵۴ء) کے ساتھ اس کے حصول اقتدار کے لیے سخت کوشش اور کامیابی کے بعد عماد الملک نے اپنے بچاؤ کے لیے مغل بادشاہ احمد شاہ کو گرفتار کر کے اندھا کروا دیا، عالمگیر ثانی کو تخت پر بٹھا کر پنجاب کی طرف متوجہ ہوا' مغلانی بیگم زوجہ معین الملک وہاں کی گورنر تھی' اس نے اسے گرفتار کر لیا اور آدینہ بیگ کو یہاں کا گورنر بنا دیا۔ جس کے نتیجے کے طور پر درانی نے حملہ کر کے عماد الملک کو گرفتار کر لیا۔ اور اس کے معافی مانگنے پر اسے رہا کر دیا۔ درانی نے بادشاہ کے کہنے پر نجیب الدولہ کو امیر الامراء کا عہدہ دے دیا، عماد الملک اسے برداشت نہ کر سکا۔ اور ایک مرتبہ پھر سیاست کو اُلجھا دیا۔ ۱۷۵۹ء میں عالم گیر ثانی اور انتظام الدولہ کو قتل کر دیا گیا۔ جب درانی نے یہ خبر سنی تو پھر دہلی کا رخ کیا۔ اب عماد الملک سورج مل جاٹ کے قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا۔ اس کے بعد وہ سیاست سے کنارہ کش ہو کر حج کو چلا گیا وہاں سے کالپی آیا جہاں اس کا ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء میں انتقال ہوا۔ اس کی نعش وہاں سے پاک پٹن لا کر دفن کی گئی [۲۳۲]

سیاسی جوڑ توڑ کے علاوہ اس کی زندگی کا دوسرا پہلو خاصا قابل ستائش ہے۔ وہ حضرت شاہ ولی اللہ کا معتقد اور مکتوب الیہ [۲۳۳] حضرت مظہر کے اس کے نام چار خطوط [۲۳۴] حضرت شاہ فخر جہاں دہلوی سے گہری عقیدت اور ان کے حالات پر اس کی مایۂ ناز تصنیف مناقب فخریہ [۲۳۵] اور دیگر علماء و مشائخ کے ساتھ اس کی مسلسل صحبت و عقیدت اور عربی، فارسی، ترکی، کشمیری، افغانی (پشتو) اور مرہٹی زبانوں میں اس کی مہارت مسلمہ تھی' وہ صاحب دیوان شاعر بھی تھا اور نظام تخلص کرتا تھا۔ مدت تک ایک فقیر شمس الدین کو ہمراہ رکھا [۲۳۶]

اس وقت ہم اس کے حضرت مظہر سے تعلقات کا ذکر کر رہے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی اُمور میں اُلجھنے سے پیشتر اس کے حضرت مظہر سے خاصے اچھے تعلقات تھے' آپ نے اسد یار خان کی معافی کے سلسلے میں اسے خط لکھا اور سفارش کے لیے بنیاد بنائی:

آپ کی دوستی نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا ہے جو اس کے بارے میں دو چار حرف لکھے ہیں [۲۳۷]

ان کے علاوہ میر مبین خان اور مرزا محمد علی بیگ کی بھی سفارش کی گئی تھی' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مظہر کے کئی معتقدین عماد الملک سے منسلک تھے۔ آپ ایک خط میں اسے لکھتے ہیں:

آپ کو چاہیے کہ ہمارے مخصوص لوگوں کے ساتھ امر معاش اور زبانی التفات دونوں میں خاص توجہ رکھیں' یہ فقیر کی خوشنودی کا باعث ہے' درویشوں کی رضامندی دین اور دنیا کی ترقی کا باعث ہوتی ہے [۲۳۸]

عماد الملک سیاسی اُمور میں لوگوں کا مشورہ قبول کرنے میں عجلت سے کام لیتا تھا' ایک خط میں اسے یہ بصیرت افروز نصیحت فرمائی ہے:

جانتا ہوں کہ تمام شعور اور فراست کے باوجود آپ کو خود غرض لوگوں کے مشورے قبول کرنے کی عادت پڑ گئی ہے......

نہ صرف عماد الملک بلکہ اس کا والد نواب غازی الدین خان فیروز جنگ (م۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء) بھی حضرت مظہر کا مرید تھا۔ اس کا معمول تھا کہ جب کبھی وہ نئی عمارت بنوانے یا باغ لگوانے کا ارادہ کرتا تو پہلے حضرت مظہر کی دعوت و ضیافت کرتا، اور تقریب سے تین دن پہلے مسلسل تین روز روزہ رکھتا اور تھوڑی سی آش سے افطار کرتا۔ دعوت سے ایک دن پہلے بادشاہ سے عرض کرتا کہ کل مجھے ایک ضروری کام ہے اس لیے میں حاضر ہونے سے معذور رہوں گا۔ ملازموں سے کہتا کہ کل میرے پاس کوئی نہ آئے۔ جب حضرت مظہر کے لیے سواری بھیجتا تو اس وقت سے دروازے پر کھڑا آپ کا انتظار کرتا۔ کھانے پینے کا اہتمام محل خاص (اہلیہ) کے ذمے ہوتا' وہ بھی حضرت مظہر سے بیعت تھی' نواب فیروز جنگ کہا کرتا تھا کہ یہ سب میں اس لیے کرتا ہوں کہ حضرت مظہر کا مزاج ہماری بشری ظلمت و کدورت کی وجہ سے متغیر نہ ہو وہ حضرت کو محل خاص میں لے جا کر خدمت و ضیافت کرتا اور جو کچھ کہنا ہوتا کہتا [۲۳۹]

ایک بار حضرت مظہر رخصت ہونے لگے تو نواب فیروز جنگ نے آپ کے جوتے سیدھے کرنا چاہے لیکن ان کے لڑکے عماد الملک نے دوڑ کر جوتے سیدھے کر دیئے' نواب نے اس پر خفگی کا اظہار کیا۔[۲۴۰]

محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں ایک عقیدت مند رئیس کے اپنے ہاتھ سے پانی پینے اور آب خورہ ٹیڑھا رکھنے کے جس واقعے کا ذکر کیا ہے وہ نواب عماد الملک کے ساتھ پیش آیا تھا۔ پورا واقعہ مولوی نعیم اللہ نے بیان کیا ہے کہ:

> نواب عماد الملک اپنی وزارت کے زمانے میں ایک دن حضرت مظہر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے حاضرین مجلس میں سے ایک شخص سے پانی مانگا۔ آپ نے فرمایا: میزبان میں ہوں..... ناچار اس نے خود اُٹھ کر پانی پیا اور عرض کیا کہ ارشاد ہو تو دو ہوشیار خادم خانقاہ کے صوفیہ کے لیے مقرر کر دیے جائیں..... حضرت مظہر نے کہا: سبحان اللہ! آپ ہندوستان کے وزیر ہیں اور اس کے باوجود آپ نے آبخورہ صراحی پر ٹیڑھا رکھا کہ اسے دیکھ کر ہمارا دماغ پریشان ہو رہا ہے پھر آپ کے خادموں سے ہم فقیروں کی کیا خدمت ہو سکے گی[۲۴۱]

ایک دن عماد الملک جب عالمگیر ثانی کے ساتھ اس کے اچھے تعلقات تھے، عالمگیر ثانی کو حضرت مظہر کی خدمت میں لے آیا بعد میں شہزادے آئے' انہوں نے حضرت کو مجرا عرض کیا' حضرت نے فرمایا: ان لوگوں کا کوئی اتالیق ہے یا نہیں؟ مجرا صرف بادشاہ کو عرض کیا جاتا ہے۔ فقیروں اور عالموں کے لیے سلام علیک بس ہے[۲۴۲]

لیکن اس انتہائی عقیدت کے باوجود حضرت مظہر اس کے تحائف قبول نہیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ سخت سردی کے موسم میں جب نواب فیروز جنگ مذکور نے آپ کے کندھے پر پرانی چادر دیکھی تو آنکھیں بھر آئیں اور اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ ہماری کس قدر بدبختی ہے کہ جب ہماری آپ سے ارادت مسلمہ ہے تو پھر بھی آپ ہمارا ہدیہ نیاز قبول نہیں کرتے[۲۴۳] نصیحت کے طور پر کہا:

> معلوم ہوا کہ آپ کے اقران و امثال یعنی دوسرے سلاطین (قلعہ کے شہزادے) اپنے رشتہ داروں کے ذریعے امر معہود یعنی امر خلافت میں آپ سے خط و کتابت کر رہے ہیں اور مصلحت کی وجہ

سے ہرایک کی بات قبول کر لیتے ہیں [۲۴۴] اسی خط میں نہایت وثوق سے فرماتے ہیں:

فقیر بیگانگی کے باوجود ایک ایک (امیر) کے حال سے باخبر ہے [۲۴۵]

دوسرے خط میں لکھا ہے:

......شہر کے حال سے لے کر محل کی خبروں تک فقیر سے کچھ نہیں چھپا اور جو کچھ حقیقت ہے فقیر تک پہنچ جاتی ہے [۲۴۶]

حضرت مظہر کے ایک معتقد غلام عسکری خان جن کا حال اس کتاب کے باب خلفاء میں مفصل درج ہے، وہ بھی عماد الملک سے متوسل تھے اور اس کے مزاج میں خاصا رسوخ پیدا کر لیا تھا' حضرت مظہر نے غلام عسکری خان کو جو خطوط لکھے ہیں، ان کے مطالعہ سے نہ صرف عماد الملک کو قدم قدم پر نصائح اور سیاسی اُمور میں مشورہ کا علم ہوتا ہے بلکہ آپ کی سیاسی بصیرت اور زمانہ کے نشیب و فراز کے مشاہدہ کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عماد الملک نے آپ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے مشروط ملاقات قبول کر لی' یہ وہ زمانہ تھا جب عماد الملک سورج مل جاٹ کے قلعوں میں پناہ لیے ہوئے تھا، لکھا ہے:

فقیر، نواب عماد الملک کی آرزو سے بہت شرمندہ ہے......لیکن شرط (ملاقات) یہ ہے کہ فقیر جاٹ (سورج مل) کے قلعوں میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ فقیر پانی (جمنا) کے کنارے تک نواب کی کوئی خاطر مدارات قبول نہیں کرے گا' خواہ وہ راضی ہوں یا نہیں اگر تم (عسکری خان) سے ہو سکے تو نواب کو ان شرائط پر راضی کر کے اطلاع دو، تاکہ ہمارا وہاں جانا بے کار نہ ہو، بعض آثار سے ملاقات کی توقع بہت کم ہے [۲۴۷]

عماد الملک کو ایک خط میں اپنے مفید مشورے دیے ہیں، غلام عسکری خان کو لکھتے ہیں:

......نواب سے کہیے سنا ہے کہ راجا سے کدورت دور ہوگئی ہے اگر واقعی ایسا ہو گیا ہے تو اسے غنیمت سمجھیں اور اس ہندو سے کام لیں کہ اس زمانے میں کوئی اس سے بہتر نظر نہیں آتا اور پھر اسے آزردہ نہ کریں (اور) جھوٹ بولنے والے دریدہ دہن خود غرض لوگوں سے کام خراب نہ کریں......اور چاہیے ایسی تدبیر کریں کہ لوگوں کو ان کے قول اور

فعل پر اعتماد پیدا ہو جائے [248]

ایک مبہم اور غیر واضح اشارہ سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت مظہر کی بیوی مردم محل کو عماد الملک نے کوئی باغ دیا تھا:

حالانکہ از اندرون می خواہند بر آن باغ کہ بنام صاحبزادی از عماد الملک گرفتہ بودم، نیز تصرف نمایند۔ درین ایام حرص بر مزاج ایشان (مردم محل) مستولی شدہ [249]

عماد الملک کی حرص اور لالچ جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو حضرت مظہر کی اس کے بارے میں آراء تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہیں، ان میں سے ہم صرف چند مثالوں پر اکتفاء کریں گے۔

عماد الملک جب شکست کھا کر روہیلہ سرداروں کے پاس جاتا ہے تو وہ اسے پناہ نہیں دیتے:

عماد الملک زندہ بہ فرخ آباد آمد و سرداران روہیلہ برفاقت تن نداوند [250]

جب مرہٹوں کے ہاں اسے امان ملی تو حضرت مظہر نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو اس کی اطلاع دی تھی:

عماد الملک بجانب اجمیر بگفتہ سرداران مرہٹہ رفت، اما در کاما متوقف است میرود برای او مرہٹہ ہا وجہی قرار دادہ و جای بودن نیز [251]

معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حرص سے بھرپور سیاست کے باعث حضرت مظہر اس سے مایوس ہو گئے تھے، لکھتے ہیں:

اگر چہ زیادہ امکان اس کا ہے کہ ملک پر قبضہ ہونے کے بعد ہماری اور نواب کی ملاقات نہیں ہو گی کیوں کہ ہم دونوں کے مزاج میں مناسبت نہیں رہی ہے لیکن ان کی کامیابی ہی ہمارا مقصود ہے بشرطیکہ ان کا وجود خلائق کے لیے فائدہ مند ہو [252]

لیکن اس کے رویے میں تبدیلی نہیں ہوئی اور برابر پہلے تو اپنے متوسلین کے روزگار کم کرتا رہا پھر ایک وقت میں بالکل بند کر دیے، خود غلام عسکری خان کے روزینہ میں پہلے تخفیف ہوئی [253] پھر اسے بند کر دیا، حضرت مظہر اسے لکھتے ہیں:

تمہارا خط پہنچا، مضامین وحشت آئین سے جو مجھ پر گزرنی تھی گزری چونکہ ہم غرض نفسانی نہیں رکھتے ...... نواب نے جو بے اعتنائی تمہارے ساتھ کی وہ گویا فقیر کے ساتھ

کی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو آگ لگا دوں ...... اگر نواب کی آزردگی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ تمہارا روزینہ بھی بند کردے تو پھر تمہارا اس جگہ رہنا عبادت ہے [۲۵۴]

ایک خط میں اس کی بدمعاملگی کا صاف الفاظ میں ذکر ہے:

بدمعاملگی کی وجہ سے کسی کو نواب پر اعتماد نہیں رہا اور دوسرے یہ کہ لوگ کیوں نواب کی طرف آئیں، وہ اپنے اغراض کو مقدم رکھتا ہے [۲۵۵]

جب عماد الملک مکروہ قسم کی سیاست میں خود کو اُلجھا لیتا ہے تو حضرت مظہر سے نہ صرف مراسلت بند کر دیتا ہے بلکہ وہ مشورہ لینا بھی پسند نہیں کرتا، فرماتے ہیں:

ہر چند میں نے کئی بار اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نواب جو کچھ کرنا چاہے مجھے بتا دے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، ورنہ میں ایسی بنیاد رکھتا کہ لوگ دیکھتے رہ جاتے۔ مشکل یہ ہے کہ نواب کو تمام مشورہ دینے والے لالچی اور خود غرض ہیں۔ اکثر نیچ قوم سے ہیں اور جو شریفوں میں سے ہیں وہ منافق ہیں، اس تمام جھگڑے کی جڑ آقا کی بے اعتمادی ہے کیوں کہ نہ تو اس کی نیکی سے یقین کی حد تک اُمید ہے اور نہ اس کے شر سے کوئی خوف، ہم ظلم کی فریاد کہاں تک کریں چونکہ تم آشنا اور آشنا زادے ہو اس لیے یہ دل سوزی کی ورنہ مجھے دنیا اور اہل دنیا سے کیا کام، شہر کے درویش بھی نواب سے خوش نہیں ہیں [۲۵۶]

حضرت مظہر کے دیگر امراء سے تعلقات

حضرت مظہر کے فعال اور مقتدر قسم کے امراء سے تعلقات تھے۔ نجیب الدولہ، مجد الدولہ اور عماد الملک وغیرہ کے ساتھ روابط کی تفصیل ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔ اب یہاں دیگر امراء کے ساتھ آپ کے تعلقات کی نوعیت بیان کی جا رہی ہے۔

نواب نظام الملک آصف جاہ آپ کا بہت معتقد تھا وہ ایک مرتبہ تیس ہزار روپے بطور نذر لایا، آپ نے قبول نہیں کیے تو اس نے کہا کہ آپ اسے حاجت مندوں میں تقسیم کر دیں، آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا خانساماں نہیں ہوں تم یہاں سے تقسیم کرنا شروع کرو اور اپنے گھر تک تقسیم کرتے چلے جاؤ، اس طرح ختم ہو جائیں گے [۲۵۷]

یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ آپ کے اربابِ حکومت سے محض قبول و رد ہدایا تک ہی تعلقات تھے بلکہ دنیاوی اُمور میں یہ اربابِ حکومت آپ سے مشورہ بھی لیتے تھے' سید حشمت خان بہادر شہسوار جنگ کو لکھتے ہیں کہ اگر تم ان اربابِ حکومت کی باتوں کی تائید کرو تو اس کا ثواب جہاد کے برابر ہوگا [۲۵۸]

میر نظام الدین خان خانان انتظام الدولہ کے نام حضرت مظہر کے دو خطوط ملتے ہیں یہ وزیر قمرالدین کا بڑا لڑکا تھا' اس میں انتظامی صلاحیتوں کی کمی تھی احمد شاہ بادشاہ نے صفدر جنگ سے لے کر وزارت کا عہدہ اسے دیا لیکن اس نے اسے پندرہ ماہ ہی میں کھو دیا یعنی عماد الملک نے اپنی طاقت کے زور سے چھین لیا' احمد شاہ درانی نے دو کروڑ روپے کے وعدے پر ۱۷۵۷ء میں وزارت کا عہدہ انتظام الدولہ کو پھر دے دیا لیکن رقم ادا نہ ہونے کی صورت میں اسے ذلیل کر کے یہ عہدہ واپس لے لیا۔ ۱۷۵۹ء کو عماد الملک نے اسے مروا ڈالا [۲۵۹]

حضرت مظہر نے اسے جو خطوط لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اس کے ساتھ ''بہت قدیم تعلقات'' تھے۔ اس مناسبت سے اسے اپنے ہمشیر زادے کی نوکری کے لیے سفارشی خط لکھا ہے:

> (یہ) فقیر کے ہمشیر زادے ہیں۔ اگرچہ کوئی کمال نہیں رکھتے لیکن آدمیت سے خالی نہیں ہیں' اقتضائے زمانہ سے پریشان ہیں خصوصاً ان میں سے ایک تو اضطراری کیفیت میں گرفتار ہے...... جس برخوردار کو جاگیر کی بہت تمنا ہے اسے کل آپ کی خدمت میں بھیجوں گا اگر تقدیر نے اس تدبیر سے موافقت کی تو یقین ہے کہ آپ بلا توقف مناسب دستخط (درخواست پر سفارش) کر دیں گے [۲۶۰]

اسی طرح آپ نے اس کے ایک پرانے ملازم کا عذر جو زیرِ عتاب ہوگا، انتظام الدولہ کو لکھا [۲۶۱]
لیکن اتنے قدیم تعلقات کے باوجود آپ نے اسے جس طریقے سے سفارش کی وہ آپ کی خودداری اور فقر کی بے مثال دلیل ہے' سفارش کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> یہ خاکسار تنہائی اور گمنامی کو پسند کرتا ہے اہل ثروت سے نہیں ملتا اس لیے اتنے قدیمی تعلقات کے باوجود آج کے علاوہ نہ کبھی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا اور نہ کبھی کسی کام کی تکلیف دی...... میری طرف سے نہ سماجت ہے نہ شکایت [۲۶۲] ......

دوسرے خط میں لکھا ہے:

اس دنیا کے امیروں کو اس جہاں کے بادشاہوں یعنی فقیروں کے سامنے باادب رہنا چاہیے' خاص طور پر اس وقت جب وہ امداد واعانت چاہیں [۲۶۳]

آپ کے ایک مکتوب سے عیاں ہوتا ہے کہ انتظام الدولہ شعر بھی کہتا تھا۔ اس نے ہندی اور فارسی کے چند اشعار اصلاح کے لیے آپ کی خدمت میں ارسال کیے تھے [۲۶۴]

روہیلہ سرداروں میں سے نجیب الدولہ کے ساتھ آپ کے گہرے روابط کا ذکر ہو چکا ہے، دیگر روہیلہ رؤساء کے ساتھ بھی آپ کے مراسم تھے۔ چند نکات ملاحظہ ہوں:

یہ امر ذہن نشین کرنا لازم ہے کہ ان رؤساء کے سیاسی نشیب وفراز سے ان کے بارے میں آپ کے خیالات بھی بدلتے رہتے ہیں۔

حافظ الملک حافظ رحمت خان جو کہ بہت اہم روہیلہ سردار اور طبعاً نیک تھا۔ اس خوبی کے باوجود آپ نے اسے اپنے سب سے زیادہ عزیز مرید ظفر علی خان بن نواب ارشاد خان جن کا تذکرہ اس کتاب میں مفصل طور پر لکھا گیا ہے، کی براہِ راست سفارش کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ابوالفتح کے نام ان کے لیے سفارشی خط لکھا کہ تم پر زور سفارش کرو کہ اسے روزگار فراہم کرے [۲۶۵]

عماد الملک اور غلام عسکری خان کے تعلقات کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مظہر عماد الملک سے دل برداشتہ ہو گئے تو احمد خان بنگش کے پاس بھیجا۔ اس نے پچاس روپے نذر کیے' لکھا ہے:

واز دو سہ روز حال غلام عسکری خان از سر نو توجہ نواب صاحب معلوم می شود چنانچہ دیشب کہ گزشتہ پیش احمد خان فرستادہ بودند، پنجاہ روپیہ بدست آمد وگرنہ مطلق التفات نبود [۲۶۶]

نواب دوندے خان کے ہمشیر زادے محمد خان نے آپ کے پاس دہلی میں رہ کر کسب طریقہ کیا تھا [۲۶۷]

ایک مکتوب میں روہیلہ سرداروں سے میل جول کے بارے میں ہمیں اطلاع ملتی ہے:

فتح خان اور سردار خان (خانسامان وبخشی) کو میں نے تمام عمر نہیں دیکھا' دوندے خان مجھ سے ملنا چاہتا تھا' میں نے منع کر دیا' حافظ رحمت خان مجھ سے ملنے آئے تھے۔ مجھے

ان کی صحبت پسند نہیں آئی۔ اور علی محمد خان کے لڑکوں [268] کو میں نہیں جانتا [269]

حضرت مظہر کے بنگال کے ناظم نصیر الملک امتیاز الدولہ قاسم علی خان نصرت جنگ [270] سے بھی روابط تھے۔ حضرت مظہر کے ایک خلیفہ مولوی محمد کلیم بنگالی کے نام آپ کے خطوط میں قاسم علی خان کا ذکر آیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد کلیم کے ساتھ بھی اس کے اچھے تعلقات تھے۔

ریاض السلاطین میں اس کے عہد کے جن مخدوش حالات کی تفصیلات درج ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وہاں سے بددل ہو کر شاہی ملازمت کرنے کے لیے چلا آیا تھا۔ حضرت مظہر فرماتے ہیں کہ وہ بادشاہ کے بلانے پر دہلی میں آیا، لیکن مجد الدولہ اس کی شاہی ملازمت کے سلسلے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے [271]

دوسرے خط میں اس کے خلوص کا بھی ذکر ہے:

اگر نواب قاسم علی خان درین عرصہ بیاید کار روزگار دوستان بے کار خاطر خواہ صورت خواہد گرفت کہ مرد خوش ہمت و مخلص است [272]

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں ملازمت نہیں مل سکی:

اسلوب کار نواب قاسم علی خان صورت گرفتہ است خدا راست آرد [273]

اس خط میں اس کی نقل و حرکت اور بادشاہ سے عہد و پیمان اور فوج جمع کرنے کا ذکر ہے:

قاسم علی خان مختار سلطنت می شوند و پادشاہ را بتوسط مردم محل [274] عہد و پیمان موکد با قاسم علی خان صاحب درمیان آمدہ و ایشان در پردہ در فکر جمع افواج و تدبیر منافع اند۔ غالب است بعد عید این معنی صورت بندد و ایشان را اخلاص مفرط با فقیر بہم رسیدہ [275]

نیز لکھا ہے کہ اس کے مقتدر ہو جانے کے بعد ہمارے دوستوں کے جتنے کام رُکے ہوئے ہیں، اس کی وساطت سے ہو جائیں گے:

امید است بعد حصول این مطلب عمدہ کارہای دوستان خاطر خواہ ساختہ شود اگر چہ بظاہر موانع متعدد بنظر می آید [276]

لیکن اس کے مقدمہ میں متواتر تاخیر ہوتی رہی جس کی اصل وجہ حضرت مظہر کو بھی معلوم نہیں تھی:

مقدمہ قاسم علی خان بروی کاراست۔ تاخیر پیش می آید۔ سر آن معلوم نیست [۲۷۷]

جب حضرت مظہر کے خلیفہ اور ہم صحبت میر مسلمان [۲۷۸] حج کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے اپنے ایک خلیفہ مولوی محمد کلیم بنگالی [۲۷۹] کو لکھا کہ میر مسلمان اگر اس علاقے سے گزریں تو ان کی خدمت سے درگزر نہ کریں اور ساتھ ہی فرمایا کہ:

اس مضمون کی اطلاع نواب صاحب یعنی قاسم علی خان (اللہ تعالیٰ ان کی تمناؤں کو پورا کرے) کو دے دیجئے بلکہ فقیر کا یہ خط انہیں پڑھوا دیجیے۔ کیوں کہ ایسے وقت میں انہیں خط لکھنا مناسب نہیں [۲۸۰]

حضرت مظہر کے ایک متوسل میر عبدالہادی نے آپ سے کہا تھا کہ اس کے روزگار کے لیے نواب موصوف سے سفارش کریں، تو حضرت مظہر نے انہیں جواب دیا کہ اگر نواب بریلی میں ملنے آیا تو تمہاری سفارش کروں گا نیز آپ اس سے زیادہ اختلاط اس لیے نہیں رکھتے تھے کہ وہ شیعہ تھا' اس طرح خدشہ تھا کہ افاغنہ آپ کو رافضی کہہ کر بدنام کریں گے:

مشکل دیگر است کہ اگر با نواب قاسم خان برائے مصلحت سپارش اختلاط بکنم و خلاف وضع خود کہ با دنیا داران آمیزش نمی نمایم گوارا کنم، افاغنہ مرا بدنام بہ رفض و تشیع می کنند و دشمن می شوند [۲۸۱]

ایک مکتوب میں نواب کے بسولی آنے کا ذکر ہے [۲۸۲] اور دوسرے مکتوب میں ہے کہ آپ کے ایک متوسل کے ساتھ ملاقات کے دوران نواب نے آپ کی تعریف کی تھی [۲۸۳]

سیاسی پارٹیاں اور حضرت مظہر

متاخر سلاطین مغلیہ کے عہد میں دربار سیاسی جماعتوں کا اکھاڑا بن کر رہ گیا تھا' ان میں ایرانی اور تورانی دو جماعتیں سب سے اہم کردار ادا کر رہی تھیں' مؤرخین کا خیال ہے کہ اس دور کی تمام سیاست انہی دو پارٹیوں کے گرد گھومتی تھی' حضرت مظہر تورانی جماعت کے حامی تھے' قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھتے ہیں:

بعض تورانیہا نیکہ با فقیر آشنا ہستند، حاضر اند و ایرانیہا خود دشمن اند و بر محالات عمال ہنوز تعین نہ شدہ اند [۲۸۴]

متوسلین حضرت مظہر مختلف لشکروں میں

حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے متوسلین کئی مہمات اور لشکروں میں شامل تھے' بعض معاشی تنگی کے سبب مختلف اربابِ حکومت سے منسلک ہو گئے تھے' بعض اس وقت کے حالات اور مسلم دشمن سیاست سے متاثر ہو کر رضا کارانہ طور پر ان لشکروں میں شامل ہو گئے تھے' ملا رحیم داد روہیلہ کی سرکردگی میں سرہند کو سکھوں سے آزاد کرانے کے لیے جو لشکر بھیجا گیا اس میں آپ کے متوسلین کی خاصی تعداد نے حصہ لیا جس کی تفصیل الگ عنوان کے تحت پڑھیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد میں سے جتنے اصحاب اس وقت بقید حیات تھے اور حضرت مظہر سے منسلک تھے وہ بھی ان لشکروں میں نمایاں نظر آتے تھے [۲۸۵] جب غلام عسکری خان (آزاولاد شیخ محدث) عماد الملک کے متوسل ہوئے تو آپ نے انہیں لکھا:

> افسوس! تم نے دنیا کے لیے آخرت کو چھوڑ دیا ہے اور دنیا ہاتھ نہیں آتی اگر چہ وجہ معاش پر آخرت کی بنیاد ہے [۲۸۶]

آپ اپنے مخلص نواب ارشاد خاں کو لکھتے ہیں:

> تم نے موجودہ بادشاہ سے جو توسل کیا ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہے۔ ان دنیاداروں کا مفصل حال ہم کور باطنوں کو کیسے معلوم ہو اور اگر معلوم ہو تو اس کا لکھنا موجب فساد ہے اتنا بھی کبھی تمہاری خاطر لکھ دیتا ہوں [۲۸۷]

آپ کے ایک مخلص میر محمد معین جن کا مفصل ذکر خلفاء کے باب میں ہوا ہے، کے صاحب زادے میر عبدالعلی کے ساتھ آپ کو والہانہ محبت تھی۔ وہ بھی بادشاہ کے لشکر میں شامل تھے [۲۸۸]

حضرت مظہر کے ایک عقیدت مند اور کتاب حاضر کے مؤلف کے ہم نام غلام علی خان اپنے بھائیوں سمیت نواب آصف الدولہ [۲۸۹] کے ہاں جا کر ملازم ہوئے۔ آپ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو اطلاع دیتے ہیں:

> غلام علی خان در سرکار آصف الدولہ بخوبی معرکہ برادران چاکر شدند' دوبار مبلغ قلیلی بخانہ فرستادہ اند [۲۹۰]

غلام عسکری خان مذکور کے چھوٹے بھائی میاں محمدی، سید علی خان کے لشکر میں شامل تھے:

میاں محمدی برادر خرد غلام عسکری خان قصد لشکر سید علی خان دارد۔ برای رفاقت دہ پیادہ از لشکر امروز یا فردا می رسند' تقریب خوب است [۲۹۱]

خواجہ عبید خان [۲۹۲] کے داماد خواجہ عبداللہ خان بھی لشکر میں تھے اور حضرت مظہر سے بیعت تھے۔ آپ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھتے ہیں:

خواجہ عبداللہ خان پسر خواجہ عباد اللہ خان مخصوص، برادر زادہ و داماد خواجہ عبید خان مشہور کہ درین سال داخل حلقہ شدہ است وطلب و اخلاص قوی دارد، بقصد لشکر رخصت شدہ، بوسیلہ رقعہ فقیر بخدمت شما خواہد رسید' توجہ این جوان را باید داد [۲۹۳]

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی بعض حاسدین نے نجیب الدولہ سے شکایت کی تو حضرت مظہر نے انہیں لشکر میں جا کر نجیب الدولہ سے ملنے کی ہدایت کی تھی جس کی تفصیلات سابقہ اوراق میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کی درخواست پر آپ نے جن اہلِ لشکر کے نام سفارشی خطوط لکھے، ان میں فتح خان بھی ہوں، ہوسکتا ہے کہ یہ فتح خان وہی ہوں جو آپ کے مکتوب الیہ ابوالفتح [۲۹۴] ہیں۔ فتح خان خود لکھتے ہیں:

درین ولا قاضی ثناء اللہ جیو از پانی پت در لشکر آمدہ، چنانچہ این فدوی ہر روز بایشان ملاقات می نماید [۲۹۵]

ایک اور خط میں وہ حضرت مظہر سے معذرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

از جناب فیض مآب رخصت شدہ بخیریت تمام در لشکر رسیدہ و خط کہ بہ قاضی پانی پت مرحمت شدہ بود این عقیدت گزین بآن سمت نرفتہ [۲۹۶]

آپ کے ایک اور معتقد منصب خان بھی لشکر میں ملازم تھے [۲۹۷]

اگرچہ ان میں سے بعض عقیدت مندوں کے بارے میں واضح اشارات نہیں ملتے کہ کن کن اربابِ حکومت کے لشکروں میں شامل تھے لیکن اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملکی مہمات میں آپ کے حلقہ کے بہت سے لوگ شامل تھے اور سیاسی حالات کا آپ کو اپنے معتقدین کے ذریعے بخوبی علم ہو جاتا تھا۔ عین ممکن ہے کہ شامل لشکر ہونے سے پیشتر آپ کے عقیدت مند آپ سے اجازت لیتے ہوں کیونکہ جب آپ کی بیوی کے متبنی شاہ پیر علی کسی وجہ سے ناراض ہو کر لشکر میں چلے گئے تو اس پر

آپ کو بہت افسوس ہوا کیونکہ وہ رافضیوں کے لشکر میں جا کر ملازم ہو گئے تھے غالبًا یہاں ''لشکر رافضیان'' سے مراد نجف خان کا لشکر ہے [۲۹۸]

نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی آپ کے دوست تھے' مرلی دھر نے اپنے ایک خط میں حضرت مظہر کو اطلاع دی ہے کہ وہ چھ ماہ سے شاہی لشکر میں نوکری کر رہا ہے:

عرصہ شش ماہ است از لشکر بادشاہ نوکر غلام گستہ [۲۹۹]

نجف خان

نجف خان بن میر سید علی بن میر سید محمد، اصفہان میں پیدا ہوا۔ اس کا پردادا شاہ سلیمان صفوی کا داماد تھا' نادر شاہ کی ایران میں تباہی کے سبب وہ بحالت قید بعمر اٹھارہ سال ہندوستان میں آیا، مختلف مقامات پر رہا ۱۱۷۳ھ/۱۷۶۰ء میں بنگال جا کر نواب میر قاسم علی خان کا ملازم ہو گیا' نواب مذکور کی انگریزوں سے شکست کے بعد وہ بندھیل کھنڈ میں نوکری کرتا رہا' انگریزوں سے مل کر جب اس نے الہ آباد پر قبضہ کیا تو اس کے لیے دو لاکھ سالانہ بطور پنشن مقرر ہوا۔ پھر اس کی مغلیہ دربار میں رسائی ہوئی اور تین ہزار سوار اور پیادوں کی سپہ سالاری اسے ملی جب شاہ عالم دہلی آیا تو نجف خان اس کے ہمراہ تھا یہاں آ کر اس کے جاٹوں کے ساتھ کئی معرکے ہوئے اور اس نے آگرے پر شاہی پرچم لہرا دیا۔ اس کے صلے میں اسے امیر الامراء کا خطاب ملا' اس نے بعمر ۴۹ سال ۱۱۹۶ھ/ ۶ اپریل ۱۷۸۲ء کو انتقال کیا [۳۰۰]

وہ جانباز تھا' اس کی حربی لیاقت اور سیاسی اُمور سے واقفیت کا مؤرخین نے اعتراف کیا ہے لیکن اس کے کردار کی دو خامیاں ایسی تھیں جنہوں نے اسے خاصا بدنام کیا ایک یہ کہ وہ سخت متعصب شیعہ تھا، اس کے دورِ عروج میں دہلی کے سنی بہت پریشان رہے [۳۰۱] دوسری یہ کہ وہ عیش و عشرت میں پڑ گیا تھا۔

حضرت مظہر کی تحریرات میں اس سے نفرت کا اظہار ہوتا ہے' اس خط میں حقیقت حال یوں بیان کی ہے:

''جس دن سے نجف خان آیا ہے' اس شہر میں فقیر سے لے کر بادشاہ تک ہر شخص کی حالت خراب ہے ہر خاص و عام کی زبان پر مجد الدولہ کی رہائی کا ذکر ہے' خدا جلد ہی

کچھ کر دے گا''[۳۰۲]

آپ کے مشہور جانشین و خلیفہ اور مؤلف کتاب ہذا حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مشاہدہ ہے کہ:

> ایک روز حضرت شاہ غلام علی نے فرمایا کہ نجف خان کے آغاز اقتدار میں رمضان شریف کی برکات کا شعبان کے شروع میں ہی ادراک ہو جاتا تھا، پھر صرف چند روز پہلے ہونے لگا اب چند سالوں سے کفر کی ظلمت اس قدر چھا گئی ہے کہ رمضان کی برکات کا ادراک صرف ایک دو روز ہی پہلے ہوتا ہے[۳۰۳]

حضرت مظہر کے مکاتیب سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف آپ کو نجف خان سے نفرت تھی بلکہ آپ نجف خان کے اکثر مخالفین سے گہرے روابط رکھتے تھے، عینی شاہد فرینکلن کا قول ہے:

> عرصہ دراز سے روہیلوں کی طرف سے وزیر کے دل میں حسد کی آگ مشتعل تھی[۳۰۴]

روہیلوں اور حضرت مظہر کے قریبی تعلقات کا ذکر سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اس طرح اور مثالیں ملاحظہ ہوں:

> نجف خان را حسام الدین خان بہ تقبل مبلغ خطیر کہ بکفار دادہ از شہر برآوردہ۔

اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حسام الدولہ حسام الدین خان جو نجف خان کا جانی دشمن تھا، جانتا تھا کہ مرہٹوں کے دہلی سے چلے جانے کے بعد[۳۰۵] نجف خان اسے زندہ نہیں چھوڑے گا اس لیے اس نے مرہٹوں کو ایک لاکھ کی رشوت پیش کی تاکہ وہ نجف خان کو بادشاہ کی ملازمت اور دہلی سے نکلوا دیں[۳۰۶]

نیز بعض مکاتیب میں اس کی نقل و حرکت کی طرف مبہم سے اشارات ملتے ہیں[۳۰۷] حضرت مظہر نے ایک طویل مکتوب (بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی) میں اس سیاسی پنڈال کا تذکرہ کیا ہے جو نجف خان کے گرد تھا[۳۰۸]

سیاسی حالات سے متاثر ہونا

ان نہایت اندوہناک سیاسی حالات سے جن کا ذکر مقدمہ کے شروع میں کیا جا چکا ہے، حضرت مظہر جیسی حساس دل و دماغ کی شخصیت کا متاثر ہونا امر لازم تھا اس لیے آپ کی تحریرات میں اس کے

واضح نکات ملتے ہیں۔

مرہٹوں اور سکھوں کے حملوں اور تباہی سرہند کے واقعات نے خاص طور سے آپ کو متاثر کیا تھا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

میر مسلمان کو لکھتے ہیں:

آج کل یہاں (دہلی) کے حالات یہ ہیں کہ پچھلے دو مہینے سے ہر روز کوئی نہ کوئی مکروہ واقعہ پیش آتا ہے' خدا اسے دور کرے [۳۰۹]

حضرت مظہر مریدین کے اصرار پر سنبھل تشریف لے گئے تو دہلی واپس جانے کا جب ذکر آیا تو وہاں کی صورتِ حال کے بارے میں لکھا:

ہر طرف سے فتنہ وفساد دہلی کا قصد کر رہا ہے [۳۱۰]

آپ سے اہلِ دہلی کی حالت زار دیکھی نہیں جاتی، فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اس شہر سے اپنا غضب اُٹھا لے:

بیماری عام اور بدامنی کی وجہ سے جو شہر کے لوگوں کا حال ہے وہ کہاں تک لکھوں خدا اس شہر سے اپنا غضب اُٹھا لے کیونکہ اُمورِ سلطنت میں کوئی نظم ونسق نہیں رہا [۳۱۱]

ایک اور مکتوب میں آپ سنبھل سے دہلی روانہ سے پیشتر دہلی کے حالات ایک نواب سے معلوم کرنا چاہتے ہیں:

انتظار خط دیگر شما ونواب صاحب می کشم کہ بعد رسیدن بہ دہلی صفا وکدورت ہوائے آنجا در یافتہ آنچہ نویسید بر آن عمل نمایم [۳۱۲]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو دہلی سے ایک خط میں لکھتے ہیں:

خبر ہائے وحشت انگیز از ہر طرف می رسد ودل را داغ می کند [۳۱۳]

پانی پت بھی مختلف دشمن طاقتوں کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا' قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے جب آپ سے پانی پت آنے کی درخواست کی تو فرمایا:

حالاً اگر حرکت خواہم کرد بطرف دیگر خواہم کرد کہ در پانی پت آشوب ہنگامہ لشکر است ...... قصد فقیر کہ بطرف دیگر بود...... بجانب پانی پت، تا لشکر در آنجا است، قصد [۳۱۴]

نخو اہم کرد کہ قباحت با دارد و تفصیل آن طولانی است و ازین جا وحشت داریم [۳۱۵]

آپ کے ایک خلیفہ شیخ محمد احسان کہتے ہیں کہ احمد شاہ درانی کے ایک حملے کے دوران "ہنگامہ غارت گری" میں میں اپنے کوچہ کے دروازے میں پوری ہمت سے متوجہ ہو کر بیٹھ گیا اور خدا کے فضل سے کوئی اس کوچہ میں داخل نہ ہوا [۳۱۶]

دہلی میں سکھوں اور روہیلوں کے روز روز کے ہنگاموں سے وہاں کے اکابر کا یہ عالم تھا کہ اعزہ کو خط لکھنا تو درکنار خط پر دستخط کرنے کی فرصت نہ تھی:

از غایت تشویش سکھاں و روہیلہ با فرصت دستخط نمی شود [۳۱۷]

آخر نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ آپ ان ہنگاموں سے تنگ آ جاتے ہیں اور دہلی کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہنے کا قصد کرتے ہوئے سنبھل میں مستقل قیام کا فیصلہ کر لیتے ہیں لیکن اعزہ کے عذر کے پیش نظر سنبھل سے واپس دہلی آ جاتے ہیں:

امروہہ اور مراد آباد بھی دیکھا تا کہ مستقل قیام کے لیے جگہ کا انتخاب کیا جائے اور متعلقین کو بلانے کا خیال کیا، کیوں کہ دہلی میں روز روز کی پریشانیوں سے تنگ آ گیا ہوں...... نواب ارشاد خان کے حقوق اور کشش نے نہ چھوڑا کہ دوسری جگہ کا ارادہ کرتا اس شہر (سنبھل) میں طالبان طریقہ بھی بہت زیادہ ہیں، اقامت کا ارادہ کر لیا۔ متعلقین کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ انہوں نے معقول عذر لکھے، مجبوراً دہلی جانا پڑا [۳۱۸]

ڈاکٹر خلیق انجم کا خیال ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۸۳ھ/ ۱۷۶۹ء کا ہے کیونکہ فضل علی خان رام پوری نے "بستان بے خزان" میں جو کہ اسی سنہ کی تصنیف ہے' حضرت مظہر کے مستقل قیام کے بارے میں لکھا ہے:

چونکہ اس شہر دہلی کی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے ارشاد خان بن نواب امین الدولہ انصاری سنبھلی کے خلوص اور ربط کی وجہ سے سنبھل مراد آباد میں قیام کر کے گوشہ گیر ہو گئے ہیں [۳۱۹]

اقتصادی حالت

اکابر سلاطین مغلیہ نے سلطنت کو اقتصادی استحکام دینے کے لیے صوبوں کی آمدنی اور اخراجات میں ایسا توازن قائم کر دیا تھا کہ سلطنت میں معاشی بحران بہت کم پیدا ہوتا تھا۔

اگرچہ اورنگ زیب عالمگیر نے تقریباً ۲۶ سال تک سلطنت کے تمام ذرائع کا رخ دکن کی جانب موڑے رکھا، اس میں مرہٹوں کے ساتھ جنگوں پر اس کے کروڑوں روپے خرچ ہوئے لیکن پھر بھی اس نے چوبیس کروڑ روپے شاہی خزانے میں چھوڑے۔

لیکن اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد پہلے دس سالوں میں ہی مغل حکومت کو بڑے بڑے مالی مسائل سے دوچار ہونا پڑا' اس کے جانشینوں کی تخت نشینی کے لیے پہلی چار جنگیں ہی مالی بدحالی کا دروازہ کھول دیتی ہیں کسی نے بھی ان جنگوں کے نقصانات کا ازالہ کرنے کی کوشش نہیں کی بہادر شاہ نے اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں ۸۳ کروڑ روپے سے کم خرچ نہیں کیے [۳۲۰]

کسی نے خالصہ [۳۲۱] کی زمین کو بڑھانے یا جاگیرداری کے نظام کو بہتر بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اورنگ زیب کے جانشینوں نے آنکھیں بند کر کے جمع شدہ دولت پانی کی طرح بہائی اس طرح ملک کے ذرائع محدود ہوتے چلے گئے اور رفتہ رفتہ پورا اقتصادی نظام متزلزل ہو گیا اور یہی سیاسی و سماجی نظام کی تباہی کا باعث بنا۔

نادر شاہ اور احمد شاہ درانی کے حملوں نے برائے نام خزانوں اور خودغرض امراء کے دفینے تک خالی کر ڈالے۔

ذیل میں چند نکات اس لیے درج کیے جا رہے ہیں تاکہ قارئین کتاب ہذا، صاحب سوانح کے عہد کے اقتصادی حالات سے بخوبی آگاہ ہو کر اس کتاب کو سمجھ سکیں۔

اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ کی بے جا فیاضی اور جہاندار شاہ کی عیاشی میں اس کی محبوبہ لعل کنور پر دو کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا دربار کے عیش و طرب کی مجالس میں بکثرت چراغاں نے دہلی میں تیل کی قلت پیدا کر دی گندم سات سیر فی روپیہ بکنے لگی۔ فرخ سیر کی فضول خرچی نے شاہی خزانوں کو بُری طرح متاثر کیا تھا [۳۲۲]

تاریخ عالم گیر ثانی کے مؤلف نے ان الفاظ میں تجزیہ کیا ہے:

صوبہ دہلی کے پرگنے اور چند دیگر صوبوں کے پرگنے جو خالصہ میں شامل تھے اور جن سے بادشاہ کے ذاتی ملازمین کی تنخواہیں ادا ہوتی تھیں اب ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ سہارنپور جس کے محاصل جاگیرداروں کے حوالے کر دیے گئے تھے، اب نجیب خان روہیلہ کے قبضہ میں تھا' آگرہ کے قریب کے علاقے جاٹوں کے پاس تھے' جے پور کے مادھوسنگھ کا نارنول وغیرہ کے علاقوں پر تسلط ہو گیا تھا نتیجہ یہ تھا کہ ایک محل بھی خالصہ میں نہ تھا...... نوبت باین جا رسید کہ بادشاہ کے دسترخوان کے لیے بھی روپیہ نہ رہا' بیگمات بہت سے اخراجات اپنی جیب خاص سے کرتی تھیں [۳۲۳]

تاریخ عالم گیر ثانی میں ہی ہے:

فوجیوں نے افلاس سے تنگ آ کر اپنے گھوڑے بیچ دیے، پیدل فوج کے پاس وردیاں نہ رہی تھیں، جانوروں کو چارہ نہ ملتا تھا، اس وجہ سے وہ مرنے لگے تھے، فوجی اپنے گھروں سے باہر نہ نکلتے تھے، اور بعض اوقات شاہی سواری کی ہمراہی میں بھی نہ ہوتے تھے [۳۲۴]

ایک مقام پر مرکزی حکومت اور مرہٹوں کے درمیان صلح اس شرط پر ہوئی کہ حکومت سالانہ پچیس لاکھ روپیہ مرہٹہ سرداروں کو ادا کرتی رہے [۳۲۵]

مرہٹوں نے مالوہ کا علاقہ تباہ کرنے کے بعد وہاں کا خزانہ جو ایک مدت میں جمع کیا گیا تھا، دکن روانہ کر دیا [۳۲۶]

نادرشاہ نے نواح پانی پت کو غارت کرنے کے بعد وہاں سے اتنا غلہ لیا کہ تمام امراء و غربا تک سے چھین لیا تھا' اس کے بعد دو روز تک وہ انہیں باربرداری کے جانوروں پر لادتا رہا اور باقی خود اُٹھا لیا، لیکن ابھی نصف غلہ باقی تھا مجبوراً اسے آگ لگا دی اور باقی غلہ دہلی لے جا کر حکومت ہند کے پاس فروخت کر دیا [۳۲۷] ...... گویا کرنال سے دہلی جاتے ہوئے نادری سپاہیوں نے آبادی کو اس طرح لوٹا جس طرح بال صاف کر دیے جاتے ہیں۔ اس طرح آبادی کا نشان تک مٹ گیا [۳۲۸]

جب نادرشاہ دہلی پہنچا تو محمد شاہ بادشاہ نے نادرشاہ سے ملاقات کے بعد حکم دیا کہ دہلی کے غلہ کے تمام ذخائر جلا دیے جائیں۔ چنانچہ اگلی صبح مٹھی بھر غلہ کہیں سے دستیاب نہ ہوا۔ چنانچہ محمد شاہی لشکر کی

حالت اتنی خراب ہوگئی کہ جس کا تصور ممکن نہیں، امیر وغریب پریشان ہو گئے یہاں تک کہ ایک آثار غلہ ایک سو روپے میں بھی نہیں ملتا تھا آخر مجبوراً لشکر ہند نے نادر شاہی سپاہیوں سے ہر قیمت پر غلہ خریدا[۳۲۹]

دہلی میں نادر شاہی قتل عام کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ دہلی کو لوٹنے والے بدن سنگھ جاٹ سے درخواست کی گئی کہ وہ اہل دہلی کو غلہ مہیا کرے[۳۳۰]

وارد تہرانی نے بتصریح لکھا ہے:

> نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کے بعد وہاں سے جاتے ہوئے نواحی علاقوں میں جہاں کہیں بھی غلہ کا نشان نظر آیا اُٹھالیا، یہاں تک کہ ایک دانہ بھی باقی نہ رہا۔

اس طرح ۵۶ فرسخ کے فاصلے تک تمام اطراف سے دہلی کا تمام غلہ لوٹ لیا گیا، اس کی مقدار اس قدر تھی کہ اسے اُٹھانے کے لیے خود حکومت نے سات سو ہاتھی اور اتنے ہی امراء نے مہیا کیے جن پر گندم اور برنج اور دیگر اجناس لاد کر نادر شاہ کے ہمراہ روانہ کی گئیں یہاں تک کہ کسی گھر میں ایک دانہ بھی نہ بچا، صرف شاہی ذخیرہ باقی رہنے دیا[۳۳۱]

وارد تہرانی انسان اور جانور کی زندگی کی بقا کے لیے غلہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حسرت کے ساتھ اپنا جملہ اس طرح ختم کرتا ہے:

> غلہ......الحال مانند سیمرغ وکیمیا نایاب[۳۳۲] ......

معاملہ دہلی کے نواحی دیہات کی لوٹ کھسوٹ تک محدود نہ رہا بلکہ ہندوستان سے واپسی پر اسے جن علاقوں سے گزرنا تھا، ان کے عاملوں کو نادر شاہ اور محمد شاہ کے مشترکہ احکام کے مطابق اپنے علاقوں کا تمام تر غلہ نادر شاہ کے حوالے کر دینا تھا چنانچہ جب نادر شاہ کا لشکر سرہند پہنچا تو وہاں کے حاکم نے اپنے پورے ضلع کا غلہ پہلے سے باربرداری کے جانوروں پر لاد کر تیار کر رکھا تھا جو اس کے حوالے کر دیا گیا اسی طرح دیگر حکام نے بلا تامل تمام تر غلہ نادر شاہ کے حوالے کر دیا[۳۳۳]

یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ لازم معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر کے مشہور مارکسی مؤرخ ڈاکٹر عرفان حبیب نے یورپین سیاحوں کے بیانات کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

> مغل سلاطین جو محنت کشوں کے حقوق کے غاصب اور کسانوں پر ظلم کرنے والے اور

انہیں ناجائز ذرائع سے اپنے خزانے بھرنے والوں کی ہوس زر کی بدولت تمام مخالف تحریکوں نے جنم لیا تھا [۳۳۴]

اس مفروضے کی تردید میں بہت سے دلائل دیے جا سکتے ہیں۔ لیکن موقع کی مناسبت سے ہم صرف ایک نکتہ پیش کر رہے ہیں اور وہ یہ کہ مغلوں کے دورِ زوال میں جب کہ اکثر صوبوں کے عاملوں نے نہ صرف آمدنی مرکزی حکومت کے حوالے کرنا بند کر دی تھی بلکہ وہ تو آزاد و خود مختار ہو چکے تھے اگر ملک کی خوش حالی کا صرف یہی راز ہوتا تو اس دور میں عوامی ...... زندگی نہایت آسودہ ہوتی۔

ہر مکتبۂ فکر کے مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ اٹھارھویں صدی میں جو معاشی بدحالی تھی وہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، جس کے بہت سے اسباب میں سے ان کے مرکز سے بے تعلقی ایک بنیادی سبب ہے۔ اگر نادر شاہ کے حملے سے پیشتر یہی حاکم جنہوں نے بلا تامل سارے اضلاع کا غلہ اس کے حوالے کر دیا تھا، اصول وضوابط کے مطابق اپنے اپنے صوبوں کی آمدنی مرکز میں جمع کرواتے اور دولت کی تقسیم کے ضابطے کے مطابق اس پر عمل ہوتا تو کوئی بھی ملکی یا غیر ملکی مخالف طاقت یہاں کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔

احوال نادر شاہ کے معاصر مؤلف نے لکھا ہے کہ لوٹی ہوئی دولت میں سے بے شمار زر و جواہر ایران روانہ کرنے کے بعد جو کچھ نادر شاہ کے پاس بچا، اس نے دہلی کے قیام کے دوران ہی اس سرمایہ سے اپنی فوج کے ایک سال کے واجبات اور اس کے برابر انعامات بھی دیئے [۳۳۵] اگر حملہ نادری سے پہلے یہ تمام تر دولت ایک مرکز میں جمع ہوتی تو معاشی بحران کا امکان ختم ہو جاتا لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا یہاں تو سالوں گزرنے پر بھی فوج کے واجبات ادا نہیں کیے جاتے تھے۔

نادر شاہ ہندوستان سے جاتے ہوئے جو بے شمار زر و دولت ہمراہ لے گیا تھا معاصر مؤرخ وارد تہرانی نے اس کی پوری تفصیل دی ہے۔ اس میں کم وبیش دو کروڑ روپے کی مالیت کے تختِ طاؤس مع دیگر سولہ مرصع تختوں کے پچاس ہاتھیوں پر صرف زر و جواہر لادے گئے' اس کے علاوہ سات سو ہاتھیوں پر زر و جواہر بھی بار تھے اور غارت گری سے حاصل شدہ سامان اس کے علاوہ تھا [۳۳۶]

حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مظہر سمیت تمام مصنفین درانی کے احسانات کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی لوٹ کھسوٹ کا تذکرہ اندوہ ناک ہو کر کرتے ہیں ایک خط میں شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے:

درانی کو حصول مقصد میں جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں وہ اس ''وبالِ ظلم'' کی بنا پر ہیں جو

اس نے شہروں پر کیے ہیں [۳۳۷]

درانی کے پنجاب پر پہلے حملے کے بعد ہی:

> آٹا روپے کا دو سیر بکنے لگا، گھاس اور چارہ کا دستیاب ہونا ناممکن تھا گھوڑوں کو کھلانے کے لیے جھونپڑیاں ڈھادی گئیں [۳۳۸]

۱۷۵۷ء میں چوتھے حملے کے بعد درانی یہاں سے جو مالِ غنیمت ہمراہ لے گیا مورخین نے اس کی مالیت کا اندازہ بارہ کروڑ لگایا ہے۔ اٹھائیس ہزار ہاتھی، اونٹ، خچر اور چھکڑے مال سے لدے ہوئے تھے۔ اسّی ہزار پیادے اور سوار فوج نے لوٹ کا اپنا اپنا حصہ الگ اُٹھا رکھا تھا [۳۳۹]

جب ۱۷۶۰ء میں مرہٹوں نے دہلی پر قبضہ کیا تو دہلی کی یہ حالت تھی کہ یہاں انہیں لوٹنے کے لیے کچھ بھی نہ ملا' یہاں کی دولت تو پہلے ہی نادر شاہ اور غازی الدین چھین چکے تھے' اس لیے انہوں نے شاہ جہان کے دیوان خاص کی چاندی کی چھت کا بقیہ حصہ اتار لیا [۳۴۰]

ان حالات میں عوامی زندگی نہایت تلخ اور معیشت کی تنگی انتہا کو پہنچ چکی تھی' صوفیہ کے ملفوظات و مکتوبات میں اس بدحالی کی بڑی واضح اور سچی تصویریں ملتی ہیں' اختصار کے پیش نظر صرف مکتوبات حضرت مظہر سے چند مثالیں دی جارہی ہیں۔

آپ کے عزیز ترین ساتھی میر مسلمان نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنی پسند کے اشعار منتخب کر کے بھیجیں۔ اس کے جواب میں حضرت مظہر نے سیاسی حالات کی ابتری کا ذکر کرتے ہوئے انہیں لکھا:

> ایسے ماتم کے وقت اور یہاں کے لوگوں کی معاش کی فکر میں اپنا وعدہ وفا کرنے ...... کی فرصت کہاں ہے [۳۴۱]

آئے دن کے ہنگاموں کے باعث دہلی میں سلوک کے طالب بہت کم ہو گئے تھے' نواب ارشاد خان سنبھلی کو لکھتے ہیں:

> ہم اس علاقے (سنبھل) میں طریقے کی ترویج کے لیے آ رہے ہیں، اس ویران شہر (دہلی) میں طریقہ کے طالب نہیں ہیں اور وہاں بہت ہیں ...... اس شہر (دہلی) میں فتوح عنقا اور قرض کیمیا کی طرح ناپید ہے [۳۴۲]

اپنے عزیز مرید صاحب زادہ محمد احسان محمدی کی پریشان کن گھریلو زندگی کا ذکر کرنے کے بعد ان کے برادرِ عزیز صاحب زادہ غلام عسکری خان کی والدہ کا ذکر بھی قابل توجہ ہے:

غلام عسکری خان کی والدہ وغیرہ فاقہ کشی کی وجہ سے فرخ آباد جانے کا ارادہ رکھتی ہیں[۳۴۳]

مرکزی حکومت کی سیاسی و معاشی تباہی کے بعد وہاں کے عوام بھی دن بدن تنگ دست ہوتے جا رہے تھے، حضرت مظہر جیسے مقبول ترین فرد نے اپنے بارے میں لکھا ہے:

فقیر ہر روز تنگ دست تر می گردد[۳۴۴]

حضرت مظہر کے مخلصین بھی جو دہلی سے دور دراز علاقوں میں رہتے تھے، خاص تنگ دستی کی زندگی بسر کر رہے تھے، نواب ارشاد خان نے حضرت مظہر کے نام اپنے ایک خط میں اپنی تنگ دستی کا ذکر کیا ہے:

احوال ضیق معیشت زیادہ از آنست کہ خود بدولت گذاشتہ تشریف فرمودہ اند، حیرانم کہ چہ کنم[۳۴۵]

حضرت مظہر کے متوسلین میں سے حاجی عبدالخالق نے ملا محمد فاروق کو اپنے یومیہ کی بحالی کے لیے خط لکھا تو اس میں اس دور کی قحط سالی کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

دریں جا بہ سبب قحط غلہ وانسداد وجوہ روزگار بر مردم قیامت وواویلا می گذرد[۳۴۶]

نیز حضرت مظہر کے خطوط میں اس دور کی معاشی جھلکیاں خاصی نمایاں ہیں مثلاً:

گیہوں روپیہ، سوا روپیہ یا دو روپیہ من بکتا۔ چھینٹ کا ایک تھان ایک روپیہ میں مل جاتا تھا یا ایک روپیہ میں پاجامہ، کرتی اور چادر تیار ہو جاتی تھی، عینک آٹھ آنے میں خریدی جا سکتی تھی[۳۴۷]

یہ حالات اگر مرکز میں تھے تو دور افتادہ صوبوں میں یقیناً قحط بڑے زوروں پر ہوگا، حضرت مظہر کی شہادت کے دو سال بعد ہی ۱۱۹۷ھ/۸۲-۱۷۸۱ء میں پنجاب میں مجمع الصنائع نام کی ایک کتاب کاتب محمد حسین نے کتابت کی جس کا ترقیمہ بہت دلچسپ ہے اور قصبہ کیلیانوالہ کی معاشی بدحالی کا آئینہ دار ہے:

ختم گردید بکمال ایام قحط کہ از مبلغ یک روپیہ چار آثار گندم یعنی دو چوبینہ آن ہم بصد

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ترجیح دی [illegible]

ان تمام باتوں سے حضرت مظہر نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ آپ ترکِ معاش کو آخرت کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ [illegible] صاحب [illegible] جب [illegible] ملک کے [illegible] ملازم ہو گئے تو انہیں تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

افسوس کہ تم نے دنیا کے لیے آخرت کو چھوڑ دیا [illegible] اگرچہ ترکِ معاش پر آخرت کی بنیاد ہے۔

فتوحات اور [illegible] کے اس دور میں بھی حضرت مظہر نے شمع ہدایت روشن رکھی اور اپنے مریدین اور احباب کے لیے [illegible] انہیں [illegible] ملازم کرا دیا اور جس سے انہیں ایک وقت دو [illegible] ہوئے [illegible] "ترکِ معاش" میسر آئی [illegible] حضرت مظہر امراء اور سیاسی حالات سے [illegible] رہے۔

معاشرتی زندگی

اٹھارہویں صدی عیسوی میں پاک و ہند کے معاشرتی اور تمدنی حالات کا جائزہ لینے کے لیے دہلی کے معاشرتی حالات پر ایک نظر ڈالنا اس لیے لازم ہے کہ حضرت مظہر اور مؤلف کتاب حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی ساری زندگی اسی مرکزی شہر میں گزری تھی۔

پاک و ہند کے اسلامی عہد حکومت میں دہلی نہ صرف ہندوستان بلکہ سارے عالم اسلام کے لیے ایک علمی و دینی مرکز بن گیا تھا' دراصل اس کی بنیاد اس زمانے میں رکھی گئی جب وسط ایشیا میں مسلمانوں کے تمام مراکز تباہ و برباد ہو رہے تھے اور منگولوں کے حملوں نے سارے سیاسی اور سماجی نظام کو درہم

برہم کر دیا تھا۔ بغداد و بخارا وغیرہ سے کثیر تعداد میں علماء نے ہجرت کی' اس قافلے کا جو فرد جہاں ٹھہرا وہاں ایک علمی مرکز بن گیا۔

سلاطین دہلی میں سے سلطان علاء الدین خلجی کا عہد حکومت اسلامی ہند کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کا سب سے زیادہ تابناک باب ہے' برنی کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں دہلی میں ایسے علماء اور ماہرین فن موجود تھے بخارا، سمرقند، بغداد، مصر، خوارزم، دمشق، تبریز، رے اور روم وغیرہ میں بھی ان کا ثانی نہیں تھا' حد یہ ہے کہ بخارا، سمرقند، خوارزم اور عراق کے علماء کی تصانیف اس وقت معتبر سمجھی جاتی تھیں جب ہندوستان کے علماء اس پر مہر توثیق ثبت کرتے تھے۔ گویا دہلی ''رشک بغداد اور عزت مصر بنی ہوئی تھی،،[۳۵۲]

لیکن اٹھارھویں صدی میں تو اس کی بساط ہی اُلٹ گئی' اس وقت سلطنت مغلیہ پر نزاع کا عالم طاری تھا' یہ شہر بقول شاہ ولی اللہ ''لعب صبیان'' ہو گیا' مختلف اطراف و صوبوں سے جو طوفان اُٹھتے اور بغاوتیں ہوتیں، ان تمام ہنگامہ آرائیوں کے زلزلے دہلی میں محسوس کیے جاتے تھے۔

امن و امان کے دور میں علماء و صوفیہ اس شہر کی طرف کشاں کشاں چلے آتے تھے اور ایک مرتبہ یہاں آ کر پھر جانے کے لیے سوچنا تو درکنار بڑی سے بڑی سختی بھی انہیں یہاں سے نہ نکال سکی لیکن اٹھارھویں صدی میں اس طبقہ کے افراد خود دہلی سے دل برداشتہ ہو کر اس کی ہنگامی زندگی سے بچنے کے لیے ہر وقت بے تاب رہنے لگے۔

حضرت مظہر نے اپنے کئی مکاتیب میں دہلی کے ہنگاموں کو مؤثر طور پر بیان کرنے کے بعد خود مع متعلقین دور افتادہ علاقہ میں سکونت کی خواہش کا اظہار کیا ہے' ان مقامات کو سمجھنے کے لیے چند اہم نکات ذیل میں دیے جا رہے ہیں:

حادثہ نادر شاہی کے معاصر مؤلف نے نادر شاہ کے حملے (۱۷۳۹ء) کے وقت دہلی کے باشندوں کے بارے میں عینی شاہد کی حیثیت سے لکھا ہے:

> الحال، جمیع ساکنان شہر خدارا فراموش کردہ اند و از خاص و عام لباس زنانہ اختیار کردہ، بہ جای نماز و روزہ بہ حرام کاری و شراب خواری و اغلام بازی مطلق العنان شدہ اند غرض درین ایام، در بلدہ دار الخلافت شاہ جہان آباد این اطوار شنیعہ و افعال ناشائستہ و اعمال

فاعل ومفعول بہ حدی رواج یافتہ بود کہ اگر خدانخواستہ ازین نعمت عظمیٰ کسی محروم ماندہ باشد براو ریشخند ہا می کردند [۳۵۳]

لیکن جب نادر شاہ کا حملہ ہوا تو امن وامان کی زندگی بسر کرنے والے انہیں باشندوں نے بدحواسی میں دوسروں کی حالت زار دیکھ کر خود کو خنجر مار کر ہلاک کر لیا اور بہت لوگوں نے زہر کھا کر جان دے دی [۳۵۴]

دہلی پر نادر شاہ کے حملے سے پہلے ہی لوگوں کو اس کے بارونق بازاروں سے وحشت ٹپکتی ہوئی نظر آتی تھی، ایک معتقد کے بیان پر حضرت شاہ ولی اللہ نے دہلی کے مشہور بازار ''سوق سلطانی'' کے متعلق پیش گوئی کی تھی:

یہ بازار زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ یہاں خون کے دریا رواں ہوں گے [۳۵۵]

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حملۂ نادری سے پہلے سلاطین وامراء اور بے راہ رو عوام کا راہِ راست پر آنا تو درکنار بلکہ درگاہ قلی خان کے روزنامچہ سے جو نادر شاہ کے حملے کے وقت اور اس کے چند سال بعد کے واقعات پر مشتمل ہے سے عیاں ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی حالات ویسے ہی رہے اور ہر طبقے میں خود فراموشی اور عاقبت نااندیشی پورے طور پر مسلط نظر آتی ہے۔

دہلی دھوپ اور چھاؤں کا شہر تھی، یہاں خانقاہیں بھی تھیں، شراب خانے بھی، مدرسے بھی تھے اور قمار بازی کے اڈے بھی۔

لوگ بڑی عقیدت کے ساتھ خانقاہوں اور مزارات پر حاضر ہوتے تھے پھر اسی جوش کے ساتھ طوائفوں کی محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ ان کی رندی اور مذہبیت ساتھ ساتھ چلتی تھی، یہ مذہبیت فسق و فجور سے زیادہ متعفن تھی جو ضمیر کی آواز کو کچلنے کا ایک ظالمانہ انداز تھا [۳۵۶]

چونکہ معاشرے کے تمام افراد ان حوادث سے یکساں طور پر متاثر ہو رہے تھے اس لیے عوام کے سامنے ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا ''فرار'' زندگی اور اس کے تلخ حقائق سے فرار۔

فرار کی کئی صورتوں میں ایک صورت یہ بھی تھی کہ مادی دنیا کی ناکامی کے احساس کو ہلکا کرنے کے لیے دین اور دنیا سے بے نیاز ہو کر عیش وعشرت میں ڈوب جائے۔

اس مقدمے میں سلاطین وامراء کے ''عیش حرام'' کی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان کے تمام اعمال

وافعال کا عوامی زندگی پر براہِ راست اثر پڑتا تھا۔

نواب درگاہ قلی خان تین سال (۱۱۵۱ھ تا ۱۱۵۳ھ/ ۱۷۳۸ء۔۱۷۴۰ء) دہلی میں مقیم رہے۔ انہوں نے اپنے مرقع میں اس دور کی جو قلمی تصویر کشی کی ہے وہ اس عہد کی معاشرتی زندگی کو سمجھنے کے لیے بہت مفید ہے۔

بعض امیرزادوں نے عوامی زندگی کو کئی طرح آلودہ کرنے کی کوشش کی' اعظم خان ابن فدوی خان کا حال لکھا ہے:

> اس کی طبیعت امارد پسند ہے مزاج میں سادہ رویوں کی محبت ہے......اس کی تمام تر آمدنی اس طبقہ پر خرچ ہوتی ہے جہاں کہیں رنگیں امرد کی خبر پاتا ہے......اس پر کمند ڈال دیتا ہے......غرض جہاں کہیں کوئی سبزہ رنگ نظر آئے وہ اعظم خان سے منسوب ہوتا ہے [۳۵۷]

مرزا منو کے حالات میں وضاحت کی ہے کہ بعض امیرزادے اس سے امرد پرستی کا فن سیکھتے ہیں اور اس کا شاگرد ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ اس کا گھر حسین پری زادوں کا گھر ہے......اس کی محفل گل رخوں کی کسوٹی ہے [۳۵۸]

کسل سنگھ نام کے ایک امیرزادے نے عیش وعشرت کا جو بازار گرم کیا تھا وہ اس دور کی عوامی زندگی کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہے:

> اس نے کسل پورہ بڑے اہتمام سے آباد کیا' اس میں ہر طرح کی طوائفیں اور بازاری عورتیں اکٹھی کیں......محتسب اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا...... یہاں ہر راستے میں عورتیں رنگا رنگ لباس پہنے خود کو مردوں کے سامنے پیش کرتی ہیں اور ہر کوچے میں دلالوں کی وساطت کے بغیر لوگوں کو بلاتی ہیں۔ وہاں کی ہوا شہوت آمیز اور فضا باہ انگیز ہے' خاص طور پر شام کو عجب طرح کا مجمع ہوتا ہے...... ہر گھر میں رقص اور ہر جگہ نغمہ وساز ہے [۳۵۹]

ان ایام میں حضرت مظہر دہلی کے حالات سے اور یہاں کی ہوا سے تنگ آ جاتے ہیں' آپ اپنے متعلقین کو لکھتے ہیں:

دہلی سے دل وحشت زدہ ہو گیا ہے اور پانی پت کی ہوا موافق نہیں، حیران ہوں کہ کیا کروں [۶۰]

حضرت مظہر اپنے آخری ایام حیات میں انتہائی ''ناتوانی'' کے باوجود دہلی کے حالات سے متاثر ہو کر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھتے ہیں:

دل باہمہ ناتوانی ازین شہر و مردم شہر خوش ندارد [۶۱]

دہلی کے عوام کے مزاج کی تبدیلی جس کا سابقہ اوراق میں تفصیلی ذکر ہوا، حضرت مظہر اس سے خاصے متاثر نظر آتے ہیں۔ یہ مکتوب ملاحظہ ہو:

تبدیلی اخلاق مردم شہر و ملاحظہ اضطرار معاش آن مردم و ہجوم امراض متعددہ طرفہ لشکری از مکروہات گراں رو باین ناتوان آوردہ [۶۲]

ایک خط میں دہلی کے ناکارہ اور خود غرض امراء کی سیاسی حرکات کا ذکر کرتے ہوئے دہلی سے بے زاری اور راہِ فرار کا ذکر فرماتے ہیں لیکن:

دل از دہلی تنگ است و راہ رفتن طرفی بنظر نمی آید، مشکل است [۶۳]

ایک اور مکتوب میں دہلی سے اپنی ترک اقامت کا جو سبب بیان کیا ہے وہ اس شہر کی اس زندگی کی تصدیق کرتا ہے جس کی تفصیلات مرقع دہلی میں دی گئی ہیں یعنی:

سبب ترک اقامت دہلی آنست کہ طالبان خدا در شہر کمتر اند و در قصبات بیشتر، اسباب تنعم و تجمل کہ سرمایہ غفلت است در شہر بسیار تر می باشد و در دہات و قریٰ کمتر [۶۴]

(یعنی دہلی کی اقامت ترک کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان دنوں شہروں میں طالبانِ خدا کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے لیکن دیہات میں زیادہ ہے۔ شہروں میں ''تنعم و تجمل'' کے اسباب زیادہ ہیں جو صرف غفلت کا سرمایہ ہیں لیکن دیہات میں یہ ذرائع کم ہیں۔)

مقاماتِ مظہری میں ہے:

ان ایام میں رزق حلال نایاب ہے اور جہالت کا دور دورہ ہے۔ اکثر کی اولاد علم و ادب سے بے بہرہ ہے۔ عقد نکاح میں بدعات کے رواج سے بہت خلل پیدا ہو گیا ہے [۶۵]

عام طور پر جاہل مسلمان مرد اور عورتیں ہندوؤں کے مراسم بھی ادا کرتے تھے، خصوصاً عورتیں ان کے تہواروں میں شریک ہوتی تھیں، حضرت مظہر نے مسلمان عورتوں کے دیوالی منانے کی بُری رسم کا نفرت سے ذکر کیا ہے:

چنانچہ در ایام دیوالی کفار جہلہ اہل اسلام علی الخصوص زنان ایشان رسوم اہل کفر را بجا می آرند و عید خود می سازند و ہدایا شبیہ بہ ہدایای اہل کفر بہ خانہ ہای دختران و خواہران در رنگ اہل شرک می فرستند [۳۶۶]

جن دنوں چیچک کی وبا پھیلتی تھی تو مسلمانوں کے گھروں میں طرح طرح کے ٹونے ٹوٹکے عمل میں آتے تھے، اس موقع پر بالعموم سیتلا دیوی کی پوجا ہوتی تھی [۳۶۷] حضرت مظہر فرماتے ہیں:

در وقت عروض مرض جدری کہ در زبان ہندی سیتلا معروف است مشہود و محسوس ست کم زنی باشد کہ از دقائق این شرک خالی بود و برسمی از رسوم آن اقدام نہ نماید [۳۶۸]

ان ایام میں نہ صرف دہلی بلکہ سارے ہندوستان میں جادوگر، شعبدہ باز اور عجیب وغریب حرکتیں کرنے والے افراد بھی بکثرت موجود تھے۔ میر شمس، تقی بھکتیہ اور نمود و انمود جیسے جادوگر موجود تھے۔ انہوں نے اپنی شعبدہ بازی کے ذریعے اتنی شہرت حاصل کر لی تھی کہ بادشاہ تک ان کے معتقد ہو گئے تھے [۳۶۹] عورتوں میں ان کا اثر بہت بڑھ گیا تھا۔

حضرت مظہر نے خاص طور پر عورتوں میں افسوں گری کے عقائد کے قلع قمع کرنے کی بے حد کوشش کی ان کو بیعت کرنے کی دیگر شرائط کے علاوہ یہ شرط بھی تھی کہ وہ جادوگری پر عقیدہ نہ رکھیں [۳۷۰]

گویا ان حضرات نے معاشرے کے ہر طبقے کی اصلاح کی پوری سعی کی اور اس قنوطیت کے دور میں بھی ان کی اصلاح وتبلیغ کے مثبت اثرات ہوئے [۳۷۱]

عیاشی کے قصے بیان کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ بلکہ اس ماحول کی عکاسی کرنا لازم ہے جن حالات میں حضرت مظہر نے عوام کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا تھا۔

اس دور میں چند راسخ العقیدہ علماء وصوفیہ کو چھوڑ کر باقی تمام طبقات اسی قسم کی رنگ رلیوں میں مصروف تھے [۳۷۲]

اٹھارھویں صدی میں مسلمانوں کی اخلاقی حالت بعینہٖ وہی تھی جو قوموں کے انحطاط اور حکومتوں

کے زوال کے موقع پر ہوتی ہے۔ فسق و معصیت ان کی معاشرت کا جز بن گئی تھی' انشاء اللہ خان کی دریائے لطافت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اربابِ نشاط کا ہر طرف دور دورہ تھا...... دہلی اور لکھنؤ کی معاشرت اورمجلسی و خانگی زندگی کا جو نقشہ ''دریائے لطافت'' میں نظر آتا ہے۔ اس سے تہذیب کی آنکھیں نیچی اور حیا کی پیشانی عرق آلود ہے [۳۷۳]

اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ نے مسلم سوسائٹی کے زوال کا سبب ان کی مذہبی شعار سے بے اعتنائی اور علومِ دینیہ سے بے تعلقی قرار دیا ہے' آپ عام اُمتِ مسلمہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بے جا حرص و آز کا ہوکھا سوار ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئی ہیں' حرام کو تم نے اپنے لیے خوش گوار بنا لیا ہے' حلال تمہارے لیے بے مزہ ہے...... چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو، خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح کیوں نہ کرنا پڑیں...... اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہے...... تم نے نمازیں برباد کیں، تم نے زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے، تم میں بعض نے روزے چھوڑ رکھے ہیں خصوصاً فوجی ملازم [۳۷۴]

لیکن مایوسی کے اس دور میں راسخ العقیدہ علماء وصوفیہ [۳۷۵] نے نہایت ثابت قدمی سے ماحول کا جائزہ لیا اور پھر اپنے اصلاحی پروگرام کو باقاعدہ مرتب کیا۔

مذہبی بے راہ روی

اکبر بادشاہ کی مذہبی بے راہ روی جسے غیر متعصب مؤرخین نے رواداری سے تعبیر کیا ہے، دور رس اثرات کی حامل تھی۔ اس کے ندیموں، علمائے سو اور صوفیہ خام نے اس سلسلے میں جو کردار ادا کیا تھا اس کے اثرات اٹھارھویں صدی تک محسوس ہو رہے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور آپ کی اولاد و خلفاء نے اس کے مسموم اثرات کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور جہانگیر سے اورنگ زیب کے عہد تک وہ ''تخم الحاد'' جس کا بیج اکبر نے بویا تھا، بار آور نہ ہو سکا، اگرچہ اس نے داراشکوہ کی فطرت میں متشکل ہونے کی سعی کی لیکن اورنگ زیب جیسے دور اندیش اور دین پناہ بادشاہ نے اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا [۳۷۶]

لیکن اورنگ زیب کے مرتے ہی جہاں سیاسی و اقتصادی مسائل و مصائب انسانی اعصاب پر سوار

ہوئے وہاں اسلامی یک جہتی کو پارہ پارہ کرنے والی دشمن طاقتوں نے پھر سے وہ لایعنی مبحث شروع کر دیئے، جنہیں روکنے کی مصلحین اُمت نے انتہائی کوشش کی تھی۔ ان حالات کا شاہ ولی اللہ نے نہایت حکیمانہ تجزیہ کیا ہے۔ وہ سلطنت کے زوال کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس سوسائٹی میں اقتصادی توازن نہ ہو وہاں طرح طرح کے روگ پیدا ہو جاتے ہیں اور مذہب بھی اپنا اچھا اثر نہیں ڈال سکتا [۳۷۷] نیز انہوں نے مسلم معاشرے کے زوال کا سبب مذہبی شعائر سے بے اعتنائی اور علومِ دینیہ سے لاتعلقی قرار دیا ہے [۳۷۸]

خود حضرت شاہ ولی اللہ نے اس دور کی مذہبی بے راہ روی کی بہت سی مثالیں لکھی ہیں ان میں سے بعض ملخصاً درج کی جاتی ہیں جو آپ کی کتاب تفہیمات سے لی گئی ہیں:

تم نمازوں سے غافل ہو......کوئی اپنے کاروبار میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ نماز کے لیے وقت ہی نہیں پاتا اور کوئی اپنی تفریحوں اور خوش گپیوں میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ نماز فراموش ہو جاتی ہے۔

تم زکوٰۃ سے غافل ہو......تم میں کوئی مال دار ایسا نہیں جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں وہ ان کو کھلاتا اور پہناتا ہے، مگر زکوٰۃ وعبادت کی نیت نہیں کرتا، تم رمضان کے روزے بھی ضائع کرتے ہو اور اس کے لیے طرح طرح کے بہانے بناتے ہو...... چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پورا کرو، خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح کیوں نہ کرنا پڑیں......

اے بنی آدم! تم نے ایسی فاسد رسمیں اختیار کر لی ہیں جن سے دین متغیر ہو گیا ہے [۳۷۹]

حضرت مظہر اپنے دور کے مذہبی ماحول کا تجزیہ اس طرح کرتے ہیں:

ان ایام میں لوگوں کے لیے احکامِ خداوندی پر عمل اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا مشکل ہو گیا ہے، معاملات تباہ ہو گئے اور شریعت کے مطابق عمل موقوف ہو گیا ہے، اگر کوئی روایت فقہ کے مطابق اور فتویٰ ظاہر پر عمل کرے اور اُمورِ جدیدہ اور بدعات سے اجتناب کرے تو یہ بہت ہی غنیمت ہے [۳۸۰]

سلاطین اسلام کے عہد کا ایک اہم عہدہ محتسب شہر بھی ہوتا تھا جو اپنے علاقے کی اخلاقی اقدار کے

تحفظ کا ذمہ دار تھا' یہ محتسب اٹھارھویں صدی میں بھی موجود تھے لیکن جب سلاطین و امراء خود لہو ولعب میں مستغرق ہوں تو محتسب عوام سے باز پرس کیسے کر سکتا ہے۔

مرقع دہلی میں اس دور کی مذہبی بے راہ روی اور عیش کوشی کے واقعات تفصیل سے لکھے گئے ہیں عیش وعشرت کے کئی واقعات کے ضمن نواب صاحب نے لکھا ہے کہ امراء وعوام محتسب کی پروا کیے بغیر داد عیش میں مصروف ہیں۔ یہاں تک کہ اس دور کے محتسب میں قوت احتساب ہی نہیں رہی:

قدرت احتساب درخود نمی یابد [۳۸۱]

اس قسم کے اقدام سے بعض صوبوں میں مسلمانوں کی زندگی انتہائی تلخ ہوگئی تھی' حضرت مظہر کے معاصر جید عالم شاہ عنایت قادری قصوری [۳۸۲] نے بعض علاقوں کو غلبۂ ہنود کے باعث دارالحرب قرار دیا تھا [۳۸۳] حضرت مظہر کے خلیفۂ اجل قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام ضعیف ہو چکا ہے' کفر کے ظہور اور مغلوبی اسلام کا دور دورہ ہے' بادشاہوں میں جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کی سکت نہیں رہی [۳۸۴]

حضرت شاہ ولی اللہ نے بادشاہ کے نام ایک مکتوب میں واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ جاٹوں کے زیر اثر علاقوں میں کسی کو اذان دینے کی مجال نہیں ہے [۳۸۵]

اسی قسم کے حالات سے مکمل آگاہی کے بعد حضرت مظہر نے تبصرہ کرتے ہوئے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ اس وقت سارا ہندوستان ''کفرستان'' بن گیا ہے:

ہر چہار طرف کفرستان است [۳۸۶]

اس غلبہ کفر میں مسلمان اپنی جان و مال اور آبرو تو کھو ہی بیٹھے تھے لیکن وہ اپنی جداگانہ ملّی حیثیت بھی فراموش کرنے لگے تھے' اس دور کے بہت سے بااثر مسلمان ہندو اور مسلم میں صرف لفظی فرق خیال کرتے تھے' صوفیہ خام نے وحدت الوجود کے فلسفہ کو ہندومت کے ساتھ ملا کر اسے وحدت ادیان سے قریب تر کر دیا تھا [۳۸۷]

علماء وصوفیہ کی حالت

اس مذہبی بے راہ روی کے دور میں علماء وصوفیہ جن کا مقصد حیات سلاطین، امراء وعوام کی اصلاح تھا، خود ان کی حالت افسوسناک تھی' یہاں اس ماحول کا تذکرہ اس لیے کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین حضرت

مظہر اور دیگر راسخ العقیدہ علماء وصوفیہ کی دعوت وعزیمت کی کوششوں کو بآسانی سمجھ سکیں۔

حضرت مظہر کے معاصر اور اس عہد کے سب سے بڑے عالم حضرت شاہ ولی اللہ نے علماء، فقہاء اور واعظوں کو خطاب کر کے جس طرح انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے، اس سے اس دور کے علماء کی افسوس ناک حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، فرماتے ہیں:

> اے بدعقلو! جنہوں نے اپنا نام ''علما'' رکھ چھوڑا ہے' تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو، اور صرف ونحو و معانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنت ثابتہ قائمہ کا...... لیکن ان دنوں جن چیزوں میں تم اُلجھے ہوئے ہو اور جس میں سر کھپا رہے ہو اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ، یہ دنیا کے علوم ہیں...... علم کا پڑھنا تو اسی لیے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دیا لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں...... تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہو چکی ہے، حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں جو علماء سے خالی ہیں اور جہاں علماء پائے جاتے ہیں وہاں بھی دینی شعار کو غلبہ حاصل نہیں ہے...... تم لوگوں کو جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر دی ہے، حالانکہ تم تو اس لیے پیدا کیے گئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاؤ گے [۳۸۸]

شاہ ولی اللہ کے اس خطاب سے اس دور کی مذہبی فضا اور علماء کی زندگی واضح طور پر سامنے آ جاتی ہے کہ کس طرح علماء اپنے منصب کی حقیقت کو فراموش کر کے یونانی علوم کی ترویج اور صرف ونحو میں مستغرق تھے۔

شاہ صاحب اس عہد کے فقہاء کے بارے میں فرماتے ہیں:

> اس زمانہ میں فقیہ اس شخص کا نام ہے جو باتونی ہو زور زور سے ایک جبڑے کو دوسرے جبڑے پر پٹکتا ہو، جو فقہاء کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف سب کو یاد کر کے بغیر اس امتیاز کے کہ ان میں سے کس میں قوت ہے، کس میں نہیں ہے وہ انہیں اپنے جبڑوں کے زور سے چلتا کرتا ہے...... فقہاء جو پہلے عوام کے مطلوب تھے اب یہی عوام کے طالب ہو

گئے اور سلاطین اور بادشاہوں سے الگ رہنے کی وجہ سے وہ معزز شمار کیے جاتے تھے،

اب بادشاہوں کے آستانوں پر جھک کر ذلیل وخوار ہو رہے ہیں [۳۸۹] ......

اگر احبار یہود کی حالت دیکھنا چاہو، تو آج کل کے علماء کو دیکھ لو اور اگر عیسائیوں کا نقشہ

دیکھنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو [۳۹۰]

بے شک اس عہد میں صوفیہ عام کی حالت بھی بہت ہی افسوس ناک تھی، کئی درویشوں کے افعال میں جوگیوں کا اثر نظر آتا ہے، سید عبدالولی عزلت نے داڑھی اور بھنویں منڈوا کر جوگیوں کی وضع اختیار کر لی تھی۔ اس طرح مرزا گرامی لباس صوفیہ کے باوجود قلندر مشرب اور ہر مذہب کو پسند کرتے تھے [۳۹۱] کئی صوفیہ ہندوؤں کو اعلانیہ مرید کرتے تھے چنانچہ شاہ آل محمد (ف ۱۱۶۴ھ) کے کئی ہندو مرید تھے۔ ان میں جین بیراگی، کشن داس اور شامی کے نام ملتے ہیں۔

دہلی کے ایک صوفی خواجہ محمد اشرف کے گھر پر بسنت کا میلہ ہوتا تھا، شہر کے خواص وہاں مدعو ہوتے تھے، نامی رقاصائیں کیسری لباس زیب تن کر کے وہاں برائے رقص آتی تھیں [۳۹۲] اسی طرح شاہ کمال الدین حسین صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن راجہ بلاس رائے کے دربار سے وابستہ تھے [۳۹۳]

شاہ وارث الدین کے گھر میں اکثر راگ ورنگ کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں [۳۹۴]

مجنون نانک شاہی کی حرکات ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے جاذب نظر تھیں [۳۹۵] شاہ کمال دہلوی خرقہ پوشی، نفاست لباس، پرتکلف خوراک میں بے نظیر تھے۔ وجد وسماع کے حد سے زیادہ شائق تھے۔ وہ ''اصطلاحات تصوف اور استعارات مشائخ'' کو رنگین پیرایۂ بیان میں سناتے تھے [۳۹۶]

شاہ غلام محمد راول پورہ (نواح دہلی) سماع کے اس قدر شائق تھے کہ قوال ان کے ہاں ملازم تھے [۳۹۷]

خانقاہی نظام، جو کہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا بہت بڑا منبع تھا، تباہ ہو گیا تھا، مرقع دہلی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مزارات عیاشی کے اڈے بن کر رہ گئے تھے، بسنت کے روز عوام وخواص قدم حضرت رسالت پناہ ﷺ (دہلی) کے مقام پر جمع ہوتے تھے، قوالی، مجرا اور پری پیکر نازنین بھی شامل ہوتی تھیں، یہاں سے فارغ ہو کر لوگ مع ساز وسامان راگ ورنگ، دیگر مزارات پر جاتے تھے [۳۹۸]

بزرگانِ دین کے عرس محض ان کی یاد تازہ کرنے اور ان کی تعلیمات کے پرچار کے لیے کیے جاتے

تھے لیکن اس دور کے اکثر عرس لہو ولعب کا مرکز بن کر رہ گئے' دہلی کے تقریباً ہر عرس پر موسیقار بکثرت جاتے تھے اور موسیقی سے لطف اندوز ہونے کے لیے جانے والوں کا یہ عالم تھا کہ صبح سے وہاں پہنچ کر نشست پر قبضہ کیا جاتا تھا بصورتِ دیگر انہیں وہاں جگہ ہی نہیں ملتی تھی [۳۹۹]

جتا قوال نہ صرف عرسوں بلکہ مجالس صوفیہ کی جان تھا [۴۰۰] حضرت مظہر نے اس دور کی عورتوں کی جہالت اور مذہب بے گانگی کا بھی ذکر کیا ہے' وہ بزرگوں کے نام پر روزے بھی رکھتی تھیں [۴۰۱]

جہلا اولیا کے مزارات پر حج کے ارادہ سے جاتے تھے اور انہوں نے ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا [۴۰۲] اس بے راہ روی کے بقیہ اثرات زائل کرنے کے لیے چودھویں صدی ہجری کے عظیم فقیہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کو عورتوں کے عرسوں میں شمولیت اور مزارات پر جانے کے عمل کو غیر شرعی قرار دینا پڑا [۴۰۳]

ان حالات میں حضرت مظہر اور حضرت شاہ ولی اللہ نے صوفیہ پر کڑی تنقید کی [۴۰۴] تعلیم سلوک کا معیار بھی بہت گر گیا تھا۔ حضرت مظہر لکھتے ہیں:

> (کشف کی) یہ غلطیاں خصوصاً اس دور میں بہت رواج پا گئی ہیں کیوں کہ پیروں میں کشفی نسبت بہت کمیاب ہے۔ پھر مریدین بھی ضعف ہمت کے باعث اجازت ارشاد اور بشارات کے لیے بے چین رہتے ہیں [۴۰۵]

حضرت مظہر نے ایک اور مقام پر اپنے زمانے کا تیس سال پہلے کے روحانی عروج سے تقابل کیا ہے:

> اس آخری زمانہ میں مقاماتِ سلوک کے لیے استعدادیں کوتاہ ہو گئی ہیں جو مقصود تک پہنچانے سے معذور ہیں۔ لیکن تیس سال پہلے طالبوں کی سیر میں سرعت تھی ان کا کشف و وجدان بھی درست ہوتا تھا [۴۰۶]

یہ حقیقت ہے کہ اس دور کے علماء و صوفیہ صدہا قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھے اور ان کی حرکات کا اثر ہر کس و ناکس پر پڑتا تھا' بقول پروفیسر نظامی:

> اس قسم کے صوفیہ نے مذہبی تعلیم کو مسخ کرنے کے ساتھ ساتھ ملت کے قوائے عمل کو بھی شل کر دیا تھا [۴۰۷]

اس عہد کے راسخ العقیدہ صوفیہ خصوصاً حضرت مظہر نے ایسے صوفیہ کے خلاف آواز بلند کی اور تصوف کی صحیح اسلامی روح کو پیش کرنے کی سعی کی۔

صوفیہ کی اصلاحی کوششیں

پاکستان و ہند کی معاشرتی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کرنے والے مؤرخین نے تسلیم کیا ہے کہ یہاں معاشرہ کی اصلاح، تبلیغ دین، اخلاقی قدروں کی حفاظت معاشرے کے جس طبقے نے کی ہے وہ صوفیہ کرام ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے راسخ العقیدہ امراء اور اعیانِ سلطنت کو خط و کتابت کے ذریعے اپنا ہم خیال بنا کر دین کی تبلیغ کے لیے قدم اُٹھایا' اس قدام سے جہاں بہت سے مفید نتائج برآمد ہوئے وہاں اس نتیجے کا خصوصیت سے ذکر کیا جا رہا ہے کہ کم از کم معاشرے میں سلاطین و امراء کی بداعمالیوں سے جو بُرے اثرات پڑتے ہیں، معاشرہ بہت حد تک اس سے بچا رہا' حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کی اولاد اور خلفاء نے ہندوستان کی معاشرت کے اس نفسیاتی راز کو بخوبی جان لیا تھا کہ اگر اس ملک میں اسلام کو سیاسی برتری حاصل نہیں ہوگی تو یہاں اس دین کا قائم رہنا دشوار ہے[۴۰۸]

لیکن اٹھارھویں صدی کے حالات اس سے مختلف تھے' مسلم حکومت کا اثر ونفوذ تیزی سے ختم ہو رہا تھا پہلے صوبے ہاتھوں سے نکلے، پھر مرکزی حکومت بھی متزلزل ہوگئی تو اس دور کے صوفیہ کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اس پالیسی کی اصل روح اور اہمیت کا پتہ چلا جب یہاں سے ''اسلام کی سیاسی برتری'' کو شدید نقصان پہنچنا شروع ہوا اس دور کے مختلف سیاسی واقعات سے مترشح ہوتا ہے کہ دشمن طاقتیں بھی اس امر سے بخوبی آگاہ تھیں کہ جب تک ہندوستان کی مسلم حکومت مضبوط ہے، یہاں مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ناممکن ہے۔ لہٰذا ان کے حملے براہِ راست دین اور دینی یادگاروں پر ہوتے تھے' وہ اس میں اختلاف کو ہوا دینے میں باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت کام کر رہی تھیں۔

لیکن اسلام کی اس زبوں حالی اور ضعف کے باوجود بعض راسخ العقیدہ علماء وصوفیہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید میں محب وطن اعیانِ سلطنت کو خطوط لکھ کر اپنا ہم خیال بنایا' پوری سیاسی بصیرت کے ساتھ زوال وانحطاط کے ایک ایک سبب پر غور کیا' عوام کی حالت کا اندازہ لگایا۔ اعیانِ حکومت کی انفرادی صلاحیتوں کو پرکھا اور اپنے اصلاحی پروگرام کا خاکہ تیار کیا[۴۰۹] چنانچہ انہوں نے پوری کوشش کی

کہ اس سیاسی زوال کو مذہبی اور ذہنی زوال کا پیش خیمہ نہ بننے دیا جائے۔

اس دور زوال میں پاکستان و ہند میں صوفیہ کی کمی نہیں تھی' بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صرف دہلی میں محمد شاہ کے عہد میں بائیس بزرگ صاحب ارشاد موجود تھے' ایسا اتفاق بہت کم ہوتا تھا[110] ان تمام بزرگانِ دین کی اصلاحی کوششوں کا تذکرہ کرنا اس مقدمے میں ناممکن ہے۔

ان میں سے حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت مظہر، خواجہ میر درد، شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری (سندھی)، شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، شاہ فخر الدین دہلوی، شاہ غلام علی دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خدمات کا مجمل سا تذکرہ ملاحظہ ہو۔

شاہ ولی اللہ نے سیاسی زوال کے دور میں مایوسی اور قنوطیت کو پاس نہ آنے دیا' انہوں نے یہاں کے سلاطین و امراء کی صلاحیتوں کو بخوبی پرکھنے کے بعد اپنے روحانی جد اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تقلید میں ''اسلام کو سیاسی برتری'' دلانے کے لیے جب مقامی سلاطین و امراء کو اس قابل نہ پایا تو دین کی حفاظت اور مسلم حکومت کے تحفظ کے لیے انہوں نے ایک غیر ملکی (احمد شاہ درانی) کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دے دی[111]

شاہ ولی اللہ جیسے مصلحین کو تائید ایزدی سے کامل یقین تھا کہ اصلاح کے تمام مطالبات انہی کے ذریعے پورے ہوں گے، چنانچہ انہوں نے ان حالات میں صوفیہ کو اس طرح مخاطب کیا:

> دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں اور واعظوں، عابدوں اور کنج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں کہ جبراً اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمہارا کیا حال ہے؟ ہر بُری بھلی بات، ہر رطب و یابس پر تمہارا ایمان ہے......اے وہ لوگو! جو اپنے آباء و اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گزشتہ بزرگانِ دین کی اولاد میں ہو...... ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈلی میں الاپ رہا ہے۔ جس طریقے کو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے سے نازل فرمایا تھا......اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے......ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لیے مرید کرتے ہیں کہ ان سے ٹکے وصول کریں[112]

اسی طرح حضرت شاہ فخر الدین دہلوی [۲۱۳] نے ہدایت کی:

سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ خود سلاطین محنت کریں اور ملک گیری کو مطمحِ نظر بنائیں۔
دوسرے ان کے امراء بھی مسلمان ہونے چاہئیں [۲۱۴]

حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی اور حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کی اصلاحی کوششیں اس دور میں آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہیں [۲۱۵]

حضرت میرزا مظہر جنہوں نے خود تیس سال حصولِ علم کے لیے صرف کیے تھے اور تیس سال ہی آپ سالکانِ طریقت کی تربیت میں مصروف رہے تھے، آپ سلاطین، امراء اور دیگر اعیانِ سلطنت کی اصلاح [۲۱۶] کے علاوہ معاشرے کی اصلاح اور تربیت کی طرف بھی کامل توجہ فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے وضاحت کی ہے وہ بیگانگی کے باوجود ایک ایک امیر کے حال سے باخبر تھے [۲۱۷]

حضرت مظہر ملک کی سیاسی قیادت میں کمی کے علاوہ ملک کی معاشی بدحالی کو بھی زوال کا ایک بنیادی سبب تصور کرتے تھے' آپ تنگ دستی اور عسرت کا بار بار تذکرہ فرمانے کے باوجود محبِ وطن امراء کو مالی بحران کا شکار دیکھ کر فرماتے ہیں:

اگر میرے پاس دولت ہوتی تو ان مایوس سرداروں پر خرچ کرتا اور انہیں بھیج دیتا کیوں کہ ہر قسم کے سردار ہم سے روابط رکھتے ہیں کیا کروں: ع
بے زری کرد بمن آنچہ بقاروں زر کرد [۲۱۸]

حضرت شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری [۲۱۹] (ف ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) جن کا ذکر ''احمد شاہ درانی کے ہندوستان پر حملے'' کے تحت بھی ہو چکا ہے حضرت مظہر کے معاصرین میں درجہ اوّل کے عالم، صاحب ارشاد صوفی اور کثیر التصانیف مصلح تھے۔ اگر ان کی کتابوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مجموعہ مکتوبات میں بھی تقریباً وہی مسائل مکتوب الیہم نے ان سے دریافت کیے ہیں جن کا حل مکاتیب حضرت مظہر میں پیش کیا گیا ہے انہیں احمد شاہ درانی سے اتنی محبت تھی کہ وہ درانی کے انتقال کے بعد اس کے بیٹوں کے مابین جانشینی کے تنازعہ میں بھی شامل نظر آتے تھے۔

مصلحین صوفیہ میں حضرت خواجہ میر درد (۱۷۱۹ء۔۱۷۸۵ء) کا خاص مقام ہے۔ وہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاری قدس سرہ کی اولاد سے تھے۔ ان کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب

(۱۶۹۲ء۔۱۷۵۹ء) سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ طریقت اور خود ''طریقہ محمدیہ'' کے بانی تھے خواجہ میر درد اپنے والد کے خلیفہ تھے' شریعت و طریقت میں صوفیہ نے جو تفریق پیدا کر دی تھی وہ اس کے پر جوش مخالف اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے حقیقی معانی و مفہوم سمجھانے والے تھے۔ انہوں نے مسائل تصوف کی توضیحات جس طرح کی ہیں، ان سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اسے ہر قسم کے غیر اسلامی اثرات سے پاک کرنا چاہتے تھے' وہ فارسی و اردو کے بلند پایہ شاعر بھی تھے [۴۲۰] ان کے دواوین کے علاوہ ''علم الکتاب'' اور ''رسائل اربعہ'' کے مطالعے سے ان کے افکار واضح ہو سکتے تھے۔

دیگر مشائخ کی طرح خواجہ درد بھی حالات کی دگرگونی سے متاثر اور عوام کی معاشی عسرت سے بخوبی آگاہ نظر آتے ہیں' اپنے ایک رسالے میں فرماتے ہیں:

> پریشان خاطری ابنای زمان ناحق من فارغ بال را متردد میگرداند و دردناک می سازد و بے روزگاری محبان و دوستان عبث من خوش حال را صدمہ غم خواری ایشان رساند در فکر می اندازد کہ از چار طرف عجب عجب گرد بار غبار خاطر ہا بر می خیزد...... این شہر و شہر یاران را در حفظ و امان خود دارد و فوج بے گانہ را باین سمت نیارد و باشندگان این جا از بلای غارت و عسر معیشت محفوظ مانند [۴۲۱] ......

صوفیۂ کرام کے اس گروہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت مظہر کے جانشین و کتاب ہذا کے مؤلف شاہ غلام علی دہلوی [۴۲۲] کی اصلاحی و تبلیغی کوششیں بھی لائق صد آفرین ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز (۱۱۴۹۔۱۲۳۹ھ/۱۸۴۶۔۱۸۲۳ء) بن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایک متبحر عالم تھے۔ ان کی علمی قابلیت سے سارا ہندوستان مستفید ہوا' عرب سے بہت سے علماءِ علم حدیث کے حصول کے لیے حاضر خدمت ہوئے' ان کے عہد میں علومِ دینیہ میں ایک خاص وقار قائم ہو گیا شاہ صاحب بلند پایہ کتابوں کے مؤلف تھے۔ ''تفسیر عزیزی'' اور ''تحفہ اثناء عشریہ'' زیادہ مشہور ہیں۔

شاہ صاحب کے ملفوظات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے دل میں مذہب سے متعلق بہت سے شبہات پیدا ہو گئے تھے اور یہ انہی کا تبحر اور قابلیت تھی کہ ان کو مطمئن کر دیتے تھے' ایک انحطاط پذیر سوسائٹی میں عوام کے مذہب و ذہن اور شعور کو انتشار سے بچا لینا شاہ

صاحب کا عظیم کارنامہ ہے' وہ عوام کی نفسیات سے واقف تھے' مرض کی تشخیص کر چکے تھے اس لیے علاج بھی ہمیشہ کارگر ہوتا تھا' شاہ صاحب کے مساعی کے یہ چار پہلو تھے:

(۱) علوم دینی قرآن وحدیث کا چرچا کرنا اوران کا صحیح معیار قائم کرنا۔

(۲) اس زمانے کے غلط مذہبی نظریات کی تصحیح اور مسلمانوں کو ذہنی انتشار سے بچانا۔

(۳) ہندوستان کے عرب کے ساتھ زیادہ قریبی تعلقات پیدا کرنا۔

(۴) ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کی روح پھونکنا اور مجاہدین کی سرفروش جماعت پیدا کرنا۔[۱۲۲]

حضرت مظہر کی شہادت ......ایک سیاسی واقعہ

حضرت مظہر کے عہد کے سیاسی نشیب وفراز کا ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں' اس عہد میں ملکی جماعتوں نے حکومت کے زوال کو تیز تر کرنے میں جو کردار ادا کیا اس کے مختصر حالات بھی گزر چکے ہیں' ان میں دومتحارب پارٹیوں ایرانی اور تورانی جماعتوں میں اقتدار کے لیے رسہ کشی کے دوران ناقابل تلافی نقصانات[۱۲۴] ہوئے۔

محمد شاہ کے عہد میں ایرانی جماعت کے رؤساء سادات بارہہ قتل ہو گئے جس سے ان کا زور ٹوٹ گیا لیکن اسی عہد میں تورانی پارٹی کی قیادت کی کمزوری کے باعث ایرانی پارٹی نے اتنا عروج حاصل کر لیا کہ شاہ عالم ثانی کے عہد میں ایرانی جماعت کے سب سے پرجوش قائد نجف خان[۱۲۵] کو مسند وزارت پر فائز کرنا پڑا۔

ایرانی جماعت کے برسراقتدار آنے سے جہاں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے وہاں شیعہ سنی نزاع بھی قابل ذکر ہے۔ اس عہد میں علمائے اہل سنت کو خاصی پریشانی ہوئی۔

نجف خان نے تحفہ اثناعشریہ کے مؤلف حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین کو دہلی سے نکل جانے کا حکم دیا تھا یہ دونوں بزرگ اپنے خاندان سمیت شاہدرہ تک پیدل گئے تھے۔

نجف خان تورانی پارٹی کی پشت پناہی کرنے والی ایک طاقت ''روہیلہ'' کا بھی سخت دشمن تھا' اس نے روہیلوں کو پامال کیا اور ضابطہ خان بن نجیب الدولہ کو مرہٹوں کی مدد سے شکست دی تھی' تمام راسخ

العقیدہ سنی علماء و مشائخ روہیلوں اور تورانی جماعت کے حامی تھے' خصوصاً دو فعال ترین شخصیتوں یعنی حضرت شاہ ولی اللہ [۴۲۶] اور حضرت مظہر کی خانقاہیں تو ان طاقتوں کا مرکز تھیں، جس کے نتیجے کے طور پر ان دونوں شخصیتوں کے خاندانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

ہمارا خیال ہے کہ اولاد حضرت شاہ ولی اللہ سے ''متصدیان سلطانی'' کا حویلی ضبط کرنے اور پھر ان افراد کا حضرت شاہ فخر دہلوی کے ہاں پناہ لینے [۴۲۷] کے واقعہ کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔

حضرت مظہر علانیہ تورانی جماعت کے حامی تھے اور اس پارٹی کے بہت سے افراد کے ساتھ آپ کے تعلقات تھے' وہ علانیہ آپ کی خانقاہ میں آتے رہتے تھے' حضرت مظہر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھتے ہیں:

بعضی تورانیہا بافقیر آشنا ہستند، حاضر اند و ایرانیہا خود دشمن اند [۴۲۸]

نجف خان کو اپنی وزارت کے دوران سب سے زیادہ نقصان جس گروہ نے پہنچایا وہ ''روہیلے'' تھے' اس عہد کے سب سے بڑے روہیلہ سردار نجیب الدولہ کو حضرت مظہر سے بہت عقیدت اور ''حسن ظن'' تھا' اس نے کئی بار اس آرزو کا اظہار کیا تھا کہ حضرت مظہر اس کے مقبوضہ علاقے میں سکونت اختیار کریں چنانچہ حضرت مظہر کئی مرتبہ اس کے علاقے میں تشریف لے گئے تھے' ایک خط میں آپ نے اس کی جو تفصیل دی ہے' وہ ان حالات کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہے' لکھتے ہیں:

> اخذ طریقہ کے لیے روہیلوں کا اتنا ہجوم ہے کہ تمام دن توجہ دینے سے فرصت نہیں ملتی...... اس قوم میں عجیب و غریب آثار ظاہر ہوئے، ہم نے یہ سفر بالکل ٹھیک کیا ہے۔ فقیر کے پہنچنے کی خبر سن کر یہ لوگ دور دراز علاقوں سے احرام بستہ آئے ہیں ...... ان میں سے ایک جماعت میرے ساتھ آئی ہے اور کسب طریقہ کے لیے میرے ساتھ دہلی جانے کا ارادہ رکھتی ہے [۴۲۹]

حضرت مظہر کے بہت سے مریدین نجیب الدولہ اور تورانی امراء کے لشکروں میں ملازم تھے [۴۳۰] آپ کے خطوط سے کئی ایسے اشارات ملتے ہیں کہ آپ اور دیگر مخلصین بعض مہمات کے دوران نجیب الدولہ کی کامیابی کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے [۴۳۱] نجیب الدولہ کے علاوہ کئی دیگر روہیلہ سردار مثلاً دوندے خان، حافظ رحمت خان اور افضل الدولہ سے بھی حضرت مظہر کے نہایت خوشگوار

مراسم تھے[۴۳۲]

نجف خان کے سب سے بڑے حریف اور تورانی پارٹی کے سرگرم رکن مجد الدولہ عمدۃ الامراء فرزند خان (عبدالاحد خان) سے بھی حضرت مظہر اور حضرت شاہ ولی اللہ کے بہت اچھے تعلقات تھے[۴۳۳]

اسی طرح ایک اور اہم روہیلہ سردار ملا رحیم داد جو کہ نجف خان کا بدترین دشمن اور پانی پت و نواح پانی پت کا عامل تھا، کے ساتھ حضرت مظہر کے قدیم مراسم تھے۔ ہم نے اس مقدمے میں اس سلسلے کی تفصیلات دی ہیں[۴۳۴] ان سے اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ وہ تقریباً تمام مہمات پر روانہ ہونے سے پیشتر حضرت مظہر کی خدمت میں حاضر ہو کر ان مہمات کے بارے میں مشورہ کرتا تھا۔

ان کے مقابلے میں حضرت مظہر نجف خان سے بہت کبیدہ خاطر رہتے تھے' ایک خط میں لکھتے ہیں:

> جس دن سے نجف خان آیا ہے اس شہر میں فقیر سے لے کر بادشاہ تک ہر شخص کی حالت خراب ہے' ہر خاص و عام کی زبان پر مجد الدولہ کی رہائی کا ذکر ہے' خدا جلد ہی کچھ کر دے گا[۴۳۵]

نجف خاں کی ان حرکات کے اثرات ظاہری زندگی اور سیاست پر ہی نہیں پڑ رہے تھے بلکہ حضرت مظہر کے جانشین نے اس عہد کی روحانی فضا کا تذکرہ کیا ہے کہ نجف خان کے اقتدار میں رمضان شریف کی برکات کا ادراک نہیں ہوتا اور کفر کی ظلمت ہر طرف چھا گئی ہے[۴۳۶]

ان حالات میں اس بات کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ ایرانی پارٹی نے ایسے علماء و مشائخ کے خلاف سخت اقدامات کیے تھے انہیں شہر بدر کرنے کے علاوہ انہیں قتل کرنے کا باقاعدہ پروگرام بنا رکھا تھا' اس عہد کے ایک نامور امیر اور فعال سیاسی شخصیت عماد الملک نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ حضرت مظہر کی شہادت کی اصل نوعیت کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہے، ملاحظہ ہو:

> پنجاب کا ایک باشندہ جو حضرت شاہ فخر دہلوی کی خدمت میں دہلی گیا تھا اس نے ایک دن حضرت شاہ فخر کی مجلس میں بیان کیا کہ جس دن حضرت مظہر کو شہید کیا گیا، اس دن میں ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، میں نے ایک ایرانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ایک بڑے سنی عالم کو قتل کر دیا ہے لیکن ابھی ایک اس سے بڑا عالم (حضرت شاہ فخر)

باقی ہے۔ میں اسے بھی ضرور قتل کر دیتا لیکن کیا کروں کہ اس کے گرد ہر وقت مریدوں کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ میں اسے کبھی تنہا نہیں پاتا' یہ سن کر حضرت شاہ فخر نے کہا کہ خاطر جمع رکھو اللہ حافظ و ناصر ہے [۴۳۷]

اس پس منظر کی بنیاد پر یہ سمجھ لینا نہایت آسان ہے کہ خانقاہ مظہری تمام محبّ وطن امراء، تورانی جماعت اور روہیلوں کا مرکز تھی اور اکثر سیاسی اُمور پر غور و فکر یہیں ہوتا تھا' گویا اس درگاہ نے بھی آستانہ حضرت شاہ ولی اللہ کی طرح ملکی سیاست میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

اس فضا میں جب تک ایسی فعال شخصیتوں کو دارالحکومت سے شہر بدر یا قتل نہ کیا جاتا، ایرانی پارٹی کا اس وقت تک یہاں مکمل کنٹرول ناممکن تھا۔

ان شواہد کی بنیاد پر ہم حضرت مظہر کی شہادت (۱۷۸۱ء) کو ایک سیاسی قتل کا درجہ دیں تو بے جا نہ ہو گا۔

اس عہد میں شیعہ سنی اختلافات کو بعض سیاسی جماعتوں نے جیسا کہ وہ عام طور پر کیا کرتی ہیں، اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اس طرح سے ہوا دی تھی کہ اس کے دور رس اثرات مرتب ہونے لگے چونکہ اس دور میں علماء کا ایک طبقہ سیاست میں گہری دلچسپی لے رہا تھا، جس سے عوام کی سیاسی حس بھی بیدار ہونے لگی تھی اس لیے سیاسی رہنماؤں نے معمولی مذہبی اختلافات کو اپنے دنیوی فائدے کے لیے اتنا اُبھارا کہ علماء کی تمام تر دماغی صلاحیتیں دونوں فرقوں کے نظریات کی ردّ و قدح میں صرف ہونے لگیں' بعض گہری فکر کے علماء نے اس سازش کو بھانپ لیا اور اسلامی وحدت کو پارہ پارہ ہونے سے بچنے کے لیے منفی اور اشتعال انگیز رسائل لکھنے کی بجائے مثبت اقدام کیے ان میں سے شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین اور شاہ عبدالعزیز کی تحفہ اثناء عشریہ اس سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں مجالس کا انعقاد، باطل کے مقابلے میں آپ کی بے مثال قربانی اور ایثار کا تذکرہ بلاشبہ ایمان افروز عمل ہے لیکن اس موقع پر بعض مجالس میں جو بدعات شامل ہو جاتی تھیں دیگر علماء کی طرح حضرت مظہر بھی ان کی مخالفت فرماتے تھے' دہلی کے شیعہ طبقہ میں سیاسی فائدے اُٹھانے والے گروہ آپ کی اس مخالفانہ گفتگو کا ذکر بڑھا چڑھا کر کیا کرتے تھے' شعراء

کے تذکرہ نویسوں نے اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ حضرت مظہر کو روافض نے شہید کیا تھا [۴۳۸]

حضرت مظہر کی شہادت کو ایک سیاسی قتل تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ہم اسے ایک انتہائی درجہ کا مذہبی تعصب بھی قرار دے سکتے ہیں۔

حضرت مظہر کی تعلیمات

حضرت مظہر کے مکتوبات اور ملفوظات دراصل آپ کی تعلیمات اور ساری زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہیں بلکہ مقاماتِ مظہری میں شامل آپ کے چوبیس مکاتیب کا انتخاب تو قصداً اس طریقہ پہ کیا گیا ہے کہ ان سے آپ کی تعلیمات اجاگر ہوں ذیل میں مکتوبات و ملفوظات میں سے آپ کے ارشادات کی تلخیص درج کی جا رہی ہے:

(۱) طالب کو چاہیے کہ خود کو چار قسم کے فساد سے محفوظ رکھے:

(i) نامحرم اور غافل کی صحبت۔

(ii) مشتبہ روزی سے اس کا ہر لقمہ باطن کے نور کو ظلمت میں بدل دیتا ہے۔

(iii) زیادہ کھانے سے۔

(iv) روزی کو غفلت سے کھانے سے سالک جو لقمہ غفلت سے کھاتا ہے، وہ صرف چربی چڑھاتا ہے۔

(۲) شریعت میں مرد اس وقت بالغ ہوتا ہے جب منی شہوت کے طریقہ پر اس میں سے خارج ہو، لیکن طریقت میں اس وقت بالغ ہوتا ہے جب وہ شہوت پر قابو پا لیتا ہے۔

(۳) شریعت میں نادار کو فقیر کہتے ہیں لیکن طریقت میں فقیر اسے کہتے ہیں جس کے باطن میں سوائے خدا کے اور کچھ نہ ہو یہ وہ فقر ہے جس پر حضور ﷺ نے فخر کیا ہے اور فرمایا ہے: ''الفقر فخری'' [۴۳۹]

(۴) مشتبہ لقمہ نورِ باطن کو ''تباہ اور سیاہ'' کر دیتا ہے [۴۴۰]

(۵) دل کو دونوں جہانوں کی اغراض سے پاک کر لو، تمہارا عمل ہی کیا ہے کہ تم اسے بیچ سکو [۴۴۱]

(۶) وحدت الوجود کا مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے [۴۴۲]

(۷) کرامات کو اپنے لیے خود پسندی اور فخر کا سرمایہ نہ بنائیں [۴۴۳]

(۸) کامل صوفی کبھی اپنی طرف خیر و کمال کو منسوب نہیں کرتا بلکہ انہیں مستعار سمجھتا ہے [۴۴۴]

(۹) بزرگانِ دین یعنی علماء و صوفیہ کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کے اختلاف میں نہیں پڑنا چاہیے [۴۴۵]

آپ کے مخلصین آپ سے بعض دینی مسائل بھی دریافت کرتے تھے۔ آپ کے مکتوبات سے نہ صرف ان مسائل کے بہترین حل ملتے ہیں بلکہ اس دور میں زیرِ بحث اُمور کی ایک جھلک بھی نظر آ جاتی ہے۔ مثلاً:

(۱۰) نماز میں شہادت کی انگلی اُٹھانے کے مسئلے میں اختلاف ہے، حضرت مجدد الف ثانی نے رفع سبابہ کی نفی کی ہے، حضرت مظہر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی کے زمانے تک رفع سبابہ کی تائید کرنے والی احادیث مشہور نہیں ہوئی تھیں یا حضرت مجدد الف ثانی تک حدیث کے وہ متون نہیں پہنچے تھے اس لیے آپ سے اس مسئلے میں اجتہادی خطا ہوئی، احادیث صحیحہ کی روشنی میں رفع سبابہ کی تائید ہوتی ہے [۴۴۶]

(۱۱) مکتوب نمبر ۱۸، ۱۹ میں آپ نے شیعہ سنی اختلاف اور مختلف فیہ مسائل کا حل عمدہ پیرایہ بیان اور صوفیانہ طریقہ پر کیا ہے جو دل کی گہرائیوں تک اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

(۱۲) حضرت مظہر کے سولہویں مکتوب سے جو حدیث کے مطابق عمل کرنے کے بیانات پر مشتمل ہے، بعض اہلِ حدیث حضرات نے اسے اپنے مکتبہ فکر کا ترجمان بنانے کے لیے نہ صرف اس مکتوب پر حاشیے چڑھائے ہیں بلکہ حضرت مظہر کو اہل حدیث عالم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اس مکتوب میں آپ کا مقصد بیان تو صرف یہ ہے: [۴۴۷]

> عمل حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو اس کا اہل ہو اسے عمل کی
> اجازت بلکہ ضرورت ہے یعنی صرف مجتہد فی المذہب ہی قول
> امام کو ترک کرسکتا ہے۔

مقاماتِ مظہری میں شامل مختلف فصلوں میں آپ کے یہ زریں اقوال حرزِ جان بنانے کے قابل ہیں، فرماتے ہیں:

(۱۳) امراء کے طعام کی ظلمت باطن کو مکدر کر دیتی ہے۔

(۱۴) لقمہ حلال توفیق رفیق اور نور اطاعت میں اضافہ کرتا ہے۔

(۱۵) سالک کے دل میں خدا اور دنیا کی طلب جمع نہیں ہوسکتی۔

(۱۶) بشارات خود پسندی اور فخر کا باعث نہ بنیں۔

(۱۷) سب سے عمدہ کرامت اتباع حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں استقامت ہے۔

(۱۸) اس زمانہ میں توکل تفرقہ دل کو رفع کرنے کا سبب ہے۔

(۱۹) جو طالب کامل صحت یعنی نسبت محمدیہ چاہتا ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ اتباع سنت کو تمام ریاضات و مجاہدات سے بہتر سمجھے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

حضرت مظہر نے اپنے مکتوبات [۴۴۸] میں ان دونوں افکار کی جس طرح تشریحات کی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس دور کے اہم ترین مسائل میں شمار کیے جانے لگے تھے۔

نظریہ وحدت الوجود میں جب ہندوؤں نے اپنے فلسفے کی آمیزش شروع کر دی تو اس تحریک سے صوفیہ خام کا طبقہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا' ان حالات میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے صوفیہ کو للکارا اور اس کے انجام سے خبردار کرنے کی کوشش کی۔

خود چشتی سلسلہ کے بزرگ جن کے ہاں اس نظریہ کو سب سے زیادہ پذیرائی ہوئی تھی، اس نظریہ کے تمام تر مبحث کو خانقاہ تک محدود رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتے رہے، لیکن جب ان شرائط کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو عوام تک پہنچ کر اس نظریہ نے منفی اثرات مرتب کرنا شروع کر دیے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظریہ کی بہت اصلاح کی اور اس کے مقابل وحدت الشہود کو پیش کیا' علماء و مشائخ جو وحدت الوجود کی کتابوں کا شب و روز درس دینے اور اس نظریہ کی حامل کتب کی شروح لکھنے میں مصروف تھے، بعض کی تو ساری ساری زندگی ہی ان کتابوں کی شرحیں لکھنے اور اعتراضات کے جواب دینے میں صرف ہو چکی تھی، جب انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی تحریرات میں اس روش کی مخالفت محسوس کی تو ''میدان مناظرہ'' میں اتر آئے۔ اس طرح وجودی اور شہودی با قاعدہ دو گروہ متحارب رہنے لگے۔

افسوس کہ خودغرض اور دنیا پرست علماء وصوفیہ نے اس پر غور وفکر کیے بغیر اسے ایسے معنی پہنائے کہ اختلاف کی یہ خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔

داراشکوہ (ف ۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۹ء) بن شاہ جہان بادشاہ نے تو انتہا کر دی اگر چہ اسے شاہ جہان کی زندگی میں ہی ''شہزادہ ولی عہد'' کہا جاتا تھا، لیکن جب اس کو راسخ العقیدہ اور محبّ وطن امراء کی حمایت حاصل نہ ہوسکی تو اس نے ہندوؤں کو اپنا حامی بنانے کے لیے وحدت الوجود اور ہندو ویدانت کو ملانا چاہا۔ اس پر ملا شاہ بدخشی کی صحبت نے نوبت یہاں تک پہنچا دی کہ فلسفہ وحدت الوجود سے وحدت ادیان کے تصور تک رسائی میں کوئی مشکل نہ رہی جس کا عملی نتیجہ کتاب مجمع البحرین کی صورت میں نکلا، اس کتاب میں دارا نے اسلامی تصوف اور یوگ کے خیالات کو ایک دوسرے پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے [۴۴۹]

گویا اب یہ نظریہ خانقاہوں سے نکل کر بازاروں اور عوامی مجلسوں کا موضوع بحث بن چکا تھا۔ مشہور فرانسیسی سیاح برنیر نے جو ۱۶۵۸ء میں داراشکوہ کے لشکر میں بحیثیت طبیب کام کرتا تھا، لکھا ہے کہ وحدت الوجود کے بارے میں ہندوستان میں بڑا غل پڑا ہوا ہے نیز اس نے تسلیم کیا ہے کہ پنڈت اور دوسرے فلاسفہ دارا اور شجاع کے ذہن میں یہ نظریہ القاء کر رہے ہیں:

> I shall explain to you the Mysticism of a great sect which has latterly made great noise in Hindoustan, inasmuch as certain Pendits of Gentile Doctors had instilled it into the minds of Dara and Sultan Sujah[450]

گو اورنگ زیب کی کامیابی، دارا کے قتل اور مرکز کی مظبوطی نے اس نظریے کو اورنگ زیب کے حین حیات اتنا نہ اُبھرنے دیا کہ خطرناک صورت اختیار کر جاتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ ''پنڈت اور ڈاکٹر'' (صوفیہ خام) خفیہ طور پر اس نظریے کے پرچار میں لگے رہے۔ حتیٰ کہ اورنگ زیب کی وفات کے بعد مرکز کی کمزوری کے باعث اس فتنہ نے اتنا سر اُٹھایا کہ اکابر صوفیہ کرام کا یہ کشفی نظریہ وحدت ادیان کے روپ میں کفر کی سرحدوں تک پہنچ گیا۔

اب دو گروہ وجودی اور شہودی باقاعدہ متحارب رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے اس دور میں اس فضا کو درست کرنے کے لیے کئی کتابیں لکھی گئیں۔ مشہور نقشبندی عالم شیخ

محمد مراد تنگ کشمیری نے ایک مستقل رسالہ [۴۵۱] لکھ کر دونوں فریقوں کو ایک دوسرے کی تکفیر سے منع کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کا جوش کسی طرح بھی فرو ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسے بزرگ نے ان دونوں نظریات کی ایک دوسرے سے مطابقت کرنے کی کوشش کی اور دونوں نظریات کے مابین صرف لفظی فرق بتایا [۴۵۲]

حضرت مظہر اور دیگر نقشبندی بزرگ اسے محض لفظی فرق تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے' چنانچہ حضرت مظہر نے اپنے ایک فاضل خلیفہ مولانا غلام یحییٰ بہاری [۴۵۳] سے اس انطباق کے خلاف ایک مستقل رسالہ ''کلمات الحق'' (۱۱۸۴ھ) لکھوایا اور اس رسالے پر خود ایک تقریظ لکھی [۴۵۴] نیز حضرت مظہر نے شیخ قمر الدین اورنگ آبادی سے بھی اسی موضوع پر ایک رسالہ لکھوایا جس کا نام مظہر النور [۴۵۵] ہے۔ پھر اس رسالے کی ایک شرح ''المظاہر'' کے نام سے سید نور الہدیٰ بن قمر الدین مذکور نے لکھی تھی [۴۵۶]

معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ جانشینان شاہ ولی اللہ نے ان رسائل کے بھرپور جوابات لکھے چنانچہ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے رسالہ کلمات الحق مذکور کا ایک ضخیم کتاب لکھ کر رد کیا جس کا نام دمغ الباطل ہے [۴۵۷]

رد و قبول کا یہ سلسلہ اٹھارھویں صدی کے آخر تک تحریری صورت میں چلتا رہا۔ ملا بحر العلوم کے رسالہ وحدۃ الوجود (حدود ۱۱۶۲ھ/ ۱۷۴۹ء) سے لے کر شاہ عبدالعزیز کے رسالہ (۱۲۳۵ھ/ ۱۸۲۰ء) تک اس سلسلے کی کڑیاں ملتی ہیں۔

اگر تردید و تائید کا یہ سلسلہ علماء و صوفیہ تک محدود رہتا تو زیادہ خراب نتائج برآمد نہ ہوتے لیکن جب اسے علماء کی گفتگو اور شعراء کی زبان مل گئی تو اب یہ نظریہ سراسر عوامی نظریہ بن کر رہ گیا اور اس نے یہ خطرناک صورت اختیار کی:

> ہر چیز خدا ہے، مذہب کی ظاہری حیثیت یعنی دیر و حرم کی تفریق کا خاتمہ، مندر اور مسجد کا فرق جاتا رہا۔ سماجی زندگی میں اتنی بے اعتدالی پیدا ہوئی کہ یہ کہا جانے لگا کہ انسان بھی خدا ہے تو پھر یہ مضحکہ خیز بات ہے کہ خدا خدا کی عبادت کرے، ایسی صورت میں کوئی گناہ گناہ نہیں رہتا، کیوں کہ گناہ کا مرتکب خود خدا ہے۔ جب خدا ہی مرتکب ہے تو پھر

کیسے ممکن ہے کہ خدا خود اپنی ذات کو سزا دے' اس نظریہ نے حرم اور مے کدے کا فرق ختم کر دیا' عوام اپنے نفس اور خدا دونوں کو بیک وقت خوش رکھنے کی کوشش کرتے [۴۵۸]

گویا اس کشفی نظریے کی غلط تعبیرات نے ذہنی فرار اور قنوطیت کی فضا پیدا کر دی' ان حالات میں مصلح صوفیہ پھر میدان میں آئے، چنانچہ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی وحدت الوجود کو موضوع سخن بنانے کی شدید مخالفت کرنے لگے [۴۵۹]

حضرت مظہر نے اپنے مکتوبات میں وضاحت کی کہ یہ محض ایک کشفی مسئلہ ہے۔ ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے۔ اور اس میں اُلجھنے کی ممانعت فرمائی۔

حضرت مظہر کے بارے میں چند غلط فہمیوں کا ازالہ

حضرت مظہر اور ہندومت

حضرت مظہر نے ایک مکتوب [۴۶۰] میں ہندومت اور اس کے رہنماؤں کے بارے میں ایک سائل کو جو جواب دیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) ممالک ہند میں بھی انبیاء و رسل علیہم السلام بھیجے گئے......

(۲) یہ دین (ہندومت) پہلے ایک مرتب دین تھا اب منسوخ ہو گیا ہے.....

(۳) شرع اکثر انبیاء کے احوال میں خاموش ہے اس لیے ہندوستان کے انبیاء کے حق میں خاموشی ہی بہتر ہے' نہ ہمارے لیے ان کی پیروی کرنے والوں کے کفر و ہلاکت کا یقین لازم ہے اور نہ ہی ان کی نجات کا یقین ہمارے لیے واجب ہے......

(۴) ہندوؤں کا سجدہ، سجدہ تحیت ہے نہ کہ عبودیت...... کیوں کہ ان کے مذہب میں ماں، باپ، پیر اور استاد کو سلام کی بجائے یہی سجدہ کیا جاتا ہے......

(۵) تناسخ پر اعتقاد رکھنے سے کفر لازم نہیں آتا۔

(۶) متاخرین نے ہندومت میں جو تصرفات کیے ہیں وہ ساقط الاعتبار ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد اور وحدت ادیان کی مثالوں کے متلاشی مصنفین نے حضرت مظہر کے اس مکتوب پر بہت سے حاشیے چڑھائے ہیں' ذیل میں ہم انہی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

حضرت مظہر کے جد روحانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بھی اپنے ایک مکتوب میں ہندوستان میں بعث انبیاء کا ذکر کیا ہے، آپ اپنا ایک مکاشفہ بیان کرتے ہیں:

گزشتہ اُمتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو، حتیٰ کہ زمین ہند میں بھی جو اس معاملہ میں دور دکھائی دیتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں، اگر کوئی ان شہروں کو متعین کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اور دیکھا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر ہے جس کی کسی نے اتباع نہیں کی اور کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور کوئی ایسا پیغمبر ہے کہ صرف ایک ہی آدمی اس پر ایمان لایا ہے اور کسی کے تابع صرف دو اور بعض کے ساتھ صرف تین آدمی ایمان لائے، تین آدمیوں سے زیادہ نظر نہیں آتے، جو ہند میں کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں......
جو کچھ ہند کے رئیس کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات اور اس کے تنزیہ و تقدیس کے بارے میں لکھا ہے سب انوارِ نبوت سے مقتبس ہے کیوں کہ گزشتہ اُمتوں میں سے ہر ایک کے زمانے میں کوئی نہ کوئی پیغمبر ضرور ہوا ہے جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کے ثبوت اور اس کے تنزیہ و تقدیس کی نسبت خبر دی ہے......
زمین ہند میں دیہاتوں اور شہروں کی تباہی کے آثار بکثرت پائے جاتے ہیں' یہ لوگ اگرچہ ہلاک ہو گئے لیکن وہ دعوت کا کلمہ ان کے معاصرین میں باقی رہا......ہم ان میں سے بعض سرکش مردودوں کو دوزخ کے وسط میں دیکھتے ہیں [۴۶۱]

اگر حضرت مجدد الف ثانی کے اس مکتوب کی روشنی میں زیر بحث مکتوب حضرت مظہر کا مطالعہ کیا جائے تو دونوں حضرات کے خیالات میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔

حیرت ہے کہ ہمارے معاصر ہندوستانی مصنفین نے حضرت مظہر کے اس مکتوب کو دارا شکوہ کے خیالات سے مطابقت کی کوشش کی ہے، حد یہ ہے:

میرزا مظہر جان جاناں کے اس خط کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالانکہ دارا شکوہ

کا وجود صفحہ ہستی سے بہت پہلے اُٹھ چکا تھا، مگر اس کی روح اب بھی کارفرما تھی اور میرزا مظہر کے خیالات دارا کے خیالات کی بازگشت تھے، ایسا گمان ہوتا ہے کہ میرزا مظہر نے داد شکوہ کی سرا کبر کا (مطالعہ) کیا ہوگا کیوں کہ ان کا وہی اندازِ بیان اور طرزِ فکر وہی ہے جس کا دارا نے سرا کبر کے دیباچہ میں اظہار کیا ہے، اگر میرزا مظہر کے اس خط کو دارا سے منسوب کر دیا جائے تو کسی کو اس بات کا گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ خط کسی اور صاحب فکر کا بھی ہوسکتا ہے [۶۲]

داراشکوہ کی سرا کبر شائع ہو چکی ہے [۶۳] اس کے مطالعے سے ہر راسخ العقیدہ مسلمان اس نتیجے پر پہنچے گا کہ وہ اپنی اس کتاب میں اپنشد کو قرآن پاک میں مذکور ''کتاب مکنون'' ثابت کرنے والا اور اسے ''گنج توحید'' بتانے والا اسلام کی حدود کو عبور کر کے ایسی منزل پر پہنچ چکا تھا، جہاں صرف اکبر بادشاہ کے دین الٰہی میں ہی اسے پناہ مل سکتی تھی۔

حضرت مظہر نے تو ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتاب ''وید'' کو الہامی اور ایک فرشتہ ''برہما'' کے ذریعے اس کی زمین پر ترسیل کا ذکر کیا ہے لیکن داراشکوہ نے تو واضح الفاظ میں اسی ''برہما'' کو حضرت آدم علیہ السلام کہہ دیا ہے:

> برابنای آن وقت کہ بزرگ ترین آنہا برہما کہ آدم صفی اللہ است با جمیع احکام نازل شدہ [۶۴]

خدا کا شکر ہے کہ وحدت ادیان اور جذباتی ہم آہنگی کی مثالیں تلاش کرنے والے محققین کو حضرت مجدد الف ثانی کے منقولہ بالا مکتوب کا سراغ نہ مل سکا ورنہ وہ اس کے بارے میں بھی وہی خیال ظاہر کرتے کہ یہ کسی داراشکوہ یا داراشکوہی کی تحریر ہونے کا غماض ہے [۶۵]

کیا حضرت مجدد الف ثانی کے زیر بحث مکتوب کی موجودگی میں کوئی ''صلح پسند'' یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ مکتوب آپ نے ہندو مسلم اتحاد کی فضا کو بہتر بنانے کے لیے لکھا تھا؟ چونکہ اس مکتوب کے علاوہ آپ نے ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں کے بارے میں جس سخت رویہ اور نفرت کا اظہار کیا ہے اس لیے مؤرخین ایسے نتائج اخذ کرنے میں تامل کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس حضرت مظہر کے ہندوؤں کے خلاف خیالات چونکہ اب تک یک جا نہیں ہو سکے اس لیے وہ اس مکتوب کی بنیاد پر آپ کو ہندو مسلم

نظریات میں ہم آہنگی پیدا کرنے والے قرار دیتے ہیں' پروفیسر مجیب، شاہ ولی اللہ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مظہر کی طرح ہندو مسلم نظریات میں اتحاد پیدا کرنے کی خدمت انجام نہیں دی

> He does not attempt to bring the Indian Muslims and Non-Muslims Ideologically closer together, as, for instance, his contemporary Mirza Mazha Jan-i-Jahan did.[466]

اسی قسم کی رائے کا اظہار ڈاکٹر محمد عمر، مشیر الحق اور فرید مان یوحنا نے بھی کیا ہے [۴۶۷] کہ حضرت مظہر کے بعض ہندوؤں سے مخلصانہ تعلقات تھے' لیکن کیا یہ روابط آپ کی مذہبی رواداری کے باعث تھے؟ کیا حضرت مظہر ہندوؤں کو حلقہ مریدین میں داخل کرتے تھے؟

ذیل میں ہم ہندومت اور ہندوؤں کے بارے میں حضرت مظہر کے چند دیگر بیانات درج کر رہے ہیں تاکہ آپ کے زیر بحث مکتوب اور ان سوالات کا جواب مل سکے۔

اسی مقدمہ میں ہم نے مرہٹہ گردی، سکھ گردی اور سرہند کی تباہی کے عنوانات سے دیگر مباحث کے دوران حضرت مظہر کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں ہر مرتبہ ''کفار مرہٹہ''، ''سکھ کافر'' کے الفاظ آپ نے خصوصیت سے لکھے ہیں۔ ان واقعات کے تحت آپ کے جن تاثرات کا اظہار ملتا ہے، ان سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں ہندوؤں سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

اگر اس مکتوب کی بنیاد پر آپ کو ہندو مسلم کی تمیز مٹانے والا اور ان کی نظریاتی سرحدوں کو ملانے کے لیے راستہ ہموار کرنے والا فرض کر لیا جائے تو یہ بہت ناانصافی ہوگی اگر اس مکتوب سے آپ کا مقصد ہندو مسلم اتحاد ہوتا تو آپ اپنی دیگر تعلیمات میں اپنے مریدوں کو اس کی نصیحت ضرور فرماتے بلکہ حقائق تو اس کے بالکل برعکس ہیں۔ آپ تو تشبہ ہنود اور اپنے اصحاب تو درکنار عام جاہل مسلمان عورتوں کا ہندوؤں کی مذہبی رسوم میں شریک ہونا آپ پر نہایت ناگوار گزرتا تھا۔

حضرت مظہر کے عہد میں بھی بعض جاہل مسلم خواتین سیتلا دیوی کے مندروں میں جاتی تھیں۔ آپ نے اسے صریحاً شرک قرار دینے کے لیے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکتوب پر اپنے

"اصول بیعت زنان" وضع کیے تھے:

اکثر زنان بواسطۂ کمال جہل کہ دارند باین استمداد ممنوع مبتلا اند ..... باداء مراسم شرک و اہل شرک گرفتار اند..... ایشان در وقت عروض مرض جدری کہ در زبان ہندی سیتلا معروف است مشہود و محسوس است کم زنی باشد کہ از دقائق این شرک خالی بود و برسمی از رسوم آن اقدام نہ نماید [۴۶۸]

آپ نے ہندوؤں کے مقدس دنوں کی مسلمانوں کو تعظیم کرتے سنا تو اسے کفر قرار دیتے ہوئے مسلمان عورتوں کو دیوالی میں شرکت سے اس طرح منع کیا:

تعظیم نمودن ایام معظمہ ہنود و بجا آوردن دران ایام رسوم متعارفہ جہود را نیز مستلزم شرک و مستوجب کفرست چنانچہ در ایام دیوالی کفار جہلہ اہل اسلام علی الخصوص زنان ایشان رسوم اہل کفر را بجامی آرند..... ہمہ شرک و کفرست بہ دین اسلام [۴۶۹]

ہندوستان کے مسلمانوں میں دختر کشی کی رسم ہندوؤں سے آئی تھی چنانچہ حضرت مظہر نے خواتین کو بیعت کرنے کے لیے جو شرائط تحریر کی ہیں، ان میں ایک شرط یہ بھی تھی:

شرط..... در بیعت نساء فرمودہ است نہی از قتل اولادست کہ زنان ایشان دختران خود رامی کشتند [۴۷۰] ......

یہ تو جاہل عورتوں کا معاملہ تھا، اگر آپ کے خلفاء میں سے کوئی غفلت سے ہندوؤں کے ہاتھ سے کوئی چیز کھالیتا تھا تو اس کے باطن میں کدورت پیدا ہو جاتی تھی اور آپ کو نور باطن سے اس کا علم ہو جاتا تھا، مقاماتِ مظہری کے مؤلف ایک مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا، شیخ غلام حسن سے توجہ کے بعد فرمایا کہ کیا تو نے کفار کی پوجا کا کھانا (چڑھاوا) کھایا ہے؟ تیرے باطن سے کفر کی ظلمت ظاہر ہو رہی ہے، انہوں نے کہا: میں نے ہندو کے ہاتھ سے کوئی چیز کھائی ہے، میرے باطن کی تمام کدورت اس وجہ سے ہے [۴۷۱]

جس شخص کے خدام اگر بھول کر کسی ہندو کے ہاتھ سے کوئی چیز کھالیں اور ان کا باطن اس وجہ سے تاریک ہو جاتا ہو اس سے ہندو مسلم اتحاد کے لیے خوش گوار فضا پیدا کرنے کی توقع محض خوش فہمی ہے۔

یہ تو عمومی اور امن و امان کے حالات تھے' جنگ پانی پت کے آغاز میں جب مرہٹوں کا دہلی پر قبضہ ہو گیا اور اسے لوٹ کر برباد کر دیا گیا تو حضرت مظہر بھی ان حالات سے متاثر ہوئے اور کسی مقام پر پناہ لی تو ایک مرہٹہ سردار آپ سے ملنے کے لیے وہاں گیا تو آپ اس ''کافر مرہٹہ'' کی تعظیم کے لیے بالکل نہ اُٹھے [۴۷۲] گویا اس نازک اور ''آسیب'' کے زمانے میں بھی کسی مصلحت نے آپ کو اپنے موقف سے ہٹنے پر مجبور نہ کیا۔

اگر ہندوؤں سے مذہبی اتحاد آپ کی تعلیمات میں شامل ہوتا تو اس کے اثرات آپ کے مخلصین میں ضرور نمایاں ہوتے۔ آپ کے اجل خلیفہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ہندوؤں کے گھروں میں داخل نہیں ہوتے تھے [۴۷۳]

زیرِ بحث مکتوب میں حضرت مظہر نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''تناسخ'' پر اعتقاد رکھنے سے کفر لازم نہیں آتا' جس سے بعض ''رواداری پسند'' مصنفوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ آپ کا اپنا عقیدہ یا فتویٰ ہے حالانکہ اس میں آپ نے واضح طور پر بتایا ہے کہ ہندوؤں کو محض اس لیے کافر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تناسخ پر اعتقاد رکھتے ہیں، بلکہ ان کے کافر ہونے کی دیگر وجوہ بھی ہیں۔ حضرت مظہر کی درگاہ کے موجودہ سجادہ نشین اور مشہور عالم مولانا زید ابوالحسن نے آپ کے اس قول کی بھی یہی توضیح کی ہے [۴۷۴]

کہاں داراشکوہ کے عقائد، کہاں آپ کا یہ مکتوب پھر ان دونوں کے خیالات کے انطباق [۴۷۵] کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور حضرت مظہر کو ہندو مسلم آئیڈیالوجیز کو ایک دوسرے کے قریب لانے والا ثابت کرنا تو حقائق کی واضح خلاف ورزی ہے۔

بلکہ ہمارے خیال میں ہنود سے نفرت کرنا حضرت مظہر کے معمولات میں شامل تھا' اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ غیر مبہم ارشاد، حضرت مظہر کے معمولات کا حصہ نظر آتا ہے:

متشبث بہ مجموع احکام اسلام و کفر مشرک، تبری از کفر شرط اسلام و بیزاری از شائبہ شرک شرط توحید [۴۷۶]

یعنی ہندو مسلم اتحاد کے لیے راہ ہموار کرنا تو دور کی بات ہے، آپ کے نزدیک کفر اور اسلام کے احکام کو آپس میں ملانا یعنی ''مجمع البحرین'' کی کوشش کرنے والا مشرک ہے...... آپ کے نزدیک فقط کفر کی مخالفت اسلام کی شرائط میں نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے مسلمان کے لیے کفر پر تبریٰ کرنے والا

مسلمان ہونا شرط ہے اور شرک تو درکنار، شرک کے شائبہ سے بھی بیزاری یہاں کے مسلمان کے لیے شرط اوّل ہے۔

حضرت مظہر نے واضح طور پر اسی مکتوب میں لکھا ہے:

ہمارے پیغمبر ﷺ جو خاتم المرسلین ہیں اور تمام بنی نوع انسان کے لیے نبی ہیں کا مذہب مشرق و مغرب کے تمام ادیان کو منسوخ کرنے والا ہے۔

حضرت مظہر اور حسن پرستی و نازک مزاجی

شعراء کے تذکرہ نگاروں کے ہاں عجب قسم کا تضاد پایا جاتا ہے ایک طرف تو وہ حضرت مظہر کی پاک دامنی اور اعلیٰ اخلاق و اوصاف کی تصویریں کھینچتے ہیں تو دوسری طرف آپ کو عشق بتاں میں گرفتار، شاہد پرست اور دیگر خرافات میں مبتلا بتاتے ہیں۔

آپ کے دونوں معاصر سوانح نگاروں مولانا بہڑاپچی اور شاہ غلام علی نے ''عشق حقیقی'' کو آپ کے ''خمیر مایہ طینت''[۴۷۷] اور عالم طفولیت سے ہی آپ کو ''صور جمیلہ'' کی طرف مائل بتایا ہے[۴۷۸] چھ ماہ کے بچے کی اس رغبت کو شعراء کے تذکرہ نویس نہ جانے کیا نام دیں لیکن آپ کے والد گرامی کی اس وصیت کو کہ ''تم جب تک عشق مجازی کا طوق پہن کر کوچہ و بازار میں رسوا اور خوار نہ ہو گے، میری روح تم سے راضی نہ ہوگی''[۴۷۹]

اگر اس وصیت کا تذکرہ نگاروں کو علم ہو جاتا تو وہ مرقع دہلی میں مرقوم عشاق کے ساتھ آپ کو دہلی کے بازاروں میں لباس عاشقانہ میں دکھانے سے بھی گریز نہ کرتے۔

آبِ حیات کے رطب و یابس کو حقائق ثابت کرنے کے شوق میں مسعود حسن رضوی ادیب نے اس وصیت کو نقل کرنے کے بعد نہ جانے کیوں یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ:

کوئی سعادت مند بیٹا باپ کی نصیحت اور وصیت کو کلیۃً نظر انداز نہیں کر سکتا[۴۸۰]

خدا کا شکر ہے کہ وصیت کے اثرات کا درج بالا نتیجہ اخذ کرنے والے محقق کی نظر اس وصیت نامہ کے خاتمہ پر وصیت کے معاصر ناقل کے اس مشاہدہ پر نہیں پڑی:

از توجہ معنوی حضرت والد بزرگوار خود بلکہ بہ محض فضل ایزدی در مرتبہ عشق بازی باقصیٰ مرتبہ کمال رسیدن و جان شیرین فدائے راہ مولیٰ نمودند و از دست ناحق پریشان بے

[illegible] سنت و جماعت کی پیروی [illegible]

[illegible] آپ مرتبہ عشق حقیقی [illegible]

[illegible] تک پہنچے تھے [illegible]

[illegible] آپ کی حیات کی [illegible] کے جوش میں حضرت مظہر کو عشق بازوں کی صف میں

شامل کر دیا ہے۔

جو عشق مجازی میں گرفتار ہو کر اپنے عشق کی بدولت مرتبہ کمال کی تکمیل تک پہنچ گئے ہیں مسعود

حسن رضوی ادیب جنہوں نے معمولات مظہریہ اور مقامات مظہری میں مندرج آپ کے عشق حقیقی کے

جذبات کو آب حیات اور دیگر شعراء نے ذکر کی [illegible] اردو کے تذکروں سے مطابقت کی کوشش کی ہے کیا وہ

مقامات مظہری میں مرقوم حضرت مظہر کے محبوب کا نصف شب میں خواب گاہ کے دروازوں کے بند

ہونے کی صورت میں آپ کے بستر پر پھول رکھ کر غائب ہونے کی مثال شعراء کے تذکروں میں سے

پیش کر سکتے ہیں؟

یقیناً ان واقعات کا تعلق عشق حقیقی سے ہے نہ کہ عشق مجازی سے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مظہر کی حسن ذوقی، نفاست پسندی اور لطافت طبع اس درجہ کی تھی کہ تذکرہ نگاروں نے اس سے کئی حکایتیں گھڑ لی ہیں۔

بقول عبدالرزاق قریشی مرحوم:

> محمد حسین آزاد نے (آپ کی) میرزائیت اور بدماغی میں کوئی امتیاز نہیں رکھا، انہوں نے میرزا صاحب کی نفاست پسندی اور میرزائیت کو بدماغی و نازک مزاجی سے تعبیر کیا اور ان کے حالات خصوصاً اطوار و عادات کے بیان میں طنز و استہزا سے کام لیا[۴۸۲]

تذکروں میں آپ کے جس مزاج کی تعلی، نزاکت اور افتادِ طبع کا ذکر ملتا ہے، اس کی تردید مقاماتِ مظہری کے مختلف مندرجات سے بخوبی ہوسکتی ہے' مثلاً یہ کہ کسی کی چارپائی ٹیڑھی دیکھی تو وہیں بیٹھ جانا یا ٹیڑھی چارپائی پر آرام کرنے سے آپ کی نیند میں خلل آنا وغیرہ۔

میر تقی میر جنہوں نے اپنے معاصرین میں سے بہت کم کسی کی تعریف کی ہے۔ جب وہ آپ سے

ملے تو یہ تاثر تھا:

مردیست مقدس، مظہر......خوش تقریر بمرتبہ است کہ در تحریر نمی گنجد [۸۳]

مقاماتِ مظہری میں ہی ہے کہ ایک امیر سے آپ نے کہا کہ وہ اپنے بچوں کو ہمارے پاس لائیں وہ صاحب کئی روز تک اپنے بچوں کو آداب سکھاتے رہے جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ نہایت مؤدب بیٹھے رہے بالآخر آپ تنگ آ گئے اور فرمایا: تم بچوں کو نہیں لائے؟ اس نے جواب دیا: ''حضرت یہ بچے ہیں''۔ آپ نے فرمایا: یہ بچے ہیں، ان کو بچہ کون کہہ سکتا ہے؟ یہ تو بوڑھے ہیں' بچے تو وہ ہیں کہ کوئی میرا رومال لے بھاگتا، کوئی ٹوپی سر سے اتار لیتا کوئی کرتا پھاڑ ڈالتا' بھلا یہ بوڑھے، بچے کیسے ہو سکتے ہیں؟

کیا ایک بددماغ آدمی بچوں کی یہ ناز برداری برداشت کر سکتا ہے؟ [۸۴]

نواب غازی الدین خان فیروز جنگ [۸۵] (م ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء) جو کہ حضرت مظہر کا بہت ہی معتقد تھا اور آپ کی ''دعوت وضیافت'' میں نہایت اہتمام کرتا تھا، وہ اس احتیاط اور انتہائی اہتمام کی وجہ یہ بتاتا تھا کہ یہ سب میں اس لیے کرتا ہوں کہ حضرت مظہر کا مزاج ہماری بشری ظلمت و کدورت کی وجہ سے متغیر نہ ہو [۸۶]

آپ کا مزاج مبارک اس قدر مصفّٰی تھا کہ اگر کوئی مرید کسی کافر کے ہاتھ کا ایک لقمہ بھی کھا لیتا تھا تو اس کے باطن کی ظلمت کا آپ کو فوراً احساس ہو جاتا تھا۔ اگر کسی مخلص کی نظر کسی نامحرم پر پڑ جاتی تھی تو آپ اس مرید سے صاف کہتے تھے کہ آج تم سے ''بوئے زنا'' آ رہی ہے اگر کوئی مرید کلمہ طیبہ کا ورد کر کے حاضر خدمت ہوتا تو آپ اس کے انوار کا فوراً احساس کر لیتے تھے [۸۷]

اندازہ کیجیے کہ جس شیخ کو اپنے مرید کی اچانک کسی نامحرم عورت پر نظر پڑنے سے اسے بوئے زنا آ سکتی ہے، اسے عشق مجازی کا گرفتار، اپنے شاگرد عبدالحی تاباں کے حسن پر فریفتہ ثابت کرنا سراسر بے بنیاد ہے۔

ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کو ''حضرت مظہر کے احوال و آثار'' کا موضوع بنانے والے محقق خلیق انجم نے یہ کیسے لکھ دیا کہ ''حد تو یہ ہے کہ مرزا مظہر جیسے ثقہ بزرگوں کے کلام میں امردوں کے نام ملتے ہیں'' [۸۸]

ہمارے نزدیک یہ سراسر حقائق سے ناواقفیت اور بنیادی مآخذ کے بالاستیعاب مطالعہ کے فقدان کا نتیجہ ہے۔

حضرت مظہر کی تصانیف

حضرت مظہر کی نہایت مصروف زندگی تھی' ایامِ شباب میں ہی آپ کا زیادہ وقت ذکر اور مراقبہ میں صرف ہوتا تھا' مسلسل تیس سال تک مختلف بزرگوں سے کسبِ فیض کیا اور تقریباً اتنا ہی زمانہ آپ نے مسند ارشاد و تلقین پر متمکن ہو کر طالبانِ خدا کی تعلیم و تربیت فرمائی' تبلیغ و ارشاد کے سلسلے میں آپ کو مختلف مقامات کا سفر بھی کرنا پڑا، سیاسی نشیب و فراز اور دہلی کی فضا کی تبدیلی اور یہاں سے ترک اقامت کی فکر کے باوجود آپ مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے تھے۔ آپ نے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو جو خطوط لکھے تھے ان سے آپ کے ذوقِ مطالعہ کتب کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بعض مکاتیب تو صرف کتابوں کے ذکر سے مملو اور کتب پر نقد و تبصرہ پر مشتمل ہیں [۴۸۹]

لیکن اس کے باوجود آپ کسی مستقل تصنیف کی طرف توجہ نہیں کر سکے' ایک مکتوب میں لکھا ہے:

دبستان تحقیق کے اس بے سواد میں کتاب تصنیف کرنے کی استعداد نہیں ہے [۴۹۰]

آپ کے مختلف مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک عظیم کتب خانہ کے بھی مالک تھے۔ ''اتباع سنت'' کے سلسلے کی اکثر کتابیں سفر و حضر میں آپ کے ہمراہ رہتی تھیں' حضرت مظہر ان کی بہت حفاظت کرتے تھے' مصنفین کے خودنوشت خطی نسخوں اور ایسے قلمی نسخے جن کی خود مصنفین نے تصحیح کی تھی، آپ کے کتب خانے میں تھے اور آپ ان کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے [۴۹۱]

حضرت مظہر نے وصیت کی تھی کہ میرا کتب خانہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو دے دیا جائے [۴۹۲]

اگرچہ ان حالات میں آپ کا تصنیف و تالیف کی طرف رجحان بہت کم رہا، لیکن شعر گوئی کا ذوق آپ میں فطری تھا، اس لیے اس جذبے کی تسکین کے لیے کبھی کبھی شعر کہا کرتے تھے۔

معاصر تذکروں میں حضرت مظہر کی کسی اُردو یا فارسی نثری تصنیف کا حوالہ نہیں ملتا اگرچہ صاحب گلشن ہند اور گارساں دتاسی نے آپ کے نظم و نثر میں خوش بیان ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن اسے کوئی عصری سند نہیں مل سکی یا آپ کی کوئی نثری مستقل تصنیف اب تک سامنے نہیں آئی۔

حضرت مظہر کی اب تک جو تصانیف ملی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) دیوان مظہر (فارسی)۔

(۲) خریطۂ جواہر (فارسی کے معروف اور غیر معروف شعراء کے کلام کا انتخاب)۔

(۳) مکاتیب کے مختلف مجموعے۔

(۴) مجموعہ اردو اشعار۔

(۵) متفرق اور مختصر نثری تحریریں۔

(۶) لب الاسرار

(۷) ملفوظات۔

دیوان مظہر (فارسی)

فارسی دیوان کے دو مجموعے مرتب ہوئے تھے۔ پہلا دیوان آپ کے ایک مرید نے ۱۱۵۰ھ میں مرتب کیا تھا جس پر خود حضرت مظہر نے دیباچہ لکھا تھا [۴۹۳] یہی وہ مختصر دیوان ہے جس کا ذکر میر تقی میر نے "نکات الشعراء" میں کیا ہے [۴۹۴] لیکن امتدادِ زمانہ اور بے سواد ناقلین کی وجہ سے اس میں بہت کچھ تصرف ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ نے ایک نئے منتخب دیوان کی ترتیب کا ارادہ کیا۔ اس لیے ۱۱۷۰ھ میں آپ نے اپنے کام کو از سر نو مرتب کیا۔ تلاش و جستجو سے بیس ہزار اشعار جمع ہوئے، ان میں سے آپ نے صرف ایک ہزار اشعار کا انتخاب کیا اور باقی نظر انداز کر دیے [۴۹۵]

اس آخری دیوان میں بھی ردیف بے ترتیب اور غزلیں ناتمام رہ گئی تھیں۔

دیوان مظہر ۱۱۷۰ھ (نقش ثانی) پہلی مرتبہ مطبع مصطفائی کانپور سے ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں چھپا تھا۔ مطبع کے مالک محمد عبدالرحمٰن بن حاجی محمد روشن خان، درگاہ حضرت مظہر کے سجادہ نشیناں حضرت شاہ احمد سعید مجددی اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی بن حضرت شاہ ابوسعید دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیوان حضرت مظہر مع خریطہ جواہر کا وہ خطی نسخہ جو حضرت مظہر کے جانشین اول اور کتاب کے مؤلف حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے استعمال میں رہتا تھا، اشاعت کے لیے عاریتاً لے کر طبع کروایا تھا [۴۹۶]

گویا اب تک چھپنے والے نسخوں میں یہ مستند ترین نسخہ ہے، بعد کی تمام تر اشاعتیں اس کی نقل کی

ہیں۔اس میں بطور ضمیمہ آپ کی مشہور بیاض خریطہ جواہر بھی ہے۔

اس فارسی دیوان کے کئی ایڈیشن چھپے تھے۔طبع اوّل کے علاوہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۰۹ھ باہتمام مولوی محمد عبدالقدیر اور ملک جلال دین والٰہی بخش کتب فروش لاہور نے بھی اس کی نقل چھاپی تھی۔ یہ آخری اشاعت اغلاط کتابت سے پُر ہے اور چنداں قابل اعتماد نہیں۔

دیوان اوّل (مرتبہ ۱۱۵۰ھ) کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۱۶۱ھ' ذخیرۂ پیرزادہ' مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری' لاہور' جسے ڈاکٹر عارف نوشاہی نے متعارف کروایا ہے [۹۷]

حضرت مظہر کے فارسی کلام کی توصیف آپ کے معاصرین نے بھی کی ہے اور عصر حاضر کے ناقدین بھی رطب اللسان ہیں۔

چونکہ مقاماتِ مظہری کا موضوع آپ کی شاعری پر نقد و تبصرہ نہیں ہے اس لیے ہم نے اس طویل موضوع کو ماہرین لسانیات کے چھوڑ دیا ہے۔محترم عبدالرزاق قریشی مرحوم نے آپ کے فارسی کلام پر معاصرین کی آراء نقل کر کے خوب تبصرہ کیا ہے [۹۸]

اردو دیوان

حضرت مظہر کا اردو کلام کتابی صورت میں مرتب نہیں ہوا تھا، اگرچہ تذکرہ مسرت افزا میں آپ کے فارسی کی طرح اردو دیوان کے مرتب کیے جانے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دیگر تذکروں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی [۹۹]

دورِ حاضر میں اردو زبان و ادب کے معروف محققین جناب خلیق انجم اور مرحوم عبدالرزاق قریشی نے اُردو شعراء کے مختلف تذکروں اور خطی بیاضوں میں سے آپ کا اردو کلام یک جا کیا ہے۔

(۱) جناب خلیق انجم نے اپنے اس کام کو دہلی یونیورسٹی (دہلی بھارت) میں ۱۹۶۱ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے پیش کیا تھا [۵۰۰] جس کا عنوان ''مرزا مظہر جان جاناں، ان کا عہد اور شاعری'' ہے [۵۰۱] یہ مقالہ اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔

(۲) محترم عبدالرزاق قریشی مرحوم نے ۱۹۶۱ء میں ہی اُردو شعراء کے معروف تذکروں اور مختلف قلمی بیاضوں کی مدد سے حضرت مظہر کا اردو کلام جمع کیا تھا اور اس پر ایک قابل قدر مقدمہ لکھا ہے۔ یہ مجموعہ ادبی پبلشرز بمبئی سے ۱۹۶۱ء میں چھپا۔ حال ہی میں اسے دارالمصنفین اعظم گڑھ نے

دوبارہ شائع کر دیا ہے۔

چونکہ مقاماتِ مظہری کا موضوع تصنیف حضرت مظہر کی روحانی اور مذہبی زندگی کو اُجاگر کرنا ہے اس لیے ہم آپ کی شاعری پر تبصرہ اس مقدمہ میں شامل نہیں کر رہے ہیں [۵۰۲]

خریطہ جواہر

قدیم دور سے بیاض رکھنے کا عام دستور تھا، جن میں صاحب ذوق حضرات اپنی پسند کے اشعار نقل کرلیا کرتے تھے۔ آج یہ بیاضیں تاریخ ادبیات میں بہت سے خلا پُر کرنے میں معاون ثابت ہو رہی ہیں۔

حضرت مظہر نے بھی شعروں کی ایک بیاض تیار کی تھی جس کا نام خریطہ جواہر ہے۔ یہ فارسی اشعار کے انتخاب پر مشتمل ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیاض حضرت مظہر کی زندگی میں ہی آپ کے مخلصین میں خاصی مقبول تھی اور وہ اس کی نقل ارسال کرنے کی درخواست کیا کرتے تھے۔ آپ ایک خط میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھتے ہیں:

بیاض انتخابی برائے قطب الدین خان جیو نقل کردہ می شود، زود برسد [۵۰۳]

غالباً اس وقت تک اس کا کوئی نام تجویز نہیں کیا گیا ہوگا۔ اس لیے اسے محض "بیاض انتخابی" کہا گیا ہے۔ بقول عبدالرزاق قریشی صاحب گلشن بے خار کے سوا کسی تذکرے میں اس بیاض کا ذکر نہیں ملتا [۵۰۴]

مذکورہ بالا خط میں حضرت مظہر نے اس بیاض کا خود ذکر کر دیا ہے اس لیے اس کے مصدقہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

یہ بیاض آپ کے فارسی دیوان کے ساتھ کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے اسے الگ بھی کئی مطابع نے چھاپا تھا [۵۰۵] اس بیاض میں تقریباً پانچ سو شعراء کے کلام کا انتخاب ہے۔ اس میں مشہور شعراء کا بہت کم اور غیر معروف شعراء کا کلام بہت زیادہ جمع کیا گیا ہے۔ یہ انتخاب آپ نے حافظہ کی مدد سے کیا ہے۔ بعض شعراء کا انتخاب دو جگہ آیا ہے۔ سب سے زیادہ اپنے اشعار کا انتخاب دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیاض آپ نے اپنے تلامذہ کی تربیت کے لیے بنائی تھی [۵۰۶]

بقول مولانا شبلی نعمانی:

میں نے ثقات دہلی سے سنا ہے، مرزا غالب وغیرہ کا خیال تھا کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا صحیح مذاق جو دوبارہ قائم ہوا وہ اس انتخاب (خریطہ جواہر) نے قائم کیا [۵۰۷]

حضرت مظہر کے مکتوبات

اگرچہ آپ اپنی مصروفیات کے باعث کسی مستقل تصنیف کی طرف توجہ نہیں کر سکے لیکن آپ کے سامنے آپ کے روحانی اجداد کی مثالیں موجود تھیں جنہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنے خطوط کے مجموعے مرتب کروائے تھے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی، حضرت خواجہ محمد معصوم، حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی، حضرت عبدالاحد وحدت، حضرت محمد نقشبند ثانی، حضرت مروج الشریعت خواجہ عبیداللہ وغیرہ کے مکتوبات کتابی صورت میں مدون ہو چکے تھے۔

یہ مجموعے دراصل نقشبندی حضرات کی سعیہای دعوت وعزیمت کی تفصیلات کا ریکارڈ ہیں' چونکہ حضرت مظہر کے سامنے اپنے ان روحانی بزرگوں کی عملی مثال موجود تھی اس لیے آپ نے بھی اس کی تقلید کی اور اپنی زندگی میں اپنے مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب کروایا۔ لکھتے ہیں:

احباب نے شریعت وطریقت کے بعض مسائل پوچھے تھے، ان کے جواب مکاتیب کی صورت میں لکھے تھے جنہیں عزیزوں نے جمع کر لیا ہے [۵۰۸]

مکتوبات کے اس مجموعے کے جتنے قلمی نسخے ہماری نظر سے گزرے ہیں ان میں مکتوبات کی تعداد ۲۳ ہے، ان ۲۳ خطوط کی تلخیص سب سے پہلے مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے معمولاتِ مظہریہ میں شامل کی ہے اور مکتوب الیہم کے نام بھی لکھے ہیں۔ اسی طرح ۲۴ مکاتیب مقاماتِ مظہری میں نقل کیے گئے ہیں، ان خطوط میں زیادہ تر مذہبی مسائل، رموز تصوف اور تعلیماتِ سلوک پائی جاتی ہیں اس لیے بجا طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مظہر نے مذکورہ بالا خط میں اپنے جس مجموعہ مکاتیب کے جمع ہونے کا ذکر کیا ہے وہ یہی ابتدائی مختصر مجموعہ ہے۔

مکتوبات کی اس تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا' ہمارا خیال ہے کہ جس طرح مولانا نعیم اللہ بہرائچی نے سب سے پہلے آپ کے حالات پر مستقل کتابیں لکھ کر ''اولین سوانح نگار'' کا شرف حاصل کیا ہے، اسی طرح انہوں نے آپ کے مکتوبات کا بھی ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، یہی وہ مجموعہ ہے جو سب

سے پہلے طبع ہوا۔ اس کا نام "رقعات کرامت سعادت شمس الدین حبیب اللہ مرزا جان جاناں مظہر شہید" ہے۔ یہ نسخہ مطبع فتح الاخبار کول (علی گڑھ) سے ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں طبع ہوا تھا۔ اس میں کل ۶۳ مکاتیب ہیں اس مطبوعہ نسخہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مکتوب الیہم کے نام بھی دیے گئے ہیں۔

یہ اہم قدیم مطبوعہ نسخہ مخدومی مولوی شمس الدین مرحوم تاجر کتب نادرہ لاہور کے ذاتی کتب خانہ کی زینت تھا' صاحب نزہۃ الخواطر نے مولانا بہڑائچی کے مرتبہ جس مجموعہ مکتوبات کا ذکر کیا ہے [۵۰۹] ہمارا خیال ہے کہ وہ یہی مذکورہ مطبوعہ نسخہ ہوگا۔

مکتوبات حضرت مظہر کا جو دوسرا مجموعہ چھپا تھا اس میں حاشیہ پر طبع شدہ ایک خط شامل کر کے کل ۸۹ خطوط ہوتے ہیں۔ یہ مکاتیب کلمات طیبات میں شامل ہیں، جسے ابوالخیر محمد بن احمد مراد آبادی [۵۱۰] نے مرتب کیا تھا۔ انہوں نے اس میں پہلے مرتبہ مجموعہ مولانا بہڑائچی میں خلفائے حضرت مظہر کی تالیفات کی مدد سے اضافہ کیا۔ لکھتے ہیں:

> آخر کتابی کہ بہ مطالعہ درآمد مکتوبات قدسی آیات...... بود...... چوں این جوامع الکلم بس دلچسپ آمد باستقصائش کوشیدم و جابجا تلاشیدم تا آنکہ در تالیفات خلفای حضرت ایشان ......اضعاف آن یافتم [۵۱۱]

یہ مجموعہ کلمات طیبات کے نام سے پہلے، مطبع مطلع العلوم مراد آباد سے ۱۳۰۳ھ پھر ۱۳۰۸ھ اور آخر میں مطبع مجتبائی دہلی سے باہتمام مالک مطبع، مولوی عبدالاحد زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔

مکتوبات حضرت مظہر کا ایک مجموعہ عبدالرزاق قریشی مرحوم نے مرتب کیا تھا۔ اس مجموعے میں ۱۴۷ خطوط شامل ہیں۔ جن میں چند ایک کے سوا باقی سب قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نام لکھے گئے ہیں' یہ وہ مکاتیب ہیں جو قاضی صاحب نے نہایت حفاظت کے ساتھ رکھے اور اہتمام سے ایک "خریطہ" اسی مقصد کے لیے بنوایا تھا۔ حضرت مظہر کے مشہور سوانح نگار مولانا نعیم اللہ بہڑائچی بشاراتِ مظہریہ کی تالیف سے پہلے جب ان کے پاس پانی پت پہنچے تو انہوں نے یہ خریطہ دیکھا اور اس میں سے سوانحی مواد نقل کیا تھا' لکھتے ہیں:

> حضرت ایشان (میرزا مظہر) مکاتیب بسیار...... بنام حضرت مولانا (قاضی ثناء اللہ) نوشتہ بودند و حضرت مولانا آن مکاتیب را در خریطہ باحتیاط نگاہ میداشتند وفقیر از مطالعہ

تمام آن مکاتیب مشرف شدہ جزوی چند انتخاب نمودہ نزدمیداشت [514]

یہی خریطہ ۱۹۳۶ء میں مولانا زید ابوالحسن فاروقی سجادہ نشین درگاہ حضرت مظہر کو مولوی محفوظ اللہ (از اولاد قاضی ثناء اللہ) سے ملا تھا [515] یقیناً اس مجموعہ میں سے بہت سے خطوط کتب خانہ کی بربادی کے دوران ضائع ہو گئے ہوں گے' عبدالرزاق قریشی مرحوم کو یہ تمام تر خطوط مولانا زید مدظلہ سے ملے تھے جن کو انہوں نے مرتب کر کے شائع کر دیا [516]

قریشی صاحب مرحوم نے اس پر ایک مختصر مقدمہ اور تعلیقات (تشریحات) بھی لکھی تھیں' مرحوم نے اس کی ترتیب و تعلیق خاصی عرق ریزی اور احتیاط کے ساتھ کی تھی جو تاریخ سلسلہ مظہریہ میں موصوف کا قابل قدر کارنامہ ہے۔

تعلیقات کے علاوہ مرحوم نے حضرت مظہر کی دو غیر مطبوعہ فارسی تحریرات تنبیہات الخمسہ اور سلوک طریقہ بھی بطور ضمیمہ شامل کر دی ہیں [517]

اس مجموعے میں ۱۴۷ مکاتیب ہیں۔ جن میں سے ۱۳۰ بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ایک مادر قاضی صاحب کے نام، ایک بنام خانم قاضی صاحب ہے۔ اور باقی قاضی احمد اللہ، میاں صبغتہ اللہ، دلیل اللہ، محمد مراد، شاہ علی، رائے کیول رام، نعمت اللہ، محمد حسن خان اور سید موسیٰ خان دہیدی کے نام ہیں [518]

یہ مکاتیب حضرت مظہر کی زندگی کے آخری دور سے تعلق رکھتے ہیں' یہ خطوط نجی باتوں پر مشتمل ہیں ان کی روشنی میں آپ کی کتاب زندگی کے بہت سے دھندلے اوراق روشن ہو کر سامنے آ جاتے ہیں، بہت سی باتیں جو اب تک مبہم تھیں واضح ہو جاتی ہیں، اس مجموعے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ آپ اپنے گردوپیش کے سیاسی حالات سے پورے طور پر آگاہی رکھتے تھے۔ چنانچہ کئی خطوط میں اس عہد کے تاریخی و سیاسی واقعات ملتے ہیں [519]

جیسا کہ ہم نے اس مقدمہ اور حواشی میں اس مجموعے کے بہت سے اقتباسات کے ذریعے حضرت مظہر کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ ان میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت مظہر کے ان مکاتیب کے مندرجات کی معاصر کتب تاریخ سے تصدیق ہوتی ہے، اگر اس مجموعہ کو خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکاتیب سے تقابل کر کے مطالعہ کیا جائے تو مکاتیب شاہ ولی اللہ کے بہت سے تشنہ واقعات کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ کئی واقعات ایسے ہیں جنہیں مورخین نے مصلحتاً نظر انداز کر دیا

ہے لیکن حضرت مظہر کے اس نجی مجموعہ میں وہ درج ہو گئے ہیں' بلاشبہ یہ خطوط اس دورِ زوال کی سیاسی تاریخ کے کئی خلا پر سکتے ہیں۔

مکاتیب حضرت مظہر کا آخری مجموعہ جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مدظلہ کا مرتب کیا ہوا ہے اس میں کل دوسو خطوط ہیں جن میں سے پہلے دس خود حضرت مظہر کے ہیں' باقی سلسلہ مظہریہ کے دیگر افراد کی آپس کی خط وکتابات ہے' قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نو مکاتیب کے علاوہ بہت سے ایسے خطوط پائے جاتے ہیں جو اس سلسلہ کے حضرات نے ایک دوسرے کو لکھے تھے۔

اس مجموعے میں حضرت مظہر کے نام لکھے ہوئے ایسے مکاتیب بھی ملتے ہیں جو حضرت مظہر کے بعض مطبوعہ مکتوبات (شامل کلمات طیبات اور مجموعہ قریشی) کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس طرح حضرت مظہر کے احباب اور مریدین کے مابین تعلقات ومراسم کی تصویر زیادہ واضح طور پر اُبھرتی ہے' اس مجموعے میں بہت سے سیاسی واقعات کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں خصوصاً احمد شاہ درانی اور نواب قاسم علی خان سے متعلق اشارات قابل لحاظ ہیں' روہیلوں کی نقل وحرکت کا بھی ان میں بار بار ذکر آتا ہے جن سے حضرت مظہر کے ساتھ ان کی عقیدت ووابستگی کا پتا چلتا ہے۔

یہ تمام تر خطوط، مکتوب نگاروں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے غیر مطبوعہ صورت میں حضرت مظہر کے خلیفہ اخوند ملا نسیم [۲۰] کی خانقاہ واقع نور محل، اوچ، دیر پاکستان میں محفوظ ہیں۔ راقم الحروف کو ان تمام خطوط کی زیارت اور نقل واقتباسات کا موقع ملا ہے۔

اس مجموعہ کو محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب (سندھ یونیورسٹی حیدر آباد سندھ) نے لوائح خانقاہ مظہریہ کے تاریخی نام سے ۱۹۷۲ء میں مرتب کیا اور ۱۹۷۵ء میں حیدر آباد سندھ سے شائع کر دیا تھا۔ موصوف نے اس پر ایک مقدمہ اور بعض اہم مکتوبات کے آغاز میں مکتوب میں مندرج بیانات کی دیگر مکاتیب کی روشنی میں تشریح بھی دے دی ہے۔ جس سے انہیں سمجھنا نسبتاً آسان ہو گیا' یقیناً ڈاکٹر صاحب کی یہ کاوش سلسلہ مظہریہ پر کام کرنے والوں کے لیے لائق استفادہ ہے۔

مکتوبات حضرت مظہر کا پہلا اردو ترجمہ ڈاکٹر خلیق انجم نے کیا ہے' اس میں پہلے ۸۸ خطوط، کلمات طیبات اور رقعات کرامت...... مطبوعہ ۱۲۷۱ھ (فتح الاخبار، کول) سے ماخوذ ہیں اور مکتوب نمبر ۸۹، ۹۰، ۹۱، دیگر ذرائع سے حاصل کر کے ترجمہ کیے ہیں۔ اس میں کل ۹۱ مکاتیب ہیں۔ مکتوبات کے علاوہ

حضرت مظہر کی نثری تحریروں یعنی دیباچہ دیوان فارسی، خودنوشت حالات حضرت مظہر شامل سروآزاد، تقریظ حضرت مظہر بر رسالہ کلمات الحق اور آپ کے وصیت نامہ کے اُردو ترجمے بھی اس مجموعے کے آخر میں شامل ہیں۔ گویا اس مجموعے میں حضرت مظہر کی کوئی ایسی تحریر شامل نہیں ہے جس کا فارسی متن پہلے طبع نہ ہو چکا ہو۔

مترجم موصوف نے اس مجموعہ پر ایک مختصر مقدمہ اور آخر میں حواشی کے عنوان سے مکتوبات کے بعض مندرجات کی تشریح کی ہے، بہت سے حل طلب اُمور حواشی وتوضیحات کے محتاج تھے لیکن مترجم نے ان کی طرف توجہ مبذول نہیں فرمائی۔

ترجمہ کے دیگر بہت سے تقاضوں میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ مترجم صرف کلماتِ طیبات میں شامل متن کی بنیاد پر ترجمہ کرنے کی بجائے دیگر ذرائع سے پہلے صحت متن کی طرف توجہ کرتے پھر ترجمہ ہوتا۔ مقاماتِ مظہری میں شامل ۲۴ مکاتیب کا متن کہیں کہیں کلماتِ طیبات سے مختلف ہے۔ لیکن ترجمہ کرتے وقت اس اختلاف کو بھی مدنظر نہیں رکھا گیا۔

تاہم موصوف نے ان مکاتیب کا ترجمہ کر کے اُردو زبان وادب پر کام کرنے والے اصحاب کے لیے حضرت مظہر کے اس بے بہا خزانے کو متعارف کروانے کی جو کوشش کی ہے وہ قابل قدر ہے۔ یہ مجموعہ ۱۹۶۲ء میں ''مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط'' کے نام سے مکتبہ برہان، دہلی سے شائع ہوا تھا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت مظہر کے مکاتیب کے تمام مجموعے جدید تحقیقی اصول وضوابط کی بنیادوں پر مطالعہ کیے جائیں اور ان کا بھرپور سیاسی، سماجی، مذہبی اور ادبی جائزہ لیا جائے۔ لیکن اس مختصر مقدمہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے اس لیے سطحی طور پر بعض اُمور کا ذکر کیا جا رہا ہے؟

ہم نے اس مقدمہ میں مختلف عنوانات کے تحت حضرت مظہر کے مکاتیب سے بکثرت اقتباسات دیے ہیں جن سے ان خطوط کی سیاسی وسماجی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

پاکستان وہند کے انشاء لٹریچر کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہاں کی فارسی مکتوب نگاری میں سادہ اور تصنع سے پاک مکتوب نگاری کے میدان میں بھی حضرت مظہر کی وہی حیثیت ہے جو اُردو شاعری میں انہیں ''نقاش اول ریختہ'' کا فخر حاصل ہے۔ آپ سادگی کے ساتھ بے تکلفی کی تلقین بھی کرتے تھے اور مبالغہ آمیز القاب کے خلاف تھے۔ آپ کے ہاں مخدوما، جان من اور برادر من جیسے القاب استعمال ہوتے

تھے [۵۲۱] میرا جنبی کے نام ایک مکتوب میں لکھا ہے:

یہ گھسا پٹالقب (لقب مبتذل) حقائق و معارف آ گاہ چھوڑ دیں...... بے مزہ تکلف کو دخل نہ دیں' اس کے بعد اس طرح لکھیں کہ میرا جنبی کی طرف سے مرزا جان جانان مطالعہ کریں۔اس کے بعد مطلب لکھیں [۵۲۲] ......

حضرت مظہر خط کے مضمون میں بھی سادگی بیان کا پورا التزام کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ سامنے بیٹھے ہوئے کسی انسان سے مخاطب ہیں [۵۲۳]

بقول عبدالرزاق قریشی مرحوم:

مکاتیب کی زبان سادہ ہے اندازِ بیان میں سنجیدگی اور متانت پائی جاتی ہے' عبارت میں بڑی بے ساختگی ہے...... ان میں نہ تکلف ہے نہ تصنع، نہ آورد ہے نہ اہتمام، جملے عموماً چھوٹے چھوٹے اور الفاظ ہلکے پھلکے......انہیں انشا پردازی کا اچھا نمونہ کہا جا سکتا ہے...... کہیں کہیں آیاتِ قرآنی 'اوراشعار کا استعمال بڑے موقع ومحل سے کیا ہے اور اس سے تحریر میں حسن اور وزن پیدا ہو گیا ہے، لیکن بعض جملے آپ کے ہاں ایسے بھی ملتے ہیں جنہیں اہل زبان کو قبول کرنے میں شاید تامل ہو بعض الفاظ آپ کے ہاں ایسے ملتے ہیں جو اُردو مفہوم رکھتے ہیں اور فارسی میں اس طرح استعمال نہیں ہوتے' آپ نے بعض ہندی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں کیونکہ ان کے مترادفات فارسی میں نہیں ملتے [۵۲۴]

حضرت مظہر کی اس سادہ طرز نگارش کا اثر آپ کے مریدین کی تحریرات میں بھی نمایاں طور پر ملتا ہے حتیٰ کہ یہ حضرات جب آپس میں مکاتبت کرتے تھے تو ان میں اپنے اس روحانی رہنما کا طرز تحریر جلوہ گر رہتا تھا [۵۲۵]

حضرت مظہر خط میں تاریخ تحریر کا اندراج تو لازم سمجھتے تھے لیکن عموماً سنہ نہیں لکھتے تھے' ایک مکتوب میں خط پر تاریخ کی تحریر کی اہمیت بتائی ہے:

میانہ خط ضبط تاریخ تحریر لازم باید گرفت تا خلط مطالب نہ شود [۵۲۶]

صرف چند مکاتیب مثلاً مکتوب نمبر ۴۶ (۱۱۸۶ھ' کلماتِ طیبات) اور خط نمبر ۱۴۷ (۱۱۸۸ھ' مجموعہ قریشی) پر سنین تحریر ملتے ہیں۔ جناب خلیق انجم اور عبدالرزاق قریشی مرحوم نے اپنے مرتب مجموعوں میں

بعض مندرجات کی مدد سے اور دیگر ذرائع سے خطوط کے سنین متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت مظہر کے مکتوبات میں سیاسی اطلاعات

حضرت مظہر کے مکتوبات کے مختلف مجموعوں [۵۲۷] کے مطالعہ سے اٹھارھویں صدی عیسوی کے بہت سے اہم واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں' احمد شاہ درانی کے مختلف حملوں، ان جنگوں کے نتائج، حملوں سے عوامی زندگی کا متاثر ہونا، امراء کی باہمی چپقلش، اس عہد کی سیاسی جماعتوں کا کردار، مرکز دشمن طاقتوں کی ریشہ دوانیاں، بادشاہوں کی نقل وحرکت اور ان سے پیدا شدہ نتائج پر تبصرہ بھی ملتا ہے۔

اگر حضرت مظہر کی ان تمام تحریرات کا اس دور کی کتب تاریخ سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یقیناً بہت سے ایسے واقعات آپ کے مکتوبات میں ملیں گے جن سے اس عہد کا تاریخی لٹریچر خالی ہوگا' اس عہد کی بہت کم کتب تاریخ زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ہیں' اس لیے ان حالات میں اس کمی کو ایک حد تک مکتوبات کے یہ مجموعے پورا کرتے ہیں۔

ہم نے حضرت مظہر کے احوال وافکار پر ایک ضخیم کتاب تالیف کی ہے جس میں حضرت مظہر کے ان تمام مندرجات کو کتب تاریخ سے تقابل کر کے تجزیہ کیا ہے۔

حضرت مظہر کی دیگر نثری تحریریں

مکتوبات کے علاوہ حضرت مظہر کی چند نثری تحریریں بھی ملتی ہیں، لیکن یہ تمام تر فارسی میں ہیں، آپ کی اُردو نثر کا کوئی نمونہ ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا۔

معلوم اور معروف تحریرات یہ ہیں:

(۱) خودنوشت حالات برای سفینہ خوش گو (۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء)۔

(۲) خودنوشت احوال مشمور سروآزاد (۱۱۶۶ھ/۱۷۵۲ء)۔

(۳) دیوان فارسی کا دیباچہ (۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ء)۔

(۴) تقریظ رسالہ کلمات الحق (۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء)۔

(۵) وصیت نامہ (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء)۔

(۶) تنبیہات الخمسہ۔

(۷) سلوک طریقہ۔

(۸) لب الاسرار۔

(۱) حضرت مظہر کی پہلی نثری تحریر جس کا سال تحریر معلوم ہے وہ بندرابن داس خوش گو کے شعرای فارسی کے تذکرہ سفینہ خوش گو میں شامل ہے جو ۱۱۶۱ھ کی تالیف ہے [۵۲۸]

(۲) آپ کی دوسری تحریر مولانا آزاد بلگرامی کے تذکرہ سروآزاد میں محفوظ ہے۔ مؤلف کی درخواست پر آپ نے اپنے خودنوشت حالات لکھے تھے جو اس میں شامل ہیں [۵۲۹] یہ تذکرہ چونکہ ۱۱۶۶ھ کا نوشتہ ہے اس لیے اس تحریر کا سنہ حدود ۱۱۶۶ھ قرار دے سکتے ہیں۔

(۳) تیسری تحریر آپ کے فارسی دیوان ثانی کا دیباچہ ہے۔ اس کا سال تدوین ۱۱۷۰ھ ہے۔ یہ مختصر مگر بلیغ انداز میں ہے' اس میں بھی اپنی شاعری کا محرک وہی بتایا ہے جو سروآزاد میں ہے نیز کور سواد ناقلین سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے آگاہ کیا ہے کہ اس مجموعہ کے علاوہ باقی تمام اشعار مسترد سمجھے جائیں۔ آپ کا یہ نثری دیباچہ دیوان فارسی کے تمام مطبوعہ نسخوں میں شامل ہے۔

(۴) حضرت مظہر کی چوتھی تحریر معروف عالم اور اپنے خلیفہ مولانا غلام یحییٰ بہاری [۵۳۰] کے رسالہ کلمات الحق پر ایک مختصر تقریظ ہے یہ رسالہ ۱۱۸۴ھ میں تالیف ہوا تھا۔ اس لیے آپ کی اس تقریظ کا یہی سنہ تحریر بھی ہے یہ تقریظ بشاراتِ مظہریہ، مقاماتِ مظہری اور کلماتِ طیبات میں محفوظ ہے نیز رسالہ کلمات الحق کے جتنے خطی نسخے ہماری نظر سے گزرے ہیں سب میں منقول ہے۔

جناب عبدالرزاق قریشی نے اس تقریظ کو اہمیت نہیں دی بلکہ اسے ''حقیقت میں ایک عقیدت مند مرید سے اظہار خوشنودی کی سند'' [۵۳۱] قرار دیا ہے' بظاہر قریشی مرحوم سے اس کی توقع نہیں تھی لیکن جب انہوں نے حضرت مظہر کا اردو کلام مرتب کیا تو آپ کے بارے میں ان کی معلومات نہایت محدود تھیں، اس لیے اس قسم کی رائے کا اظہار کر دیا۔

ہمارے نزدیک آپ کی اس مختصر سی تقریظ کی بہت اہمیت ہے' یہ نہ صرف اس عہد کے صوفیانہ رجحانات کی عکاسی کرتی ہے بلکہ اس عہد میں جب کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو محض ایک لفظی فرق قرار دینے کی مہم چل رہی تھی، اس تحریک میں حضرت مظہر نے جو کردار ادا کیا اسے

سمجھنے میں خاصی مدد دیتی ہے کیوں کہ یہ رسالہ اس انطباق کے نظریہ کے خلاف لکھا گیا تھا[۵۳۲]

(۵) حضرت مظہر کی پانچویں تحریر جس کا سنہ متعین کیا جا سکتا ہے، وہ اپنی شہادت ۱۱۹۵ھ سے کچھ پہلے (۱۱۹۴ھ-۱۱۹۵ھ) کی ہو سکتی ہے۔ بقول مولانا بہڑائچی:

حضرت ایشان درآخر حیات این وصیت نامہ بہ فقیر نوشتہ دادہ بودند[۵۳۳]

یہ وصیت نامہ معمولاتِ مظہریہ میں محفوظ ہے[۵۳۴] یہ وصیت نامہ بھی ان تمام تر خوبیوں کا مالک ہے جو متقدمین کے وصایا میں ملتی ہیں۔ یہ وصیت نامہ آپ کی پوری زندگی کا نچوڑ اور مخلصین کے لیے مشعل راہ کا کام دے سکتا تھا اس لیے اسے ذاتی حیثیت سے افادہ عام کے لیے آپ نے معمولات میں شامل کر دیا گیا۔

(۶) تنبیہات الخمسہ کے نام سے آپ کی ایک تحریر بشاراتِ مظہریہ میں محفوظ ہے[۵۳۵] جس میں حقیقت اہل سنت اور ردّ شیعہ کے سلسلہ میں آپ نے پانچ تنبیہات کے تحت دلائل دیے ہیں اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

مخفی نیست کہ حقیقت اہل سنت و بطلان رد یہ شیعہ از درجہ استدلال بمرتبہ بداہت رسیدہ، چون بدیہی، حاجت بدلیل ندارد بطریق تنبیہ سخنی چند از زبان قلم می ریزد۔

(۷) سلوک طریقہ: اس عنوان سے محترم عبدالرزاق قریشی مرحوم نے آپ کی ایک تحریر کو غیر مطبوعہ رسالہ کے طور پر اپنے مرتبہ مجموعہ ''کاتیب میرزا مظہر'' میں بشاراتِ مظہریہ سے نقل کیا ہے[۵۳۶] لیکن یہ دراصل آپ کا ایک مکتوب ہے جو حضرت شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی کے مریدوں کے نام لکھا گیا تھا۔ جو مقاماتِ مظہری میں چھپ چکا ہے[۵۳۷] اس لیے اسے الگ رسالہ خیال کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح کتب خانہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ (موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان پاکستان) میں محفوظ قلمی رسالہ نصائح اور وحدت الوجود اور اسماعیل پاشا بغدادی نے آپ کے ایک رسالہ ''اجوبۃ مسائل فی الحدیث والتصوف'' (فارسی) کا بھی ذکر کیا ہے[۵۳۸] جو دراصل آپ کے مختلف مکتوبات کو رسالوں کی شکل میں طلبہ نے استفادہ کے لیے الگ الگ نقل کر لیے تھے جو آپ کے مطبوعہ مکتوبات کے مجموعوں میں شامل ہیں۔

(۸) لب الاسرار: اس نام سے حضرت مظہر کے ایک فارسی نثری رسالے کا خطی نسخہ ذخیرہ احسن

مارہروی، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں ہے، یہ اخلاقی قصص کا مجموعہ ہے' اس رسالہ کے ۲۳ ورق ہیں آخر میں مظہر بطور مؤلف درج ہے' سنہ تالیف ۱۱۹۰ھ ہے' (درانی' عصمت: مرزا مظہر جانِ جاناں کی فارسی ادبی خدمات' مقالہ مشمولہ معارف' اعظم گڑھ جنوری ۲۰۱۳ء۔)

حضرت مظہر کے ملفوظات

مکتوبات کے علاوہ ملفوظات و معارف کو بھی جمع کیا گیا ہے لیکن آپ کے باقاعدہ ملفوظات کا کوئی جامع مجموعہ ہمیں تاحال دستیاب نہیں ہوا' آپ کے سوانح نگاروں نے اپنے سوانحی مواد کے لیے آپ کے فرمودات کو ''الگ فصل'' کے طور پر لکھا ہے۔

بشاراتِ مظہریہ اور معمولاتِ مظہریہ میں بھی آپ کے بہت سے فرمودات نقل کیے گئے ہیں' اسی طرح مقاماتِ مظہری کی بارھویں فصل آپ کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ عین ممکن ہے کہ مؤلف کتاب ہذا چونکہ عرصہ دراز تک آپ کی خدمت میں رہے تھے اس لیے انہوں نے آپ کے ان مجلسی معارف کو از خود قلم بند کیا ہو [۵۳۹]

آپ کے یہ ملفوظات آپ کی تیس سالہ حیات ارشاد و تلقین کا نچوڑ ہیں اس کتاب کی مذکورہ فصل کے مطالعہ سے ہی ان کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ادبی خدمات

دعوت و عزیمت اور سلوک و عرفان کی روحانی تعلیم اور فارسی زبان و ادب غرض ہر شعبہ زندگی میں حضرت مظہر ایک مثالی زندگی کے مالک تھے' آپ کی فارسی نثر نگاری اور فارسی شاعری کے مختصر تذکرے کے بعد آپ کی اُردو ادب [۵۴۰] میں مصلحانہ کوششوں کا تذکرہ بھی لازم ہے۔

حضرت مظہر اردو شاعری کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جو اصلاح کا دور کہلاتا ہے' یہ وہ زمانہ ہے جب اُردو شاعری میں ''صنعت ایہام'' کا رواج بہت زیادہ ہو گیا تھا' شاعری الفاظ کا کھیل بن گئی تھی' آپ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اُردو شاعری کو ایہام سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ اردو شعراء کے تمام قابل اعتماد تذکرے اس امر پر متفق ہیں کہ اس اصلاحی کوشش میں حضرت مظہر کو اوّلیت حاصل ہے۔

بقول مولوی عبدالحق:

اردو شاعری پر ان کا بڑا احسان ہے' انہوں نے اردو شاعری کو ایہام کی دلدل سے نکال کر خوش گوار فضا میں پہنچا دیا' ان کے کلام اور ان کے ذوق کے اثر سے دلی کی شاعری کا رنگ بالکل بدل گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت کے شعراء ایہام گوئی ترک کر کے سیدھے رستے پر پڑ لیے' علاوہ ان کے شاگردوں...... کے دوسروں نے بھی ان کا اتباع کیا' یہاں تک کہ کہنہ سال اور کہنہ مشق شاعر حاتم بھی پرانی روش سے دست بردار ہو گیا' اور اس نے اپنے کلام سے اس قسم کے اشعار خارج کر کے ایک مختصر دیوان...... مرتب کیا۔ اس کے بعد سے ہمارے شعراء ایہام گوئی سے بیزاری ظاہر کرنے لگے [۵۴۱]

چنانچہ حضرت مظہر باقاعدہ ایک تحریک کی صورت میں اپنے تلامذہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان مصلحانہ کوششوں میں سرگرم عمل رہے۔ جہاں حضرت مظہر کے دامن تربیت سے بہت سے طالبان خدا نے روحانی فیض پایا [۵۴۲] وہاں شعراء کے ایک گروہ نے جن کی تعداد بقول صاحب سفینہ ہندی:

شاگردانش بسیار بودند۔

آپ نے جن شعراء کی باقاعدہ تربیت کی ان سب کے حالات تو تذکروں میں نہیں ملتے البتہ آپ کے شاگردوں میں سے انعام اللہ خان یقین، محمد فقیہہ دردمند، محمد باقر حزیں، ہیبت قلی خان حسرت، احسن اللہ بیان (۱) اور یک رنگ وغیرہ کے حالات سے اُردو شعراء کے تذکرے خالی نہیں ہیں [۵۴۳]

یہ تلامذہ باقاعدہ اس مصلحانہ مہم میں حضرت مظہر کے دوش بدوش کام کرتے رہے' یہاں ادبی خدمات کے سلسلے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ لازم معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ قاضی عبدالستار صاحب نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ ''اردو شاعری میں قنوطیت'' میں اسلامی تصوف اور ویدانتی نظریات کو ملانے کی پوری کوشش کرنے اور اسلامی تصوف کو قنوطیت کا سرچشمہ قرار دینے کے بعد حضرت مظہر جیسی سراپا حرکت اور فعال شخصیت کے کلام کو اپنی وضع کردہ قنوطیت کی تعریف پر پورا اُتارنے کی کوشش کی ہے [۵۴۴] لیکن مرحوم عبدالرزاق قریشی جنہوں نے حضرت مظہر کا بہت سا اُردو کلام بڑی عرق ریزی سے جمع کر کے مدون کیا تھا ان کے حقیقت پر مبنی اس نتیجہ سے مقالہ نگار کے بیان کی تردید ہو جاتی ہے' بقول قریشی مرحوم:

(حضرت مظہر کا کلام)...... ہوسناکی، بے حمیتی اور مایوسی والمناکی سے پاک ہے' ان کی

نوامردہ وافسردہ و بے ذوق نہیں' ان کے صنم خانہ میں موت کی نقش گری نہیں اور نہ ان کا ہنر زندگی سے بیزاری کا درس دیتا ہے' ان کا دل سوز عشق کا آتش کدہ ہے [۵۴۵] ......

درگاہ مظہری

دیگر صاحب سلسلہ صوفیہ کی طرح سلسلہ مظہریہ کے بانی حضرت مظہر نے بھی طالبان خدا کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک درگاہ بنائی تھی۔ جس کے انوار مصفٰی نے نہ صرف پاکستان و ہند بلکہ وسط ایشیا اور عربستان تک کو منور کیا۔

اگر پاک و ہند کے درگاہ سسٹم اور نقشبندی مشائخ کے نظام اصلاح و تربیت کے موضوع پر مستقل کام کیا جائے تو اس درگاہ کا مکمل نظام اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ثابت ہوگی۔

اگر حضرت مظہر کے زمانے کے سیاسی و سماجی ماحول کے اس خاکہ کی بنیاد پر اس خانقاہ مظہری کی خدمات روحانی اور اخلاقی اقدار کی حفاظت کی تفصیلات کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس درگاہ کا اس انتہائی ابتری کے دور میں بغیر کسی ''سرکاری مدد معاش'' کے کامیابی کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھنا آپ کے انتہائی خلوص اور جذبہ ایمانی کی واضح مثال پیش کرتا ہے۔

ابتداء میں اس دائرہ مبارکہ کی نوعیت کیا تھی؟ اس کی تفصیل معاصر کتب میں نہیں ملتی البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان مقاصد کے لیے کوئی مختصر عمارت ضرور مخصوص تھی ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء میں اپنے خود نوشت حالات میں تحریر فرمایا:

> اطراف عمر بیست سالگی گدائی در فقر اختیار کردہ اوقات خود را در خدمت مدرسہ و خانقاہ صرف نمودہ [۵۴۶]

دہلی کی مشہور جامع مسجد کے جوار میں حضرت مظہر کا مسکن تھا' سرور نے محلے کا نام کوچہ امام لکھا ہے:

> درکوچہ امام کہ محلّہ ایست محاذی جامع مسجد مسکن گزیدہ [۵۴۷]

جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے تیس سال تک خود مشائخ کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر سلوک کی منازل طے کیں اور بقیہ تیس سال تک طالبان خدا کی رہنمائی کے لیے ہمہ تن مصروف رہے [۵۴۸] حضرت شاہ غلام علی فرماتے ہیں:

تقریباً دو سو افراد تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل کر کے مخلصین کو راہِ خدا کی ہدایت دے رہے ہیں، پچاس افراد صرف انابلہ سے مقاماتِ احمدیہ (نقشبندیہ) کی انتہا کو پہنچ کر اربابِ طریقت کے مقتدیٰ بنے ۵۴۹؎

آخری زمانہ حیات میں آپ انتہائی ناتوانی کے باوجود ہر روز سو آدمیوں کو توجہ دیتے تھے خود لکھتے ہیں:

بڑھاپا اور کمزوری حد سے زیادہ ہے......اور ابھی تک تقریباً سو آدمیوں کو دونوں وقت توجہ دی جاتی ہے ۵۵۰؎

گویا یہ مرجع خلائق بزرگ آغاز ارشاد سے لے کر آخری سانس تک تبلیغ وارشاد، تعلیم سلوک اور حاجت مندوں کی دستگیری کرنے کے بعد ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء میں شہید ہوا۔ اور اپنے پس ماندگان میں ایسے تربیت یافتہ خلفاء کو چھوڑ گیا جنہوں نے اس نہایت پرخطر دور میں ہندوستان اور عالم اسلام میں دین اور تبلیغ دین کا بیڑا اُٹھائے رکھا۔

نواب سردار خان بخشی کی طرف سے خانقاہ کے لیے اخراجات ملتے تھے، جو امتداد زمانہ سے بند ہوئے لیکن پھر بحال کر دیئے گئے (مرزا مظہر کے خطوط صفحہ ۱۶۵)۔

تدفین وتعمیر خانقاہ

حضرت مظہر کی اہلیہ محترمہ نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ ''تجہیز وتکفین وتدفین'' کا معاملہ ان کے سپرد کر دیں، آپ کے مریدوں کو اس بات کا علم تھا چنانچہ وفات کے بعد بی بی صاحبہ کی خوشی کے لیے آپ کو حویلی بی بی صاحبہ (اہلیہ حضرت مظہر) جو کہ چتلی قبر کے متصل تھی دفن کر دیا گیا، آپ کے مخلصین کو اس بات کا بھی علم تھا کہ آپ نے ایک وصیت نامہ لکھ کر اپنے خلیفہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو دیا تھا، جس میں آپ نے اس حویلی میں دفن ہونے سے بیزاری کا اظہار فرمایا تھا لیکن قاضی صاحب گیارہ محرم کو دہلی پہنچے تو حویلی مذکورہ میں تدفین کا کام مکمل ہو چکا تھا انہوں نے چاہا کہ وصیت کے مطابق تدفین کی جائے لیکن حضرت مظہر نے انہیں ''عالم رؤیا'' میں اس عمل سے منع کر دیا ۵۵۱؎

حضرت مظہر کے وصیت نامہ میں ہے کہ ان کی دہلی میں کوئی املاک نہیں ہے، ان کی اہلیہ نے ایک حویلی خریدی تھی جس میں آپ کو دفن کیا گیا تھا۔ ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء کے ایک فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

آپ کی اہلیہ کی دو حویلیاں تھیں غالباً دوسری حویلی انہوں نے حضرت مظہر کی شہادت کے بعد خریدی ہو گی بہرحال اس فیصلہ (جس کا عکس یہاں دیا گیا ہے) کے مطابق آپ کی اہلیہ نے یہ دونوں حویلیاں آپ کے مزار اور مخلصین کے قیام کے لیے وقف کر دی تھیں اس دعویٰ نامہ یا فیصلہ سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ یہ حویلیاں رہن رکھی ہوئی تھیں دوسرے فیصلہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رہن کی وہ رقم حضرت شاہ غلام علی اور مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے خود ادا کر کے چھڑائی تھیں۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے ان دونوں حویلیوں کا وقف نامہ باقاعدہ تحریری صورت میں تیار کروایا تھا اور اس پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی مہریں ثبت کروالی گئی تھیں جس پر مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے بطور گواہ دستخط کیے تھے[۵۵۲]

شاہ غلام علی نے اپنے آخری ایامِ حیات میں وصیت کی تھی کہ میری سکونتی حویلی اور اس سے متصل دوسری حویلی اور مسجد کے حجرے ان اصحاب کے لیے وقف کرتا ہوں جو اس طریقہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے اور اغیار کے لیے ان میں سکونت منع ہے، اور وہ کتابیں بھی جو میں نے قیمتاً خریدی ہیں وقف کرتا ہوں اور صاحبزادہ شاہ ابوسعید اور مولوی بشارت اللہ (بہڑائچی) اس خانقاہ میں رہ کر ترویج طریقہ اور تدریس کا فریضہ انجام دیں...... (مرقومات خواجہ غلام محی الدین قصوری، قلمی بخط خواجہ قصوری)

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء میں خانقاہ سے ملحقہ ایک اور مکان بھی خرید کر اس خانقاہ میں توسیع کر دی گئی۔ حضرت مظہر کی یہ خانقاہ دہلی میں شارع عام سے مشرق کی طرف بانوے فٹ پر ہے' خانقاہ کا دروازہ سڑک پر ہی کھلتا ہے۔ مختلف اوقات میں سجادہ نشینان اس خانقاہ کی عمارت میں توسیع کرتے رہے۔

حضرت مظہر کا مزار مبارک جس چبوترے پر ہے اسی پر آپ کے ساتھ سلسلہ نقشبندیہ کی تین اور عظیم ہستیاں بھی محوِ خواب ہیں یعنی حضرت شاہ غلام علی، حضرت شاہ ابوسعید مجددی اور حضرت شاہ ابوالخیر مجددی رحمۃ اللہ علیہم۔

خانقاہ کے سجادہ نشین مولانا زید ابوالحسن فاروقی (ف ۲/ دسمبر ۱۹۹۳ء) نے اس چبوترے پر ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں ایک شان دار گنبد تعمیر کروایا ہے۔ جس کا عکس یہاں دیا جا رہا ہے۔ خود حضرت زید نے اس گنبد مبارک کی تعمیر کے قطعات و مادہائے تاریخ تجویز کیے ہیں۔

حضرت مظہر کے جانشین

دنیا میں بہت کم مذہبی رہنما اور روحانی پیشوا ایسے ہوئے ہیں جن کی تعلیمات ان کی وفات کے بعد عرصے تک ان کے پیروکاروں کے درمیان باقی رہی ہوں۔ بعض اوقات صاحب سلسلہ کی وفات کے فوراً بعد وہ سلسلہ تو قائم رہتا ہے لیکن اس کی اصل روح یعنی ''دعوت'' ختم ہو جاتی ہے۔ خصوصاً اگر ہم پاکستان و ہند کے اس دورِ زوال میں جس کا تعلق حضرت مظہر کے زمانے سے ہے دیکھیں تو نہایت حیرت ہوتی ہے کہ اس دور پرفتن میں بے سروسامانی کے باوجود کس طرح لاتعداد طالبان خدا کے دلوں کو آپ نے نورِ ایمان سے منور رکھا اور آپ کے جانشینوں نے اس منصب کو اس طرح کمال تک پہنچایا کہ ہزارہا علماء اور صوفیہ اپنی ''مسند مشیخت'' چھوڑ کر حصولِ فیض کے لیے کشاں کشاں آنے لگے۔

کتاب ہذا کے مؤلف آپ کے جانشین اوّل تھے۔ وہ ۱۱۷۸ھ/۱۷۶۵ء میں بیعت ہوئے اور آپ کی شہادت ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء تک خانقاہ شریف میں ہی رہے [۵۵۳]

حضرت مظہر نے خود وضاحت کی ہے:

حالاں درین ناتوانی غلام علی تنہا در خدمت ماندہ [۵۵۴]

حضرت مظہر نے اپنے وصیت نامے میں کسی کا نام بطور جانشین نہیں لکھا تھا اور نہ کسی کو نامزد کیا تھا۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو ایک خط (حدود ۱۱۹۷ھ) میں لکھا تھا کہ حضرت مظہر کا قائم مقام آپ کو ہونا چاہیے۔ جس کے جواب میں قاضی صاحب نے وضاحت کی تھی کہ میرے لیے یہ کلمہ ''بسیار ثقیل'' ہے۔ اس وقت مولوی غلام علی طالبان خدا کی کثیر جماعت کے ساتھ مصروف کار ہیں:

جماعت کثیر از مسلمانان استرشاد می نمایند پس شمار را و مولوی غلام علی را قائم مقام آنحضرت اگر گفتہ برد و گنجائش دارد [۵۵۵]

یہ بشاراتِ مظہریہ کے اس خطی نسخہ کا اقتباس ہے جو حضرت شاہ غلام علی نے مقاماتِ مظہری کی تالیف کے دوران پیش نظر رکھا تھا اور جس پر جابجا حواشی بھی لکھے تھے۔ اس اقتباس پر لکھتے ہیں کہ ''حضرت مظہر نے کسی کو اپنا قائم مقام نہیں بنایا تھا''۔

بے شک حضرت مظہر کے حلقۂ ارادت میں بہت سے اجل علماء موجود تھے لیکن شاہ غلام علی

صاحب کی سترہ سال تک آپ کی خدمت کی بدولت آپ کی وفات کے بعد کسی کو انہیں جانشین تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہوا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی حضرت مظہر کے ایک خلیفہ اخوند ملانسیم کو پسماندگان حضرت مظہر کے بارے میں اہم اطلاعات دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مولوی غلام علی صاحب بر مسند ارشاد نشستہ اند عالمے از ایشان مستفید می شوند [۵۵۶]

حضرت شاہ غلام علی (۱۱۹۵ھ سے ۱۲۴۰ھ/۱۷۸۱ء-۱۸۲۴ء) کے بعد حضرت شاہ ابوسعید مجددی (ف ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء) پھر ان کے فرزند حضرت شاہ احمد سعید مہاجر مدنی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران ان کی ہجرت کی وجہ سے یہ خانقاہ ان کے خلیفۂ اجل حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری (موسیٰ زئی شریف) کی نگرانی میں رہی، انہوں نے اپنے ایک خلیفہ مولوی رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں اپنا قائم مقام بنایا، پھر حضرت شاہ ابوالخیر مجددی (ف ۱۹۲۳ء) اس درگاہ عالی شان میں ارشاد و ہدایت طلبہ میں مصروف ہوئے [۵۵۷] پھر ان کے فرزند ارجمند مولانا ابوالحسن زید فاروقی (ف ۱۹۹۳ء) سجادہ نشین ہوئے [۵۵۸] ان دنوں آپ کے پوتے شیخ انس بن ابوالفضل محمد یہ فرائض انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ

(مؤلف مقاماتِ مظہری)

حضرت مظہر کے جانشین، غایت درجہ پابند شرع صوفی، بلند پایہ کتب تصوف کے مصنف، عالم اسلام کے علماء ومشائخ کو فیوضِ باطنی سے منور کرنے والے اور صاحب مقاماتِ مظہری کے حالات و کمالات اور دینی خدمات کے مفصل تذکرے کے لیے ایک ضخیم دفتر درکار ہے [۵۵۹] لیکن مقدمے کی رعایت سے ہم نہایت اختصار سے چند متعلقہ اُمور سے ہی بحث کر رہے ہیں۔

ابتدائی حالات

حضرت شاہ غلام علی، علوی سادات میں سے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے سلسلہ نسب ملتا ہے۔ آپ کے والد شاہ عبداللطیف برگزیدہ عصر اور حضرت شاہ ناصر الدین قادری دہلوی [۵۶۰] سے بیعت تھے اور قادری، چشتی اور شطاری سلاسل سے نسبت رکھتے تھے [۵۶۱]

شاہ عبداللطیف بٹالہ (پنجاب) کے رہنے والے تھے اور تنہا اپنے پیر کی خدمت میں حاضری کے لیے دہلی میں مقیم ہو گئے تھے [۵۶۲] حضرت شاہ فاضل الدین قادری بٹالوی سے بھی رشتہ داری تھی۔ خاندان فاضلی کے ایک فرد سید حسن شاہ نے حضرت شاہ غلام علی سے فیض پایا تھا' انہوں نے حضرت شاہ غلام علی کو ''خال محترم'' لکھا ہے [۵۶۳]

حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۱۵۶ھ/۴۳-۱۷۴۲ء کو بٹالہ میں ہوئی [۵۶۴]

والد نے آپ کا نام علی، والدہ نے عبدالقادر اور چچا نے عبداللہ رکھا۔ آپ اپنی تالیفات میں اپنا نام ''فقیر عبداللہ عرف غلام علی'' لکھتے تھے [۵۶۵] لیکن عوام وخواص میں آپ کی شہرت ''حضرت شاہ غلام علی دہلوی'' کے اسم گرامی سے ہے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں ہیں قیاس ہے کہ بٹالہ میں ہی ہوئی

ہو گی...... آپ کے والد چاہتے تھے کہ انہیں اپنے مرشد شاہ ناصر الدین قادری سے بیعت کروا دیں، چنانچہ اس ارادے سے آپ کے والد نے انہیں بٹالہ سے دہلی بلایا' آپ روز شنبہ ۱۱ رجب ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۱ء کو دہلی پہنچے [۵۶۶] لیکن اتفاق سے اسی روز شاہ ناصر الدین کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے والد نے فرمایا کہ "ہم تو تمہیں اپنے پیر سے بیعت کروانا چاہتے تھے لیکن خدا کی رضا یہی تھی، اب تم جہاں اپنی باطنی کشائش محسوس کرو وہاں بیعت کر لو" [۵۶۷]

۱۱۷۴ھ سے ۱۱۷۸ھ تک آپ چار سال دہلی ہی میں حصولِ علم میں مصروف رہے [۵۶۸] اور اسی دوران آپ نے حضرت شاہ ضیاء اللہ وشاہ عبدالعدل (خلفائے خواجہ محمد زبیر سرہندی)، خواجہ میر درد، شاہ فخر الدین، شاہ نانو اور شاہ غلام سادات چشتی سے بھی استفادہ کیا [۵۶۹]

خود فرماتے ہیں کہ "تفسیر اور حدیث کا علم حاصل کر کے حضرت مظہر کے دست حق پرست پر بیعت ہوا تھا" [۵۷۰]

انہوں نے حدیث کی سند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے لی اور انہی سے بخاری شریف پڑھی [۵۷۱]

حضرت مظہر سے بیعت

بائیس سال کی عمر میں ۱۱۷۸ھ/ ۱۷۶۴ء کو شاہ غلام علی، حضرت مظہر کی خدمت میں بغرضِ بیعت حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: "جہاں ذوق وشوق ہو اور کیفیات میسر آئیں۔ وہاں بیعت کر لو"۔ ان کا اصرار دیکھ کر آپ نے انہیں بیعت کر لیا [۵۷۲] اس کے بعد شب و روز ذکر و عبادت میں مصروف رہنے لگے اور اپنے مرشد کی شہادت ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء تک سترہ سال خانقاہ مظہری کی خدمت میں خلوص سے مصروف رہے۔

حضرت مظہر کی شہادت کے بعد آپ جانشین ہوئے اور طالبانِ خدا کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے۔

امراء کی عقیدت

ہم نے اس مقدمہ کی ابتداء میں ملک کی جس مکدر سیاسی فضا کا ذکر کیا ہے اس سے قیاس ہوتا ہے

کہ مصلحین شاید دنیا سے قطع تعلق کر کے ''انفرادی نجات'' میں مصروف ہو گئے ہوں گے لیکن جب ہم حضرت شاہ غلام علی کی عملی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی مرکز کی تباہی کے باوجود آپ نے ریاستوں کے حاکموں اور امراء سے تعلقات قائم کر کے انہیں مسلمانانِ ہند کی اصلاحِ احوال کی طرف توجہ دلائی' آپ کے مجموعہ مکاتیب میں بادشاہ ہند محمد اکبر شاہ ثانی کے نام ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا ایک مکتوب ملتا ہے [۵۷۳]

نواب شمشیر بہادر رئیس بندھیل کھنڈ کلاہ نصاریٰ (ہیٹ) سر پر رکھ کر حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے طیش میں آ کر اسے منع کیا [۵۷۴]

بادشاہ اور امراء خانقاہ کے اخراجات کے لیے مدد کے طور پر کچھ دینے کی درخواست کرتے رہے لیکن آپ نے مسلسل استغنا برتا۔ نواب امیر خان والی ٹونک نے بھی یہی استدعا کی لیکن قبول نہ فرمائی [۵۷۵]

حدود ۱۸۱۱۔۱۸۱۹ء میں نواب نظام الدین کی تعزیت کے لیے دہلی کے لوگ اس کے ہاں گئے۔ حضرت شاہ غلام علی بھی تشریف لے گئے' وہاں دہلی کا انگریز ریذیڈنٹ مٹکاف [۵۷۶] بھی آیا' تمام حاضرین اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے لیکن آپ نہ اُٹھے اور نہ اس سے ملے بلکہ اپنا منہ دوسری طرف کر لیا' اس نے حاضرین سے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں کے بتانے پر وہ آپ کے نزدیک آیا تو اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی جس سے آپ بہت آزردہ خاطر ہوئے' اسے آپ نے بُری طرح ڈانٹ کر ہٹایا' جب وہ اپنے گھر پہنچا تو اس نے اپنے ملازموں سے کہا کہ:

میں نے سارے ہندوستان میں یہی ایک مسلمان دیکھا ہے [۵۷۷]

وصال

آپ کو ہمیشہ شہادت کی آرزو رہتی تھی۔ عمر کے آخری حصے میں بواسیر کا مرض غالب آ گیا تھا۔ ۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء بعد اشراق آپ کا انتقال ہوا۔ اس مصرعے سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے:

ع۔ جان بحق نقشبند ثانی داد [۵۷۸]

حضرت شاہ ابوسعید مجددی اور مولوی بشارت اللہ بہرائچی کو آپ نے اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

خلفاء

حضرت شاہ غلام علی کے معتقدین کا حلقہ اس قدر وسیع تھا کہ وصال سے نو سال پہلے ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۵ء میں جب کہ حضرت شاہ رؤف احمد مجددی نے آپ کے ملفوظات جمع کیے تو اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمِ اسلام کے طالبانِ حق آپ کے حلقہ بگوش تھے، فرماتے ہیں:

حلقہ مستفیدان طریقت کہ حلقہ اخلاص بہ گردن ارادت داشتند، می گشتند، چوں نظر فرمودند کہ مجمع معتقدان با اخلاص ومخلصان باختصاص بے شمارست کہ مردمان از سمرقند و بخارا وغزنی وتاشقند وحصار وقندھار وکابل وپیشور (پشاور) وملتان وکشمیر ولاہور وسرہند وامروہہ وسنبھل وبریلی ورام پور ولکھنؤ وجائیس وبہرائچ وگورکھپور وعظیم آباد وڈھاکہ وبنگالہ وحیدرآباد وپونہ وغیرہم بہ طلب حق جل وعلا اوطان خود گزاشتہ آمدہ بودند [۵۷۹]

آپ کے ملفوظات کے ایک نو دریافت مجموعے میں تحریر ہے کہ حضرت شاہ غلام علی نے فرمایا کہ "ہمارا فیض دور دور تک پہنچ گیا ہے مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، بغداد شریف اور روم ومغرب میں ہمارا حلقہ جاری ہے" [۵۸۰]

ممکن ہے کہ معتقدین کی اس کثرتِ تعداد پر یہ اعتراض ہو کہ یہ تو ایک پیر کے معتقدین کی خوش فہمی ہے، ذرا فکرِ جدید کے علم بردار یعنی سرسید احمد خان کا مشاہدہ بھی ملاحظہ کریں جو بھی اس خانوادہ سے عقیدت رکھتے تھے، لکھا ہے:

میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم وشام اور بغداد اور مصر اور چین اور حبش سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمت خانقاہ کو سعادتِ ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح اُمڈے تھے [۵۸۱]

آپ کے خلفاء کے معتقدین بھی لاتعداد تھے۔ آپ کے خلیفہ مولانا خالد کردی رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کی تعداد ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۵ء تک ایک لاکھ تھی اور عالم اسلام کے متبحر علماء جو ان سے فیض یاب ہوئے ان کی تعداد ایک ہزار تھی اور وہ ان کا غایت درجہ ادب کرتے تھے [۵۸۲]

حضرت شاہ غلام علی کے تقریباً ۳۸ خلفاء کے نام سوانحی کتب میں محفوظ ہیں ان میں سے چند اکابر

خلفاء کے مجمل حالات لکھے جا رہے ہیں جن کی مساعی جمیلہ وانفاس متبرکہ کے نتیجہ کے طور پر پاکستان و ہند میں اسلامی سلطنت کے خاتمے اور دشمنانِ اسلام کے تسلط کے باوجود اسلامی اقدار بہت حد تک محفوظ ہیں۔

حضرت شاہ ابوسعید مجددی

حضرت شاہ غلام علی کے جانشین اوّل، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نبیرہ [۵۸۳] اور اجل عالم تھے' نام زکی القدر اور کنیت ابوسعید تھی' ولادت ۲ ذیقعد ۱۱۹۷ھ/ ۱۹ اکتوبر ۱۷۸۲ء کو رام پور میں ہوئی۔ اور وفات حجاز سے واپسی پر شنبہ یکم شوال ۱۲۵۰ھ/ ۳۱ جنوری ۱۸۳۵ء کو ریاست ٹونک میں ہوئی' نعش مبارک دہلی لا کر حضرت مظہر و حضرت شاہ غلام علی کے چبوترے پر دفن کی گئی۔

جید علماء سے تحصیل علم کے بعد حدیث کی سند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت شاہ غلام علی (مؤلف کتاب ہذا) سے لی تھی' پہلے اپنے والد سے پھر ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء میں حضرت شاہ غلام علی سے بیعت ہوئے۔ بہت جلد منازلِ سلوک طے کیں یہاں تک کہ ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء میں حضرت شاہ غلام علی نے اپنی ضمنیت کا شرف بخشا' اپنے آخری ایامِ حیات میں جب حضرت شاہ غلام علی بیمار ہوئے تو آپ نے انہیں کئی خطوط لکھے اور انہیں جلد دہلی پہنچنے کی تاکید کی' ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> می بینم کہ منصب آخر مقامات این خاندان عالی شان بہ شما متعلق و وابستہ شد......
> وقیومیت بہ شما عطا کردند......

اس خط کے ملنے پر آپ فوراً دہلی میں حاضر خدمت ہوئے اور شاہ صاحب نے انہیں اپنا جانشین بنایا' حضرت شاہ ابوسعید کی ایک معروف تصنیف ہدایت الطالبین ہے، جو اس سلسلے میں بہت مقبول ہے' حضرت شاہ ابوسعید کے بہت سے خلفاء تھے ان کا فیض پاکستان و ہند سے لے کر ترکستان تک پھیلا ہوا تھا۔

ان کے فرزندوں حضرت شاہ احمد سعید، حضرت شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی اور شاہ عبدالمغنی میں سے اول الذکر دو اصحاب نابغہ روزگار تھے [۵۸۴]

حضرت شاہ احمد سعید مجددی

حضرت شاہ ابوسعید مجددی کے فرزند اکبر تھے۔ ۱۲۱۷ھ/ ۳۱ جولائی ۱۸۰۲ء کو رام پور میں پیدا ہوئے اور ۲ ربیع الاوّل ۱۲۷۷ھ/ ۱۸ ستمبر ۱۸۷۰ء کو مدینہ منورہ میں انتقال کیا' روضہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جوار میں دفن ہوئے۔ اپنے والد اور حضرت شاہ غلام علی سے کسبِ فیض کیا' جید علماء سے مروجہ علوم کی تحصیل کی ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۴ء میں ہی آپ کے والد نے حج کے لیے روانہ ہوتے ہوئے، خانقاہ مظہری کی تولیت آپ کے سپرد کر دی تھی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جن علماء نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ تھا ان میں اس فتویٰ کے محرک اوّل آپ ہی تھے [۵۸۵] اس تحریک کے باعث بہت سے علماء کو بلادِ اسلامیہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی تھی' ان میں حضرت شاہ احمد سعید بھی شامل تھے۔

آپ راستے کے بے شمار مصائب کے باوجود اپنے خلیفہ نامدار حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ [۵۸۶] کے پاس ان کی خانقاہ واقع موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (پاکستان) تشریف لے گئے اور آپ نے مریدین اور خانقاہ مظہریہ (دہلی) حضرت حاجی صاحب کے سپرد کی اور اپنے دست خاص سے یہ تحریر حاجی صاحب کو عنایت کی:

> ......مریدان خود کہ در ہندوستان وخراسان سکونت میدارند کہ بجای من مقبول بارگاہ احد حاجی دوست محمد صاحب را کہ خلیفہ من اند بدانند وتوجہات از ایشان گرفتہ باشند [۵۸۷]......

اور حاجی صاحب کو اپنی ضمنیت کا شرف بخش کر خانقاہ دہلی کے مکانات اور تسبیح خانہ بھی حوالے کیا۔

حضرت حاجی صاحب نے اپنے ایک خلیفہ مولوی رحیم بخش اجمیری ہرصوری (ف ۱۲۸۳ھ) کو اسی وقت حضرت شاہ احمد سعید کی موجودگی میں خانقاہ شریف (دہلی) جانے کا حکم دیا اور وہ روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت شاہ احمد سعید مع اہل وعیال حرمین الشریفین کے لیے روانہ ہوئے' ان کے ان مقاماتِ مقدسہ میں قیام کے باعث سلسلہ نقشبندیہ کو وہاں بہت فروغ ملا۔

حضرت شاہ احمد سعید کے اسّی خلفاء کے حالات محفوظ ہیں' شاہ احمد سعید کئی اہم کتابوں کے مؤلف

بھی ہیں، ان میں سے سعید البیان فی مولد سید الانس والجان (اُردو مطبوعہ)، الذکر الشریف فی اثبات المولد المنیف (فارسی)، اثبات المولد والقیام (عربی مطبوعہ)، الفوائد الضابطہ فی اثبات الرابطہ (فارسی)، انہار اربعہ (فارسی مطبوعہ)، تحقیق الحق المبین فی اجوبۃ المسائل الاربعین (فارسی مطبوعہ) اور مکتوبات کا مجموعہ معلوم اور معروف ہیں ۵۸۸

آپ کی اولاد میں عبدالرشید، عبدالحمید، محمد عمر، محمد مظہر اور ایک صاحب زادی تھی۔

آپ کے خلیفہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری نے اپنی وفات (۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء) سے پہلے اپنی تینوں خانقاہیں یعنی خانقاہ مظہریہ (دہلی)، خانقاہ موسیٰ زئی اور خانقاہ قندھار اپنے خلیفہ حضرت خواجہ محمد عثمان کے سپرد کر دی تھیں۔ اور حضرت حاجی صاحب کے قائم مقام مولوی رحیم بخش کا بھی ۱۲۸۳ھ میں انتقال ہو چکا تھا، اس لیے حضرت شاہ ابوالخیر بن حضرت شیخ محمد عمر بن حضرت شاہ احمد سعید نے خواجہ محمد عثمان صاحب سے اس سلسلے میں مراسلت کی اور حجاز مقدس سے دہلی واپس آ کر آپ نے پھر حضرت خواجہ محمد عثمان سے خط و کتابت کی کہ خانقاہ شریف (دہلی) ان کے سپرد کر دی جائے۔ لہٰذا حضرت خواجہ محمد عثمان ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۶ء کو دہلی پہنچے، اس طرح یہ خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی کے سپرد ہوئی جہاں آپ اپنے وصال ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء تک رشد و ہدایت میں مصروف رہے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی (فاضل جامعہ ازہر) درگاہ شریف کے سجادہ نشین ہوئے ۵۸۹

مولانا خالد کردی رومی

حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں جو شہرت و قبول عام مولانا خالد کردی کو حاصل ہوا، وہ دوسرے خلفاء کو کم نصیب ہوا، شاہ غلام علی بجا طور پر فرماتے تھے:

> یہ حضرت خواجہ باقی اللہ کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں حضرت امام ربانی جیسا خلیفہ ملا، اور یہ حضرت امام ربانی کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں شیخ آدم بنوڑی جیسا خلیفہ میسر آیا، اور یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھے مولانا خالد جیسا خلیفہ ملا ۵۹۰

مولانا ضیاء الدین خالد شہرزوری اشعری شافعی نقشبندی قادری سہروردی نے اپنے وطن شہرزور کردستان میں مروجہ علوم کی تحصیل کی ۵۹۱ حدیث کی پچاس کتب کی سند حاصل کی تھی علمائے ہند میں

سے صرف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تعریف کرتے تھے اور ان سے بھی صحاح ستہ کی اجازت لی تھی [۵۹۲]

طلب شیخ کامل کی آرزو ہر وقت رہتی تھی، حج بیت اللہ کے ارادہ سے نکلے تھے، حضرت شاہ غلام علی کی شہرت سن کر ادائے مناسک حج کے بعد آپ کی خدمت میں دہلی کے لیے روانہ ہو گئے، سلیمانیہ، ایران اور دیگر ممالک سے ہوتے ہوئے ایک سال کی مسافت طے کر کے ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں مولانا دہلی حاضر ہوئے [۵۹۳] اور نو ماہ تک شاہ صاحب کی خدمت میں رہے، تعلیم سلوک کے بعد اجازت لی۔

مولانا خالد کی بدولت نقشبندی سلوک کا دیار عرب میں بہت رواج ہوا یہاں تک کہ ایک ہزار صاحب تصنیف علماء آپ کے حلقہ بگوش ہو کر ہمہ وقت آپ کے سامنے کھڑے رہتے تھے، آپ کے قیام بغداد (۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء) کے دوران کی مقبولیت کا یہ عالم تھا:

> صد کس عالم متبحر صاحب تصانیف از یاران این فقیر قابل اجازت گردیده اند و پانصد کس از اکابر علماء داخل طریقہ شدہ اند و تعداد عوام و خواص مردمان کہ بیعت نمودہ اند چہ بیان آید [۵۹۴]

ایک اور مقام پر خود لکھا ہے کہ ایک ہزار عالم متبحر داخل طریقہ ہو کر میرے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں اور ایک لاکھ "مردمان" مجھ سے بیعت ہو چکے ہیں [۵۹۵]

مولانا عربی و فارسی میں شعر کہتے تھے۔ فارسی دیوان ترکی سے طبع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کی فہارس مخطوطات میں ان کی تصانیف کے نام ملتے ہیں، ان میں سے کئی ایک چھپ چکی ہیں [۵۹۶]

مولانا خالد کا انتقال ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء میں طاعون کی وبا کے دوران ہوا، اپنے وطن میں مدفون ہیں [۵۹۷] مولانا بہت ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے، ان کی زندگی میں ہی ان کے حالات و مناقب پر علماء نے کتابیں تالیف کی تھیں [۵۹۸] علامہ شامی کی مشہور کتاب سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی انہیں کی حمایت میں ہے [۵۹۹]

مولانا غلام محی الدین قصوری

حضرت شاہ غلام علی کے عظیم خلفاء میں سے تھے، پنجاب میں زیادہ تر انہی کی بدولت سلسلہ مظہریہ کی نشر و اشاعت ہوئی۔ کثیر التصانیف عالم اور مقبول ترین شخصیت کے مالک تھے۔

مولانا قصوری، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، ان کی ولادت قصور میں ۱۲۰۲ھ/ ۱۷۸۷ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی گئے، حدیث کی سند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے لی اور حدود ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء میں حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے اور مسلسل گیارہ ماہ تک شاہ صاحب کی خدمت میں رہے [۶۰۰] ان کے معروف خلفاء میں سے مولانا غلام دستگیر قصوری، مولانا غلام نبی للّٰہی، مولانا حافظ غلام مرتضیٰ بیربلوی اور حافظ نور الدین چکوڑی کے کارہائے دینی وروحانی قابل ذکر ہیں۔

زمانے کے نشیب وفراز کے باوجود بہت سی کتابیں تالیف کیں جن میں سے صرف اٹھارہ کا ہمیں تاحال سراغ ملا ہے [۶۰۱] ان میں تحفہ رسولیہ مشہور ترین کتاب ہے، مولانا قصوری نے حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات [۶۰۲] بھی جمع کیے تھے جن سے دیگر معلومات کے علاوہ سلسلہ مظہریہ کے اہم نکات کا بھی علم ہوتا ہے۔

مولانا قصوری نے ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء میں وفات پائی۔ قصور میں مدفون ہیں [۶۰۳]

حضرت شاہ غلام علی کے دیگر خلفاء کے مختصر حالات مقاماتِ مظہری سے ملحق ضمیمہ نوشتہ مولانا شاہ عبدالغنی مجددی میں ملاحظہ کریں [۶۰۴]

تصانیف حضرت شاہ غلام علی

اب تک آپ کے احوال وآثار پر مفصل اور تحقیقی کام نہیں ہوا ہے اور کسی نے آپ کی تالیفات کی تلاش وجستجو نہیں کی ہے، راقم کو اب تک آپ کی جتنی تالیفات، رسائل اور ملفوظات ومکتوبات کا علم ہوا ہے ان کی تعداد سترہ ہے جن کا یہاں مکمل تعارف کروایا جا رہا ہے [۶۰۵]

(۱) ایضاح الطریقت

طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے اصول، اذکار اور اصطلاحات پر آپ نے یہ رسالہ لکھا ہے، اس کا سال تالیف ۱۲۱۲ھ ہے، دورِ آخر میں سلسلہ نقشبندیہ میں اس رسالے کو جتنی مقبولیت نصیب ہوئی دیگر کتابوں کو حاصل نہیں ہو سکی، آپ نے اس رسالے میں عام فہم انداز میں طریقہ شریفہ کے اشغال اس طرح بیان کیے ہیں کہ مبتدی ومنتہی دونوں کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

بعد حمد و ثناء فقیر عبداللہ عرف غلام علی عفی عنہ گزارش می نماید کہ بیست و دو سالہ بودم کہ ہدایت وعنایت بے غایت الٰہی سبحانہ شامل حال این فقیر گردیدہ، بجناب فیض مآب...... حضرت مرزا جان جانان قدس سرہ العزیز رسانید...... بہ یمن توجہات روح افزای حضرت ایشان مناسبتی بہ حالات و واردات این طریقہ علیہ بہم رسید و ادراک وجدان کیفیات ومقامات واصطلاحات آن حاصل شد۔

یہ رسالہ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے[606] بہت سے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں[607]

(۲)احوال بزرگان

اس رسالہ میں مؤلف نے حضرت غوث الثقلین، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ نجم الدین کبریٰ، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین، شیخ فریدالدین، شیخ نظام الدین اولیاء، مخدوم صابر، شاہ نقشبند، خواجہ عطار، خواجہ محمد پارسا، خواجہ احرار، خواجہ محمد باقی باللہ اور حضرت مجدد الف ثانی مع اولاد حضرت مجدد کے نہایت مختصر حالات لکھے ہیں۔

اس رسالے کے آخر میں مؤلف نے مولانا خالد کردی کے حاضر خدمت ہو کر استفادہ کرنے کا ذکر کیا ہے' جیسا کہ ہم نے لکھا ہے کہ مولانا ۱۲۲۵ھ میں دہلی آئے تھے، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء کے بعد تالیف ہوا۔

اس رسالے کا خطی نسخہ جناب جی معین الدین، لاہور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے[608]

(۳)رسالہ در ذکر مقامات ومعارف و واردات حضرت مجدد

اس میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ (ف۱۰۳۴ھ) کے حالات ومناقب، خلفاء و اولاد کے حالات، اس سلسلہ کی دو مشہور کتابوں زبدۃ المقامات اور حضرات القدس سے تلخیص کر کے لکھے گئے ہیں۔ مؤلف نے دیگر کتب اور صدری روایات کا بھی اس میں اضافہ کیا ہے' اس رسالہ کے کئی خطی نسخے ہماری نظر سے گزرے ہیں[609] یہ ۲۳۷ صفحات کا ضخیم رسالہ ہے۔

(۴) رسالہ طریق بیعت واذکار

اس رسالہ میں بیعت کی اقسام بیان کی گئی ہیں' ابتداء اس طرح ہوتی ہے:

بعد حمد وصلوٰۃ دریابند کہ بیعت بہ معنی عہد کردن است واستوار بودن برآن......

یہ رسالہ حضرت سید اسماعیل محدث مدنی کے مؤلف سے بیعت ہونے کے بعد تالیف ہوا تھا کیوں کہ اس رسالہ میں ان کے مدینہ منورہ سے مؤلف کی خدمت میں بغرض استفادہ حاضر ہونے کا ذکر ملتا ہے' یہ رسالہ، رسائل سبعہ سیارہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

(۵) رسالہ در طریقہ شریفہ شاہ نقشبند

یہ مختصر رسالہ ہے، جس میں طریقہ نقشبندیہ کے فضائل بیان کیے گئے ہیں' ابتداء میں طریقہ نقشبندیہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ قول نقل کیا ہے:

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ در رسالہ توصیل المرید الی المراد فرمودہ اند نزد ما طریقہ بہتر از طریقہ نقشبندیہ نیست۔

یہ رسالہ، مجموعہ رسائل سبعہ سیارہ اور آپ کے مکاتیب میں بھی شامل ہے[۱۱۰]

(۶) رسالہ سطری چند از احوال شاہ نقشبند

یہ رسالہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند سرحلقہ سلسلہ نقشبندیہ کے احوال ومناقب پر مشتمل ہے' یہ رسالہ بھی سبعہ سیارہ اور مکاتیب شریفہ میں شامل ہے[۱۱۱]

(۷) رسالہ اذکار

اس رسالہ کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:

برآنکہ صحبت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معرفت ومحتسب ومرتبۂ احسان "ان تعبد ربك كانك تراه" اصحاب کرام را رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاصل بود وغلبہ محبت وترک حظ نفس تصفیہ دلہا می نمود، بعد زمان نبوت صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم انواع اذکار ومراقبات برائے حصول این درجات مقرر کردہ اند......الخ۔

یہ مختصر رسالہ، رسائل سبعہ سیارہ میں شامل ہے۔

(۸) رسالہ مراقبات

اس میں طریقت کے مقامات بیان کیے گئے ہیں' اس رسالے کا ذکر آپ کے ملفوظات درالمعارف میں ۵ جمادی الاوّل ۱۲۳۱ھ میں آیا ہے [۶۱۲] جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ رسالہ اس سنہ سے پہلے تالیف ہو چکا تھا۔

یہ رسالہ مکاتیب شریفہ [۶۱۳] رسائل سبعہ سیارہ اور درالمعارف [۶۱۴] میں بطور تعلیمات نقل ہوا ہے۔

(۹) رسالہ در رد اعتراضات شیخ عبدالحق بر حضرت مجدد

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اکثر مخالفین نے اپنے اعتراضات کے سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق کے رسالہ اعتراضات کی آڑ لے کر اپنے دلوں کے غبار نکالنے کی کوشش کی ہے' یہ حقیقت ہے کہ شیخ محدث کے یہ اشکال حضرت مجدد الف ثانی کے بعض کشوف سے متعلق تھے لیکن یہ اختلاف صرف کشفی اختلاف تھا' مخالفت ہرگز مقصود نہیں تھی چنانچہ ثابت ہو چکا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد شیخ محدث، حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں مطمئن ہو گئے اور اعتراضات واپس لے لیے [۶۱۵]

تاہم حضرت شاہ غلام علی نے اس رسالے میں نہایت مثبت طریقے سے حضرت شیخ محدث کے اشکال کا جواب دیا ہے [۶۱۶] یہ رسالہ بھی رسائل سبعہ سیارہ میں شامل ہے۔

(۱۰) رسالہ دیگر در رد مخالفین حضرت مجدد

یہ رسالہ مندرجہ ذیل پانچ فصول پر مشتمل ہے:

اوّل: دربیان مجملی از احوال حضرت مجدد۔

دوم: دررفع اعتراضات از کلام ایشان بطریق اجمال۔

سوم: دراجوبہ بعضی اعتراضات شیخ عبدالحق...... کہ رسالہ درانکار معارف ایشان نوشتہ اند۔

چہارم: دربیان حواشی کہ اوستادفقیر (حضرت شاہ عبدالعزیز) درایام خردی بر رسالہ مذکور تحریر فرمودہ اند۔

پنجم: دررفع شبہاتی کہ برالسنہ مذکور است۔

یہ رسالہ حضرت مؤلف کے اس موضوع پر دوسرے رسالہ سے زیادہ مفصل ہے' یہ بھی رسائل سبعہ سیارہ میں طبع ہوا ہے۔

(۱۱) رسالہ مشغولیہ

اس رسالہ میں لطائف کا بیان ہے:

لطائف سبعہ تا دران حرکت ذکر پیدا شود......اوّل لطیفہ قلب دوم ذکر خفی......

رسالہ کے خطبہ یا خاتمہ میں مؤلف نے اپنا نام نہیں لکھا ہے لیکن چونکہ یہ رسالہ حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری [۶۱۷] کی بیاض [۶۱۸] میں شامل ہے اور انہوں نے اسے حضرت شاہ غلام علی کی تصنیف بتایا ہے' لہٰذا ان کے اس خانوادے سے تعلق خاطر کی بنا پر اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

رسالہ مشغولیہ......من تصنیف......حضرت شاہ عبداللہ المشتہر فی الآفاق غلام علی شاہ دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ......الخ۔

یہ رسالہ ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔

(۱۲) سلوک راقیہ نقشبندیہ

کتب خانہ شیخ الاسلام عارف حکمت مدینہ منورہ میں اس نام کا ایک رسالہ شاہ صاحب سے منسوب ہے [۶۱۹] اس کی تفصیل اس وقت تک ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔

(۱۳) مکاتیب شریفہ

یہ حضرت شاہ غلام علی کے ایک سو پچیس مکتوبات کا مجموعہ ہے جو آپ کے خلیفہ حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی نے جمع کیا ہے۔ سال ترتیب ''مظہر عجائب'' سے ۱۲۳۱ھ برآمد ہوتا ہے۔

جن اصحاب کے نام مکتوبات ہیں ان کے اسماء یہ ہیں:

حضرت شاہ ابو سعید مجددی، شاہ رؤف احمد، شاہ احمد سعید، خواجہ محمد حسن مودود چشتی، مولانا خالد کردی، قمر الدین پشاوری، ملا فقیر محمد کولابی، شاہ گل محمد غزنوی، شہزادہ مرزا جہانگیر، صاحب زادہ ہائے سیف الرحمٰن و عبدالرحمٰن، میاں محمد حسن (وکیل انگریز)، غلام محمد خان، منور خان (حاکم سرونج، مالوہ)، شاہ عبداللطیف، والدۂ مولوی بشارت اللہ، مولوی

ہادی احمد، قاضی شمشیر خان، میاں رسول بخش گنگوہی، شاہ پیر محمد کشمیری، محمد اکبر ثانی (بادشاہ ہند)، مولوی محمد اکرم خان حیدرآبادی، میر فرخ حسین، مولوی ولی اللہ سنبھلی، مولوی بشارت اللہ بہڑائچی، منشی امین الدولہ احمد خان، سید احمد بغدادی، نواب شمشیر خان، سید امین الدین، مولوی عبدالرحمٰن شاہ جہان پوری، شیخ غلام مرتضیٰ اور حاجی عبداللہ بخاری۔

ان مکاتیب میں تصوف کے عمومی اور عام فہم مسائل سے لے کر ادق اسرار و رموز پر بھی بحث کی گئی ہے۔ نیز مخالفین حضرت مجدد کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ اس مجموعہ میں آپ کے بعض رسائل بھی بطور مکتوب شامل ہیں [۶۲۰]

ان مکاتیب شریفہ کا خطی نسخہ بخط جامع شاہ رؤف احمد مجددی، رباط مظہری مدینہ منورہ میں موجود ہے [۶۲۱] یہ مکاتیب پہلی مرتبہ مطبع عزیزی مدراس سے ۱۳۳۴ھ میں چھپے تھے پھر حکیم عبدالمجید سیفی نے انہیں ۱۳۷۱ھ میں لاہور سے شائع کیا۔ اس آخری ایڈیشن کو بصورت عکس آقای حسین علمی نے ترکی سے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔

حضرت شاہ غلام علی کا ایک مکتوب جو اُردو زبان میں ہے کتاب ارشاد المسترشدین میں موجود ہے [۶۲۲] جو ۱۸۵۷ء سے پہلے کی اُردو نثر کا ایک اچھا نمونہ ہے۔

(۱۴) درالمعارف

مؤلف مقاماتِ مظہری کے ملفوظات کے اب تک صرف دو مجموعے دست یاب ہوئے ہیں۔ پہلا مجموعہ درالمعارف، آپ کے خلیفہ حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی [۶۲۳] نے حضرت شاہ ابوسعید مجددی کی فرمائش پر جمع کیا ہے۔ اس کا آغاز روز سہ شنبہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۲۳۱ھ/ ۱۸۱۶ء سے ہوتا ہے اور روز یک شنبہ عیدالفطر ۱۲۳۱ھ تک کے سخنان پر مشتمل ہے یہ مسلسل اور تاریخ وار ہیں آخر میں کچھ ملفوظات ایسے بھی ہیں جن کی تاریخ جامع نے اس وقت تحریر نہیں کی تھی، اس لیے ایسے فرمودات بے تاریخ آخر میں یک جا کر دیے گئے ہیں۔ اس حصے میں جمادی الثانی ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء کے بعض فرمودات کا ذکر ملتا ہے۔

ان ملفوظات گرامی کا ایک ایک لفظ نہایت مؤثر اور دل کی گہرائیوں تک اتر جانے والا ہیم بے شک

وشبہہ مبتدی ومنتہی کو اس مجموعہ ملفوظات کے مطالعہ سے روحانی سرور حاصل ہوتا ہے۔

متاخرین نے حضرت شاہ غلام علی کے حالات وسخنان کا انحصار زیادہ تر اسی مجموعہ پر کیا ہے' یہ مجموعہ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔ مطبع نادری بریلی ۱۳۰۴ھ، محبوب المطابع دہلی ۱۹۲۷ء، ملتان ۱۹۶۰ء اور استنبول سے مکتبہ ایشیق نے شائع کیا۔ اس کے بعد شاہ رؤف احمد رافت نے شاہ غلام علی کے سات روز کے ملفوظات کا ایک اور مجموعہ مرتب کیا تھا' جس میں ۲۵/ ربیع الآخر ۱۲۳۶ھ سے دوشنبہ ۲/ جمادی الاول ۱۲۳۶ھ تک کے معارف درج کیے تھے۔ دیباچہ میں اسے تقریرات ہفت روزہ لکھا گیا ہے۔ اس کا خطی نسخہ ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب کے پاس اسلام آباد میں ہے۔ موصوف نے اس کا عکس نقد عمر میں شامل کر دیا ہے۔

(۱۵) ملفوظاتِ شریفہ

مؤلف کے ملفوظات کا یہ دوسرا دریافت شدہ مجموعہ ہے' اسے آپ کے خلیفہ نامدار حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری [۶۲۴] نے جمع کیا تھا۔ سال تدوین حدود [۶۲۵] ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۱۸ء (بتاریخ ۲۹ شعبان' ۲۲۔۲۳، رمضان اور عید الفطر) ہے۔

یہ مجموعہ بھی درالمعارف کی طرح حضرت شاہ غلام علی کی مکمل زندگی کے سخنان پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کے نام سے جو کتابوں میں لکھا ہے یعنی ''ملفوظات چہل روزہ'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صرف چالیس یوم کی حاضری کے ارشادات پر مشتمل ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے جامع ملفوظات کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ گیارہ ماہ تک حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں رہے، ممکن ہے اس میں زیادہ ایام کے سخنان عالی بھی شامل ہوں۔

اس نو دریافت مجموعہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ اگر اسے درالمعارف کا ضمیمہ تصور کرتے ہوئے اس کا مطالعہ کیا جائے تو دونوں مجموعوں کے بعض مقامات کی تشریح خود بخود ہو جاتی ہے۔

اس میں جابجا حضرت مظہر کے اقوال سے مسائل تصوف کا استنباط کیا گیا ہے۔ گویا حضرت مظہر کے افکار کی توضیحات کے سلسلہ میں یہ ایک اہم ماخذ ہے۔

ہمیں اب تک اس کے سات خطی نسخوں کا سراغ ملا ہے۔ یہ مجموعہ ہمارے مفصل مقدمہ اور حواشی کے ساتھ چھپ چکا ہے [۶۲۶]

(۱۶) کمالاتِ مظہریہ

حضرت شاہ غلام علی کی حضرت مظہر کے احوال و افکار پر دو منفرد کتابیں دست یاب ہو چکی ہیں۔ اوّل مقاماتِ مظہری، دوم کمالاتِ مظہریہ' پہلے مؤخر الذکر کتاب کا مختصر تعارف ملاحظہ کریں پھر زیرِ نظر کتاب مقاماتِ مظہری کا مفصل تعارف پیش کیا جائے گا:

کمالاتِ مظہریہ آپ نے اپنی عمر کے آخری ایام میں حدود ۱۲۳۷ھ/ ۱۸۲۱ء میں تالیف کی تھی۔ اس کے بارے میں شاہ محمد مظہر مجددی لکھتے ہیں:

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ در رسالہ خود کہ بظن غالب در حدود سی و ہفت تالیف فرمودہ اند و عمر مبارک حضرت والد (شاہ احمد سعید) بہ بیست رسیدہ بود، بعد ذکر حضرت جد امجد چنیں ارقام فرمودہ اند[۶۲۷] ......

یہ اقتباس اس کتاب کے سال تصنیف کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

اس کتاب کا اب تک صرف ایک ہی خطی نسخہ دریافت ہوا ہے۔ جو خانقاہ مظہری کے موجودہ سجادہ نشین حضرت ابوالحسن زید فاروقی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ مؤلف نے اس کا کوئی نام تجویز نہیں کیا تھا، حضرت زید نے مطالعہ کے بعد کمالاتِ مظہریہ اس کا نام رکھا اور یہی انہوں نے اس کے سرورق پر لکھ دیا ہے۔ اس کا خطی نسخہ ۱۸۵۷ء سے پہلے کا مکتوبہ[۶۲۸] ہے' کمالاتِ مظہریہ دراصل مقاماتِ مظہری کا خلاصہ ہے اور مؤلف نے تلخیص کے دوران اس میں بعض ترمیمات بھی کی ہیں[۶۲۹]

(۱۷) مقاماتِ مظہری (کتاب ہذا)

یہ کتاب حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید کے روزِ ولادت سے یومِ شہادت تک کے حالات و مقامات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ کے ملفوظات اور مکتوبات[۶۳۰] کا انتخاب بھی دیا گیا ہے۔

کتاب کی اٹھارہ فصلیں ہیں۔ مؤلف نے جابجا قرآنی آیات اور احادیث کے اقتباسات بھی دیے ہیں۔ متقدمین اور معاصرین کے اقوال سے اپنے بیانات کو مؤثر بنایا ہے۔

کتاب میں سال تصنیف کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس کی سولہویں فصل (در واقعات شہادت مظہر) میں لکھا ہے کہ اس وقت حضرت مظہر کی شہادت کو سولہ سال گزر چکے ہیں[۶۳۱] اس فقرہ سے اس کتاب

کا سال تالیف اس طرح برآمد کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی شہادت کا سنہ مسلمہ طور پر ۱۱۹۵ھ ہے اگر اس سنہ میں سولہ عدد کا اضافہ کیا جائے تو ۱۱۹۵+۱۶) ۱۲۱۱ھ/ ۱۷۹٦ء اس کا زمانہ تالیف متعین ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ اس مقدمہ میں کئی مقامات پر وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس کتاب کے مؤلف حضرت شاہ غلام علی ۱۱۷۸ھ/ ۱۷٦۴ء میں حضرت مظہر سے بیعت ہوئے اور سال شہادت ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء تک صاحب سوانح (حضرت مظہر) کی خدمت میں سترہ سال تک رہنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی اس لیے ہم اس کتاب کو حضرت مظہر کی ساری زندگی اور خصوصاً آخری سترہ سالہ زمانۂ حیات کی آئینہ دار قرار دے سکتے ہیں۔

اگر اٹھارھویں صدی عیسوی کے ملفوظاتی لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو اس کتاب کی امتیازی حیثیت معلوم ہو جائے گی۔ اس دور کی جس قدر مذہبی، سماجی اور سیاسی جھلکیاں اس مجموعہ میں ملتی ہیں، ملفوظات کے دیگر مجموعے ان اُمور سے خالی ہیں۔ اس موضوع کی دیگر کتابیں ضخامت کے اعتبار سے بے شک اس سے کئی گنا زیادہ ضخیم نظر آئیں گی، لیکن ان میں صاحب سوانح حضرات کی کرامات اور خرقِ عادات کو اس قدر طوالت دی گئی ہے کہ اکثر سوانحی مجموعے اپنے مقصد تالیف اور بعض اوقات اصل موضوع سے اتنے دور چلے گئے ہیں کہ انہیں اس مد میں شمار کرنا دشوار معلوم ہونے لگتا ہے۔

اس کتاب کی بہت سی دوسری خوبیوں کے علاوہ یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ مؤلف نے اس کی مختلف فصول بنا کر تمام متعلقہ اُمور کو یک جا کر دیا ہے۔ ساری کتاب میں کہیں بھی واقعات کی تکرار نہیں ہے۔ کتاب کی ایک فصل حضرت مظہر کی کرامات کے لیے ضرور مخصوص ہے لیکن کسی ایک کرامت پر بھی خلاف شرع ہونے کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس میں تو واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ:

سب سے عمدہ کرامت اتباع حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں استقامت ہے۔

چونکہ صاحب سوانح اپنے دور کے درجہ اوّل کے شعراء میں سے تھے اس لیے مؤلف نے ان کی زبانی کتاب میں جا بجا بہت عمدہ اشعار لکھے ہیں جس سے کتاب کا اندازِ بیان بھی نہایت دلچسپ اور مؤثر ہو گیا ہے۔

ہمیں اس کتاب کے بغور مطالعہ کے بعد اس کا مقصد تصنیف یہ معلوم ہوا ہے کہ اس دور کی مذہبی بے راہ روی اور صوفیۂ خام کی خلافِ شرع حرکات کے معاشرتی زندگی پر جو منفی اثرات مرتب ہو رہے

تھے ان کو زائل کرنے کے لیے مصلحین صوفیہ کا باقاعدہ ایک گروہ اس معاشرتی زوال کو روکنے اور اس کے اسباب کا گہرا مطالعہ کرنے میں مصروف تھا چونکہ صاحب سوانح اور کتاب ہذا کے مؤلف اس مصلحین گروپ کے سرگرم ترین ارکان میں سے تھے اس لیے ان حضرات کی طرف سے جو کوششیں ہوئیں ان میں ایک بڑا کارنامہ اس کتاب کی تالیف بھی ہے۔

ساری کتاب میں اعتدال اور میانہ روی کو اس طریقے سے ملحوظ رکھا گیا ہے کہ متقدمین صوفیہ کی تصانیف کی مثالیں سامنے آنے لگتی ہیں۔ مذہبی اور متنازعہ فیہ مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے' تصوف کے نازک ترین موضوعات بھی اس طریقے پر زیر بحث آئے ہیں کہ ''وحدت الوجود'' کا موضوع اس دور میں عوامی مباحث کی سطح پر پہنچ گیا تھا اس لیے مؤلف کو یہ بنیادی بات لکھنی پڑی:

توحید وجودی کا مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے۔

اس کتاب میں دوراز کار موضوع پر بحث کرنے سے اجتناب کیا گیا ہے۔

مؤلف نے دیباچے میں وضاحت کی ہے کہ ''ان کی یہ کتاب مولوی نعیم اللہ بہڑائچی کی کتاب کا ملخص وانتخاب ہے''۔

مؤلف نے مولانا بہڑائچی [۶۳۲] کی اس کتاب کا نام نہیں لکھا ہے مولانا کی اس موضوع پر دو کتابیں موجود ہیں۔ ایک بشاراتِ مظہریہ اور دوسری معمولاتِ مظہریہ۔ چونکہ مؤخر الذکر کتاب کئی مرتبہ چھپ چکی ہے اور خاصی متداول ومعروف ہے اس لیے حضرت مظہر کے کئی سوانح نگاروں [۶۳۳] نے بلا تامل یہ لکھ دیا ہے کہ ''مقاماتِ مظہری تو معمولاتِ مظہریہ کا خلاصہ ہے''۔ حالانکہ معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اگر بشارات، معمولات اور مقامات تینوں کتابوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مؤلف نے مولانا بہڑائچی کی بشاراتِ مظہریہ کو اپنے کام کی بنیاد بنایا ہے جس کے قرائن حسب ذیل ہیں:

(۱) بشاراتِ مظہریہ کی کئی فصلیں ایسی ہیں جو معمولاتِ مظہریہ میں قطعاً شامل نہیں ہیں مثلاً حالات خلفائے حضرت مظہر اور فصل مکتوبات' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت شاہ غلام علی نے معمولات کو بنیاد بنایا تو ان کی کتاب میں مذکورہ دو فصول کہاں سے آ گئیں؟

(۲) جب کہ بشارات میں یہ دونوں فصلیں مفصل طور پر تحریر کی گئی ہیں بلکہ خلفائے حضرت مظہر کی

پوری فصل حضرت شاہ غلام علی نے بشارات سے لی ہے۔ اکثر خلفاء کے حالات بلفظہ ہیں۔ بعض کے مزید حالات جوانہیں معلوم تھے ان میں اضافہ بھی کیا ہے۔

(۳) معمولاتِ مظہریہ میں زیادہ تر حضرت مظہر کے معمولات، عبادات اور وظائف کو بیان کیا ہے جب کہ مقاماتِ مظہری میں اٹھارہ مختلف فصول کے تحت مواد یک جا کیا گیا ہے۔

(۴) آخری اور سب سے اہم قرینہ یہ ہے کہ خوش قسمتی سے بشاراتِ مظہریہ کا وہ خطی نسخہ جو مقاماتِ مظہری کی تالیف کے دوران مؤلف کے پیش نظر تھا وہ اب بھی برٹش میوزیم میں محفوظ ہے [۶۳۴] یہ خطی نسخہ ہندوستان سے ہی برٹش میوزیم میں گیا ہے' اس کے پہلے ورق پر تحریر ہے کہ یہ نسخہ ہملٹن کی بیوہ سے ۱۸۶۸ء میں خریدا گیا:

Purchased of the widow of Col. Geo W. Hamilton, April, 1868.

اس نسخہ کے حواشی پر کئی مقامات پر حضرت شاہ غلام علی نے مؤلف سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی یادداشتیں تحریر کی ہیں' ایک موقع پر مؤلف نے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ایک مکتوب نقل کیا ہے لیکن مکتوب الیہ کا نام نہیں لکھا' اس پر گرفت کرتے ہوئے حضرت شاہ غلام علی حاشیہ میں لکھتے ہیں:

ایں مکتوب خود حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب بنام فقیر غلام علی نوشتہ اند مولوی نعیم اللہ جیو نام فقیر را صرف کردہ اند [۶۳۵] ......

اسی طرح جانشینی کے مسئلہ پر ایک حاشیہ تحریر کیا ہے کہ حضرت مظہر نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا [۶۳۶] جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مقاماتِ مظہری کی تالیف کے دوران مؤلف کے پیش نظر بشاراتِ مظہریہ کا یہی نسخہ تھا نہ کہ معمولاتِ مظہریہ کا۔

ہاں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مؤلف نے معمولاتِ مظہریہ سے بھی استفادہ کیا ہوگا لیکن انہوں نے اپنے کام کی بنیاد بشاراتِ مظہریہ پر رکھی اس بیان سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت شاہ غلام علی نے صرف ''بشارات'' کی تلخیص و انتخاب ہی کیا ہوگا بلکہ مؤلف نے اَن گنت ایسے واقعات کا اس میں اضافہ کیا ہے جن سے بشارات یکسر خالی ہے۔

گویا مقاماتِ مظہری، بشاراتِ مظہریہ کا تکملہ بھی ہے اور اس کی شرح بھی...... لازم معلوم ہوتا ہے

کہ بشاراتِ مظہریہ پر قدرے تفصیل سے بحث کی جائے تاکہ پیش نظر کتاب کی بنیاد کی نوعیت زیادہ واضح ہو سکے۔

بشاراتِ مظہریہ کا سبب تالیف مؤلف نے یہ بتایا ہے کہ وہ ۱۱۸۹ھ میں دوسری مرتبہ جب کہ حضرت مظہر کی مستقل صحبت اختیار کرنے کے لیے دہلی حاضر ہوئے [۶۳۷] تو انہوں نے اس قیام کے دوران حضرت کے ملفوظات کو جمع کرنا شروع کر دیا اور بہت سا مواد جمع کرنے کے بعد حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا' حضرت مظہر نے بعض اجزاء پر حک و اصلاح فرمائی لیکن مؤلف کو رخصت کرتے وقت فرمایا کہ ہمارے حالات اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں احاطۂ تحریر میں لایا جائے چنانچہ مؤلف نے ان اجزاء کے سوا جو حضرت مظہر کی نظر سے گزرے تھے اور ان کی اصلاح کی تھی تبرکاً محفوظ رکھا باقی اوراق ضائع کر دیے۔

آخر ۱۲۰۴ھ میں ایک مرتبہ ان اوراق پر نظر پڑی تو احباب سے مشورہ کیا' خصوصاً صاحب زادہ میر محمد ماہ بہڑاپچی نے بہت اصرار کیا کہ اسے کتاب کی صورت میں مدون کر دیا جائے چنانچہ مؤلف نے استخارہ کے بعد اسے کتابی صورت دے دی۔

مؤلف نے ساری کتاب میں بشاراتِ مظہریہ کی تاریخ تکمیل کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ البتہ واقعات کی تحریر کے دوران بعض مقامات پر ۱۲۰۵ھ کو "سال گزشتہ" [۶۳۸] کے طور پر لکھا ہے۔ جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ۱۲۰۴ھ، ۱۲۰۵ھ اور ۱۲۰۶ھ تک زیر تالیف و تکمیل رہی [۶۳۹] اس کا خطی نسخہ سال تکمیل سے ایک برس بعد یعنی ۱۲۰۷ھ کا مکتوبہ ہے۔ [۶۴۰]

بشاراتِ مظہریہ کی تالیف کے دوران ہی مؤلف ایک اور رسالہ معمولاتِ مظہریہ کی تالیف میں مصروف نظر آتے ہیں۔ معمولات میں انہوں نے تکملہ کے تحت جو عبارت لکھی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ ۱۲۰۵ھ میں مکمل ہوئی' بے شک بشارات کے بہت سے مندرجات معمولات میں پائے جاتے ہیں لیکن معمولات کو بشارات کا خلاصہ سمجھنا قیاس آرائی ہے کیونکہ یہ دونوں کتابیں ایک دوسرے کے وجود سے بے خبر ہیں۔

ہمارے خیال میں معمولاتِ مظہریہ کو بشارات کی تالیف کے دوران ہی الگ اور مستقل موضوع کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔

معمولاتِ مظہریہ تین مرتبہ چھپ چکی ہیں۔ اوّل مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۷۵ھ میں پھر اسی مطبع[۶۴۱] سے ۱۲۸۴ھ میں اور تیسری مرتبہ مطبع محمدی لاہور سے طبع ہوئی' اس کا اردو ترجمہ مخزن حقیقت کے نام سے رحیم الدین احمد طرب نے کیا جو دہلی سے ۱۳۱۵ھ کو طبع ہوا۔ معمولات مظہریہ کا مولانا خالد کردی رومی کے ایک مرید نے ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا جس کا خطی نسخہ استنبول کی ایک لائبریری میں ہے' (فہرست عکسیات ذخیرۂ مجددی R.152)

بشاراتِ مظہریہ کے دو مقصد اور ایک خاتمہ ہے۔ مقصد اوّل و دوم کے پانچ پانچ ابواب ہیں اور خاتمے میں حضرت مظہر کے بعض فارسی اشعار کا انتخاب ہے۔

اس کتاب میں نہ صرف حضرت مظہر بلکہ آپ کے احباب و اصحاب کے بارے میں بھی خاصی اہم معلومات ملتی ہیں جن میں سے اکثر نکات ہم نے مقاماتِ مظہری کے حواشی میں جابجا نقل کیے ہیں۔

مقاماتِ مظہری کی بہت سی فصول بشاراتِ مظہریہ سے منقول معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن جب دونوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ مؤلف مقامات نے اپنے تجربہ اور صاحب سوانح سے زیادہ قرب کے باعث بعض نکات کی قابل قدر توضیحات کی ہیں اور اضافے بھی کیے ہیں۔

حضرت شاہ غلام علی نے اپنی اس کتاب کا کہیں نام نہیں لکھا۔ اس کتاب کے طابع اوّل عبدالرحمٰن خان مالک مطبع احمدی دہلی اس پر ایک ضمیمہ لکھوانے کے لیے حضرت شاہ عبدالغنی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اس کی اشاعت اوّل اسی مطبع احمدی دہلی سے ۱۲۶۹ھ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کی نگرانی میں ہوئی تھی اس کے طابع اور مہتمم نے اس کا کوئی نام تجویز نہیں کیا تھا بلکہ اس کا سرورق یوں ہے:

رسالہ شریفہ در بیان حالات و مقامات حضرت شمس الدین حبیب اللہ جناب مرزا جان جانان مظہر شہید قدس اللہ سرہ۔

لیکن جب دوسری مرتبہ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء کو مطبع مجتبائی دہلی سے یہی "رسالہ شریفہ" مولوی عبدالاحد (مالک مطبع) نے طبع کروایا تو اس کے ٹائٹل پر لکھا[۶۴۲] "لطائف خمسہ معروف بہ مقاماتِ مظہری" اس کے بعد عصر حاضر کے تمام تذکرہ نویسوں نے اس کا حوالہ ہی مقاماتِ مظہری[۶۴۳] کے نام سے دینا شروع کر دیا۔

ہمارا قیاس ہے کہ سب سے پہلے حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی خلیفہ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ نے جواہر علویہ میں اسے یہ نام دیا[۶۴۴] اور اس کے بعد اس حلقہ میں اسے اسی نام سے یاد کیا

جانے لگا۔

اس کے طبع اوّل از مطبع احمدی دہلی ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء پر جا بجا جو حواشی ہیں اگرچہ ان کے لکھنے والے کے نام واضح نہیں کیا گیا لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ توضیحات کتاب کے ضمیمہ نگار حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کی ہیں، اس کی اشاعت ثانی اسی سے منقول ہے، اس کے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ حضرت مظہر کے معمولات، مولانا نعیم اللہ بہڑائچی کی کتاب معمولات مظہریہ [۶۴۵] سے منقول ہیں [۶۴۶] اس اشاعت میں کتابت کی بے شمار غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ ترجمہ کے دوران اس کے دو خطی نسخے [۶۴۷] بھی ہمارے پیش نظر رہے ہیں۔

مقاماتِ مظہری کا اُردو ترجمہ ملک فضل الدین (مالک اللہ والے کی قومی دکان) لاہور نے لطائف خمسہ موسوم بہ مقاماتِ مظہری کے نام سے شائع کیا تھا۔ حسب معمول اس پر کسی مترجم کا نام نہیں دیا گیا اور نہ ہی سال طباعت مذکور ہے۔ قیاس ہے کہ حدود ۱۹۳۰ء میں یہ ترجمہ طبع ہوا ہوگا۔ یہ ترجمہ اغلاط سے اس قدر پُر ہے کہ جہاں جو فقرہ مترجم نہیں سمجھ سکے اسے بلا تکلف چھوڑ دیا ہے۔ کتاب میں شامل آیات اور احادیث کی تصحیح تو درکنار عمومی فارسی فقرات کا ترجمہ مضحکہ خیز حد تک لایعنی ہو کر رہ گیا ہے۔

اس دوران ۲۰۱۰ء کو اٹلی سے مقامات مظہری کا اٹالین ترجمہ بھی چھپ گیا ہے۔

آیئے حضرت مظہر کے اس سیاسی اور سماجی ماحول کے پس منظر میں اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کریں۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۱۰۔

۲۔ ان میں سے بعض قوتوں کا مستقل عنوان کے تحت ہم نے اسی مقدمہ میں جائزہ لیا ہے۔

۳۔ Sarkar, J. N: Fall of the Mughal Empire, Vol. 1, p.439

۴۔ Satish Chandra: Parties and Politics at the Mughal Court, (1707, 1740), Aligarh, 1959.

۵۔ جنگ پانی پت کی تفصیلات سے کتب تاریخ بھری پڑی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

Kashi Raj: An account of the last Battle of Panipat, tr. by J. Brown, Bombay 1926, Gupta, H. R: Marathas and Panipat, Chandigarh, 1961.

۶۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مقدمہ ۴۵ (ملخصاً)۔

۷۔ یہ مکتوب مآثر الابرار۔ قلمی میں محفوظ ہے جس کا یہ اقتباس مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب سیرۃ سید احمد شہید، طبع لاہور، جلد اوّل، ص ۴۱۔۴۲ سے ماخوذ ہے۔

۸۔ نور محمد، قاضی۔ جنگ نامہ مرتبہ گنڈا سنگھ، امرتسر ۱۹۳۹ء، ص ۱۰۳۔۱۰۴۔

۹۔ غلام مصطفیٰ خان (مرتب): لوائح خانقاہ مظہریہ ۱۷۵۔۲۳۹۔

۱۰۔ مظہر: کلمات طیبات ۸۵/۶۹، ۴۳/۳۱۔

۱۱۔ ایضاً، ۶۵/۵۸۔

۱۲۔ ایضاً، ۶۹/۶۰۔

۱۳۔ ان حقائق کے سامنے آ جانے کے بعد محترم عبدالرزاق قریشی مرحوم کا یہ نتیجہ صحیح معلوم نہیں ہوتا

کہ ''حضرت مظہر سودا و میر کی طرح براہ راست سیاسی حالات کی زد میں نہیں آئے'' (مرزا مظہر، ص ۷۵)۔

۱۴۔ غلام علی دہلوی: مقاماتِ مظہری (فصل ۱۱)۔

۱۵۔ ان بادشاہوں کے سنین تخت نشینی و زمانہ حکومت کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 3 کتاب ہذا۔

۱۶۔ ولیم ارون نے معاصر مآخذ کے حوالے سے لال کنور کے سلطنت کے اُمور میں عمل دخل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Later Mughais, vol. 1, p.192.

۱۷۔ محمد شاہ کے حالات پر درجہ اوّل کی تحقیقی کتاب حال ہی میں علی گڑھ سے طبع ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

Malik, Zahir Uddin: The Reign of Muhammad Shah, Aligarh, 1977.

۱۸۔ حادثہ نادر شاہی (متن مشمولہ حدیث نادر شاہی مرتبہ رضا شعبانی، تہران ۲۵۳۶)، ص ۴۶۔

۱۹۔ وارد تہرانی، محمد شفیع: تاریخ نادر شاہی (نادر نامہ) مرتبہ رضا شعبانی، تہران ۱۳۴۹خ، ص ۲۴۴۔

۲۰۔ محمد عمر: ''ہندو تہذیب اور مسلمان'' مقالہ مشمولہ برہان۔ دہلی۔ دسمبر ۱۹۶۸ء، ص ۴۱۰۔

۲۱۔ ایضاً، برہان فروری ۱۹۷۱ء، ص ۱۳۴۔

۲۲۔ Edwards, Michael: King of the World (Life and times of Shah Alam), London, 1970.

۲۳۔ Francklin, W: History of the Reign of Shah Aulum, London, 1798, p. 159.

۲۴۔ پولیر: شاہ عالم ثانی کے عہد کا دہلی دربار ترجمہ نصیب اختر، کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۲۸، ۱۱۵۔۴۹۔

۲۵۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ۲۶/۱۳۵۔

۲۶۔ تفہیمات الٰہیہ ترجمہ از مولانا مناظر احسن گیلانی مشمولہ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۱۴۶۔

۲۷۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ۲۰/۱۲۵۔

۲۸۔ وارد تہرانی: تاریخ نادر شاہی، تہران ۱۳۴۹خ، ص ۱۳۷ میں ہے:

نادر شاہ کے ہندوستان پر حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی امراء کا یہی کردار تھا وہ ''ہر روز تدبیریں سوچتے اور صبح کو ان فیصلوں کو بدل ڈالتے''۔

۲۹۔ محمد عمر: میر کا سیاسی وسماجی ماحول، برہان، دہلی، جون ۱۹۶۵ء، ص ۳۷۲۔

۳۰۔ وارد تہرانی، ص ۱۳۸۔ ناصر خان کے حالات کے لیے دیکھیے عماد السعادت ۲۳۔۲۴۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۲۷۔

۳۲۔ حادثہ نادر شاہی (مشمولہ حدیث نادر شاہی، ص ۵۳۔۴۲۔

۳۳۔ درگاہ قلی خان: مرقع دہلی، ص ۳۸۔۳۹۔

۳۴۔ تفصیلات اسی مقدمہ میں ''معاشرتی زندگی'' کے تحت ملاحظہ کریں۔

۳۵۔ درگاہ قلی خان: مرقع دہلی، ص ۲۷۔

۳۶۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ۲۸/۱۴۰، ۲۹/۱۴۲۔

۳۷۔ تفصیل اسی مقدمہ میں ''صوفیہ کا کردار'' کے تحت مطالعہ کریں۔

۳۸۔ شاہ ولی اللہ، درانی کو لکھتے ہیں: ''اس بلائے عظیم (دشمن قوتیں) کے دفع کرنے کی قدرت بفضل خداوندی جناب کے علاوہ کسی کو میسر نہیں ہے۔ (سیاسی مکتوبات ۲/۹۰۔۹۱)۔

۳۹۔ شاہ ولی اللہ: سیاسی مکتوبات مرتبہ نظامی ۲/۹۱۔

۴۰۔ قول الجلی بحوالہ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مقدمہ، ص ۲۳۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۲۵۔

۴۲۔ وارد، محمد شفیع تہرانی: تاریخ نادر شاہی (نادر نامہ) مرتبہ رضا شعبانی۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۷۷۔۱۷۸۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۲۰۴۔

۴۵۔ محمد عمر: میر کا سیاسی وسماجی ماحول، برہان، جون ۱۹۶۵ء (بحوالہ تاریخ شہادت فرخ سیر از محمد کام بخش)۔

۴۶۔ وارد: تاریخ نادر شاہی، ص ۲۲۰۔

۴۷۔ حادثہ نادر شاہی مؤلف نامعلوم معاصر نادر شاہ متن مشمولہ حدیث نادر شاہی مرتبہ رضا شعبانی

تہران ۲۵۳۶ش، ص ۵۱۔

۴۸۔ ایضاً، ص ۵۲۔

۴۹۔ ایضاً، ص ۵۶۔

۵۰۔ ایضاً، ص ۶۶۔

۵۱۔ نادر گردی میں حضرت مظہر کی خانقاہ بھی متاثر ہوئی تھی۔ سعادت خان ناصر نے لکھا ہے:
جب استیلائی فوج نادر شاہ مردم دہلی پر ہوا اور لشکر مخالف پر گھر میں غارت کو در آیا، مرزا کی امتعہ پر بھی دست ستم دراز کیا...... (تذکرہ خوش معرکہ زیبا مرتبہ مشفق خواجہ، لاہور، جلد اوّل ۱۹۷۰ء۔ ص ۱۱۴۔۱۱۵)۔

۵۲۔ شاہ فقیر اللہ علوی: مکتوبات ۲۸۸/۶۶۔

۵۳۔ وکیلی، عزیز الدین فوفلزئی: تیمور شاہ درانی ۶۷۸/۲۔

۵۴۔ گنڈا سنگھ، احمد شاہ درانی، ص ۱۱۲۔۱۱۶۔

۵۵۔ ایضاً، ص ۲۵۴۔۲۹۷۔

۵۶۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حضرت شاہ ولی اللہ کے عہد کی تاریخ کے عمیق مطالعہ کے بعد شاہ صاحب کے اس حسین انتخاب کا بہ طریق احسن دفاع کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص ۴۰۔۴۱)۔

۵۷۔ مراسلت احمد شاہ درانی وغیرہ، بحوالہ گنڈا سنگھ: احمد شاہ درانی، ص ۲۲۲۔۲۲۳۔

۵۸۔ Sardesal: A New History of the Marathas, vol. II, PP. 44-48

۵۹۔ گنڈا سنگھ نے اپنی کتاب احمد شاہ درانی، (ص ۲۶۰۔۲۶۱) میں جادو ناتھ سرکار ڈیسائی اور مرتضیٰ علی خان کے حوالوں سے اس واقعہ کو بہ تفصیل لکھا ہے۔

۶۰۔ Francklin: History of the Reign of Shah Aulum, London, 1798, p34.

۶۱۔ Gṇada Singh: Ahmad Shah Durrani, pp. 374-84.

۶۲۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مقدمہ، ص ۴۶۔

۶۳۔ ایضاً، ۲/ ۹۰۔

۶۴۔ Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, p. 152.

۶۵۔ مظہر: مکاتیب مشمور کلمات طیبات، ۶۰۔۶۱۔

۶۶۔ شاہ ولی اللہ: سیاسی مکتوبات مرتبہ نظامی، ۲/ ۹۱۔

۶۷۔ ایضاً، مقدمہ، ص ۳۰۔

۶۸۔ Sarkar, J. N: History of Auranzeb, vol. III, p. 317.

۶۹۔ طباطبائی، غلام حسین: سیر المتاخرین، ص ۴۰۲۔

۷۰۔ ''سرہند کی تباہی اور حضرت مظہر'' کے تحت تفصیلات ملاحظہ کریں۔

۷۱۔ محمد شفیع: مرات واردات، قلمی بحوالہ تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۱۸۔

۷۲۔ نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۱۷۔

۷۳۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو فصل خلفاء، کتاب ہذا۔

۷۴۔ مظہر: خطوط ترجمہ از خلیق انجم، ۳۱/ ۱۳۴۔

۷۵۔ قریشی: مکاتیب، ۸/ ۱۰، ۱۱/ ۱۵۔

۷۶۔ ایضاً، ۳۳/ ۴۵۔

۷۷۔ ایضاً، ۳۳/ ۴۶۔

۷۸۔ ایضاً، ۳۴/ ۴۶، ۳۵/ ۴۸، ۳۶/ ۴۹، ۴۱/ ۵۶۔

۷۹۔ ایضاً، ۸۶/ ۱۲۸۔

۸۰۔ قریشی: مکاتیب، حواشی، ص ۲۶۰۔

۸۱۔ ایضاً، ۸۲/ ۱۲۲۔۱۲۳۔

۸۲۔ دیوان شیوناتھ گجرات کا عامل تھا، ۱۷۶۴ء میں سردار چڑہٹ سنگھ جب روہتاس پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوتو سر بلند خان نے گجرات پر قبضہ کرلیا اور چودہری رحمت خان اور دیوان شیوناتھ کو سکھوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے جرم میں قتل کروادیا۔

(گنڈا سنگھ: احمد شاہ درانی، ص ۲۹۵۔ چہار باغ پنجاب، ص ۱۱۳۱)

۸۳۔ قریشی: مکاتیب ۱۳۴/۸۹۔

۸۴۔ ایضاً، ۱۳۵/۹۰۔

۸۵۔ ایضاً: ۱۳۶/۹۱۔

۸۶۔ ایضاً، ۲۰۹/۱۴۵۔

۸۷۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

An Account of Najibuddaulah, pp, 61, 77, 79, 89, 92, 94, 95, 100, 110, 127.

۸۸۔ غلام مصطفیٰ خان (مرتب): لوائح ۳۸/۶۔

۸۹۔ Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, p. 197.

۹۰۔ ایضاً، ص ۱۹۸۔

۹۱۔ ایضاً، ص ۲۶۶۔

۹۲۔ نور محمد، قاضی: جنگ نامہ مرتبہ گنڈا سنگھ، امرتسر ۱۹۳۹ء، ص ۳۸۔

۹۳۔ ایضاً، ص ۴۰۔۴۴۔

Ganda Singh: Ahmas Shah Durrani, pp. 296-297.

۹۴۔ تفصیل کے لیے حسنات الحرمین کا مقدمہ ملاحظہ کریں، ص ۱۵۶۔۱۵۷۔

۹۵۔ مجدد الف ثانی: مکتوبات ۶۸/۲۔

کانگڑہ (نگرکوٹ) کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

Kangra District Gazetteer, Lahore, 1926.

Imperial Gazetteer of India, vol, XIV, p. 397.

۹۶۔ مکتوبات حضرت مجدد کی سب سے صحیح اشاعت مرتبہ مولانا نور احمد امرتسری (۱۹۳/۱) میں یہ جملہ:

''دریں وقت کشتن کافرلعین گوبندو آل او بسیار خوب واقع شد''......

درج ہو گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے مصحح بزرگ مولانا نور احمد امرتسری اس کی صحیح

قرأت نہیں کر سکے۔ جبکہ اس کی صحیح شکل مکتوبات حضرت مجدد مطبوعہ نولکشور میں اس طرح ہے:

''دریں وقت کشتن کافرلعین گویندوال بسیار خوب واقع شد''......

مولانا امرتسری مرحوم نے اس جملے کو عربی و فارسی قاعدہ کے مطابق یوں پڑھ لیا'' کافرلعین گوبند وآل او''......یعنی گویندوال کو انہوں نے گوبند وآل او سمجھا جو سہو صریح ہے اس لیے کہ گورو گوبند کا زمانہ حضرت مجدد الف ثانی کے وصال ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء کے بعد یعنی ۱۶۷۵ء۔۱۷۰۸ء کا ہے، مولانا نے حاشیہ میں خود ہی گوبند کو اورنگ زیب کا معاصر بھی بتایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے کسی سکھ گرو کا نام نہیں لکھا بلکہ سکھوں کے مذہبی مرکز گویندوال کو ہدف تنقید بنایا ہے کہ اس مرکز گویندوال کے رہنے والے کافر کے قتل کا واقعہ بہت خوب ہے۔ گویند وال (Govindwal) سکھوں کا فکری و مذہبی مرکز تھا وہاں ان کے کئی اہم گردوارے موجود ہیں، گرو امرداس (1552-1574ء) کا گردوارہ بھی یہیں ہے اور ان کی مذہبی کتاب گرنتھ بھی اسی مقام پر بہ نگرانی گرو ارجن (1581-1606ء) مرتب ہوئی تھی، گویا گویندوال سکھوں کا مذہبی و فکری مرکز تھا' اس لیے احمد شاہ درانی نے اپنے ایک حملے کے دوران گویندوال کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔

Stain, A: Archeological Reconnaisances in North - western India, pp. 5-6.

ہم نے اس موضوع پر ایک مفصل مقالہ لکھا ہے جو رسالہ نور اسلام، شرقپور میں شامل ہے۔

۹۷۔ مجدد الف ثانی: مکتوبات ۱/۱۹۳۔

۹۸۔ Ganda Singh: "Sirhind in the Eighteenth Century" Sirhind Through the Ages, ed. by Fuja Singh, Panjabi University Patiala, 1972, p. 93.

۹۹۔ Khushwant Singh: History of the Sikhs, Oxford University Press, Delhi, 1977, vol. I, p. 59 f.n

۱۰۰۔ گنڈا سنگھ نے کئی فارسی تاریخوں کے حوالے سے اس کی تفصیل دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

Ahmad Shah Durrani, Quetta 1977, p. 292.

۱۰۱۔ نذیر نیازی: مکتوبات اقبال، تعلیقات، ص ۱۶۴۔۱۶۵۔

۱۰۲۔ ان مظالم کی تفصیل اسی مقدمہ میں ''سکھ گردی'' کے تحت ملاحظہ کریں۔

۱۰۳۔ Ganda Singh: Banda Singh Bahadur, Amritsar, 1935 pp.102-103.

۱۰۴۔ سرہند شریف کے سکھوں کے ہاتھوں چار مرتبہ برباد ہونے کا اعتراف خود سکھ مؤرخین نے کیا ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۷۱۰ء میں بندہ سنگھ کا حملہ، ۱۷۵۴ء سکھوں کا دوسرا حملہ، ۱۷۵۸ء میں سکھوں اور مرہٹوں کا مشترکہ حملہ اور پھر ۱۷۶۴ء میں سکھوں نے اس پر ایسا حملہ کیا کہ اسے مکمل طور پر تباہ کر دیا' آبادی کا نام ونشان مٹ گیا، بہت سے جان بچا کر پٹیالہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، پٹیالہ میں ان کی الگ بستی تھی جس کے مقیم ''سرہندی'' کہلاتے تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

Kirpal Singh: Life of Maharaja Ala Singh of Patiala, Amritsar, 1954, p. 115.

۱۰۵۔ فوفلزئی، عزیز الدین وکیلی: تیمور شاہ درانی، طبع کابل، جلد دوم، ص ۶۷۸۔

۱۰۶۔ ایضاً ص ۶۸۰، مکتوب شاہ فقیر اللہ علوی (۱۹/۱۰۴) بنام قاضی ادریس۔ نیز تحفۃ المرشد ص ۱۰۶۔

۱۰۷۔ محمد احسان، ابوالفیض: روضۃ القیومیہ ۲/۳۲۳، مقامات معصومی ۳۱۱۔ قلمی

۱۰۸۔ فوفلزئی: تیمور شاہ درانی ۲/۶۸۲۔۶۸۳۔

۱۰۹۔ ملا رحیم داد کے حضرت مظہر سے تعلقات اسی مقدمہ میں الگ بیان کیے گئے ہیں۔

۱۱۰۔ مظہر جان جاناں: مکاتیب مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ۸۳/۱۲۴۔

۱۱۱۔ ایضاً ۸۰/۱۱۶۔

۱۱۲۔ الطاف علی بریلوی: حیات حافظ رحمت خان، کراچی ۱۹۶۳ء، ص ۳۴۳۔

۱۱۳۔ مظہر، جان جاناں: مکاتیب مشمولہ کلمات طیبات ۵۰/۸۱۔

۱۱۴۔ مظہر: مکاتیب مرتبہ قریشی ۱۰/۱۲۔۱۳۔

۱۱۵۔ غلام علی دہلوی: مقاماتِ مظہری، ص ۹۹ (فارسی متن)۔

۱۱۶۔ نور محمد، قاضی: جنگ نامہ مرتبہ گنڈا سنگھ، ص ۱۲۵۔۱۲۸۔

Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, pp. 302-303.

۱۱۷۔ Khushwant Singh: History of the Sikhs, 2 vols, Oxford 1974

Ganda Singh: Banda Singh Bahadur, Amritsar, 1935, Ahmad Shah Durrani, pp. 209-11, 302-3.

۱۱۸۔ نظامی: سیاسی مکتوبات (بنام آصف جاہ) ۳۰/۱۴۳۔

۱۱۹۔ ایضاً، ۷/۱۰۴، ۸/۱۰۶، ۹/۸۔۱، مکتوب ۲/۸۶ میں نجیب الدولہ کو لکھا ''قوم مرہٹہ کا فتنہ ہندوستان کے اندر بہت بڑا فتنہ ہے۔ حق تعالیٰ بھلا کرے اس شخص کا جو اس فتنے کو دبائے''۔

۱۲۰۔ ایضاً، ۱۶/۱۲۰، ۲۰/۱۲۵۔

۱۲۱۔ انجم: خطوط ۲۸/۱۳۰۔

۱۲۲۔ قریشی: مکاتیب ۳۴/۴۶۔

۱۲۳۔ ایضاً، ۳۵/۴۸۔

۱۲۴۔ کلمات ۴۶/۵۰۔

۱۲۵۔ Burgess, J: The Chronology of Modern India, Lahore, 1975 p230

۱۲۶۔ ایضاً، ص ۲۳۰۔

۱۲۷۔ وارد، محمد شفیع تہرانی: تاریخ نادر شاہی، مرتبہ رضا شعبانی، ص ۵۵۔

۱۲۸۔ ایضاً، ۵۵۔۵۶۔

۱۲۹۔ ایضاً، ص ۷۳۔

۱۳۰۔ مرہٹوں کے لیے یہ ترکیب نادر نامہ وارد تہرانی سے ماخوذ ہے، ص ۹۱۔

۱۳۱۔ ایضاً، ص ۹۶۔

۱۳۲۔ ایضاً۔

۱۳۳۔ پولیر، ص ۸۶۔

۱۳۴۔ محمد عمر: میر کا سیاسی وسماجی ماحول، برہان، دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ۳۵۰۔

۱۳۵۔ مناظر احسن گیلانی: الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۱۴۱ (بحوالہ سیر المتاخرین)۔

۱۳۶۔ نظامی خلیق احمد: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، حواشی، ص ۱۴۱۔

۱۳۷۔ Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, p. 242

۱۳۸۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص ۱۷۳۔

۱۳۹۔ ایضاً، ص ۱۷۴۔

۱۴۰۔ ۱۷۶۰ء کی جنگ براری گھاٹ کا پورا واقعہ حضرت مظہر کے مکتوب (مشمولہ بشارات مظہریہ، ورق 190 ب تا 190 ا) میں موجود ہے۔

۱۴۱۔ ولی اللہ فرخ آباد: عہد بنگش، ص ۴۱۔

الطاف علی بریلوی: حیات حافظ رحمت خان، ص ۴۲۔

۱۴۲۔ مظہر: مرزا مظہر کے خطوط مترجم خلیق انجم ۷۴/ ۱۹۵۔

۱۴۳۔ قریشی: مکاتیب ۴/ ۵۔

۱۴۴۔ ایضاً، ۱۱/ ۱۵۔

۱۴۵۔ ایضاً، ۲۶/ ۳۵۔

۱۴۶۔ عبدالعزیز دہلوی، شاہ: ملفوظات، ص ۸۱۔

۱۴۷۔ نجیب الدولہ کے یہ حالات جناب پروفیسر خلیل احمد نظامی کے مرتبہ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات سے ملخصاً ماخوذ ہیں (ص ۲۳۱۔۲۳۴)۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سرگزشت نجیب الدولہ' عماد السعادت' وقائع عالم شاہی (تشریحات) ص ۱۵۴۔۱۵۷

An Account of Najibaddaulah, tr. Abdur Rashid, Aligarh, 1952. Calendar of Persian, Correspondence, vol, III. History of the Reighn of Shah Aulum, by Francklin. Fall of the Maghal Empire, vol. II, pp, 275-305.

رسالہ عبرت ۱۹۱۶ء۔ مقالہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی ''جنگ پانی پت''۔

۱۴۸۔ شاہ غلام علی: مقاماتِ مظہری، ص۶۱ (فارسی)۔

۱۴۹۔ شاہ ولی اللہ: سیاسی مکتوبات مرتبہ نظامی ۴/۱۰۱، ۵/۱۰۲، ۷/۱۰۴، ۹/۱۰۸۔

۱۵۰۔ ایضاً، ۸/۱۰۶، ۱۰/۱۱۰۔

۱۵۱۔ غلام مصطفیٰ خان (مرتب): لوائح ۲۳/۶۸۔

۱۵۲۔ ایضاً، ۳۹/۹۱۔

۱۵۳۔ ایضاً، ۴۳/۹۷۔

۱۵۴۔ دوندے خان بن حسن خان، ہندوستان آ کر داؤد خان کا ملازم ہوا اور بہت جلد اپنی بہادری اور سیاسی بصیرت کے باعث روہیلہ سرداروں میں نمایاں مقام حاصل کر لیا اور حافظ رحمت خان کا ساتھی بن گیا۔ بسولی، مرادآباد، چاند پور اور سنبھل کے علاقے اس کے حصے میں آئے۔ اس نے ۱۷۷۱ء میں بسولی میں انتقال کیا۔ ملاحظہ ہو: حیات حافظ رحمت خان، ص۲۱۱۔۲۱۲، دوندے خان نامہ مرتبہ خلیق احمد نظامی، برہان، دہلی، نومبر ۱۹۴۹ء۔

An Account of Najibuddaulah, p, 148.

حضرت مظہر نے مکتوب ۴۴، ۵۴ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے (کلمات طیبات)۔

۱۵۵۔ حافظ رحمت خان روہیلہ کا اس عہد کی سیاست میں بہت اہم کردار ہے۔ اسے راسخ العقیدہ علماء و صوفیہ سے بھی بڑی عقیدت تھی۔ ملاحظہ ہو: حیات حافظ رحمت خان مؤلفہ الطاف علی بریلوی، طبع کراچی ۱۹۶۳ء۔

۱۵۶۔ غلام مصطفیٰ خان (مرتب): لوائح ۲۱/۶۶۔

۱۵۷۔ ایضاً، ۲۲/۶۶۔۶۷۔

۱۵۸۔ قریشی (مرتب): مکاتیب حضرت مظہر ۱۰/۱۳۔

۱۵۹۔ ایضاً، ۱۱/۱۵۔

۱۶۰۔ لوائح، ص۱۳۳۔۱۳۴۔

۱۶۱۔ ایضاً، ۶۸/۱۳۴۔

۱۶۲۔ نظامی (مرتب): شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ۶/۱۰۳۔

۱۶۳۔ ایضاً، ۱۰۴/۷۔۱۰۵۔

۱۶۴۔ قریشی: مکاتیب میرزا مظہر، ۳/۳۔

۱۶۵۔ ایضاً، ۱۳۲/۸۸۔

۱۶۶۔ ایضاً، ۱۵۶/۱۰۳۔

۱۶۷۔ ۱۹۴/۳۴۔

۱۶۸۔ نعیم اللہ بہڑائچی: بشارات مظہریہ، ورق ۱۷۲ب۔

۱۶۹۔ فرینکلن: تاریخ شاہ عالم ثانی (بحوالہ عبدالرزاق قریشی، معارف مئی ۱۹۶۸ء، ص (۳۳۸۔۳۳۹)۔

۱۷۰۔ یہ شیخ قاسم وہی ہے جسے نجیب الدولہ اور عماد الملک کی کشمش کے دوراان، نجیب الدولہ کے کہنے پر دہلی میں فوجدار مقرر کیا گیا تھا' نورالدین فخری نے لکھا ہے:

Sheikh Qasim was appointed Qiladar at the gates of the Fort on behalf of Najibuddaulah, (An Account of Najiduddaulah, Aligarh, 1952, p. 59.)

۱۷۱۔ غلام مصطفیٰ خان (مرتب): لوائح ۱۱۴/۵۴۔

۱۷۲۔ مظہر: مکاتیب مرتبہ قریشی ۲۱/۱۶۔

۱۷۳۔ ایضاً، ۲۱/۱۶۔۲۲۔

۱۷۴۔ ایضاً، ۱۴/۱۰۔

۱۷۵۔ نواب افضل خان، نجیب الدولہ کا بھائی تھا (دیگر تفصیلات آئندہ عنوان کے تحت ملاحظہ کریں)۔

۱۷۶۔ مظہر: خطوط مرتبہ قریشی، ۲۱/۱۶۔۲۲ (بنام قاضی ثناء اللہ)۔

۱۷۷۔ کلمات طیبات، مکتوب نمبر ۱۷۶۔

۱۷۸۔ لوائح ۹۲/۴۰۔۹۳۔

۱۷۹۔ قریشی: مکاتیب میرزا مظہر ۲۵/۱۸۔

۱۸۰۔ ایضاً، ۳۷/۲۷۔

۱۸۱۔ ایضاً ۳۹/۲۸۔

۱۸۲۔ ایضاً۔

۱۸۳۔ عرشی: (تشریحات) وقائع عالم شاہی، رام پور ۱۹۴۹ء، ص ۱۵۶۔

۱۸۴۔ غلام مصطفیٰ خان: لوائح خانقاہ مظہریہ ۱۹۸/۱۳۹۔

۱۸۵۔ ایضاً، ۲۲۷/۱۶۸۔

۱۸۶۔ ان کے مفصل حالات کتاب حاضر کی فصل خلفای حضرت مظہر میں ملاحظہ کریں۔

۱۸۷۔ لوائح ۶۶/۲۱۔

۱۸۸۔ ایضاً، ۷۰/۲۵۔

۱۸۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فصل خلفای حضرت مظہر (کتاب حاضر)۔

۱۹۰۔ لوائح ۷۷/۳۰، قریشی: مکاتیب ۶۷/۴۷۔

۱۹۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

An Account of Najibuddaulah, pp. 73, 110, 113, 115, 124.

۱۹۲۔ لوائح ۵۳/۱۳۔

۱۹۳۔ ایضاً، ۵۳/۱۳، ۵۴/۱۴۔

۱۹۴۔ قریشی: مکاتیب ۲۱/۱۶۔۲۲۔

۱۹۵۔ پولیر: شاہ عالم ثانی کے عہد کا دہلی دربار ترجمہ نصیب اختر، کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۷۰۔

۱۹۶۔ ایضاً، ص ۶۸۔

۱۹۷۔ ایضاً ۶۸۔

۱۹۸۔ ایضاً۔

۱۹۹۔ Khushwant Singh: History of the Sikhs, vol. I, p. 173

۲۰۰۔ محمد حسن، سید، خلیفہ: تاریخ پٹیالہ، مطبوعہ امرتسر ۱۸۷۸ء، ص ۹۶۔

۲۰۱۔ پولیر، ص ۶۸۔

۲۰۲۔ ایضاً، ۶۹۔

۲۰۳۔ ایضاً۔

۲۰۴۔ پولیر کے مندرجات سے بھی لشکر کی اس تعداد کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے پاس سات ہزار پیدل اور تین ہزار سواروں کی فوج تھی (ص ۶۸)۔

۲۰۵۔ مظہر: مکاتیب مرتبہ قریشی ۸۴/۱۲۴۔

۲۰۶۔ ایضاً، ۶۹/۱۰۰۔

۲۰۷۔ لوائح، ۶/۳۸۔

۲۰۸۔ ایضاً، ۵۷/۱۱۸۔

۲۰۹۔ مظہر، مکاتیب مرتبہ قریشی، ۶۶/۹۴۔

۲۱۰۔ ایضاً، ۶۹/۹۹۔

۲۱۱۔ ایضاً، ۷۱/۱۰۲۔

۲۱۲۔ غلام علی دہلوی: مقامات مظہری، ص ۸۳ (فارسی متن)۔

۲۱۳۔ مظہر: مکاتیب مرتبہ قریشی ۸۸/۱۳۱۔

۲۱۴۔ ایضاً، ۸۹/۱۳۳۔

۲۱۵۔ ایضاً، ۹۰/۱۳۵۔

۲۱۶۔ ایضاً، ۹۱/۱۳۷۔

۲۱۷۔ مجدالدولہ کے یہ تمام تر حالات مولانا امتیاز علی عرشی کی تشریحات وقائع عالم شاہی (ص ۱۸۱۔ ۱۸۳) سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

۲۱۸۔ نظامی (مرتب): سیاسی مکتوبات ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸/۱۵۲۔۱۵۶۔

۲۱۹۔ قریشی (مرتب) مکاتیب ۵۶/۷۷۔

۲۲۰۔ اس کے حالات اسی مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔

۲۲۱۔ قریشی، ۸۱/۱۱۸۔

۲۲۲۔ ایضاً، ۱۰۱/۱۵۲۔۱۵۳۔

۲۲۳۔ قریشی: مکاتیب ۱۰/۱۶۵، ۱۲۵/۱۸۲۔

۲۲۴۔ اس مکتوب کی تمام تر تشریح عبدالرزاق قریشی مرحوم کے حواشی مکاتیب میرزا مظہر ص ۲۶۳ سے ملخصاً ماخوذ ہے۔

۲۲۵۔ قریشی: مکاتیب، حواشی، ص ۲۶۵۔

۲۲۶۔ قریشی: مکاتیب ۱۲۷۔۱۸۵۔

۲۲۷۔ کلماتِ طیبات، نمبر ۴۳۔

۲۲۸۔ ایضاً، ۵۰/۷۰۔

۲۲۹۔ ایضاً، ۸۱/۱۲۰۔

۲۳۰۔ قریشی: مکاتیب ۸۶/ ۱۲۸، ۸۷/ ۱۲۹۔

۲۳۱۔ ایضاً، ۸۷/۱۳۰۔

۲۳۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

مآثر الامراء ۲/۳/۸۴۳۔ وقائع عالم شاہی، تشریحات عرشی، ص ۱۴۶۔ دستور الفصاحت دیباچہ عرشی، ص ۵۶۔۵۷۔ احوال وافکار و آثار عماد الملک نظام مؤلفہ محمد قمر الدین۔

۲۳۳۔ نظامی (مرتب) سیاسی مکتوبات ۳۳/ ۱۴۷۔

۲۳۴۔ انجم (مرتب): مرزا مظہر کے خطوط ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵/ ۱۷۴۔۱۸۰۔

۲۳۵۔ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۵ھ۔

۲۳۶۔ ملکاپوری، عبدالجبار: محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن ۲/ ۱۰۵۵۔

۲۳۷۔ انجم: مرزا مظہر کے خطوط ۶۲/۱۸۴۔

۲۳۸۔ ایضاً، ۶۴/ ۱۷۷۔

۲۳۹۔ نعیم اللہ بہڑائچی: بشاراتِ مظہریہ، ورق ۹۔ا

بحوالہ قریشی: بشاراتِ مظہریہ، مقالہ مشمولہ معارف، مئی ۱۹۶۸ء، ص ۳۳۰۔۳۳۱۔

۲۴۰۔ ایضاً۔

۲۴۱۔ ایضاً، ۳۳۲۔

۲۴۲۔ ایضاً۔

۲۴۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ہذا، تحت ''فصل بیان ترک وزہد''۔

۲۴۴۔ ایضاً، ۶۵/ ۱۷۹۔

۲۴۵۔ ایضاً، ۶۵/ ۱۸۰۔

۲۴۶۔ ایضاً، ۷۰/ ۱۷۹۔

۲۴۷۔ ایضاً، ۶۶/ ۱۸۱۔

۲۴۸۔ مظہر: کلمات طیبات ۶۷/ ۵۹۔

۲۴۹۔ قریشی: مکاتیب ۱۲۳/ ۱۸۱۔

۲۵۰۔ ایضاً، ۲۲/ ۲۹۔

۲۵۱۔ ایضاً، ۳۳/ ۴۶۔

۲۵۲۔ مظہر: کلمات طیبات ۶۷/ ۵۹۔

۲۵۳۔ ایضاً، ۶۹/ ۶۰۔

۲۵۴۔ ایضاً، ۶۸/ ۵۹۔

۲۵۵۔ ایضاً، ۷۰/ ۶۰۔۶۱۔

۲۵۶۔ ایضاً، ۷۰/ ۶۱، انجم: خطوط ۷۰/ ۱۸۹۔
دیگر تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: محمد قمرالدین: احوال و افکار و آثار عماد الملک نظام بھاگپور، ۱۹۸۰ء۔

۲۵۷۔ کتاب حاضر، ص ۳۹ (فارسی متن)۔

۲۵۸۔ انجم: خطوط ۵۹/ ۱۷۱۔

۲۵۹۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مآثر الامراء ۱/ ۳۵۶، ۳۶۳۔ سفرنامہ مخلص، ص ۲۳۔
Ahmad Shah Durrani, pp. 138, 160, 162-163, 165-67, 172-73,
186, 228, 232.

۲۶۰۔ انجم: خطوط ۶۰/ ۱۷۲۔

۲۶۱۔ ایضاً، ۶۲/ ۱۷۳۔

۲۶۲۔ ایضاً، ۶۰/۱۷۲۔

۲۶۳۔ ایضاً، ۶۱/۱۷۳۔

۲۶۴۔ ایضاً۔

۲۶۵۔ ایضاً، ۴۴/۱۵۳۔

۲۶۶۔ غلام مصطفیٰ خان: لوائح ۱۵۰/ ۲۰۷۔

۲۶۷۔ قریشی: مکاتیب ۱۱/ ۱۵۔

۲۶۸۔ نواب علی محمد خان (ف ۱۷۴۹ء) کے تین صاحبزادے، عبداللہ خان، فیض اللہ خان اور سعد اللہ خان تھے (حیات حافظ رحمت خان، ص ۷۶)۔

۲۶۹۔ انجم: خطوط ۵۴/۱۶۴۔

۲۷۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ریاض السلاطین از غلام حسین سلیم، کلکتہ ۱۸۹۱ء، ص ۳۷۹۔۳۸۵، Mir Qasim, Nawab of Nangal, Aallahabad ،۱۹۳۵ء

۲۷۱۔ قریشی: مکاتیب ۸۱/ ۱۱۸۔

۲۷۲۔ ایضاً، ۸۱/ ۱۱۹۔

۲۷۳۔ ایضاً، ۹۷/ ۱۴۵۔

۲۷۴۔ یہاں مردم مخل سے مراد حضرت مظہر کی زوجہ محترمہ نہیں ہیں بلکہ یہاں یہ معنی اعتبار سے آیا ہے۔

۲۷۵۔ قریشی: مکاتیب ۹۹/ ۱۵۰۔

۲۷۶۔ ایضاً، ۹۰/ ۱۵۰۔

۲۷۷۔ ایضاً، ۱۰۲/ ۱۵۵۔

۲۷۸۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو: فصل خلفای حضرت مظہر (کتاب حاضر)۔

۲۷۹۔ ایضاً۔

۲۸۰۔ انجم: خطوط ۵۳/۱۶۳۔

۲۸۱۔ غلام مصطفیٰ خان: لوائح ۹/۴۲۔ نواب قاسم علی خان کے شیعہ ہونے کے قرائن ریاض السلاطین سے بھی ملتے ہیں (ص ۳۸۱)۔

۲۸۲۔ لوائح، ۱۱۵/۱۷۹۔

۲۸۳۔ ایضاً، ۱۲۹/۱۹۰۔

۲۸۴۔ قریشی: مکاتیب ۱۲۷/۱۸۶۔

۲۸۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فصل خلفائی حضرت مظہر (کتاب ہذا)۔

۲۸۶۔ انجم: خطوط ۶۶/۱۸۱۔

۲۸۷۔ ایضاً، ۴۱/۱۵۰۔

۲۸۸۔ ایضاً، ۵۶/۱۶۷۔

۲۸۹۔ آصف الدولہ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو: تفضیح الغافلین از ابوطالب لندنی مرتبہ عابد رضا بیدار، رام پور ۱۹۶۵ء۔

۲۹۰۔ قریشی: مکاتیب ۸۰/۱۱۶۔

۲۹۱۔ ایضاً، ۸۲/۱۲۲۔

۲۹۲۔ حضرت مظہر نے اپنے مکاتیب میں عبیدخان کا کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ص ۷۰، ۸۱، ۷۴، ۹۰ (مجموعہ قریشی (یہ خواجہ عبیدخان غالباً وہی ہیں جن کے نام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے ایک مکتوب (۳۹/۱۵۸) میں انہیں علاقہ جاٹ میں اقامت کرنے پر منع کیا تھا۔

۲۹۳۔ قریشی: مکاتیب ۱۱۹/۱۷۶۔

۲۹۴۔ انجم: خطوط ۲۲/۱۱۵۔

۲۹۵۔ غلام مصطفیٰ خان: لوائح، ۶۰/۱۲۲۔

۲۹۶۔ ایضاً، ۶۱/۱۲۳۔

۲۹۷۔ ایضاً، ۷۲/۱۳۸۔

۲۹۸۔ قریشی: مکاتیب ۱۰۵/۱۶۰۔

۲۹۹۔ لوائح ۹۰/۱۵۶۔

۳۰۰۔ عرشی: وقائع عالم شاہی (تشریحات، ملخصاً) ص ۱۶۷۔۱۶۹۔

۳۰۱۔ تفصیل کے لیے اسی مقدمہ میں عنوان ''شہادت حضرت مظہر'' ملاحظہ ہو۔

۳۰۲۔ خلیق انجم (مرتب ومترجم): مرزا مظہر کے خطوط ۱۳۹/۳۴۔

۳۰۳۔ غلام علی دہلوی: ملفوظات شریف، (ملفوظات حضرت شاہ غلام علی) جامع مولانا غلام محی الدین قصوری، ص ۱۵۵۔

۳۰۴۔ Francklin: History of the Reign of Shah Aulum, p. 54.

۳۰۵۔ شاہ عالم ثانی نے مرہٹوں کی مدد سے ضابطہ خان پر حملہ کیا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ ضابطہ خان کے حلیف بن گئے اور انہوں نے دہلی پر حملہ کر دیا، مجبوراً بادشاہ کو صلح کا ہاتھ بڑھانا پڑا۔ (ایضاً، ص ۴۶)۔

۳۰۶۔ قریشی: مکاتیب، ص ۲۵۶ (تشریحات)۔

۳۰۷۔ ایضاً، ۶/۵۵، ۶۳/۷۶، ۹۰، ۱۴۲/۹۵۔

۳۰۸۔ ایضاً، ۱۸۵/۱۲۷۔ (دیگر تفصیلات اسی مقدمہ میں بہ عنوان ''شہادت حضرت مظہر'' ملاحظہ کریں)۔

۳۰۹۔ انجم خطوط ۱۲۳/۲۵۔۱۲۴۔

۳۱۰۔ ایضاً، ۱۶۴/۵۴۔

۳۱۱۔ ایضاً، ۲۱۴/۸۶۔

۳۱۲۔ قریشی: مکاتیب ۶۲/۴۵۔

۳۱۳۔ ایضاً، ۱۳۲/۸۸۔

۳۱۴۔ ایضاً، ۱۷۰/۱۱۵۔

۳۱۵۔ ایضاً، ۱۷۶/۱۱۹۔

۳۱۶۔ شاہ غلام علی: مقاماتِ مظہری، ص ۷۳ (فارسی متن)

۳۱۷۔ قریشی: مکاتیب ۱۹۴/۱۳۴۔

۳۱۸۔ انجم: خطوط ۱۴۹/۴۰۔

۳۱۹۔ ایضاً، حواشی، ص ۲۴۸۔

۳۲۰۔ ڈاکٹر ظہیرالدین ملک نے ''مغلوں کے دور زوال میں اقتصادی مسائل'' کے عنوان سے معاصر مآخذ کی بنیاد پر نہایت اہم معلومات یک جا کر دی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

Reign of Muhammad Shah, Aligarh 1977, pp. 13-21

۳۲۱۔ خاصہ سے مراد وہ علاقہ ہے جو براہ راست مرکزی حکومت یعنی بادشاہ کے تحت ہوتا تھا' اس کے محاصل بادشاہ اپنے افسروں کے ذریعے وصول کرتا تھا' بادشاہ اس میں اس طرح اضافہ کرتے رہتے تھے کہ شاہی اخراجات پورے ہوتے رہیں لیکن مغلوں کے دور زوال میں ''خالصہ کی زمین'' کو برقرار رکھنے کی کماحقہ کوشش نہیں کی گئی۔ تفصیل کیلئے دیکھیے (شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، حواشی از خلیق احمد نظامی، ص ۱۶۶۔۱۶۸)۔

۳۲۲۔ Irvine, Later Mughals, Calcutta,1922, vol. I, pp.166,192,196,397

۳۲۳۔ تاریخ عالم گیر ثانی بحوالہ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات طبع اوّل، ص ۱۵۹۔

۳۲۴۔ ایضاً بحوالہ سیاسی مکتوبات طبع دوم، ص ۱۷۰۔

۳۲۵۔ وارد، محمد شفیع تہرانی: تاریخ نادر شاہی (نادر نامہ) مرتبہ رضا شعبانی تہران ۱۳۴۹خ، ص ۸۳۔

۳۲۶۔ ایضاً، ص ۹۶۔

۳۲۷۔ ایضاً، ص ۱۵۹۔

۳۲۸۔ ایضاً۔

۳۲۹۔ ایضاً، ص ۱۸۶۔

نادر شاہ کے حملے سے پہلے ''نرخ غلہ رو بہ گرانی آورد کہ پنج روپیہ را یک آثار گندم بہم نمی رسید'' (حادثہ نادر شاہی، مشمولہ حدیث نادر شاہی، ص ۵۷، طبع تہران)۔

(لفظ آثار...... ایک سیر وزن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ امیر اللغات، آگرہ، ۶۲/۱۔ لسان العرب ۶/۴)

۳۳۰۔ وارد تہرانی: تاریخ نادر شاہی، ۲۰۹۔

۳۳۱۔ ایضاً، ص ۳۱۰۔

۳۳۲۔ ایضاً، ص ۲۰۷۔

۳۳۳۔ ایضاً، ص ۲۵۱۔

۳۳۴۔ Irfan Habib: Agrarian System of Mughal India, Bombay,1963

اس کتاب میں انہوں نے اس قسم کے بہت سے لطائف تحریر کیے ہیں۔

۳۳۵۔ رسالہ احوال نادر شاہ (متن مشمولہ حدیث نادر شاہی مرتبہ رضا شعبانی)، ص ۲۳۔

۳۳۶۔ وارد تہرانی: تاریخ نادر شاہ، ص ۲۳۸۔۲۳۹ اس کتاب کے مرتب رضا شعبانی نے تعلیقات کتاب میں مختلف مؤرخین کے بیانات کو یک جا کر کے اس باب میں تفصیلی بحث کی ہے کہ نادر شاہ ہندوستان سے کیا کیا اشیا ہمراہ ایران لایا تھا (ص ۳۳۶۔۳۳۴)۔

۳۳۷۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مقدمہ، ص ۳۰۔

۳۳۸۔ Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, p. 71

۳۳۹۔ ایضاً، ص ۱۸۶۔

۳۴۰۔ ایضاً، ص ۲۴۶۔

۳۴۱۔ مظہر: مکاتیب مشمولہ کلمات طیبات ۲۷/ ۴۱۔

۳۴۲۔ ایضاً، ۴۱/ ۴۸۔

۳۴۳۔ ایضاً، ۲/۷ ۶۲۔

۳۴۴۔ قریشی، عبدالرزاق: مکاتیب مظہر، ۴۷/ ۶۷۔

۳۴۵۔ غلام مصطفیٰ خان (مرتب): لوائح خانقاہ مظہریہ، ۳۷/۷۲۔

۳۴۶۔ ایضاً، ۱۷۲/ ۲۳۱۔

۳۴۷۔ قریشی: مکاتیب، مقدمہ، ص ۲۲۔

۳۴۸۔ شرافت نوشاہی: شریف التواریخ، جلد سوم، حصہ چہارم، ص ۱۴۶/ ۱۴۸ قلمی۔

۳۴۹۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مقدمہ، ص ۳۳۔

۳۵۰۔ مظہر: مکاتیب مشمولہ کلمات طیبات ۶۶/ ۵۸۔

۳۵۱۔ تفصیل کے لیے اسی مقدمہ کا عنوان ''متوسلین حضرت مظہر مختلف لشکروں میں'' ملاحظہ کریں۔

۳۵۲۔ جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی تالیفات میں دہلی کی علمی حیثیت نہایت تفصیل سے بیان کی ہے۔اس سلسلہ میں موصوف کی یہ کتابیں ہمارے پیش نظر ہیں:

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ تاریخ مشائخ چشت۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات۔اوراق مصور (عہد وسطٰی کی دہلی)۔

۳۵۳۔حادثہ نادر شاہی (متن مشمولہ حدیث نادر شاہی) مرتبہ رضا شعبانی، تہران، ص ۴۲۔

۳۵۴۔ وارد تہرانی: تاریخ نادر شاہی مرتبہ رضا شعبانی، ص ۲۱۴۔

۳۵۵۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، بحوالہ قول الجلی، ص ۲۴ (مقدمہ)۔

نادر شاہ کے حملے سے جو تباہی و بربادی ہوئی تھی، ہم نے اس کے اثرات کا مختصر جائزہ اسی مقدمہ میں پیش کیا ہے۔

۳۵۶۔ نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۴۱ (ملخصاً)۔

۳۵۷۔ درگاہ قلی خان: مرقع دہلی مرتبہ حکیم مظفر حسین، مطبوعہ دکن (س۔ن)، ص ۲۷۔

۳۵۸۔ ایضاً، ۲۷۔۲۸۔

۳۵۹۔ ایضاً، ۳۸۔۳۹۔

۳۶۰۔ قریشی: مکاتیب ۲۔۷۷۔۱۰۴۔

۳۶۱۔ ایضاً، ۷۹/ ۱۱۵۔

۳۶۲۔ ایضاً، ۸۰/ ۱۱۷۔

۳۶۳۔ ایضاً، ۱۲۷/ ۱۸۶۔

۳۶۴۔ ایضاً، ۱۴۷/ ۲۱۳۔

۳۶۵۔ شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۴۹ (فارسی متن)

۳۶۶۔ نعیم اللہ بہرائچی: معمولاتِ مظہریہ، کانپور، ۱۲۷۵ھ، ص ۳۸۔

۳۶۷۔ محمد عمر: ہندو تہذیب اور مسلمان، برہان دہلی، دسمبر ۱۹۶۹ء، ص ۴۱۱۔

۳۶۸۔ نعیم اللہ: معمولات، ص ۳۸۔

۳۶۹۔ محمد عمر: ہندو تہذیب اور مسلمان، برہان دہلی، نومبر ۱۹۶۹ء، ص ۳۴۳۔۳۴۷۔

۳۷۰۔ نعیم اللہ: معمولات، ص ۴۳۔

۳۷۱۔ تفصیل اسی مقدمہ میں بعنوان ''صوفیہ کی حالت'' ملاحظہ ہو۔

۳۷۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

محمد عمر: میر کا سیاسی و سماجی ماحول (رقص و سرود کی محفلیں)۔ برہان، جون ۱۹۶۵ء، ص ۳۶۶۔۳۷۰۔

۳۷۳۔ ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ۱/ ۳۹۔

۳۷۴۔ شاہ ولی اللہ: تفہیماتِ الٰہیہ (مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس خطاب کا مکمل اُردو ترجمہ دیا ہے جس کا یہ خلاصہ بلفظہ نقل کیا گیا ہے۔ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۱۵۲۔۱۵۱۔

۳۷۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقدمہ ہذا کا عنوان ''صوفیہ کی حالت''۔ اس دور کے معاشرتی و ثقافتی حالات کے لیے دیکھیے:

Malik, Zahiruddin: The Reign of Muhammad Shah, Aligarh, 1977, pp. 342-405.

۳۷۶۔ ہم نے حسنات الحرمین کے مقدمہ میں ان اُمور کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔

۳۷۷۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مقدمہ، ص ۳۳۔

۳۷۸۔ ایضاً، ص ۳۳۔

۳۷۹۔ یہ تمام تر اقتباسات تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۶۱۔۳۶۳ سے ملخصاً منقول ہیں۔

۳۸۰۔ غلام علی دہلوی: مقاماتِ مظہری، ص ۴۲ (فارسی)۔

ان ایام میں جو مذہبی فتنے پیدا ہوئے ان میں نمود و انمود کا فتنہ بھی تھا، جس نے عوامی زندگی کو خاصا متاثر کیا تھا۔ اس فتنہ کا بانی اپنی کتاب کو الہامی خیال کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ نبوت اور وصیت کے درمیان ایک اور لاہوتی عہدہ ہے جسے وہ ''بیگوکت'' کے لفظ سے تعبیر کرتا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مولانا گیلانی کا مقالہ مشمولہ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۱۶۶۔۱۶۸)۔

۳۸۱۔ درگاہ قلی نواب: مرقع دہلی، ص ۳۸۔

۳۸۲۔ شاہ عنایت قادری شطاری، پنجاب کے نامور علماء اور مشائخ میں سے تھے۔ حدود ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء میں انتقال ہوا۔ (حدیقۃ الاولیاء، ص ۶۳۔۶۴)۔

۳۸۳۔ شاہ عنایت نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ ''درمسئلہ حربی و دارالحرب'' کے نام سے تالیف کیا تھا۔

۳۸۴۔ غلام مصطفیٰ خان: لوائح، ۱۷۵/ ۲۳۹۔

۳۸۵۔ نظامی: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ۲/ ۸۸۔

۳۸۶۔ قریشی: عبدالرزاق: مکاتیب میرزا مظہر، ۵۵/ ۷۵۔

۳۸۷۔ اس مضوع پر ڈاکٹر محمد عمر نے ''ہندو تہذیب اور مسلمان'' کے عنوان سے ایک ضخیم مقالہ لکھا ہے جو رسالہ برہان میں بالاقساط چھپا تھا۔ (دیکھیے ماٰخذ مقدمہ وحواشی)۔

۳۸۸۔ شاہ ولی اللہ: تفہیمات الٰہیہ مترجمہ اقتباسات مشمولہ مقالہ مولانا مناظر احسن گیلانی، الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۱۴۹۔۱۵۰۔

۳۸۹۔ شاہ ولی اللہ: الانصاف بحوالہ مقالہ مولانا مناظر احسن گیلانی، الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر۔ ص ۱۶۴۔۱۶۵۔

۳۹۰۔ شاہ ولی اللہ: الفوز الکبیر بحوالہ تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۵۹۔

۳۹۱۔ محمد عمر: ہندو تہذیب اور مسلمان، برہان، مئی ۱۹۶۸ء، ص ۳۵۴۔ بحوالہ تحفۃ الشعراء وسفینہ ہندی۔

۳۹۲۔ محمد عمر: ایضاً، مقالہ مشمولہ برہان، نومبر ۱۹۶۸ء، ص ۳۵۴۔

۳۹۳۔ ایضاً، جولائی ۱۹۶۸ء، ص ۵۱۔

۳۹۴۔ قاسم، قدرت اللہ: مجموعہ نغز ۲/ ۲۹۱۔

۳۹۵۔ درگاہ قلی خان: مرقع دہلی، ص ۳۳۔

۳۹۶۔ ایضاً، ص ۳۵۔

۳۹۷۔ ایضاً، ص ۲۰۔

۳۹۸۔ ایضاً، ۳۰۔۳۱۔

۳۹۹۔ ایضاً، ص ۵۵۔

۴۰۰۔ ایضاً، ص ۶۸۔

۴۰۱۔ نعیم اللہ بہرائچی: معمولاتمظہریہ، ص ۳۹۔

۴۰۲۔ شاہ ولی اللہ: تفہیمات بحوالہ تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۶۱۔

۴۰۳۔ احمد رضا خان: (رسالہ) جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور، طبع لاہور (س۔ن) ایضاً: حرمت سجدہ تعظیم، لاہور ۱۹۷۷ء۔

۴۰۴۔ تفصیل کے لیے اسی مقدمہ میں عنوان ''صوفیہ کی اصلاحی کوششیں'' ملاحظہ کریں۔

۴۰۵۔ مظہر: مکاتیب (مکتوب نمبر ۲ شامل مقاماتِ مظہری)۔

۴۰۶۔ غلام علی دہلوی: مقاماتِ مظہری، ص ۴۸ (فارسی)۔

۴۰۷۔ نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۶۰۔

۴۰۸۔ نقشبندی صوفیہ کے سلاطین سے روابط کے لیے ملاحظہ ہو:

Nizami, K.A.: Naqshbandi Influence of Mughal Rulers and Politics, Islamic Culture, Deccan January, 1965.

اورنگ زیب کے نقشبندی مشائخ سے گہرے روابط کی تفصیل کے لیے حسنات الحرمین پر ہمارا مقدمہ ملاحظہ کریں۔

۴۰۹۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مقدمہ نوشتہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص ۱۹۔

۴۱۰۔ عبدالعزیز دہلوی، شاہ: ملفوظات عزیزیہ، ص ۱۰۶۔

۴۱۱۔ تفصیل اسی مقدمہ میں زیرعنوان ''احمد شاہ درانی کے حملے'' ملاحظہ کریں۔

۴۱۲۔ شاہ ولی اللہ: تفہیمات، مترجمہ اقتباس مشمولہ مقالہ مولانا گیلانی۔ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۱۴۸۔۱۶۵۔

۴۱۳۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ مشائخ چشت، ص ۴۶۰۔۵۲۹۔

۴۱۴۔ نظام، غازی الدین خان: مناقب فخریہ، دہلی مطبع احمدی ۱۳۱۵ھ، ۱۸۔

۴۱۵۔ ملاحظہ ہو: تاریخ مشائخ چشت، حصہ پنجم، ص ۱۷۔۱۸۰۔

۴۱۶۔ تفصیل کے لیے اسی مقدمہ میں عنوان ''حضرت مظہر کے امراء سے تعلقات'' ملاحظہ کریں۔

۴۱۷۔ مظہر: مکاتیب (کلمات طیبات)، مکتوب نمبر ۶۵۔

۴۱۸۔ مظہر: ایضاً، کلمات طیبات ۶۹/۶۰۔

۴۱۹۔ حضرت شاہ فقیر اللہ علوی، سندھ کے معروف شیخ طریقت اور سلسلہ نقشبندیہ کے مایہ ناز محقق تھے۔ ان کا سلسلہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے اس طرح ملتا ہے: شاہ فقیر اللہ، شیخ محمد مسعود پشاوری، حاجی محمد سعید لاہوری، شیخ سعد اللہ وزیر آبادی، شیخ آدم بنوڑی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم (مکتوب شاہ فقیر اللہ ۴۷/ ۳۱۳۔۳۱۴) مکتوبات کے علاوہ قطب الارشاد اور فتوحاتِ غیبیہ، شاہ فقیر اللہ کی بلند پایہ کتب تصوف ہیں، ان میں سے فتوحاتِ غیبیہ کے ابتدائی حصے کو پروفیسر سید اللہ جان نے اور ان کے احوال و آثار پر پروفیسر امین اللہ علوی نے پی ایچ ڈی کے مقالات مرتب کیے ہیں۔

۴۲۰۔ حال ہی میں اینی میری شیمل کی ایک اہم کتاب طبع ہوئی ہے جس کا نصف حصہ خواجہ میر درد سے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو:

Annemarie Shimmel: Pain and Grace, E. J. Brill, 1976.

نیز اُردو میں بھی دو کتابیں اس سلسلے کے افکار کے لیے ملاحظہ کریں:

اوّل: قدیر احمد کی خواجہ میر درد (ذکر و فکر) دہلی ۱۹۶۴ء۔

دوم: وحید اختر کی تالیف میر درد (تصوف و شاعری) علی گڑھ ۱۹۷۱ء۔ نیز مقدمہ دیوان درد (اُردو) نوشتہ خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور۔

۴۲۱۔ درد، خواجہ میر: درد دل (رسالہ) مطبوعہ بھوپال (شامل رسائل اربعہ درد)، ص ۱۸۱۔

۴۲۲۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی خدمات کے لیے اسی مقدمہ کا وہ حصہ ملاحظہ ہو جس میں مؤلف کتاب ہذا کے احوال و آثار بیان کیے گئے ہیں۔

۴۲۳۔ نظامی: مکتوبات، ص ۲۴۲۔۲۴۴ (ملخصاً)۔

حالات اور مراجع کے لیے ملاحظہ ہو: تذکرہ علمائے ہند، ترجمہ محمد ایوب قادری، ص ۳۰۱۔۳۰۲۔

۴۲۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''امراء کی حالت'' مقدمہ ہذا۔

۴۲۵۔ نجف خان کے مفصل حالات ہم نے الگ عنوان کے تحت اس مقدمے میں اسی پس منظر کو واضح کرنے کے لیے لکھے ہیں۔

۴۲۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ ہذا میں ذیلی عنوان ''درانی کے حملے''۔

۴۲۷۔ نظام: مناقب فخریہ، ص ۱۶۔

۴۲۸۔ قریشی، عبدالرزاق: مکاتیب میرزا مظہر ۱۲۷/۱۸۶۔

۴۲۹۔ مظہر: مکاتیب (شامل کلمات طیبات نمبر ۴۷)۔

۴۳۰۔ ملاحظہ ہو مقدمہ ہذا کے عنوانات ''متوسلین حضرت مظہر مختلف لشکروں میں''۔ ''نجیب الدولہ اور متوسلین حضرت مظہر'' وغیرہ۔

۴۳۱۔ ایضاً، ''روہیلے''۔

۴۳۲۔ ایضاً۔

۴۳۳۔ ایضاً، ''مجد الدولہ''۔

۴۳۴۔ ایضاً، ''ملا رحیم داد اور حضرت مظہر''۔

۴۳۵۔ مظہر: مکاتیب مشمولہ کلمات طیبات نمبر ۳۴۔

۴۳۶۔ غلام علی دہلوی: ملفوظات شریفہ حضرت شاہ غلام علی جامع مولانا غلام محی الدین قصوری، ص ۱۵۵ یہ حضرت مظہر کی شہادت کے بعد کے مشاہدات ہیں۔

۴۳۷۔ نظام، عماد الملک: مناقب فخریہ، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱۳۱۵ھ، ۲۸۔ جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی نے سہواً اسے خود عماد الملک کا مشاہدہ بتایا ہے اور درخت کے نیچے خود عماد الملک کو کھڑے ہو کر یہ بات سنتے ہوئے سمجھا ہے حالانکہ یہ تو ایک پنجاب کے باشندے کا مشاہدہ ہے جو اس نے مجلس شاہ فخر میں بیان کیا تھا یقیناً نظامی صاحب سے یہاں تسامح ہوا ہے۔ (دیکھیے: تاریخ مشائخ چشت، ص ۴۹۹۔۵۰۰)۔

۴۳۸۔ عبدالرزاق قریشی مرحوم اور جناب خلیق انجم نے ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۲ء تک دریافت اور شائع شدہ شعراء کے تذکروں کے بیانات اپنی کتابوں میں دے دیے ہیں۔ ہم نے حضرت مظہر پر اپنی

زیر تالیف کتابوں میں ۱۹۶۲ء کے بعد ملنے والے تذکروں کی بنیاد پر اس کام کو آگے بڑھایا ہے۔

نیز صاحب مقامات مظہری نے جو شہادت کے وقت حضرت مظہر کی خدمت میں حاضر تھے، اس واقعے کو تفصیل سے لکھا ہے، اس لیے ہم نے مقدمے میں اسے طول نہیں دیا۔

۴۳۹۔ مظہر: مکاتیب (مشمولہ کلمات طیبات)، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ، ۴۳/۴۴۔۴۵۔

۴۴۰۔ غلام علی: مقامات مظہری، ص۴۰ (فارسی)۔

۴۴۱۔ ایضاً، ص۵۰۔

۴۴۲۔ ایضاً، ص۴۳۔ نیز اس موضوع پر ملاحظہ ہو آپ کا مکتوب نمبر۲۳ شامل کتاب ہذا اور مکتوب نمبر۲۷ مشمولہ کلمات طیبات، ص۶۲۔

۴۴۳۔ غلام علی، مقامات مظہری، ص۴۴ (فارسی)۔

۴۴۴۔ مظہر: مکاتیب، کلمات طیبات ۹/۲۰۔۲۱۔

۴۴۵۔ ایضاً، ۱۹۷۔

۴۴۶۔ ایضاً، مکتوب نمبر۱۵ (شامل مقامات مظہری)۔

۴۴۷۔ یہ مکتوب مقامات مظہری میں شامل ہے۔ تفصیل کے لیے اس مکتوب کے حواشی ملاحظہ کریں۔

۴۴۸۔ خصوصاً آپ کا مکتوب نمبر۲۳ (شامل مقامات مظہری)۔

یہاں ان افکار کی تفصیلات درج نہیں کی گئیں کیوں کہ اس موضوع سے متعلق بہت سے مباحث آپ کے ان مکتوبات میں پائے جاتے ہیں جو مقامات مظہری میں شامل ہیں۔

۴۴۹۔ داراشکوہ کے عقائد اور اس کے سہارے پنپنے والی غیر اسلامی تحریکوں کے اجمالی بیان کے لیے دیکھیے مقدمہ حسنات الحرمین۔

۴۵۰۔ Bernier, F: Travels in the Mogul Empire, London, 1891, p. 345.

۴۵۱۔ شیخ محمد مراد کشمیری (ف۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) کے اس رسالہ کا نام ''صلح الفریقین فی منع تکفیر موحدین'' ہے۔

۴۵۲۔ شاہ ولی اللہ: مکتوب مدنی، مطبوعہ لاہور۔

۴۵۳۔ حالات کے لیے دیکھیے مقامات مظہری فصل خلفائی حضرت مظہر۔

۴۵۴۔ یہ تقریظ مقامات مظہری، فصل خلفائی حضرت مظہر، تحت حالات مولانا غلام یحییٰ محفوظ ہے۔

۴۵۵۔ نور الظہور: ابتدائیہ مشمولہ نور الظہور مؤلفہ قمر الدین اورنگ آبادی مطبوعہ دکن۔ حضرت مظہر کے معاصر حاکم لاہوری نے مظہر النور کا موضوع بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اس وقت مسئلہ وحدت الوجود ''اُمورِ عامہ'' کی حیثیت رکھتا ہے (مرزم دیدہ، ص ۱۹۶)۔

۴۵۶۔ عبدالحی: الثقافت الاسلامیہ فی الہند، ص ۲۷۰۔

۴۵۷۔ دمغ الباطل کو مولانا عبدالحمید سواتی نے ایڈٹ کر کے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے شائع کیا۔

۴۵۸۔ خلیق انجم: مرزا محمد رفیع سودا، علی گڑھ ۱۹۶۶ء، ص ۴۷ (ملخصاً)

۴۵۹۔ نظام، نظام الملک: مناقب فخریہ، ص ۲۲۔

۴۶۰۔ مکتوب نمبر ۱۴، شامل مقامات مظہری (فصل مکاتیب)

۴۶۱۔ مجدد الف ثانی: مکتوبات ۱/ ۲۵۹۔

۴۶۲۔ محمد عمر، ڈاکٹر: ہندو تہذیب اور مسلمان، مقالہ مشمولہ برہان دہلی، جون ۱۹۶۸ء، ص ۳۸۱۔ اسی قسم کے خیالات کا اظہار ڈاکٹر اطہر عباس رضوی نے بھی کیا ہے۔ دیکھیے:

Rizvi, S.A.A: Shah Wali-Allah and His times, Australia, 1980, p.332.

۴۶۳۔ سر اکبر مرتبہ ڈاکٹر تاراچند و محمد رضا جلالی نائینی، مطبوعہ تہران، ۱۹۶۱ء۔

۴۶۴۔ سر اکبر کا یہ اقتباس خود ڈاکٹر محمد عمر نے نقل کیا ہے برہان، جون ۱۹۶۸ء، ص ۳۷۹ حاشیہ۔

۴۶۵۔ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی کی یہ رائے قیاس آرائی پر مبنی ہے کہ حضرت مجدد نے ''بعثت در ہند'' کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اکبر کے زیر اثر ہندوؤں کی کتابوں کے سنسکرت سے فارسی ترجمے اور حضرت مجدد کے سسر حاجی سلطان تھانیسری کے مہابھارت (ایک حصہ) کے ترجمہ سے متاثر ہو کر لکھا ہے: ملاحظہ ہو:

Shah Wali-Allah and His Times, pp. 331-32.

۴۶۶۔ Mujeeb, M: The Indian Muslims, London, 1967, p.281

۴۶۷۔ Yohannan Friedmann: Medieval Muslim views of Indian

Religions. J. American Oriental Society vol.95, No.2(1975),p.218

۴۶۸۔ نعیم اللہ بہڑا یچی: معمولاتِ مظہریہ، کانپور ۱۲۷۵ھ، ص ۳۸۔

۴۶۹۔ ایضاً، ص ۳۸، مجدد الف ثانی: مکتوبات ۳/ ۴۱۔

۴۷۰۔ ایضاً، ص ۴۲۔

۴۷۱۔ غلام علی دہلوی: مقامات مظہری، ص ۶۶ (فارسی متن)۔

۴۷۲۔ ایضاً، ۴۱۔

۴۷۳۔ نعیم اللہ بہڑا یچی: بشاراتِ مظہریہ، ورق ۹۰۔ا۔

۴۷۴۔ زید، ابوالحسن فاروقی: حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، دہلی ۱۹۷۷ء، ص ۲۴۶۔ خود حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے تناسخ کو باطل قرار دیا ہے۔ مکتوبات ۳/۴۳)۔

ہندوستانی قدیم مذاہب اور حضرت مظہر کا مکتوب مؤلفہ زید فاروقی، مطبوعہ دہلی، ۱۹۹۰ء

۴۷۵۔ فرید مان یوحنا نے بھی یہی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ ہو اس کا محولہ بالا مقالہ۔

۴۷۶۔ نعیم اللہ بہڑا یچی: معمولات مظہریہ، ص ۳۸۔

۴۷۷۔ غلام علی دہلوی، شاہ: مقامات مظہری، ص ۱۸ (فارسی)۔

۴۷۸۔ ایضاً۔

۴۷۹۔ بہڑا یچی: معمولاتِ مظہریہ، کانپور، ص ۱۱۔

۴۸۰۔ ادیب، مسعود حسن رضوی: آبِ حیات کا تنقیدی مطالعہ، لکھنؤ ۱۹۶۴ء، ص ۳۲۔

۴۸۱۔ نعیم اللہ بہڑا یچی: معمولاتِ مظہریہ، ص ۱۲۔

۴۸۲۔ قریشی: میرزا مظہر اور ان کا اُردو کلام، ص ۱۲۳۔

۴۸۳۔ میر تقی میر: نکات الشعراء، ص ۵۔

۴۸۴۔ قریشی: میرزا مظہر اور ان کا اُردو کلام، ص ۱۲۶۔

۴۸۵۔ فیروز جنگ کے حالات کے لیے مقاماتِ مظہری کی فصل سوم، حاشیہ ۱۷ ملاحظہ کریں۔

۴۸۶۔ نعیم اللہ بہڑا یچی: بشاراتِ مظہریہ، قلمی، بحوالہ مقالہ عبدالرزاق قریشی، مشمولہ معارف مئی ۱۹۶۸ء، ص ۳۳۱۔

۴۸۷۔ ایسے بہت سے شواہد مقاماتِ مظہری کے مطالعہ سے سامنے آ سکتے ہیں۔

۴۸۸۔ خلیق انجم: مرزا محمد رفیع سودا، علی گڑھ ۱۹۶۶ء، ص۵۰۔ حضرت مظہر کے تمام مجموعہ ہای مکاتیب جن کا تفصیلی تعارف ہم کروا چکے ہیں، ان میں سے ابتدائی ۲۴ خطوط کے علاوہ باقی تمام مجموعوں کی نوعیت ذاتی خطوط کی سی ہے، اگر حضرت مظہر کی زندگی واقعی ایسی ہوتی تو کم از کم آپ کے نجی خطوط سے ہلکا سا اشارہ تو ضرور ملتا۔ ان خطوط میں آپ ''اپنی میرزائیت'' کا ذکر فرماتے ہیں تو اپنے محبوبوں کے نام لکھنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا؟ بلکہ آپ کے تمام تر مکتوبات (نجی عمومی) آپ کی انتہائی مصروفیت اور تقدس حیات کے آئینہ دار ہیں۔

۴۸۹۔ مظہر: مکاتیب (مشمولہ کلمات طیبات)، ۷۹/۶۵۔۶۶۔

۴۹۰۔ ایضاً، ۴۳/۴۹۔

۴۹۱۔ ایضاً، ۷۹/۶۶۔

۴۹۲۔ قریشی: مکاتیب میرزا مظہر، ۴۶/۶۶۔

۴۹۳۔ مظہر: دیوان مظہر فارسی، دیباچہ، ص۴۔

۴۹۴۔ میر: نکات الشعراء، ص۵۔

۴۹۵۔ یہ تمام تر معلومات خود حضرت مظہر نے اپنے دیوان ثانی ۱۱۷۰ھ کے خود نوشت ابتدائیہ میں دی ہیں۔

۴۹۶۔ ابتدائیہ دیوان مظہر، نوشتہ محمد عبدالرحمٰن، ص۲۔۳۔

۴۹۷۔ مظہر: دیوان ثانی، دیباچہ، ص۴۔ نوشاہی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی کتابخانہ دانشگاہ پنجاب ۲/۱۰۴۱۔۱۰۴۲

۴۹۸۔ قریشی: میرزا مظہر اور ان کا اُردو کلام، ص۱۷۷۔۲۰۹۔

۴۹۹۔ عبدالرزاق قریشی مرحوم نے معروف تذکرہ نویسوں کے بیانات نقل کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت مظہر کا اُردو کلام آپ کی زندگی میں یکجا نہیں کیا گیا تھا۔ نیز انہوں نے جواہر سخن میں جس اُردو دیوان مظہر کے خطی نسخے کا ذکر ملتا ہے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی جو انہیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ (میرزا مظہر اور ان کا اُردو کلام، ص۲۱۰۔۲۱۷)۔

۵۰۰۔ ''''ہندوستانی یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق کی رفتار''، رسالہ ''آج کل'' دہلی، اردو تحقیق نمبر، اگست ۱۹۶۷ء، ص ۸۶۔

۵۰۱۔ خلیق انجم، مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، دہلی ۱۹۷۶ء، ص ۴۰ لیکن رسالہ ''آج کل'' کے اردو تحقیق نمبر میں اس مقالے کا نام ''مرزا مظہر جان جاناں، حیات اور کارنامے'' درج ہوا ہے۔ ایضاً، ص ۸۶۔

۵۰۲۔ عبدالرزاق قریشی مرحوم نے اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔ ان کی محولہ بالا کتاب ملاحظہ کریں۔ نیز دیکھیے:

تارک علی: مرزا مظہر جان جاناں، ان کا عہد اور اردو شاعری، دہلی ۱۹۸۸ء، غلام مصطفی خان: مرزا مظہر کی فارسی شاعری، (مشمولہ چند فارسی شعرا)

۵۰۳۔ قریشی: مکاتیب میرزا مظہر (۲۸/ ۳۸ حضرت مظہر کے اس مکتوب کا انکشاف اگر ۱۹۶۱ء سے پہلے ہو جاتا تو قریشی صاحب مرحوم حضرت مظہر پر اپنی پہلی کتاب میں اس کی زیادہ وضاحت کرتے)۔

۵۰۴۔ قریشی: میرزا مظہر اور ان کا اردو کلام، ص ۲۴۰۔ دتاسی' گارساں: تاریخ ادبیان اُردو صفحہ ۲۰۶-۷

۵۰۵۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ نے بھی اسے حال ہی میں شائع کر دیا ہے۔

۵۰۶۔ قریشی: میرزا مظہر اور ان کا اردو کلام، ص ۲۴۰۔

۵۰۷۔ شبلی: مقالات شبلی ۱۲۲/۵۔ (دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۵ء)۔

۵۰۸۔ مظہر: کلمات طیبات، ۴۳، ۴۹/۔

۵۰۹۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، ۶/ ۵۰۸۔

۵۱۰۔ عبدالرزاق قریشی مرحوم نے لکھا ہے کہ ''اس مجموعہ کے مرتب کا نام معلوم نہیں ہو سکا (اردو کلام، ص ۲۴۸)۔ حالانکہ مرتب نے اس کے دیباچہ میں اپنا یہی نام لکھا ہے (کلمات طیبات، ص ۲)۔ جناب خلیق انجم نے مرتب کا نام حافظ علی مراد آبادی بتایا ہے (خطوط، ص ۴۱) جو درست نہیں ہے۔ ابوالخیر محمد مراد آبادی شاگرد مولانا محمد احسن نانوتوی (علمائے مظاہر العلوم' سہارنپور ۴/ ۳۳۲)

۵۱۱۔ ابوالخیر محمد بن احمد: دیباچہ کلمات طیبات، ص ۳ (مجتبائی)۔

۵۱۲۔ ایضاً

۵۱۳۔ قریشی مرحوم اور ڈاکٹر خلیق انجم نے سہواً یہ نام مولوی حافظ محمد عبداللہ لکھ دیا ہے۔

۵۱۴۔ نعیم اللہ بہڑائچی: بشاراتِ مظہریہ، ورق ۱۵۰-۱۵۱، (اس مخطوطہ کی مائیکروفلم قریشی صاحب مرحوم کے پیش نظر تھی لیکن اس اہم اقتباس پر ان کی نظر نہیں پڑی)۔

۵۱۵۔ قریشی، عبدالرزاق: مکاتیب میرزا مظہر، (پیش گفتار)، ص ۹-۱۰۔

۵۱۶۔ مطبوعہ علوی بک ڈپو، بمبئی، ۱۹۶۶ء۔

۵۱۷۔ نثری تحریرات مظہر کے تحت اس کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

۵۱۸۔ اس مجموعے میں شامل چند آخری مکتوبات دیگر مآخذ سے بھی منقول ہیں۔

۵۱۹۔ یہ تمام تر تفصیلات عبدالرزاق قریشی کے مقدمہ مکاتیب میرزا مظہر سے ماخوذ ہیں۔

۵۲۰۔ ملا نسیم کے حالات مقامات مظہری کی فصل ''خلفای حضرت مظہر'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۲۱۔ خلیق انجم: میرزا مظہر کے خطوط، ص ۴۳۔

۵۲۲۔ مظہر: کلمات طیبات، ۴۸/۵۰۔

۵۲۳۔ خلیق انجم، ص ۴۴۔

۵۲۴۔ قریشی، عبدالرزاق: مکاتیب میرزا مظہر (پیش گفتار)، ص ۲۲-۲۷ (ملخصاً)۔

۵۲۵۔ غلام مصطفیٰ خان: لوائح خانقاہ مظہریہ، ص ۸-۹۔

۵۲۶۔ قریشی: مکاتیب ۶۷/۹۶۔

۵۲۷۔ ان مجموعوں کی تفصیل مقدمہ ہذا میں ''تصانیف حضرت مظہر'' کے تحت ملاحظہ کریں۔

۵۲۸۔ خوش گو: سفینہ خوش گو مرتبہ عطاء الرحمٰن کاکوی، پٹنہ ۱۹۵۹ء، ص ۳۰۲۔

۵۲۹۔ آزاد بلگرامی: سروِ آزاد، طبع کتب خانہ آصفیہ، دکن ۱۹۱۳ء، ص ۲۳۲-۲۳۴۔

۵۳۰۔ مولانا بہاری کے تفصیلی حالات کتاب ہذا کی فصل خلفای حضرت مظہر میں ملاحظہ کریں۔

۵۳۱۔ قریشی: میرزا مظہر اور ان کا اُردو کلام، ص ۲۷۸۔

۵۳۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ''فصل خلفای حضرت مظہر'' اور مولانا بہاری کے حالات میں ہمارے حواشی نیز اسی مقدمے کا عنوان ''وحدت الوجود اور وحدت الشہود'' ملاحظہ ہو۔

۵۳۳۔ نعیم اللہ بہڑا اپچی: معمولات مظہریہ، ص۱۴۴۔

۵۳۴۔ ایضاً، ص۱۴۴۔۱۴۵۔

۵۳۵۔ نعیم اللہ بہڑا اپچی: بشارات مظہریہ، ورق ۷۱۔۷۳۔

۵۳۶۔ قریشی: مکاتیب، ص۲۱۹۔۲۲۳۔

۵۳۷۔ مقامات مظہری کی فصل مکاتیب میں آخری مکتوب اور کلمات طیبات میں شامل مکاتیب حضرت حضرت مظہر کے حاشیہ پر بھی یہی رسالہ سلوک طریقہ منقول ہے۔

۵۳۸۔ بغدادی، اسماعیل پاشا: ہدیۃ العارفین، ۱/۲۶۳، استنبول، ۱۹۵۱ء۔

۵۳۹۔ حضرت مظہر کے ملفوظات کا یہ مجموعہ کلماتِ طیبات میں بھی منقول ہے، ص۷۰۔۸۷۔

۵۴۰۔ چونکہ مقاماتِ مظہری کا یہ موضوع نہیں ہے اس لیے ہم نے محض تسلسل قائم رکھنے کے لیے چند کلمات لکھے ہیں۔

۵۴۱۔ عبدالحق: اردو شاعری میں ایہام گوئی، مقالہ مشمولہ مجموعہ، تحقیقات علمیہ، جامعہ عثمانیہ، دکن، جلد دوم، ۱۹۳۴ء، ص۱۱۸۔۱۱۹ (ملخصاً)۔

۵۴۲۔ مقاماتِ مظہری کی ایک مستقل فصل آپ کے خلفا کے حالات وکمالات پر مشتمل ہے۔

۵۴۳۔ عبدالرزاق قریشی نے ان تلامذہ کے حالات معروف تذکروں کی مدد سے اپنی کتاب میں یک جا کردیے ہیں (میرزا مظہر اوران کا اردو کلام، ص۱۰۸۔۱۱۸)۔

۵۴۴۔ عبدالستار، قاضی: اردو شاعری میں قنوطیت، ۱۹۵۸ء، مطبوعہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (س۔ن)۔ ص۷۵۔۷۸۔

۵۴۵۔ قریشی، عبدالرزاق: میرزا مظہر اوران کا اردو کلام، ص۲۲۷۔

۵۴۶۔ خوشگو: سفینہ خوشگو (بہ سال ۱۱۶۱ھ)، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ ۱۹۵۹ء، ص۳۰۲۔

۵۴۷۔ سرور، محمد خان بہادر: عمدہ منتخبہ مرتبہ احمد فاروقی، دہلی یونیورسٹی، دہلی ۱۹۶۱ء، ص۵۵۲۔

۵۴۸۔ غلام علی دہلوی: مقاماتِ مظہری، ص۳۸ (فارسی متن)۔

۵۴۹۔ ایضاً، ص۳۷۔۳۸۔

۵۵۰۔ مظہر: مکاتیب (مشمولہ کلمات طیبات)، ۵۷/۵۵۔

۵۵۱۔ زید، ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر، دہلی ۱۳۹۲ھ، ص ۲۰۱۔۲۰۲ ملخصاً)۔

۵۵۲۔ یہ دونوں اہم فیصلے جن کا عکس یہاں دیا جا رہا ہے جناب پروفیسر منظور الحق صدیقی (سابق استاد کیڈٹ کالج، حسن ابدال) کی ملکیت ہیں۔ یہ بھی ان نادر دستاویزات میں سے ہیں جو ان کے خاندان میں موروثی طور پر محفوظ ہیں۔ موصوف کے آبا و اجداد رہتک (پنجاب) کے عظیم علمی و مذہبی رہنما تھے۔ یہ شرعی فیصلے تصدیق کے لیے دہلی سے رہتک گئے ہوں گے۔ پروفیسر موصوف نے اپنے بزرگوں کے حالات پر مستقل ضخیم کتاب مآثر الاجداد کے نام سے تالیف کی ہے جو طبع ہو چکی ہے۔

ہم نے ان فیصلوں کے متون کی مکمل نقل اپنی دوسری تالیف احوال و افکار حضرت مظہر میں دے دی ہے۔

۵۵۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: اسی مقدمے میں حضرت شاہ غلام علی کے حالات۔

۵۵۴۔ قریشی: مکاتیب میرزا مظہر ۸۳/۵۹۔

۵۵۵۔ نعیم اللہ بہرائچی: بشاراتِ مظہریہ (خطی نسخہ برٹش میوزیم)، ورق ۱۶۶۔ب۔

۵۵۶۔ غلام مصطفیٰ خان (مرتب): لوائح، ۱۷۴/۲۳۷۔

۵۵۷۔ ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ء کو حضرت شاہ ابوالخیر ہندوستان تشریف لائے اور خانقاہ کا انتظام سنبھالا۔ جیسا کہ ہم نے حضرت شاہ غلام علی کے احوال میں لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں حضرت شاہ احمد سعید مجددی نے ہندوستان سے ہجرت کے وقت یہ خانقاہ اپنے خلیفہ نامدار حضرت حاجی دوست محمد قندھاری کے سپرد کی تھی اور انہوں نے اپنی وفات ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء میں اسے اپنے خلیفہ حضرت محمد عثمان دامانی کے حوالے کر دیا تھا حضرت شاہ ابوالخیر کو جو حرمین الشریفین میں مقیم تھے، اس کا علم تھا، چنانچہ انہوں نے حجاز سے روانگی سے پہلے حضرت دامانی سے خط و کتابت کی تھی اور حضرت ملا دامانی اپریل ۱۸۸۹ء میں اس مبارک خانقاہ کو حضرت شاہ ابولخیر کے حوالے کرنے کے لیے موسیٰ زئی شریف سے دہلی گئے تھے۔

(یہ تمام تر تفصیلاً مقامات خیر، ص ۱۹۹۔۲۰۰ سے ملخصاً ماخوذ ہیں)۔

۵۵۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: احوال مؤلف (مقدمہ کتاب ہذا)۔

۵۵۹۔ مقاماتِ مظہری کے مصحح اوّل حضرت شاہ عبدالغنی مجددی نے اس کے ساتھ ایک ضمیمے کا اضافہ کیا ہے جو حضرت شاہ غلام علی کے حالات پر مشتمل ہے اور اس ترجمہ میں بھی شامل ہے۔ ہم نے فقط ایسے نکات درج کیے ہیں جو اس ضمیمہ میں موجود نہیں ہیں یا اس میں نہایت تشنہ رہ گئے ہیں۔

۵۶۰۔ شاہ ناصر الدین قادری مدفون دہلی (مزارات اولیائے دہلی، ص ۱۱)۔

۵۶۱۔ رافت، رؤف احمد مجددی: جواہر علویہ (اردو ترجمہ)، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۹۔

۵۶۲۔ ایضاً، ص ۱۴۰۔

۵۶۳۔ ظہور حسن: ارشاد المسترشدین، مطبوعہ، ص ۱۸۔۲۴۔

۵۶۴۔ رافت، رؤف احمد مجددی: جواہر علویہ، ص ۱۳۹۔ سال ولادت میں اختلاف ہے۔ حضرت شاہ عبدالغنی نے ضمیمہ مقاماتِ مظہری میں سال ولادت ۱۱۵۸ھ درج کیا ہے (ص ۱۴۰ فارسی متن) لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ یہ ضمیمہ جواہر علویہ کی تلخیص ہے (ص ۱۴۰)۔ نیز حضرت رافت نے "درالمعارف" میں بھی سال ولادت ۱۱۵۶ھ ہی بہ تحقیق لکھا ہے (ترکی، ص ۱۵۳)۔

۵۶۵۔ غلام علی دہلوی: ایضاح الطریقۃ، مطبع نقشبندی ۱۲۸۴ھ، ص ۲ (شامل رسائل سبعہ سیارہ)۔

۵۶۶۔ حضرت شاہ غلام علی کے ورود دہلی کا سنہ ۱۱۷۴ھ تو تذکروں میں مذکور ہے (جواہر علویہ، ص ۱۴۰) لیکن تاریخ ورود کا ذکر نہیں ملتا۔ ہم نے آپ کے ملفوظات سے یہ تاریخ اخذ کی ہے (درالمعارف، ص ۹۷)۔

۵۶۷۔ رافت: جواہر علویہ: ص ۱۴۰۔

۵۶۸۔ رافت: درالمعارف، ص ۱۵۳ (قیاساً)۔

۵۶۹۔ عبدالغنی شاہ: ضمیمہ (شامل کتاب ہذا)، ص ۱۴۰ (فارسی متن)۔

۵۷۰۔ رافت: جواہر علویہ، ص ۱۴۱۔

۵۷۱۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۷/۳۵۶، مقالات طریقت ۱۲۹۱ھ (بحوالہ معارف، ستمبر ۱۹۶۵ء)۔
رافت: درالمعارف، ص ۷۵۔۷۶۔

۵۷۲۔ رافت: جواہر علویہ، ص ۱۴۱۔

۵۷۳۔ غلام علی دہلوی، مکاتیب شریفہ مرتبہ شاہ رؤف احمد مجددی ۶۰/۴۴۔

۵۷۴۔عبدالغنی: ضمیمہ مقامات مظہری (ضمیمہ اوّل کتاب ہذا)۔

۵۷۵۔رافت: جواہر علویہ، ص۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴۔

۵۷۶۔ Charles Theophilus Baron Metcalfe, (1785-1846).

وہ تین مرتبہ دہلی کا ریذیڈنٹ بنا (ایک مرتبہ مددگار ریذیڈنٹ) لیکن یہ واقعہ اس کے ۱۸۱۱ء سے ۱۸۱۹ء تک کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ مٹکاف کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

Buckland: Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975, p.287.

۵۷۷۔اس واقعے کی پوری تفصیل کے لیے دیکھیے ملفوظاتِ شریفہ شاہ غلام علی، ص۸۴۔۸۵۔

۵۷۸۔شاہ عبدالغنی: ضمیمہ مقامات مظہری (شامل کتاب ہذا)۔

۵۷۹۔ رافت: درالمعارف، ترکی ۱۹۷۴ء، ص۶۵۔

۵۸۰۔ غلام محی الدین قصوری: ملفوظات شریفہ شاہ غلام علی، لاہور ۱۹۷۸ء، ص۲۱۔

۵۸۱۔ احمد خان سرسید: آثار الصنادید، دہلی ۱۹۶۵ء، ص۴۶۴۔۴۶۵۔

۵۸۲۔ رافت: درالمعارف، ص۶۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں ''احوال مولانا خالد کردی'' (مقدمہ ہذا)۔

۵۸۳۔سلسلہ نسب حضرت مجدد سے اس طرح ملتا ہے: شاہ ابوسعید بن شیخ صفی القدر بن شیخ عزیز القدر بن شیخ محمد عیسیٰ بن شیخ سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم۔

۵۸۴۔زید، ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر، دہلی ۱۳۹۲ھ، ص۷۰۔۷۴ (ملخصاً)۔

۵۸۵۔ عبداللطیف: روزنامچہ ۱۸۵۷ء مرتبہ خلیق احمد نظامی، ص۸۸ اور محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص۴۰۷۔۴۰۸۔

۵۸۶۔ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری علیہ الرحمۃ (ف۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء) حضرت شاہ ابوسعید مجددی کے مرید اور حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے مشہور ترین خلیفہ تھے۔ پاکستان و ہند، خراسان، عربستان اور ترکی کے بہت سے طالبان حق ان سے بیعت تھے' ان کی کئی مقامات پر خانقاہیں تھیں لیکن قیام موسیٰ زئی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان پاکستان میں تھا' وصال کے بعد یہیں آسودہ خواب ہوئے ان کے جانشین حضرت خواجہ محمد عثمان (ف۱۳۱۴ھ) ان کے بعد حضرت مولانا

سراج الدین (ف ۱۳۳۳ھ) اور ان کے بعد حضرت حافظ محمد ابراہیم (ف ۱۹۵۷ء) اور ان دنوں حضرت خواجہ محمد اسماعیل مدظلہ خانقاہ شریف کے سجادہ نشین ہیں۔ (حالات کے لیے ملاحظہ ہو مکتوبات حاجی دوست محمد قندھاری اور مقامات عثمانیہ مطبوعہ)۔

۵۸۷۔ محمد مظہر مجددی: مناقب احمدیہ ومقاماتِ سعیدیہ، ص ۲۴۰۔۲۴۱۔

۵۸۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

محمد مظہر مجددی: مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ (در حالات حضرت شاہ ابوسعید وشاہ احمد سعید) مطبوعہ دہلی ۱۲۸۴ھ۔

محمد مظہر: المناقب الاحمدیہ والمقامات السعیدیہ (عربی ترجمہ کتاب مذکورہ)۔ مطبوعہ قزان ۱۸۹۶ء۔

محمد مظہر: رشحات عنبریہ (عربی)، مطبوعہ شرقپور ۱۹۷۹ء۔

محمد معصوم رام پوری: ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین، رام پور ۱۳۱۵ھ۔

زید ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر، دہلی ۱۳۹۳ھ، ص ۸۲۔۱۰۳۔

۵۸۹۔ کتاب ہذا مقامات مظہری کے اس ترجمہ پر ''پیش لفظ'' آپ کا ہی نوشتہ ہے۔ خانقاہ مظہریہ کی تحویل وتحول کے حالات کے ملاحظہ ہو: زید، ابوالحسن: مقامات خیر (در حالات حضرت شاہ ابوالخیر مجددی)، مطبوعہ ۱۳۹۲ھ، ص ۱۹۹۔۲۰۱۔

۵۹۰۔ غلام محی الدین قصوری: ملفوظات شریفہ، ص ۲۶۔

۵۹۱۔ محمد بن عبداللہ خالدی: البہجۃ السنیہ فی آداب الطریقۃ العالیۃ الخالدیہ، مصر ۱۳۱۹ھ، ص ۷۸۔

۵۹۲۔ ایضاً، ص ۸۲۔

۵۹۳۔ ایضاً، ۸۰۔

۵۹۴۔ عریضہ مولانا خالد مشمولہ درالمعارف، ص ۷۰ شاہ غلام علی کے مولانا کے نام تین مکاتیب ۲۳، ۳۸، ۱۱۰ ملتے ہیں (مکاتیب شریفہ)۔

۵۹۵۔ رافت: درالمعارف، ص ۱۰۸۔

۵۹۶۔ ہم نے مقدمہ ملفوظات شریفہ میں ان تصانیف کی تفصیل دی ہے، (ص ۲۸۔۲۹)۔

۵۹۷۔ مولانا شبلی نعمانی اپنے سفر کے دوران قسطنطنیہ میں مولانا خالد کی اولاد میں سے بعض اصحاب سے ملے تھے، مولانا شبلی نے سہواً مولانا خالد کو حضرت مظہر کا مرید لکھ دیا ہے (سفر نامہ روم ومصر و شام، ص ۳۳)۔ حالانکہ مولانا خالد، حضرت شام غلام علی سے بیعت تھے۔

۵۹۸۔ ملفوظات شریفہ حضرت شاہ غلام علی، (مقدمہ، ص ۲۹)۔

۵۹۹۔ یہ کتاب رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور میں شامل ہے۔

۶۰۰۔ امام الدین: مقامات طیبین، قلمی۔

۶۰۱۔ ان دریافت شدہ تالیفات کے مختصر تعارف کے لیے دیکھیے مقدمہ ملفوظات شریفہ، ص ۶۵۔۶۹۔

۶۰۲۔ یہ ملفوظات مع مفصل مقدمہ وحواشی وترجمہ بنام ملفوظات شریفہ چھپ چکے ہیں۔

۶۰۳۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو ملفوظات شریفہ کا مقدمہ۔

۶۰۴۔ ہم نے ملفوظات شریفہ کے مقدمہ میں خلفاء کے اس فہرست میں بعض ناموں کا اضافہکیا ہے (ص ۳۱)۔

۶۰۵۔ اس تعارف کے دوران بعض کتابوں کے ابتدایئے اس لیے نقل کیے گئے ہیں تاکہ مؤلف کے اسلوب بیان کا اندازہ ہو سکے۔

۶۰۶۔ شامل رسائل سبعہ سیارہ مطبوعہ مطبع نقشبندی ۱۲۸۴ھ، نیز شامل جواہر علویہ ومکاتیب شریفہ اس کا علیحدہ متن حکیم عبدالمجید سیفی نے لاہور سے شائع کیا تھا۔

۶۰۷۔ محمد تقی دانش پژوہ نے اس رسالہ کے خطی نسخہ محرونہ کتب خانہ مرکزی دانش گاہ تہران کو متعارف کرواتے ہوئے مؤلف کے نام کے ساتھ سہواً ''غلام علی باطنی'' لکھ دیا ہے (فہرست ۳۲۱۳/۱۳)۔

۶۰۸۔ اس رسالے کے اس نسخہ کا رونوگراف ہمیں ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب کی وساطت سے ملا جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

۶۰۹۔ مخطوطہ مملوکہ محترمہ پاشا بیگم بنت مولانا احمد حسین خان امروہوی، خانقاہ شریف مولوی غلام نبی للّٰہی۔ للہ ضلع جہلم، خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان اور کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد دکن (فہرست مخطوطات ۱/۴۶۰)۔

۶۱۰۔ غلام علی دہلوی: مکاتیب شریفہ ۸۶/ ۸۔۷۔

۶۱۱۔ ایضاً، ۸۷/ ۹۔۷۔

۶۱۲۔ رافت: درالمعارف، ص ۳۵۔

۶۱۳۔ مکاتیب شریفہ ۱۰۰/ ۱۳۹۔

۶۱۴۔ رافت: درالمعارف، ۳۵۔۳۸۔

۶۱۵۔ دیکھیے: فصل مکتوبات حضرت مظہر شامل مقامات مظہری۔

۶۱۶۔ پاک و ہند اور عالم اسلام کے متبحر علماء نے حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں جن میں سے ۳۹ کی فہرست ہمارے مقالہ میں شامل ہے، دیکھیے ہمارا مضمون بعنوان ''حضرت مجدد کے دفاع میں لکھی جانے والی کتابیں'' مشمولہ رسالہ نور اسلام، شرقپور، حضرت مجدد الف ثانی نمبر۔

۶۱۷۔ حالات کے لیے دیکھیے: خلفای حضرت شاہ غلام علی، حواشی حالات شاہ احمد سعید مجددی۔

۶۱۸۔ یہ بیاض ہمیں مولانا عبدالرشید سیالکوٹی مالک مکتبہ رشیدیہ، لاہور کی عنایت سے دستیاب ہوئی تھی جو انہوں نے کتب خانہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، راولپنڈی کو دے دی ہے۔

۶۱۹۔ احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۲/ ۱۲۰۰۔

۶۲۰۔ جن کی نشاندہی تصانیف حضرت شاہ غلام علی کے تحت کی جا چکی ہے۔

۶۲۱۔ بقول حکیم سیفی مرحوم (کلمہ تشکر بر مکاتیب شریفہ)۔

۶۲۲۔ ظہور الحسن: ارشاد المسترشدین، ص ۱۳۷۔۱۴۱۔

۶۲۳۔ حالات کے لیے دیکھیے ضمیمہ مقامات مظہری نوشتہ شاہ عبدالغنی مجددی (شامل ترجمہ ہذا)۔

۶۲۴۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو مقدمہ، ہذا تحت خلفای حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ۔

۶۲۵۔ اس مجموعہ کے سال ترتیب پر ہم نے مقدمہ ملفوظات شریفہ میں مفصل بحث کی ہے (ص ۷۰۔۷۱)۔

۶۲۶۔ اس کا اُردو ترجمہ جناب اقبال احمد فاروقی نے کیا جو ہمارے مقدمہ و حواشی کے ساتھ مکتبہ نبویہ لاہور سے ۱۹۷۸ء میں طبع ہوا۔

۶۲۷۔ محمد مظہر: مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ، ص۴۷۔

۶۲۸۔ زید، ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر، دہلی ۱۳۹۲ھ، ص۸۴۔۸۵۔

۶۲۹۔ مکتوب مولانا زید بنام محمد اقبال مجددی (مؤرخہ ۴ فروری ۱۹۸۹ء)

۶۳۰۔ ان ملفوظات اور مکتوبات پر الگ الگ عنوانات سے اسی مقدمہ میں لکھا جا چکا ہے۔

۶۳۱۔ غلام علی دہلوی: مقامات مظہری۔ طبع اوّل فارسی، ص۱۷۔

۶۳۲۔ مولانا بہڑا یچی کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: مقامات مظہری (فصل خلفای حضرت مظہر)۔

۶۳۳۔ ملفوظات شریفہ حضرت شاہ غلام علی (ص۳۳) پر مقدمہ لکھتے وقت ہمیں خود اس حقیقت کا علم نہیں تھا۔ اب تقابلی مطالعہ کے بعد اپنی اس غلطی کا احساس ہوا ہے کہ ''مقامات'' تو ''بشارات'' پر مبنی ہے نہ کہ معمولات مظہریہ پر۔

۶۳۴۔ مخطوطات فارسیہ نمبر ۲۲۰۔

۶۳۵۔ بشارات ورق ۱۶۲۔ا۔

۶۳۶۔ ایضاً، ورق ۱۶۶۔ب۔

۶۳۷۔ بہڑا یچی: بشارات مظہریہ، قلمی نسخہ انڈیا آفس، ورق ۲۔ا

۶۳۸۔ ایضاً، ورق ۱۸۳۔ب۔

۶۳۹۔ عبدالرزاق قریشی مرحوم اپنے مقالہ بشارات مظہریہ (شائل معارف اعظم گڑھ، مئی ۱۹۶۸ء) میں اس کے سال تصنیف کے تعین کے سلسلے میں خاصے اُلجھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، مقالہ کی ابتداء میں انہوں نے اس کا سال تالیف ۱۲۱۸ھ اور سال کتابت ۱۲۰۷ھ لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کتاب تالیف ہی ۱۲۱۸ھ میں ہوئی ہو اس کی کتابت ۱۲۰۸ھ میں کیسے ہو سکتی ہے۔

۶۴۰۔ سال اختتام اس طرح پر تحریر ہے: ''ختم تحریر این کتاب رسالہ مقامات بروز چہار شنبہ دہم محرم الحرام ۱۲۰۸ھ''۔ اسے سال کتابت سے زیادہ سال تحریر یا تکمیل کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے، ممکن ہے سال تکمیل و کتابت ایک ہی ہو۔

۶۴۱۔ طبع دوم میں طابع کی طرف سے دو خاتمے ملتے ہیں۔ طبع دوم کے صفحات کے نمبر اشاعت اوّل ۱۲۷۵ھ سے مختلف ہیں۔

۶۴۲۔ کتاب کی اس اشاعت کے محرک و مرتب محمد بیگ بن مرزا رحیم بیگ نقشبندی نے اپنے ابتدائیہ میں وضاحت کی ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو لطائف خمسہ المعروف بہ مقامات مظہری کے نام سے موسوم کیا، (ص۲)۔

۶۴۳۔ عربی قواعد کے مطابق اس نام کی ترکیب ہی غلط ہے۔ یعنی قواعد کے مطابق یہ نام ''مقاماتِ مظہریہ'' ہونا چاہیے تا کہ موصوف اور صفت وصف تانیث میں یکساں ہوں۔

۶۴۴۔ رافت رؤف احمد مجددی: جواہر علویہ اردو ترجمہ طبع لاہور، ص ۱۳۵۔

یقیناً حضرت رافت نے قواعد کے مطابق اسے ''مقامات مظہریہ'' کے نام سے موسوم کیا ہو گا۔ ''جواہر علویہ'' کا جو ترجمہ ہمارے پیش نظر ہے ہمارے خیال کے مطابق وہ خاصے محرف خطی نسخے پر مبنی ہے۔ اس لیے اس کے مترجم نے اس کا نام مقامات مظہری ہی تحریر کیا ہے۔

۶۴۵۔ کتاب مقامات مظہری کی اشاعت کے محرک نے اسے بھی معمولات مظہری ہی لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف مرزا محمد بیگ قواعد کو ان ناموں کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے۔ چونکہ یہ نام بہت معروف ہو گیا ہے اس لیے ہم نے اسے بدلنا مناسب نہیں سمجھا۔

۶۴۶۔ لطیفہ پنجم، ص ۱۱۵۔۱۳۱۔

۶۴۷۔ قلمی نسخہ مقامات مظہری مملوکہ جناب اسد نظامی (موضع ۱۱۴ تحصیل خانیوال ضلع ملتان) اور دوسرا خطی نسخہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں محفوظ ہے۔

☆☆☆☆☆

مقاماتِ مظہری

(۲) الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین امابعد فقیر عبداللہ معروف بہ غلام علی عفی عنہ کہتا ہے یہ رسالہ صاحب کمالات و معارف دستگاہ حضرت مولوی نعیم اللہ[۱] کی کتاب[۲] مستطاب کا ملخص و انتخاب ہے جو انہوں نے سیدنا و مرشدنا مطلع انوار الطریقۃ منبع اسرار الحقیقۃ مقتداء ارباب یقین وعرفان شمس الدین حبیب اللہ حضرت میرزا جان جاناں رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے خلفاء کے حالات پر لکھ کر مخلصین کے دل اور آنکھوں پر بڑا احسان کیا ہے' میں نے اس کتاب کے بعض مطالب اس رسالہ میں شامل کیے ہیں اور ان کے علاوہ بھی جو کچھ یاد تھا، اس میں اضافہ کیا ہے' تا کہ یہ میرے لیے سعادت کا سرمایہ بن سکے' واللہ ولی التوفیق...... مجھے اس رسالہ کی تالیف میں تردد تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ان اوراق کا لکھنا آنحضرت (میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ) کی مرضی کے خلاف ہو لیکن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت (میرزا مظہر) میرے مکان میں تشریف لائے ہیں اور (کتاب مذکور کے مصنف) مولوی نعیم اللہ بھی حاضر ہیں' حضرت فرماتے ہیں کہ ہم تمہیں اس رسالہ کی تحریر کی اجازت دیتے ہیں اور دعائے خیر کرتے ہیں' اس سے میں سمجھ گیا کہ آنحضرت نے مجھے اس رسالہ کی تالیف کی اجازت دے دی ہے۔ اس (خواب) سے میرا تردد اطمینان قلب میں بدل گیا اور امید ہے کہ میرا یہ عمل قبول ہوگا ''ما قل و کفی خیر مما کثر والھی'' (یعنی جو چیز تھوڑی اور کافی ہو وہ اس چیز سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور لہو ولعب میں مبتلا کرے)۔

یہ رسالہ اٹھارہ فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل: ذکر طریقہ نقشبندیہ مجددیہ۔

دوسری فصل: سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ و چشتیہ کا بیان۔

تیسری فصل: حضرت ایشان (مظہر) کے چاروں مشائخ یعنی سید السادات سید نور محمد بداونی[۳]

حضرت حاجی محمد افضل، حضرت حافظ سعد اللہ اور حضرت شیخ الشیوخ محمد عابد رحمۃ اللہ علیہم کے احوال۔

چوتھی فصل: حضرت (مظہر) کے سلسلہ نسب اور ولادت وغیرہ کا بیان

پانچویں فصل: حضرت میرزا مظہر کا حضرت نور محمد بداونی سے استفادہ

چھٹی فصل: حضرت (مظہر) کا حضرت حاجی محمد افضل سے استفادہ

ساتویں فصل: حضرت مظہر کا حضرت حافظ سعد اللہ سے استفادہ

آٹھویں فصل: حضرت مظہر کا شیخ الشیوخ محمد عابد سے استفادہ

نویں فصل: ان مقدمات کا بیان جو حضرت مظہر کو اہل زمانہ سے ممتاز کرتے ہیں

دسویں فصل: حضرت کی صحبت شریف کی تاثیر کا بیان

گیارھویں فصل: حضرت کے اوصاف ترک و زہد کا بیان

بارھویں فصل: حضرت مظہر کے ملفوظات

تیرھویں فصل: ان نصائح ہوش افزا کا بیان جو حضرت نے اپنے اصحاب سے فرمائے۔

چودھویں فصل: حضرت کے بعض مقامات اور حضرت کی زبانی بعض اولیای کرام کے احوال

پندرھویں فصل: حضرت کے بعض مکشوفات وتصرفات

سولھویں فصل: حضرت کا عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال (وصال)

سترھویں فصل: احوال خلفای حضرت مظہر

اٹھارھویں فصل: حضرت کے بعض مکاتیب شریفہ

☆☆☆☆☆

پہلی فصل

ذکر طریقہ نقشبندیہ

یہ مخفی نہیں ہے کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ[۳] دائمی توجہ قلب، مبدء فیاض، نفلی عبادات میں اعتدال و عادات کے ترک کرنے میں میانہ روی اختیار کرنے سے عبارت ہے اور اپنے اوقات ان اَوراد و وظائف میں صرف کیے جائیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں[۴] اس طریقہ میں توبہ سے لے کر مقام رضا باجمال تک تمام مقامات سلوک کا معمول ہے اور اس کا ما حاصل ذات الٰہی کا دائمی حضور و انجذاب جسمانی و روحانی اور ذوق وشوق اور جمعیت قلبی کا حصول ہے۔ اس حدیث شریف ''الاحسان ان تعبد اللّٰہ کانك تراہ'' [۵] کہ احسان یہ ہے کہ تُو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا تُو اسے دیکھ رہا ہے، کے مصداق اس طریقہ والے اپنے مشہود کا استغراق شامل حال رکھتے ہیں بعض سکر، مستی اور جذباتِ قلبی سے مغلوب ہوتے ہیں اور بعض پر اسرار توحید منکشف ہوتے ہیں اور ان عزیزان کے تصرفات، القاءِ ذکر، اطمینان قلب اور ایک حال سے دوسرے حال میں پہنچانے اور بذریعہ دعا مشکلات کے حل کرنے میں ہمت سے کام لینے کے لیے مکمل شہرت کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی عنایت سے ان مذکورہ مقامات و مدارج کے علاوہ بھی دیگر مقامات عطا فرمائے ہیں اور ایک مقام سے دوسرے مقام کے حالات اور علوم جداگانہ سے مشرف فرمایا ہے۔ آپ کے طریقہ علیہ کے متوسلین ان حالات و کیفیات کی وجہ سے ممتاز ہیں مگر اس طریقہ کے سارے معتقدین کو ان تمام مقامات تک [۴] رسائی نہیں ہوئی، جو (حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوئے) مگر جو کوئی بھی ان حالات و واردات پر پہنچا وہ خوش رہا' اس طرح اس خاندان والوں کے حالات و تاثیرات میں نمایاں فرق ہے لیکن یہ سب قدیم مروجہ اذکار و اشغال سلسلہ نقشبندیہ پر کاربند ہیں مقام قلب میں استغراق، بے خودی، سکر اور جذبات محبت الٰہیہ سے سرشار ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جن

مقامات پر ولایت کی تعبیر فرمائی ہے (اس طریقہ کے پیرو) طرح طرح کی باطنی کیفیات سے اپنے آپ کو محظوظ کرتے ہیں اور آپ نے جن کمالات وحقائق کی لطافت و نیرنگی بیان فرمائی ہے ادراک ان کے احاطہ سے عاجز ہے' استغراق، بے خطرگی اور توجہ دائمی سے عبارت ہے۔ مگر مقصود کی طرف توجہ کرنے سے بے شعوری ہے جو سکر کی کیفیات کے بغیر ان مقامات کے واصلین کو حاصل ہوتی ہے اور باطن کے لیے صفاء واطمینان لازم ہے۔

جس شخص کو علم اور کشف عطا ہوتے ہیں وہ اپنے مقامات کی سیر میں تجلیاتِ الٰہیہ کو ہر وقت عیاں دیکھتا ہے اور توحید کے اسرار[۶] طریقہ نقشبندیہ میں کم ظاہر ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ العزیز کو اس طریقہ کی نسبت دو[۷] طرح سے ملی ہے۔ پہلی اپنے آبائے کرام سے جس کا مقتضا اسرار توحید کا اظہار ہے اور دوسری خاندان نقشبندیہ سے جو کمال تقویٰ اور شرع سے منور ہے اور حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں نسبتوں کے مجمع البحرین[۸] تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں نسبتوں[۹] کے حاصل کرنے کے بعد سلوک نقشبندیہ اختیار فرمایا۔ اس نسبت عزیز میں قدم کی لغزش پیش آتی ہے۔ جس نے مقام قلب میں تمکن وثبات پیدا کر کے ترقی نہیں کی لیکن علوم توحید اور سکر کے غلبات سے اس کی توجہ مؤثر اور شوق افزا ہوتی ہے اور توحید کے معنی دل کو غیر سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگانے کے ہیں جو اس خاندان کے اکابر کو حاصل ہوتی ہے۔

خوارق عادت کے ظہور کے لیے شدید مجاہدات لازم ہیں' سخت ریاضت کے بغیر دنیا میں تصرفات کا ظہور شاذ ونادر ہی ہوتا ہے اور کوئی کرامت دوام ذکر قلبی، توجہ الی اللہ، تہذیب اخلاق اور سنت حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع سے بڑھ کر نہیں ہے[۱۰] الحمد للہ اس طریقہ کے متوسلین کو یہ سعادت حاصل ہے' اس کتاب میں جہاں کہیں یہ لکھا جائے گا کہ فلاں کو یہ مقامات عالیہ اور انتہائے سلوک حاصل ہے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ وہ ان مقامات کی کیفیات، حالات اور واردات سے بھی مشرف ہے اور اسے علم باللہ ہمیشہ حاصل ہے اور سنن نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متبع ہے:

محال است سعدی کہ راہ صفا　　　　تواں رفت جز در پی مصطفیٰ[۱۱]

ہمارے حضرت (مظہر جان جاناں) نے کسب کمال اور تکمیل خاندان نقشبندیہ کے اکابر سے کی اور اس طریقہ کے اذکار کا شغل اختیار فرمایا اور طالبوں کو بھی اس طریقہ کے اکابر کے آداب ونسبت علیہ کے

مطابق تربیت دیتے تھے۔

ہمارے حضرت کو سلسلہ قادری، چشتی اور سہروردی کی بھی اجازت حاصل تھی اور فیض بھی پایا تھا (۵) بعض اکابر کو خاندان قادری اور چشتی میں بیعت کر کے شجرہ بھی عنایت کرتے تھے لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ ہمارے حضرت نے طریقہ سہروردیہ کی اجازت بھی کسی کو دی تھی یا نہیں کیونکہ اس طریقہ کے طالب اس دیار میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔

اب میں ان تینوں سلاسل کے بزرگوں کے اسمائے گرامی لکھتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ وفصل ۱۷ کتاب ہذا۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ طریقہ نقشبندیہ کی اجمالی تاریخ کے مآخذ کے لیے دیکھیے حواشی فصل ہذا۔

۴۔ مؤلف اپنی دوسری کتاب ایضاح الطریقت میں لکھتے ہیں:
حاصل ایں طریقہ شریفہ دوام حضور و دوام آگہی است و حضرت ذات الٰہی سبحانہ، باالتزام عقیدہ صحیحہ موافق اہل سنت و جماعت واتباع سنت نبویہ۔

۵۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری لابن حجر۔ ۱/۱۱۴ باب ۳۷ درالمعرفت، بیروت۔
متن مقامات مظہری میں "تعبد ربك" ہے۔ دیگر متون حدیث صحیح مسلم (ایمان ۵۷)، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں بھی یہ حدیث اسی طرح ہے' ملاحظہ ہو: ونسنک: المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، لیڈن ۱۹۳۶ء، طبع عکسی جدید ا/ ۴۶۷۔

۶۔ اسرار توحید سے وحدت الوجود کے اسرار و رموز مراد ہیں۔

۷۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (ف ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء) کے اجداد میں سے بعض افراد کا تعلق سلسلہ سہروردیہ سے بھی تھا' ان کے آبائے کرام کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: علی کاشفی: رشحات، ص ۲۰۷۔۲۲۰۔

۸۔ حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ)، پر ابتداء میں توحید وجودی اور عمر مبارک کے آخری حصہ میں توحید شہودی کا انکشاف ہوا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ کا اس سلسلے میں ایک اہم قول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زبانی نقل کیا ہے:
"حضرت خواجہ ما قدس اللہ تعالیٰ سرہ چندگاہ مشرب توحید وجودی داشتند و در

رسائل و مکتوبات خود آن را اظہار می فرمودند اما آخر کار حق سبحانہ و تعالیٰ بکمال عنایت خویش از آن مقام ترقی ارزانی فرمودہ بہ شاہراہ انداختہ از ضیق این معرفت خلاصی داد میاں عبدالحق کہ یکے از مخلصان ایشانند نقل کردند کہ پیش از مرض موت ایشان بیک ہفتہ فرمودہ اند کہ مرا بہ عین الیقین معلوم شد کہ توحید کوچہ ایست تنگ، شاہراہ دیگرت است'' (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، دفتر اوّل حصہ دوم ۴۳/۹)۔

۹۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سلسلہ نقشبندیہ کے علاوہ چشتی اور قادری سلسلہ سے بھی منسلک تھے، آپ کے والد ماجد فصوص الحکم کے بہترین مدرسین میں سے تھے۔ (ر۔ک۔ زبدۃ المقامات وحضرات القدس)۔

۱۰۔ سلسلہ نقشبندیہ کے سرخیل حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کا قول ہے:
طریقہ ما از نوادر است عروۃ الوثقیٰ است چنگ در ذیل متابعت سنت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) زدہ ایم و اقتداء بہ آثار صحابہ کرام او نمودہ (انیس الطالبین بحوالہ مقدمہ احمد طاہری عراقی بر رسالہ قدسیہ مطبوعہ تہران ۱۹۷۰ء، ص ۵۱)۔
طریقہ نقشبندیہ اور اس کے اصول وضوابط اور مختلف شاخوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: جامی سر رشتہ طریقہ خواجگان مرتبہ عبدالحی حبیبی۔ کابل ۱۳۴۳ ش: کاشفی: رشحات، لاری: تکملہ نفحات الانس، وصایا، خواجہ عبدالخالق غجدوانی، رسالہ قدسیہ، فصل الخطاب، تحقیقات (ہرسہ تالیفات خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمۃ) اربع انہار از شاہ احمد سعید: ہدایۃ الطالبین از شاہ ابوسعید، القول الجمیل شاہ ولی اللہ، ہشت شرائط نقشبندیہ از ملا حسین خباز، قطب الارشاد از شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری، ایضاح الطریقۃ از شاہ غلام علی دہلوی۔

۱۱۔ بوستان سعدی میں یہ شعر اس طرح ہے:

می پندار سعدی کہ راہ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز بر پی مصطفیٰ

(متن کامل دیوان سعدی مرتبہ مظاہر مصفا، تہران، ص ۱۴۸)۔

دوسری فصل

سلسلہ نقشبندیہ کا بیان

حضرت (مظہر جان جانان) نے طریقہ نقشبندیہ (کا فیض) حضرت سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا انہوں نے حضرت شیخ سیف الدین سے نیز حضرت مظہر نے حضرت حافظ محمد محسن سے بھی استفادہ کیا تھا اور انہوں نے عروۃ الوثقیٰ حضرت محمد معصوم سے اور انہوں نے اس طریقہ کے امام مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی سے اور انہوں نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ سے انہوں نے حضرت مولانا خواجگی امکنگی سے انہوں نے حضرت مولانا درویش محمد سے انہوں نے حضرت مولانا محمد زاہد[1] سے اور انہوں نے حضرت خواجہ احرار سے انہوں نے مولانا یعقوب چرخی سے انہوں نے خواجۂ خواجگان خواجہ بہاء الدین نقشبند سے، انہوں نے حضرت سید امیر کلال سے انہوں نے حضرت خواجہ محمد بابا سماسی سے انہوں نے حضرت خواجہ علی عزیزاں رامیتنی سے انہوں نے حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی سے انہوں نے حضرت مولانا محمد عارف ریوکروی سے انہوں نے خواجہ جہاں حضرت عبدالخالق غجدوانی سے انہوں نے خواجہ یوسف ہمدانی سے انہوں نے خواجہ ابوعلی فارمدی سے انہوں نے خواجہ ابوالحسن خرقانی سے انہوں نے خواجہ بایزید بسطامی سے انہوں نے امام ہمام حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے امام قاسم بن محمد بن ابی بکر سے انہوں نے صاحب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے حضرت امیر المؤمنین ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت مبارکہ کے شرف سے متصف تھے) اور آپ نے رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

نسبت دیگر

حضرت امام جعفر صادق، حضرت امام محمد باقر، امام زین العابدین، امام ہمام، سید الشہداء امام

حسین، حضرت امام حسن مجتبیٰ، حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، حضرت رسالت پناہ ﷺ یہ نسبت ائمہ اہل بیت کی بزرگی کی وجہ سے اس طریقہ میں ''سلسلۃ الذہب''[۲] کے لقب سے مشہور ہے اور حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی کا انتساب خواجہ ابوالقاسم گرگانی سے بھی ہے' ان کا خواجہ ابوعثمان مغربی سے[۳] ان کا سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادی سے ان کا خواجہ سری سقطی سے ان کا خواجہ معروف کرخی سے ان کا حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ان کا سلسلہ امام جعفر صادق سے تا آخر سند[۴] ......

خواجہ معروف کرخی نے خواجہ داؤد طائی سے بھی استفادہ کیا تھا اور انہوں نے خواجہ حبیب عجمی سے انہوں نے خواجہ حسن بصری سے انہوں نے امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اور آپ نے حضرت رسول خدا ﷺ سے۔

ذکر سلسلہ قادریہ

حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے طریقہ قادریہ کی اجازت حضرت شیخ محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور انہوں نے شیخ عبدالاحد (سرہندی) سے انہوں نے حضرت خازن الرحمۃ محمد سعید سے انہوں نے امام طریقہ مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد سے انہوں نے شاہ کمال کیتھلی سے انہوں نے شاہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت گدای رحمٰن ثانی سے انہوں نے سید شمس الدین صحرائی سے انہوں نے سید عقیل سے انہوں نے سید عبدالوہاب سے انہوں نے سید شرف الدین سے انہوں نے سید السادات سید عبدالرزاق سے انہوں نے حضرت غوث الثقلین محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے خواجہ ابوسعید مخرمی سے انہوں نے خواجہ ابوالحسن قریشی سے، انہوں نے خواجہ ابوالفرح طرطوسی سے انہوں نے خواجہ عبدالواحد تمیمی سے انہوں نے خواجہ ابوبکر شبلی سے انہوں نے سید الطائفہ جنید بغدادی سے انہوں نے خواجہ سری سقطی سے انہوں نے خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہم سے انہوں نے حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے حضرت امام جعفر صادق سے انہوں نے حضرت امام محمد باقر سے انہوں نے حضرت امام زین العابدین سے انہوں نے حضرت سید الشہداء امام حسین سے انہوں نے امام ہمام حسن مجتبیٰ سے انہوں نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے حضرت رسالت پناہ محمد رسول اللہ ﷺ سے۔

سلسلہ آبائی حضرت غوث الثقلین

حضرت سید عبدالقادر رضی اللہ عنہ بن سید ابو صالح۔ سید موسیٰ جنگی دوست۔ سید عبداللہ۔ سید یحییٰ زاہد۔ سید موسیٰ مورث۔ سید داؤد مورث۔ سید موسیٰ الجون۔ سید عبداللہ محض۔ سید حسن مثنیٰ۔ سید السادات امیر المؤمنین امام حسن مجتبیٰ[7] امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

ذکر سلسلہ چشتیہ

حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے طریقہ چشتیہ کی اجازت شیخ الشیوخ محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، انہوں نے حضرت شیخ عبدالاحد سے (باقی اسماء گرامی بالترتیب یہ ہیں:)

حضرت خازن الرحمۃ شیخ محمد سعید۔ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ عبدالاحد (والد ماجد خود)۔ شیخ رکن الدین۔ حضرت شیخ عبدالقدوس۔ شیخ محمد عارف[6] شیخ احمد عبدالحق۔ شیخ جلال الدین پانی پتی۔ شمس الدین ترک۔ حضرت شیخ علاء الدین مخدوم علی صابر۔ شیخ الاسلام شیخ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ امام طریقہ خواجہ معین الدین سجزی۔ خواجہ عثمان ہارونی۔ حاجی محمد شریف زندنی۔ خواجہ مودود چشتی۔ خواجہ ابو یوسف چشتی۔ خواجہ ابو احمد چشتی[7] خواجہ ابو محمد چشتی۔ خواجہ ابو اسحاق شامی۔ خواجہ ممشاد علو دینوری۔ خواجہ ہبیرہ بصری۔ خواجہ حذیفہ مرعشی۔ سلطان ابراہیم ادہم۔ خواجہ فضیل عیاض۔ خواجہ عبدالواحد۔ خواجہ حسن بصری۔ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ حضرت مولانا محمد زاہد اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے اتصال کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض ناقدین نے محض اس لیے مولانا کو اس سلسلے سے لاتعلق ظاہر کیا ہے کہ صاحب رشحات نے خواجہ احرار کے خلفاء میں ان کا نام نہیں لکھا۔ قابل غور امر یہ ہے کہ خواجہ احرار کے احوال پر صرف رشحات ہی کو حرف آخر کیوں تصور کر لیا گیا ہے حالانکہ اس کتاب سے پہلے اور اس کے بعد حضرت خواجہ کے حالات پر کئی اہم کتابیں تالیف ہوئی تھیں ان تمام کتب کی طرف رجوع کرنے کے بعد اتصال کا فیصلہ کرنا زیادہ قرین مصلحت ہے، تاہم نقشبندی سلسلہ کے تمام تذکرے متفق ہیں کہ مولانا محمد زاہد نے حضرت خواجہ احرار سے فیض حاصل کیا تھا۔ ملاحظہ ہو: حضرات القدس ۱۔۲/ ۲۰۷، ذیل رشحات عین الحیات، ص۴۔۶ (حاشیہ)۔

۲۔ یہ سلسلۃ الذہب دو راہوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے، متن میں اول الذکر کے علاوہ مؤخر الذکر شجرہ مرقوم نہیں ہے، یعنی حضرت خواجہ معروف کرخی نے خواجہ داؤد طائی سے انہوں نے خواجہ حبیب عجمی سے اور انہوں نے خواجہ حسن بصری سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

۳۔ یہاں مقاماتِ مظہری کے مطبوعہ نسخے میں دو واسطے نقل نہیں ہو سکے۔ یعنی خواجہ ابوعثمان مغربی نے خواجہ ابوعلی کاتب سے اور انہوں نے خواجہ ابوعلی رودباری سے استفادہ کیا۔ (ر۔ک۔ معمولات مظہریہ، ص۱۹)۔ احمد طاہری عراقی: قدسیہ (مقدمہ و شجرہ نامہ)، مطبوعہ تہران، ۱۹۷۵ء۔

۴۔ یہ سند تا آخر یوں ہے: حضرت علی بن موسیٰ رضا، موسیٰ کاظم، جعفر بن محمد صادق، محمد بن علی الباقر، علی بن حسین زین العابدین، حسین بن علی، حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت رسول کریم ﷺ

(احمد طاہری عراقی، قدسیہ، مقدمہ، شجرہ نامہ)۔

۵۔ پیش نظر مطبوعہ نسخہ مقاماتِ مظہری میں شامل یہ شجرہ نسب سارا غلط ہے۔ حضرت شیخ کے حالات پر مستند کتاب بہجۃ الاسرار میں شجرہ اس طرح ہے: حضرت شیخ عبدالقادر بن ابی صالح موسیٰ جنگی دوست بن ابی عبداللہ بن یحییٰ الزاہد بن محمد بن داوٗد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنیٰ بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم (مطبوعہ مصر، ۱۳۰۵ھ، ص ۸۸)۔

۶۔ یہ شجرہ طریقت زبدۃ المقامات ص ۹۴ کے مطابق ہے۔ ورنہ سلسلہ صابریہ کے تذکروں میں یہ دو الگ نام ہیں یعنی شیخ عارف رودلوی اور شیخ محمد، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، انہی شیخ محمد کے خلیفہ تھے۔ (تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی، جلد اوّل، ص ۲۷۷، طبع دہلی، ۱۹۸۰ء)۔

۷۔ زبدۃ المقامات، ص ۹۴ میں خواجہ ابواحمد کا نام طبع ہونے سے رہ گیا ہے۔ لیکن یہاں بھی مقامات مظہری کے پیش نظر مطبوعہ نسخہ (دہلی ۱۲۶۹ھ) میں سہو کتابت سے خواجہ ابواحمد کا نام خواجہ ابومحمد سے پہلے لکھا گیا ہے حالانکہ شیخ ابویوسف کا تعلق خواجہ ابومحمد سے تھا (ایضاً: تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۹۳)۔

☆☆☆☆☆

تیسری فصل

حضرت مظہر کے اربعہ مشائخ کے حالات

یہ مشائخ نقشبندی مجددی تھے

سید السادات حضرت سید نور محمد بدایونی

آپ علوم ظاہر و باطن[1] کے عالم، فقیہ کامل اور عارف مکمل تھے' آپ نے طریقہ احمدیہ (مجددیہ) کے سلوک کے مقامات، حضرت شیخ سیف الدین[2] فرزند و خلیفہ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم فرزند و سجادہ نشین حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم سے اور حضرت حافظ محمد محسن[3] از اولاد[4] حضرت شیخ عبدالحق محدث و از خلفائے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے طے کیے' سالہا (ان بزرگوں کی) صحبت اختیار کر کے فیوض حاصل کیے (جن سے آپ) بلند مقامات و حالات سے[5] مشرف ہوئے' استغراق اتنا قوی تھا کہ پندرہ سال تک افاقہ نہ ہوا فقط نماز کے وقت ''حقیقت حال'' میسر آتی تھی نماز کے بعد پھر احوال کا غلبہ ہو جاتا تھا لیکن آخر آپ کے حال میں افاقہ ہوا' ورع، تقویٰ اور اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ممتاز تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و عاداتِ شریفہ کی متابعت کا بہت اہتمام کرتے تھے' سیر و اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتابیں ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے اور ان کتب کے مطابق عمل کرتے تھے[5]

ایک مرتبہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بیت الخلاء میں داخل ہوئے دایاں پاؤں پہلے رکھ دیا تو تین روز تک احوال باطن میں قبض کی کیفیت رہی پھر بہت تضرع و زاری کے بعد بسط کی کیفیت ہوئی کھانے میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔ چند روز کا کھانا اپنے ہاتھ سے پکا کر اپنے پاس رکھ لیتے' بھوک کی شدت کے وقت اس میں سے کچھ کھا لیتے پھر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے کثرتِ مراقبہ سے آپ کی پشت خمیدہ ہو گئی تھی' آپ فرماتے تھے کہ تیس سال سے طبیعت سے غذا کی کیفیت کا احساس جا چکا ہے'

حاجت کے وقت جو کچھ میسر آتا کھالیتا، آپ ایک وقت میں دو قسم کے کھانے کو بدعت خیال فرماتے تھے' کمال تقویٰ سے اپنے فرزندوں میں سے ایک کو گھی دیتے اور دوسرے کو شکر۔

آپ امراء کے کھانے ہرگز تناول نہ فرماتے تھے کیونکہ ان کے کھانے اکثر مشکوک ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک دنیا دار کے گھر سے کھانا آیا' فرمایا: اس میں ظلمت معلوم ہوتی ہے اور از روئے نوازش حضرت میرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ آپ بھی توجہ کریں جب آپ نے طعام پر غور کرنے کے بعد عرض کیا کہ کھانا تو وجہ حلال سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں سے ریا کی عفونت آتی ہے اگر کسی دنیا دار کے گھر سے کوئی کتاب عاریتاً لیتے تو تین روز تک اس کا مطالعہ نہ کرتے اور فرماتے کہ اغنیاء کی صحبت کی ظلمت اس پر غلاف کی طرح چسپاں ہوئی ہے' جب آپ کی صحبت مبارک سے اس کی ظلمت زائل ہو جاتی تو مطالعہ فرماتے۔

حضرت (میرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ) کو آپ سے بہت محبت تھی فقط آپ کا اسم گرامی لینے سے ہی آب دیدہ ہو جاتے اور فرماتے کہ افسوس دوستوں نے حضرت سید نور محمد کی زیارت نہیں کی انہیں دیکھنے سے اللہ کی قدرتِ کاملہ سے اس کا ایمان تازہ ہو جاتا تھا' اللہ تعالیٰ دنیا پر اپنے ان اربابِ کمال حضرات کو قادر بنا دیتا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ حضرت کے مکشوفات بہت صحیح اور واقعہ کے مطابق ہوتے تھے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان ظاہری آنکھوں سے اتنا واضح نہیں دیکھ سکتے جتنا کہ حضرت دل کی آنکھوں (بچشم باطن) سے دیکھ سکتے ہیں اور قوی تصرفات کے مالک تھے' مخلصین کی حاجت برآری کے لیے بہت ہمت سے کام لیتے تھے۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ آپ کی دعا اور توجہ سے کسی کی مراد پوری نہ ہوئی ہو۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے آنجناب کی خدمت میں عرض کی کہ میری لڑکی کو جن اُٹھا کر لے گئے ہیں' اس سلسلے میں بہت سے اعمال اور تعویذات کیے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس باب میں آپ توجہ فرمائیں (۹) حضرت نے دیر تک مراقبہ کے بعد فرمایا کہ تیری لڑکی فلاں وقت آ جائے گی چنانچہ آپ کی توجہ سے ایسا ہی ہوا' جب لڑکی سے ماجرا دریافت کیا گیا تو اس نے کہا: میں کسی صحرا میں تھی کہ کسی بزرگ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے یہاں پہنچا دیا' کسی نے اس باب میں حضرت کے سکوت اور مراقبہ کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فوراً کیوں نہ جواب دیا کہ لڑکی آ جائے گی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ

تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی تھی اگر میری دعا اور توجہ مؤثر ہو تو میں اس باب میں ہمت کروں جب مجھے بذریعہ الہام معلوم ہو گیا کہ تیری ہمت مؤثر ہو گی تو میں نے کہہ دیا کہ تیری لڑکی آ جائے گی' آپ کا ہر عمل رضائی خداوندی کے موافق ہوتا تھا۔ سبحان اللہ۔

ایک بار دو رافضی عورتوں نے حاضر خدمت ہو کر طلب طریقہ کا اظہار کیا' حضرت نے نور فراست سے یہ دریافت کر لیا اور فرمایا: پہلے عقیدہ بد سے توبہ کرو پھر یہ طریقہ اپناؤ، ان میں سے ایک نے آپ کے کمال کا اقرار کر لیا اور توبہ کر کے داخل طریقہ ہوئی اور دوسری کو توبہ کی توفیق نہ ہوئی۔

آپ کے ایک مخلص کو نفسانی خواہش کا غلبہ ہوا تو آپ کی صورت دونوں کے درمیان حائل ہو گئی عورت نے دہشت زدہ ہو کر فریاد کی اور ایک گوشہ میں پناہ لی اور اس مخلص نے توبہ کی وہ مدت دراز تک مارے شرم کے خدمت میں حاضر نہ ہوا۔

ایک بار ایک بھنگ فروش اپنی دکان حضرت کے مکان کے قریب لے آیا' آپ نے فرمایا کہ بھنگ کی ظلمت نے باطن کی نسبت کو مکدر کر دیا ہے' مخلصین گئے اور انہوں نے دکان برباد کر ڈالی' آپ نے فرمایا کہ اب تو باطن زیادہ مکدر ہو گیا ہے' کیوں کہ میرے واسطہ سے احتساب خلافِ شرع واقع ہوا ہے' چاہیے یہ تھا کہ پہلے ہم اسے نرمی سے توبہ کی طرف راغب کرتے اگر تائب نہ ہوتا تو پھر سختی کی جاتی ... بصد مشکل اسے آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے اپنے دوستوں کی طرف سے معذرت کی اور لطفاً فرمایا کہ خلافِ شرع پیشہ اچھا نہیں ہوتا ہمیں مباح پیشہ اختیار کرنا چاہیے اور اسے کچھ نقدی دے کر عذر فرمایا وہ تائب ہو کر آپ کے مخلصوں میں شامل ہو گیا۔

آپ نے فرمایا: ایک روز میں اپنے پیر حضرت حافظ محمد محسن کے مزار کی زیارت کے لیے گیا وہاں جا کر میں نے مراقبہ کیا تو بے خودی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ آپ کا بدن شریف اور کفن تو درست ہے مگر پاؤں کے تلووں اور اس مقام کے کفن پر مٹی نے اپنا اثر کیا ہے میں نے آپ سے اسکا سبب پوچھا آپ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہو گا کہ ہم نے وضو کی جگہ پر کسی کا پتھر بغیر اجازت رکھا ہوا تھا کہ جب اس کا مالک آ جائے تو حوالے کر دیں گے ایک مرتبہ اس پتھر پر ہم نے قدم رکھا اس کی وجہ سے مٹی نے ہمارے پاؤں پر اثر کیا ہے۔

یہ درست ہے کہ جو زیادہ متقی ہے قربِ خداوند اور ولایت میں بھی اس کا مقام بلند ہے۔

آپ (حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ) کی وفات ۱۱ ذیقعدہ ۱۱۳۵ھ ہجری میں ہوئی [۶]

حضرت حاجی محمد افضل

[۱۰] آپ (اپنے زمانے کے) متبحر علماء اور دانشور فضلاء میں سے تھے اور علوم باطن کے اسرار کا زیادہ حصہ ان کے نصیب میں تھا' دس سال تک حضرت خواجہ حجۃ اللہ نقشبند [۷] فرزند و خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما سے باطنی فیوض و طریقت میں استفادہ کیا اور پھر بارہ سال تک حضرت شیخ عبدالاحد [۸] فرزند و خلیفہ خازن الرحمۃ شیخ محمد سعید فرزند و سجادہ نشین حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم کی صحبت سے مشرف ہوئے اور مقامات عالیہ حاصل کیے نیز حضرت شیخ (عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ مذکور) سے علوم معقول و منقول اور علم حدیث کی اسناد حاصل کیں اور آپ نے شیخ سالم بصری [۹] تم مکی سے بھی علم حدیث کی سند حاصل کی تھی' حضرت حجۃ اللہ نقشبند نے حضرت شیخ عبدالاحد کو حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بتایا کہ جو فیوض و برکات ہمیں اپنے پیرانِ کرام سے ملے تھے ہم نے وہ تمام حاجی صاحب کے باطن میں القا کر دیے ہیں۔

آپ کا استغراق قوی تھا، فنا و نیستی آپ پر اس قدر غالب تھی کہ آپ خود کو اربابِ طریقت میں سے شمار نہیں کرتے تھے' ہمارے حضرت (میرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ) سے آپ نے بارہا یہ فرمایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نظر کشفی اور مقاماتِ الٰہیہ کی تحقیق کی بزرگی عنایت کی ہے ہمارے حال پر بھی نظر فرمائیں کہ اپنے اعمال کی خرابی کی وجہ سے ہم اپنے آپ میں کچھ نہیں پاتے۔

راقم (مصنف) عفی اللہ عنہ کہتا ہے کہ امام الطریقۃ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سالک پر جب تجلی ذات کا ظہور ہوتا ہے، تو اس پر وارفتگی و خود فراموشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اور یہ آیت ''لا تدركه الابصار'' [۱۰] (نظریں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) اس سلسلہ میں قطعی دلیل ہے۔

حضرت حاجی محمد افضل حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً کی زیارت سے مشرف ہوئے اور الطاف الٰہی و عنایات حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہزاروں فتوحات کے ساتھ مراجعت [۱۱] فرمائی اور طالبانِ حق کے مرجع بنے اور خلقت خدا کو (آپ سے) ظاہری و باطنی فیوضات پہنچے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حدیث کی سند آپ سے حاصل کی [۱۲] آپ کو نقدی کی

صورت میں جو ہدیہ ملتا اس سے آپ ہر فن کی کتابیں خرید کر وقف کر دیتے تھے۔

ایک بار پندرہ ہزار روپیہ کا ہدیہ آیا اس تمام رقم سے آپ نے علومِ نافقہ کی کتب خرید کر وقف کر دیں، آپ نے ہزارہا کتب خرید کر خدا کی راہ [۱۳] میں وقف کیں جن سے علوم کی اشاعت ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ان مخلصوں پر تعجب ہے کہ اپنی عمر میں ایک بار بھی حضرت رسالت پناہ ﷺ کے مزارِ مقدس کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کرتے حالانکہ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے دنیاوی واخروی مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔

عجب ہے کہ ضروری تجوید کے موافق کلام اللہ کے حروف چند روز میں صحیح ہو سکتے ہیں، نہیں کرتے اور نماز کی صحت صحیح قراءت پر مبنی ہے۔

نیز تعجب کی بات ہے کہ لطائف کا ذکر کسی نقشبندی بزرگ کی توجہ سے حاصل نہیں کرتے حالانکہ اس طریقہ میں یہ دولت جو کہ محبت الٰہی کا بیج اور بقاء ایمان کا موجب ہے، بغیر زیادہ محبت کے بہت کم مدت میں حاصل ہو جاتا ہے۔

آپ کے عظیم خلفاء میں سے محمد اعظم [۱۴] کشف صحیح اور نسبت قوی رکھتے تھے، بہت سے طالبوں کو اس طریقہ شریفہ کے حالات و واردات، ان کی صحبت سے میسر آئے، رحمۃ اللہ علیہما۔

حافظ سعد اللہ

آپ حضرت محمد صدیق [۱۵] فرزند و خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کے کامل خلفاء میں سے تھے، تیس سال تک آپ نے اپنے مرشد کی صحبت اختیار کی اور بلند مقامات اور طریقہ احمدیہ منسوب بہ حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی غایات تک رسائی ہوئی، خانقاہ کے فقراء نے آپ کو سید الصوفیہ کا لقب دیا تھا۔

بڑے ناز سے فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے پیر کی خانقاہ کا پانی اپنے سر پر اٹھایا ہے، جس کی وجہ سے میرے سر کے بال گھس گئے ہیں بلکہ اللہ کی راہ میں میری آنکھوں کا نور بھی نثار ہو گیا، میرے پیر نے مجھے شدید موسم گرما میں احمد آباد بھیجا، سورج کی گرمی سے میری آنکھیں بھی بیکار ہو گئیں، خانقاہ معلیٰ کی خدمت کی برکت سے میرے پاس اتنے خادم آئے کہ ان میں سے ہر ایک کو میری خدمت کا موقع نہ مل

سکا[16] اور میرے دل کی آنکھیں نورِ معرفت سے بینا ہوگئیں اور میرے سر کی آنکھیں غیر کے التفات سے بے پروا ہوگئیں اور مجھے دائمی مراقبہ حاصل ہے...... غیر کا تصور جو ظاہری آنکھوں کے ذریعے دل میں آتا ہے وہ میرے آئینہ باطن میں راہ نہیں پا سکتا' اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسی ایسی نعمتیں عطا کیں' والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہ۔

جب آپ طریقہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے تو ابتداء میں آپ نے (عالم رؤیا میں) ایک ایسا شہر عظیم دیکھا جو ولایت کی برکات وانوار سے معمور تھا۔ اس کے ہر محلے میں اولیاء کے گروہ اقامت گزین ہیں ایک مرتبہ اس شہر میں مقربانِ بارگاہِ خدا کے آنے کی شہرت ہوئی اور ساکنانِ شہر اس پر شوکت و عظمت عزیزان کے استقبال کے لیے نکلے تا کہ ان کے انوار میں مستغرق ہوسکیں۔

آپ نے پوچھا: یہ سب کون ہیں؟ کسی نے جواب دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے کمالاتِ جدیدہ کے اظہار کے لیے ان حضرات کا انتخاب فرمایا ہے اور ان واصلان کے سرحلقہ شیخ احمد سرہندی ملقب بہ مجدد الف ثانی ہیں' ان بزرگوں کی برکات کے مشاہدے سے آپ کا اس طریقے پر اعتقاد قوی تر ہوگیا اور اس طریقہ کے حصول کے لیے تمام ریاضات ومجاہدات کر کے آپ مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے پیشوا ہوئے۔

ہمارے حضرت (میرزا مظہر) فرماتے ہیں کہ آپ پر تواضع اور انکساری کی صفات غالب تھیں اگر اصحاب میں سے کوئی کسی شخص کو آزردہ کرتا تو آپ خود اس شخص کے پاس جاتے اور معذرت کرتے کہ قصور اس فقیر سے سرزد ہوا ہے مجھے معاف کر دو! بلکہ اپنا سر مبارک اس کے پاؤں پر رکھ دیتے رحمۃ اللہ علیہ۔

نواب خان فیروز جنگ[17] نے جو آپ کا مرید تھا آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ سید حسن[18] رسول نما رحمۃ اللہ علیہ جس کو چاہتے، حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف (۱۲) ہوجاتا تھا' آپ نے فرمایا کہ ہم جس کو چاہیں دوبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوجائے تم آج شب کو فاتحہ پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کی طرف توجہ کرو اس نے اسی طرح کیا اور زیارت سے مشرف ہوا' اور سو روپیہ ہدیہ مقرر کیا اور دوبارہ فاتحہ پڑھ کر سو گیا اور پھر زیارت کی سعادت کا امتیاز حاصل کیا اور ایک سو روپیہ پھر ہدیہ دینا منظور کیا' صبح کے وقت خدمت میں حاضر ہو کر سو روپیہ نذر کیا' آپ نے نورِ فراست سے جان لیا اور فرمایا کہ دوسرا سو کہاں ہے؟ وہ گھبرایا اور دوسرا سو روپیہ بھی نذر کر دیا۔

حضرت میرزا مظہر جان جاناں نے فرمایا کہ آپ علم ظاہری میں مہارت نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی آپ کی صحبت میں واقعات کے کشف کا ذکر ہوتا تھا لیکن محض اپنے پیر کی خانقاہ کی خدمت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں آپ مقبول عام ہو گئے تھے مگر باطنی نسبت نہایت قوی تھی' آپ کی خانقاہ میں ایک بڑی بلی رہتی تھی جو آپ کے تصرف سے چڑیوں پر مہربان ہو گئی تھی وہ اپنا منہ کھولتی تو اس کے منہ میں گندم کے دانے ڈال دیے جاتے چڑیاں ہر طرف سے آتیں اور اس کے منہ سے دانہ چن لیتیں اور اس کے ساتھ کھیلتی تھیں۔

آپ کے فیض سے بہت سے لوگ مقاماتِ قربِ الٰہی کو پہنچے' آپ کی وفات ۱۱ شوال ۱۱۵۲ ہجری کو ہوئی[19] ..... آپ کے خلفاء میں سے شیخ صبغۃ اللہ[20] نورانی پیر تھے' مؤلف نے ان کی زیارت کی ہے۔ علیہ رحمۃ اللہ۔

شیخ الشیوخ محمد عابد[21] (سنامی)

حضرت شیخ عبدالاحد[22] کے اعاظم خلفاء میں سے تھے۔ (حضرت شیخ عبدالاحد) سرہند کے اکابر خلفاء میں سے تھے' جو علم وعمل اور ورع وتقویٰ میں شان عظیم رکھتے تھے' (شیخ محمد عابد) کی نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کثیر العبادت اور کثیر الذکر تھے' تہجد کی نماز میں سورۃ یاسین ساٹھ مرتبہ پڑھتے تھے۔ اور ہر دوگانہ کے بعد ذکر اور مراقبہ بھی کرتے تھے' نصف شب سے لے کر سحر تک تمام وقت یادِ خدا میں بسر کرتے تھے' آپ کی موت اسہال کی بیماری سے ہوئی یہ مرض چھ ماہ تک رہا اور اس دوران پینتیس مرتبہ سورۃ یٰسین تہجد میں پڑھتے، اور بیس ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ، ہزار بار نفی و اثبات، حبس نفس، تلاوت کلام اللہ اور درود و وظیفہ (اس کے علاوہ تھا)۔

ایک بار سرہند کے حاکم[23] نے مویشی ناجائز طریقہ (غارت گری) سے حاصل کیے تو آپ نے اس وقت سے لے کر بیس سال تک گوشت وغیرہ ترک کیے رکھا۔

جب آپ دہلی تشریف لے جاتے تو راستے میں صرف اس آٹے کے سوا جو آپ کے لیے وجہ حلال تھا، کچھ تناول نہ فرماتے۔ آپ کا ہر فعل تابع عزیمت تھا' آپ کو کامل قبول حاصل ہوا اور خاص و عام کے مرجع بنے، آپ کا آستانہ اور خانقاہ اہل اللہ کا ماویٰ بن گئے۔ تقریباً دو سو علماء وصلحاء آپ کے حلقہ میں (ہر وقت) حاضر رہتے تھے۔

(۱۳) بہت سے طالبانِ حق کی جماعت، آپ کی توجہ سے مقاماتِ احمدیہ کی نہایات کو پہنچی اور بے شمار ارباب فنا و بقا آپ کی مبارک صحبت میں رہ کر استغراق و بے خودی، واردات ولایت اور تہذیب اخلاق پر فائز ہوئے۔

حدیث اور فقہ کے درس کے بعد قبلہ رو ہو کر مراقبہ میں بیٹھ جاتے تھے اور ہر ایک جو آپ کی خدمت میں پہنچتا ذکر اور انواعِ جمعیت اس کے باطن میں القاء کرتے' جمعہ کے روز ''طالبان'' کا اجتماع زیادہ ہوتا تھا جو کوئی بھی آپ کے سامنے آتا اس کا دل آپ کی توجہ معجہ سے ذاکر ہو جاتا کسی نے آپ سے پوچھا کہ یہ عوام ذکر قلبی کیا جانیں؟ یہ تو دل کی حرکت طبعی اور حرکت ذکر کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے تو آپ نے (اس کے جواب میں) فرمایا: یہ معاملہ خدا کے ساتھ ہے' معلوم کرنا کوئی بڑا کام نہیں وہ اپنی قبر میں اس ذکر کا اثر اور قدر خود ہی جان جائے گا کہ دل کے ذکر کے نور کی برکت سے ایمان سلامت رہتا ہے۔

طریقہ احمدیہ کے انوار آپ کے فیوض کی وجہ سے چمک اُٹھے اور اس خانداان کی نسبت شریفہ کو رواج ہوا۔ اس کے لیے عالم غیب میں آپ ''القاسم الخزائن اللہ'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ایک روز کا واقع ہے کہ آپ مسجد میں گئے۔ تو وہاں ایک شخص اپنے مریدوں کے مجمع میں بیٹھا تھا۔ اور لوگوں کو مرید بنا رہا تھا۔ لیکن اس کا باطن اللہ کے ساتھ نسبت کے نور سے جو بلند پایہ صوفیہ کا خاصہ ہے، خالی تھا۔ اور مشائخ کبار کے نزدیک فنائے قلب اور ولایت کی واردات اور تہذیب اخلاق کے بغیر مرید کرنا (مسند مشیخت سجانا) حرام ہے۔

آپ نے اس (شیخ) کے حال پر شفقت فرمائی دیر تک اس کے حال پر متوجہ رہے اور اسے مرتبہ ولایت قلبی پر پہنچا دیا' ہمارے حضرت (میرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ) سے جو کہ اس وقت حاضر خدمت تھے از روی الطاف اس کے احوال کی تصدیق چاہی تو حضرت نے عرض کیا کہ آپ کی توجہ سے اس کا دل ذاکر ہو گیا ہے اور اس کے لطیفہ کو نورانیت میسر آ گئی ہے' جس سے وہ اپنے اصل (طلب حق) کی طرف آتشین ہوا کہ طرح پرواز کر گیا ہے اور دل میں بہت زیادہ اضمحلال محسوس کیا ہے اور عالم امر کی سیر کی طرف متوجہ ہوا ہے اور تجلی افعالی [۲۴] کو پہنچ کر فنا حاصل کی اور طریقہ کی اجازت کی قابلیت پیدا کر لی ہے' آپ نے فرمایا: تمہارا مشاہدہ صحیح ہے' ہمیں بھی اس کے یہی احوال معلوم ہوئے ہیں۔

ایک روز قبرستان میں سے گزر ہوا۔ اسی وقت کھڑے کھڑے مراقبہ کر کے مردوں کے حال پر توجہ کی تو فرمایا کہ یہ بے چارے فیض کی درخواست کرتے ہیں اور آپ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی فقیر (مؤلف) نے اپنے مرشد قدس سرہ کی زبان مبارک سے خود سنا کہ میں بھی اس وقت حاضر خدمت تھا وہ لمحہ حقیقت محمدی ﷺ کا وقت تھا تمام قبرستان آپ کی توجہات سے انوار و برکات سے معمور ہو گیا۔

آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے پا پیادہ گئے تھے اور سرورِ کائنات ﷺ کے الطاف سے سرفراز ہوئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میرے سوز سینہ کی گرامی (۱۴) اور درد کو جو ازل سے انتہائی طلب تک کسی جگہ کم نہیں ہوتا حضرت نبی کریم ﷺ کی عنایات سے تسکین میسر آئی اور جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ وہاں (حرمین الشریفین میں) بہت سے طالبانِ حق نے آپ کی صحبت سے فیض حاصل کیا' ایک شخص نے مدینہ میں ریاضت، مجاہدہ، نوافل اور بہت زیادہ عبادات کیں اور جناب سرورِ عالم ﷺ نے مامور فرمایا، وہ شخص بھی آپ کی خدمت میں کسب فیض کے لیے آیا تو آپ نے اسے مجاہدات کرنے سے منع کیا اور میانہ روی سے عبادت کرنے کا حکم دیا چونکہ وہ ریاضت شاقہ کا خوگر ہو گیا تھا اس لیے اس نے آپ کے کہنے پر عمل نہ کیا تو خود آنحضرت ﷺ نے اسے آپ کی متابعت اور التزام صحبت کا حکم دیا پس وہ آپ کی خدمت میں استفادہ کے لیے آیا اور آپ کی حسن تربیت سے مقاماتِ عالیہ پر فائز ہوا۔

آپ کی (تاریخ) وفات ۱۸ رمضان المبارک ۱۱۶۰ ہجری [۲۵] ہے۔

(خلفائے حضرت شیخ محمد عابد)

آپ کے خلفاء بہت ہیں ان میں سے

خواجہ موسیٰ خان مخدوم اعظمی [۲۶] دہ بیدی [۲۷]: متورع و متقی، صاحب کشف مقامات وتصرفات تھے ولایت ماوراء النہر میں طالبانِ خدا کی ہدایت وارشاد میں یگانہ روزگار [۲۸] تھے' ان کے بارہ خلفاء تھیان میں سے ایک درویش سے انہوں نے پوچھا: کیا وجہ ہے؟ مجھے تمہارے باطن میں کدورت معلوم ہوتی ہے۔ کیا تُو نے مشتبہ لقمہ کھایا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ خانقاہ کے طعام کے علاوہ میں نے کوئی چیز نہیں کھائی؟ آخر اس نے اعتراف کیا کہ اس نے ایک امیر کے ہاں سے حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ کی نیاز کا کھانا کھایا ہے' اس کو آپ نے تنبیہ کی کہ میں نے تم سے نہیں کہہ رکھا کہ ہر کس و ناکس کا

کھانا نہ کھایا کرو۔

مرزا مظفر رحمۃ اللہ علیہ: تعمیر اوقات، قوت نسبت باطنی، وفور حالات اور ارادت میں بے نظیر تھے [۲۹] مجھے (مؤلف حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ) ان کے مستفیدوں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے' اس طریقے کے اصحاب کے لیے جو لوازمات ہیں وہ ان کے دلوں میں موجود ہیں۔

ان کے اصحاب میں سے ایک کو ان کی وفات کے بعد شدید قبض رونما ہوا اور دو سال تک وہ قبض، بسط (انبساط) میں تبدیل نہ ہوا آخر (وہ طالب) آپ کے مزار شریف کی زیارت کے لیے گیا جونہی اس کی نظر ان کے مزار پر پڑی اس کے احوال تازہ (انبساط نصیب ہوا) ہو گئے۔ اور اس کی نسبت بحال ہو گئی۔

محمد میر رحمۃ اللہ علیہ: علو نسبت باطنی، گم نامی، گوشہ نشینی اور ہدایت طالبان کے لیے ممتاز تھے' میں (مؤلف) نے ایک صالح کی زبانی سنا ہے کہ اس نے مجھ سے کہا کہ بیس افراد آپ کی صحبت میں مرتبہ ولایت میں فنا و بقا کے مقام کو پہنچے ہیں' ایک جن کو بھی آپ سے ارادت تھی' اس نے عرض کیا کہ آپ کا جس قدر خرچ ہوتا ہے بندہ اسے برداشت کرنے کے لیے تیار ہے' آپ نے قبول نہ کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناجائز مال لے آئے۔

شاہ عبدالحفیظ [۳۰] صوفی عبدالرحمٰن، میر بہادر، درویش محمد، محمد حسن اور دیگر اعزہ رحمۃ اللہ علیہم بھی (ان کی توجہ سے) مقاماتِ قربِ الٰہی میں ممتاز ہوئے [(۱۵)] اور انہوں نے طالبانِ حق کی ہدایت کا فرض ادا کیا' فقیر (مؤلف) نے ان میں سے بعض کی زیارت کی ہے' شیخ محمد میر رحمۃ اللہ علیہ کی دختر رحمۃ اللہ علیہا اپنے زمانے کی ولیہ تھیں' ان کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرب و عنایت کا مزید اختصاص حاصل تھا ان سے بڑے عجیب واقعات منقول ہیں' جو کوئی احوال کے بارے میں استفسار کرتا اسے جواب حاصل ہو جاتا وہ طالبوں کو موی شریف کے تبرکات دیتی تھیں۔

ایک بزرگ نے جنہیں نور ولایت و نبوت کا صحیح کشف اور وجدان صریح حاصل تھا مجھ (مؤلف) سے بیان کیا کہ اس صالحہ کا گھر انوارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مملو تھا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے انہیں فقر و بے سروسامانی بھی پیش ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

(فان) الفقر اسرع الی من یحبنی من السیل الی منتھاہ [۳۱]

(سیلاب جتنی تیزی سے اپنی انتہا تک جاتا ہے، فقر اس سے بھی زیادہ تیزی سے میرے محب تک پہنچتا ہے)۔

دو راہ فقر کی مشکلات کی تاب نہ لا سکیں اور افغانوں کے ملک میں جانا چاہا، آنحضرت ﷺ نے اسے منع فرمایا اور فقر و فاقہ پر صبر کرنے کا امر فرمایا کیوں کہ صبر اللہ تعالیٰ کے قرب و معیت کے حصول کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ حضرت نور محمد بدایونی نے اٹھارہ برس کی عمر میں حضرت اشرف الاتقیاء محمد شریف (ف ۱۱۲۴ھ) سے تحصیل و تکمیل علوم کی (محمد یعقوب ضیاء: اکمل التاریخ، حصہ اول، ص ۴۷ حاشیہ)۔

۲۔ حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی (ف ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء) سلسلہ مجددیہ کے جلیل القدر اصحاب میں سے تھے اورنگ زیب عالمگیر کی استدعا پر حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں عالمگیر کے پاس اصلاح احوال کے لیے متعین فرمایا تھا غایت درجہ پابند شرع تھے ''محتسب الامۃ'' خطاب تھا۔ آپ کے مکتوبات ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے چھاپ دیے تھے۔

۳۔ ظاہری علم میں بھی یگانہ وقت تھے، وفات ۱۱۴۷ھ میں ہوئی (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۶۶۴۔۶۶۵)۔ ان کا مدفن مزار حضرت شیخ عبدالحق کے مغربی چبوترہ پر اندرون احاطہ میں چار قبور میں سے ایک ان کی ہے (محمد عالم فریدی: مزارات اولیائے دہلی، ص ۹۴) اس وقت سید نور محمد بدایونی کا مزار سکندر پور (مضافاتِ دہلی) میں ہے، جس کی تعمیر نوشاہ ابوالخیر مجددی (ف ۱۹۲۳ء) نے ۱۹۱۳ء کو کروائی (مقاماتِ خیر ۲۱۳۔۲۱۶)

۴۔ دختری اولاد میں سے تھے۔ مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے واضح طور پر انہیں ''نواسہ شیخ عبدالحق'' لکھا ہے۔ (معمولات، ص ۱۸)۔

۵۔ حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور ذی علم خلیفہ میر عبدالباقی لکھتے ہیں: چنانچہ (حضرت مظہر) از حضرت سید نور محمد بداونی نقل می فرمودند کہ روزی نشستہ بودند خواستند کہ دست بر زمین بار کردہ برخیزند پرسیدند کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدام دست را بر زمین نہادہ برخاستہ اند چوں کتاب دیدند سنتہ بجا آوردند (مآل الکمال، قلمی ورق ۴۶ ب)۔

۶۔ حضرت نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اکثر متاخرین نے مقاماتِ مظہری سے نقل کرنے

پر اکتفا کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

رافت مجددی: جواہر علویہ، ص ۱۲۷۔۱۳۰۔

محمد مظہر: مناقب احمدیہ و مقاماتِ سعیدیہ، ص ۴۲۔۴۴۔

محمد یعقوب ضیاء: اکمل التاریخ ۱/۴۷ (حاشیہ)۔

عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۶/۳۹۵۔

صاحب مقامات مظہری نے حضرت سید نور محمد بدایونی کے یہ حالات و معارف زیادہ تر مولوی نعیم اللہ بہڑائچی کی تالیفات بشاراتِ مظہریہ اور معمولاتِ مظہریہ (ص ۱۵) سے اخذ کیے ہیں۔

۷۔ حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی (ف ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء) سلسلہ نقشبندیہ کے اعیان میں سے تھے۔ ان کے مکتوبات کا مجموعہ وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول کے نام سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا تھا۔ صاحب تذکرہ علمای ہند، (ص ۴۱۸) اور مؤلف حدائق الحنفیہ، (ص ۴۴۰) نے حضرت حاجی محمد افضل کے حالات خزینۃ الاصفیاء (۱/۶۶۴) سے نقل کرتے وقت اس فقرہ ''(حاجی محمد افضل) از......خلفای حجۃ اللہ نقشبند فرزند شیخ محمد معصوم:...... الخ۔ میں لفظ فرزند اور لقب حجۃ اللہ پر غور نہیں کیا۔ بلکہ مؤلفین مذکور خواجہ محمد معصوم حجۃ اللہ علیہ کا ہی لقب حجۃ اللہ سمجھتے ہیں اور حاجی محمد افضل کو حضرت خواجہ محمد معصوم کا فرزند لکھ دیا ہے، جو غلط ہے۔

۸۔ حضرت شیخ عبدالاحد شاہ گل متخلص بہ وحدت (متوفی ۱۱۲۶ھ) سلسلہ نقشبندیہ کے نامور شیخ طریقت، کثیر التصانیف عالم، نامور شاعر (صاحب دیوان) تھے۔ گلشن وحدت (مجموعہ مکتوبات، مطبوعہ)، لطائف المدینہ اور ان کی تقریباً بیالیس تالیفات کے حوالے ملتے ہیں۔

۹۔ شیخ سالم بن عبداللہ بن سالم بن محمد بدری بصری (ف ۱۱۶۰ھ) ان کی ایک تالیف ''الامداد فی علو الاسناد'' کا ذکر فہرس الخزانۃ التیموریہ (۳/۳۲) میں کیا گیا ہے' شاہ ولی اللہ، ان کے والد شیخ عبداللہ بن سالم کے شاگرد تھے (انفاس العارفین، ص ۱۹۷)۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو،

کحالہ: معجم المولفین ۴/۲۰۳۔

کتانی: فہرس الفہارس ۱/۳۳۵۔ شیخ سالم کے والد عبداللہ کا ذکر تاریخ محمدی ۴۳ میں ہے۔

۱۰۔ القرآن (انعام) ۶/۱۰۳۔

۱۱۔ حرمین الشریفین سے مراجعت کے بعد حاجی محمد افضل نے دہلی میں مدرسہ نواب غازی الدین خان میں بہ حیثیت مدرس قیام کیا (نزہۃ الخواطر ۶/۲۸۱)۔
علامہ کتانی نے حاجی محمد افضل کے حرمین جانے کا ذکر کیا ہے (فہرس الفہارس ۱/ ۳۳۵) حاجی محمد افضل کا مزار، روضہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے جوار میں ہے (مزارات اولیائے دہلی ۱۰۳)۔

۱۲۔ حضرت شاہ ولی اللہ خود لکھتے ہیں: ''اجازلی المشکوۃ المصابیح والصحیح البخاری وغیرہ من الصحاح الست الثبت الثقۃ الثبت حاجی محمد افضل عن الشیخ عبد الاحد عن ابیہ الشیخ محمد سعید عن جدہ الشیخ الطریقۃ الشیخ احمد السھرندی بسندہ الطویل'' ......الخ۔قول الجمیل (اردو ترجمہ مع متن)، مطبوعہ مطبع احمدی، ص ۱۲۶۔

۱۳۔ حضرت حاجی محمد افضل نے یقیناً ایک عظیم کتب خانہ بنایا تھا' اس کتب خانے کے باقاعدہ کتاب دار ہوتے تھے۔ مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے میر سید نعیم اللہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ حضرت حاجی صاحب کے کتب خانے کے متولی (ناظم) تھے ''متولی کتب خانہ حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹی شیخ الحدیث آنحضرت'' ...... (بشاراتِ مظہریہ، قلمی، ورق ۱۹۶ب)۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فصل احوال خلفای حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ (کتاب ہذا)۔

۱۴۔ مولوی محمد اعظم، حاجی صاحب کے عظیم خلفاء میں سے تھے' حضرت مظہر کے خلفاء میں سے کئی ایک پہلے انہی سے منسلک تھے جن کا ذکر کتاب حاضر فصل خلفای حضرت مظہر میں ملاحظہ کریں۔ حضرت حاجی محمد افضل کا وصال ۱۱۴۶ھ میں ہوا۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱/۶۶۴، نزہۃ الخواطر ۶/۲۸۱)۔

۱۵۔ حضرت محمد صدیق، حضرت خواجہ محمد معصوم کے چھٹے فرزند تھے۔ شاہ جہاں آباد میں مستقل قیام تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں انتقال ہوا۔ (ر۔ک۔ صفر احمد: مقاماتِ معصومیہ، قلمی۔ محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۲/۲۳۰)۔

۱۶۔ ہم عصر ماخذ روضۃ القیومیہ میں ہے ''ہزاروں آدمی آپ کے مرید ہوئے خصوصاً آج کل حافظ سعد اللہ مشہور وقت ہیں' بہت سے لوگ آپ کے حلقے میں صبح و شام ہوتے تھے'' (۲/۲۳۲)۔

۱۷۔ امیرالامراء غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ (۱۱۲۰ھ۔۱۱۶۵ھ/۱۷۰۸ء۔۱۷۵۲ء) خلف نواب آصف جاہ اوّل، محمد شاہ بادشاہ کے حضور میں اس کی نشوونما ہوئی' اعلیٰ علمی استعداد کا مالک تھا (ر۔ک مآثر الامراء ۱/۳۵۷۔۳۵۸۔ شجرہ آصفیہ، ص۴۱۔۴۲) مقامات مظہری میں لکھا ہے کہ خان فیروز جنگ حضرت سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا اور کسب فیض کے لیے ہر روز آپ کے حلقہ میں حاضر ہوتا تھا نیز حافظ سعد اللہ کی وفات (۱۱۵۳ھ) کے بعد اس نے حضرت شیخ محمد عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش کی تھی۔ (ر۔ک۔ص۳۳) فیروز جنگ حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ کا بہت عقیدت مند تھا' اس کی عقیدت مندی کے واقعات بشاراتِ مظہریہ (قلمی ورق ۱۹) میں بھی ملتے ہیں۔ اس کا لڑکا عماد الملک غازی الدین خان ہندوستان کی تاریخ میں مشہور شخصیت ہے۔ (ر۔ک مقدمہ کتاب ہذا)۔

۱۸۔ شیخ حسن بن ابی الحسن حسینی نارنولی ثم دہلوی معروف بہ ''رسول نما'' متوفی ۱۱۰۳ھ دہلی کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ طریقہ ملامتیہ سے تعلق تھا' تفصیل کے لیے دیکھیے: منتخب اللباب، جلد دوم، حصہ دوم، ص۵۵۲۔۵۵۳۔ مرقع دہلی، ص۹۔ نزہۃ الخواطر ۶/۶۳۔۶۴۔ منتخب اللباب میں ہے: ''دبعضی خادمان صادق العقیدت را بسعادت حاضر نمودن در مجلس حضرت سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مفتخر ساختہ بودند'' (جلد دوم، حصہ دوم، ص۵۵۳)۔
محمد ہاشم خوندوی: مناقب الحسن رسول نما۔ ترجمہ اردو از عمر بخش، لاہور، ۱۹۲۱ء
نجم الدین بن محمد ہاشم: فیوضات (تکملہ مناقب الحسن)۔ قلمی، مخزونہ ذخیرہ انجمن ترقی اردو، نیشنل میوزیم' کراچی۔

۱۹۔ حضرت حافظ سعد اللہ کا مدفن شاہ جہاں آباد بیرون دروازہ اجمیری (خزینۃ الاصفیاء ۱/۲۶۹) مدرسہ غازی الدین خان کے شمال ومغرب میں ایک تہ خانہ میں ہے (مزارات اولیائے دہلی، ص۱۲۲)۔ اس تہہ خانہ میں سوراخ پڑ گئے تھے' شاہ ابوالخیر مجددی نے اس کی مرمت کروائی اور اسے محفوظ کروایا (مقامات خیر ۲۱۶۔۲۱۷)

۲۰۔ شیخ صبغۃ اللہ کے مزید حالات ہمیں معلوم نہیں ہو سکے۔

۲۱۔ حضرت شیخ کا مولد قصبہ سنام ہے جو سرہند کے نواح میں ہے' مولوی محمد صالح کنجاہی نے لکھا

ہے: ''سنام بضم سین مہملہ وتشدید نون قصبہ ایست از توابع سہرند'' (سلسلۃ الاولیاء، قلمی، ورق ۸۳ حاشیہ)۔

۲۲۔ ملاحظہ ہو کتاب حاضر ''فصل نمبر ۶ حالات شیخ محمد افضل سیالکوٹی'' کا حاشیہ۔

۲۳۔ حضرت محمد عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سرہند میں تین حاکموں کے نام ملتے ہیں: وزیر خان، فیروز خان میواتی (۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء) اور علی محمد خان روہیلہ (چکلہ دار سرہند ۱۱۵۱۔۱۱۶۱ھ/ ۱۷۳۹ء۔۱۷۴۸ء) مآثر الامراء ۲/۸۶۲۔۸۳۹، علم وعمل ۱/۱۹۰۔۱۹۲)

Sirhind through the Ages, Patiala, 1972, pp, 81-83.

ہمارا قیاس ہے کہ اس واقعہ کا تعلق فیروز خان میواتی کے دور سے ہے۔

۲۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ضمیمہ چہارم، کتاب ہذا۔

۲۵۔ حضرت شیخ محمد عابد سنامی کا مزار روبروئے مبارک باغ قریب آزاد پور منارہ لب سڑک کھیتوں میں ہے (مزارات اولیائے دہلی، ۱۴۴) ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں یہ مزار معدوم ہو چکا تھا جب کہ مولانا عبدالحی حسنی وہاں گئے تھے (دہلی اور اس کے اطراف، ص ۷۶)۔

۲۶۔ خواجہ موسیٰ خان، شیخ احمد بن سید جلال الدین ملقب بہ مخدوم اعظم خواجگی کاسانی ثم دہ بیدی (متوفی ۹۴۹ھ) کی اولاد سے تھے، اس لیے مخدوم اعظمی کہلائے۔ مخدوم اعظم، خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ کے خلیفہ تھے اور ماوراء النہر کے معروف ترین خلفاء میں سے تھے (ر۔ک۔ جامع المقامات، قلمی)۔

۲۷۔ دہ بید، سمرقند سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر مشہور قصبہ ہے (سمریہ، مطبوعہ تہران، ص ۱۱۳)۔

۲۸۔ مولوی نعیم اللہ بہڑائچی لکھتے ہیں کہ خواجہ موسیٰ اپنے جد بزرگوار (مخدوم اعظم) کے مزار (قصبہ دہ بید) پر سجادہ نشین تھے' ہزاروں لوگ ان کے فیض سے صاحب نسبت ہوئے' ان میں سے چند ایک خلیفہ بھی تھے، (بشاراتِ مظہریہ، قلمی، ورق ۶۴ ب)۔ حضرت مظہر کے بعض خلفاء پہلے انہی سے منسلک تھے۔ جن کی تفصیل کے لیے کتاب حاضر کا باب خلفاء ملاحظہ کریں۔ حضرت مظہر کا ایک مکتوب بھی ان کے نام ہے جو مرزا مقصود دہ بیدی نے تراجم علماء المشائخ الاحراریہ (قلمی، مخزونہ کتب خانہ عارف حکمت مدینہ منورہ) میں نقل کیا ہے (مکاتیب میرزا مظہر مرتبہ عبدالرزاق

قریشی، ص۲۱۲)۔ ۱۹۸۶ء میں ہمیں قندھار (افغانستان) میں خواجہ موسیٰ خان کی ایک تصنیف نوادر المعارف کا خطی نسخہ جناب حاجی عبدالغنی قندھاری تاجر کتب کے ہاں دیکھنے کا موقع ملا' یہ کتاب سات فصول پر مشتمل اور علوم سلوک و طریقت کے موضوع پر ہے' اس میں انہوں نے اپنے والد بزرگوار کا نام خواجہ عیسیٰ دہ بیدی لکھا ہے اور حضرت شیخ محمد عابد سنامی کے بعض اقوال بھی نقل کیے ہیں' اس کے علاوہ کثیر الفوائد اور زبدۃ الحقائق شیخ موسیٰ کے دو اہم رسائل کے خطی نسخے جناب خلیل الرحمٰن داؤدی (لاہور) کے پاس ہیں۔ ابوطاہر سمرقندی نے خواجہ موسیٰ خان کے ایک خلیفہ صدیق کے مزار (واقع سمرقند) کا ذکر کیا ہے (سمریہ، ص۱۱۴)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ موسیٰ خان دہ بیدی کی اولاد میں سے کچھ افراد متوسلین حضرت مظہر سے فیض حاصل کرنے کے لیے ہندوستان آ گئے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:

کرم خان پسر موسیٰ خان نزد غلام (مولوی ثناء اللہ سنبھلی خلیفہ حضرت مظہر) داخل طریق شدہ و ذکر لطائف خوب نمودہ قدم بوس می رساند...... (لوائح خانقاہ مظہریہ ۳۷/۸۵)

۲۹۔ حضرت مظہر، خواجہ موسیٰ خان کو لکھتے ہیں: ہمارے پیر بھائیوں میں سے اس وقت ہندوستان میں سوائے مرزا مظفر کے جو ارشاد و تلقین میں مشغول ہیں، کوئی زندہ نہیں رہا (مجموعہ قریشی ۱۴۷/۲۱۳)۔

۳۰۔ شاہ عبدالحفیظ نے اپنے مرشد کی وفات کے بعد حضرت مظہر سے استفادہ کیا تھا اور توجہات لی تھیں' ملاحظہ ہو کتاب ہذا (فصل کشف و کرامات حضرت مظہر)۔

۳۱۔ سنن ترمذی بہ تحقیق ابراہیم عطوہ عوض، مصر، ۵۷۶/۴، باب زہد ۳۶ نمبر ۲۳۵۰۔

حضرت شیخ محمد عابد سنامی نے حضرت مجدد کے مکتوبات میں سے چالیس مکتوبات کا انتخاب کیا تھا' جس پر مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے عربی میں دیباچہ لکھا تھا۔ اس کے کئی خطی نسخے ہماری نظر سے گزرے ہیں، چہل مکتوبات کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور میں بھی ہے' شیخ سنامی کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

(۱) رسالہ در حالات شیخ محمد عابد سنامی (قلمی)۔

(۲) نعیم اللہ بہڑائچی: معمولات مظہریہ اور بشارات مظہریہ۔

(۳) رافت: جواہر علویہ، ص ۱۰۸۔۱۰۹۔

(۴) غلام سرور لاہوری: حدیقۃ الاولیاء، ص ۱۳۰۔۱۳۱۔

(۵) غلام علی دہلوی: ملفوظات شریفہ۔

☆☆☆☆☆

چوتھی فصل

نسب شریف اور ولادت باسعادت
حضرت میرزا مظہر

مظہر انوار الٰہی آثار حضور و آ گاہی قیم طریقہ احمدیہ، محی سنن نبویہ، فرید العصر شمس الدین حبیب اللہ حضرت میرزا جان جاناں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ علوی[1] سادات میں سے ہیں۔ آپ کا نسب[2] شریف اٹھائیس واسطوں سے بتوسط محمد بن حنفیہ، حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباء کرام عظیم امراء میں سے تھے[3] اور سلاطین تیموریہ سے قرابت رکھتے تھے[4] اوصافِ حمیدہ اور پسندیدہ خصائل کے مالک تھے' مروت، عدالت، شجاعت، سخاوت اور کمال دین داری کی وجہ سے معروف تھے' آپ کے اجداد میں سے امیر عبدالسبحان[5] جو کہ دو واسطوں سے اکبر بادشاہ کے نواسے[6] تھے' ظاہری جاہ وشوکت کے باوجود طریقہ چشتیہ میں ان کے احوال خوب تھے' سحر خیز تھے اور ان کی آنکھیں محبت الٰہی کی وجہ سے شک ریز رہتی تھیں' لوگوں کو مرید کرتے تھے اور ان کے تمام متوسلین ذاکر اور تہجد گزار تھے۔

آپ کی دادی صاحبہ، اسد خان وزیر کی دختر[8] تھیں جو اوصافِ کاملہ میں بے نظیر تھیں اور آپ (کے دادا) کی صحبت کی وجہ سے مذہب اہل سنت و جماعت اختیار کر لیا تھا اور انہیں وارداتِ الٰہیہ کا اتنا بڑا حصہ ملا تھا کہ وہ جمادات کی تسبیح سنا کرتی تھیں اور محبت خداوندی کے ذوق وشوق میں اپنے شوہر کی مثل سرشار تھیں' علم ظاہری سے بھی بہرہ ور تھیں اور مثنوی حضرت مولوی روم کا درس دیا کرتی تھیں۔ رحمۃ اللہ علیہا[7]

حضرت میرزا مظہر کے والد

حضرت کے والد ماجد مرزا جان نے جاہ، دولت اور شاہی منصب [8] ترک کر کے فقر و قناعت کی سلطنت اختیار کر لی تھی اور اپنے اسباب جاہ و حشم راہ مولیٰ میں فقراء میں تقسیم کر دیئے' صرف پچیس ہزار روپے اپنی لڑکی کی شادی کے لیے رکھ لیے لیکن جب انہوں نے سنا کہ ان کے دوستوں میں سے کسی کو رقم کی اشد ضرورت ہے تو وہ تمام رقم اس کو دے دی کمالاتِ انسانی اور اخلاقِ رحمانی میں یگانہ روزگار تھے وفا و حیا اور شکر و صبر آپ کے اوصافِ حمیدہ تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے اپنے گھر میں کدو کی بیل لگائی تو ایک کنیز نے کہا کہ آپ تو توکل کے مدعی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ کدو کی بیل بھی لگائی ہے۔ کیا دل میں یہ خیال تو نہیں ہے کہ فاقہ کے وقت اس کے پتے و جڑیں کھالیں گے؟ ایسا کرنے سے آپ نے اسباب پر اعتماد کیا ہے۔

آپ نے اس (لونڈی) کے قول کو تعلیم الٰہی جانتے ہوئے بیل کو جڑ سے اکھاڑ دیا گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کر لی اور یادِ خدا ہی کو دونوں جہانوں کا شرف سمجھتے ہوئے حضرت شاہ عبدالرحمٰن قادری [9] سے طریقہ قادریہ حاصل کیا' جو اپنے قوی جذبات اور تصرفاتِ جلی کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے اور ان کی صحبت کی برکت سے حالاتِ علیہ پر فائز ہوئے تھے اور اپنے اوقات کو ذکر و اطاعت و تلاوت سے معمور کیا' ایک بار ان کے پیر نے آم کھائے جو کھٹے تھے' اس لیے انہوں نے اسے زمین پر تھوک دیا۔ اس کا شیرہ آپ نے راسخ عقیدت سے اپنی نزاکت و مرزائیت کو ترک کرتے ہوئے اپنی زبان سے مٹی ملا ہوا شیرہ زمین سے اُٹھا کر منہ میں ڈال لیا اس عمل خاکساری کی برکت سے ان پر خوب کیفیت طاری ہوئی' رحمۃ اللہ علیہما [10]

حضرت میرزا مظہر کی ولادت باسعادت ۱۱ رمضان المبارک کو ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ ہجری میں [11] بوقت فجر بروز جمعہ ہوئی جبکہ آفتاب عالم تاب نے نمودار ہو کر دنیا کو منور کیا:

ع ''طلوع شمس الملۃ والدین'' [12] اور ''تولد صاحب شرع'' [13]

آپ کی تاریخ ولادت (کے مادے ہیں) ہے۔ آپ کی ولادت [14] کا زائچہ، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زائچہ مبارک سے صرف دو جگہ مختلف ہے' باقی مطابق زائچہ شریفہ ہے، اس لیے رشد و ہدایت کے آثار آپ کی پیشانی سے عیاں تھے اور فہم و ذکاء کے انوار آپ کی جبین مبین سے درخشندہ تھے۔

اربابِ فراست آپ کی علو فطرت کا مشاہدہ کر کے کہتے تھے آپ اہل کمال کے سردار ہوں گے اور عقل مندوں پر سبقت لے جائیں گے۔

آپ کے والد ماجد نے آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام [15] کیا اور کم سنی کے باوجود آپ کو تقسیم اوقات کی تاکید کرتے تھے کہ وقت عزیز اور عمر شریف کا کوئی بدل نہیں ہے، اسے بے جا خرچ نہیں کرنا چاہیے۔

آپ کو آداب بادشاہی، فنون سپاہ گری اور ہنروری کے صنائع بھی [17] سکھائے گئے [16] (آپ کے والد) فرماتے تھے: اگر تم امیر ہوئے تو اربابِ ہنر کی قدر کرنا اور اگر جیسا کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ تم فقر و ترک کی زندگی اختیار کرو تو تمہیں اہل پیشہ و ہنر کی ضرورت نہیں ہوگی' اس لیے آپ نے ہر ہنر میں مہارت پیدا کی' ہر پیشہ کے ہنرور آپ سے اپنے ہنر کی داد لیتے۔ جو (فن کار) بھی آپ سے ملتا وہ اپنے فن کا آپ کو استاد تسلیم کرتا۔

مجھے ایک ثقہ شخص کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ پچاس طرز کی تقطیع سے واقف تھے' آپ فرماتے تھے کہ ہم نے اسلحہ کے فن کو مرتبہ کمال تک پہنچایا تھا کہ اگر بیس آدمی تلواروں سے ہم پر حملہ کریں اور ہمارے ہاتھ میں صرف ایک لکڑی کا عصا ہو تو ان میں سے ایک بھی ہمیں زخمی نہیں کر سکتا۔

فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نماز مغرب سے فراغت کے بعد بادلوں کی تاریکی میں ایک شخص نے ہم پر خنجر سے حملہ کیا' جب بجلی چمکی تو اس کی روشنی میں ہم نے اس کے ہاتھ سے خنجر چھین کر پھر اس کے ہاتھ میں تھما دیا' اس نے ہم پر پھر حملہ کیا' ہم نے پھر خنجر چھین کر اسے دے دیا اس طرح اس نے سات مرتبہ کیا' آخر ہمارے پاؤں پر سر رکھ کر معذرت کی۔

ایک دفعہ ایک مست ہاتھی ہمارے راستے میں آ گیا اور ہم گھوڑے پر سوار دوسری طرف سے آ رہے تھے' فیل بان نے فریاد کی کہ اس سے دور رہیں، کنارہ کشی اختیار کریں، ہمارا دل نہ مانا کہ ایک بے جگر حیوان سے مقابلہ نہ کریں' ہاتھی نے غضب ناک ہو کر ہمیں اپنی سونڈ میں لپیٹ لیا' ہم نے میان سے خنجر نکالا اور اس کی سونڈ پر وار کیا۔ وہ چیخا اور ہمیں دور پھینک دیا اور ہم فضل الٰہی سے سلامت رہے۔

ایک بار جہاد [17] باشرائط ہوا جب جنگ کی نوبت تیر و نیزہ تک پہنچی تو سردار [18] کو جو کہ ہمارے قریب کے ہاتھی پر سوار تھا، گمان گزرا کہ ہم خوف زدہ ہیں' اسی وقت ہم نے ایک غزل موزوں کی جسے

سن کر وہ بہت متعجب ہوا۔

ہم ابھی نو سال کے ہی تھے کہ ہم نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا انہوں نے ہمارے حال پر بڑی عنایت فرمائی اور ان ایام میں جب کبھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آتا تو حضرت کی صورت مبارک ہمارے سامنے ہوتی ہم نے اپنی ظاہری آنکھوں سے حضرت کو بارہا دیکھا ہے اور ہمارے حال پر بہت التفات فرماتے تھے۔

ایک روز ایک شخص نے ہمارے والد کے حضور میں ذکر کیا کہ قدیم صوفیہ وحدت الوجود کے قائل ہیں، لیکن مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خلاف وحدت الشہود کو ترجیح دی ہے۔ ان مذاکرات کے دوران ہم نے دیکھا کہ خورشید کی مانند نور ظاہر ہوا ہے اور اس نور میں سے حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظہور ہوا مجھے یہاں (مجلس) سے اُٹھ جانے کا ارشاد فرمایا ہم نے یہ واقعہ اپنے والد سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ممکن ہے تمہیں حضرت مجدد کے طریقہ سے فائدہ ہو' آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غایت درجہ معتدل بنایا تھا اور اتباعِ سنت ہماری طینت میں ودیعت کی گئی ہے۔

ہم ابھی کم سن تھے کہ اپنے والد کے ہمراہ [(۱۸)] حضرت شاہ [۱۹] عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے گئے جو کہ ہمارے والد کے پیر تھے۔ ان سے تاثیرات و کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ لیکن نماز میں تساہل سے کام لیتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہمارے دل میں ان سے نفرت پیدا ہو گئی۔ کیونکہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا تارک قابل اقتداء نہیں ہے۔ مجھے خدشہ تھا کہ میرے والد کہیں مجھے ان سے بیعت ہونے کے لیے نہ کہیں۔

ایک دن ہم نے والد سے پوچھا کہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن نماز میں تساہل کیوں کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ ان پر سکر غالب ہے۔ اس لیے معذور ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اداءِ نماز کے وقت تو ان پر سکر غالب آ جاتا ہے۔ اور اُمور دیگر کے معاملے میں ان پر صحو کا غلبہ ہوتا ہے۔ آپ نے جھنجھلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں فہم و ذکاء اس لیے دیا ہے کہ تم ہمارے پیر پر اعتراض کرو؟ البتہ اس گفتگو سے ہماری ان سے بیعت کا اندیشہ دور ہو گیا۔

آپ فرماتے تھے کہ شور عشق و محبت میری طینت کا خمیر ہے اور آغاز سے ہی میرا میلان طبع مظاہر جمیلہ کی طرف تھا' مجھے یاد ہے کہ میں ابھی چھ ماہ کا بچہ تھا تو آیا کی گود سے ایک حسین عورت نے مجھے اُٹھا

لیا' اس کے جلوہ جمال سے میں بے خود ہو گیا اور اس کے ساتھ وابستگی ہو گئی اور اس کے دیدار کے بغیر بے قرار رہنے لگا' اس کے فراق میں میں روتا تھا میں پانچ سال کا تھا کہ میری عاشقی کا شہرہ ہو گیا اور عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ اس بچے نے عاشقانہ مزاج پایا ہے [۲۰]

آپ فرماتے تھے کہ میری محبت کا جذبہ اس قدر رسا تھا کہ معشوقوں کی جسمانی بیماریوں کا ظہور میرے جسم میں ہو جاتا تھا۔ ایک بار ایک جوان [۲۱] جو میرا منظورِ نظر تھا، اسے بخار ہوا تو مجھے بھی بخار ہو گیا' اس نے دوا کھائی تو اس دواء کا اثر مجھ پر بھی ہوا۔

آپ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ نیم چاندنی رات تھی ہمارے گھر کا دروازہ بند تھا کہ ناگہاں وہ جوان آیا اس نے یاسمین کے پھول چنے اور میرے سر پر رکھ کر غائب ہو گیا وہ پھول صبح تک میری چارپائی پر پڑے رہے۔

آپ فرماتے تھے کہ جس نے اپنے چشم و روعشق کی خاکسارانہ زمین پر نہیں ملے وہ شوق سجدہ کی لذت سے محروم رہا کیوں کہ حدیث کے مطابق، سجدہ کرنے والا اللہ کے قدم پر ہوتا ہے۔

بعض تجلیاتِ الٰہیہ دلربائی چشم اور بعض کمند کے حلقوں کی طرح ہوتی ہیں' تجلیات کا ذوق اور تاثیر جلوہ عارض و خال، وجدان محبت رسا کے مطابق حاصل کیا جاتا ہے۔

خواجہ حافظ شیرازی، شیخ فخر الدین عراقی اور شیخ اوحد (الدین) کرمانی رحمۃ اللہ علیہم نے اپنے اشعار میں اصطلاحات وضع کر کے تجلیات کی طرف اشارہ کیا ہے' یہ صحیح ہے کہ جہاں کہیں بھی کوئی دلربا حسن وعشق کی بے تابی میں مصروف ہے، وہ دراصل معشوق حقیقی کے جذبہ جمال کا پرتو ہے۔

(یہ اشعار) آپ کے دیوان میں پائے جاتے ہیں:

جلوہ مفت است اگر دیدہ بینای ہست
این [۲۲] جہاں آئینہ آئینہ سیمای ست
مہر و مہ ارض و سما آئینہ شکل اند ہمہ
(۱۹) میتواں یافت کہ در پردہ خود آرای ہست [۲۳]

اسی سلسلے میں عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

برون زد خیمہ ز اقلیم تقدس
تجلی کرد بر آفاق و انفس
ازان لمعی فروغی بر گل افتاد
ز گل شوری بجان بلبل افتاد
رخ خود شمع زان آتش را فروخت
بہر کاشانہ صد پروانہ را سوخت[۲۴]

عشق مجازی دلوں کی گرمی اور بجھی ہوئی آتش الٰہی ہے بشرطیکہ دونوں کے درمیان ملاقات نہ ہو تاکہ وصال کا پانی دل کی حرارت کو سرد نہ کر دے، اسی لیے کہ گیا ہے کہ جس میں شور انگیز عشق نہیں اس پر طریقہ حرام ہے، آپ فرماتے تھے کہ **الحسن ما حسنه الشرع والقبيح ما قبحه الشرع** یعنی خوبی اسی میں ہے جسے شرع میں اچھا سمجھا جائے اور بُرائی اسی میں ہے جسے شرع بُرا قرار دے اگرچہ پرہیزگاری اور عبادت میں نور و صفا ہے لیکن طریق محبت وسوز و گداز کی وجہ اذواق سے پُر ہے، حدیث شریف میں ہے کہ مغیث نامی ایک شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی لونڈی بریرہ پر عاشق ہو گیا تھا اور جب کبھی بریرہ بازار جاتی، مغیث اس کے پیچھے ہو لیتا، زار و قطار روتا اور آہیں بھرتا، اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی حضرت رحمۃ للعالمین ﷺ کو اس پر رحم آیا۔ اس کی بریرہ سے سفارش کی کہ تُو اس سے نکاح کر لے[۲۵] لونڈی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اگر اس باب میں وحی نازل ہوئی ہے تو مجھے قبول ہے ورنہ مجھے اختیار ہے کہ میں اس کی شکل بھی نہ دیکھوں، عرصہ دراز کے بعد مغیث دردِ عشق میں ہی مر گیا۔

پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: جس نے عشق کیا، اسے پوشیدہ رکھا اور عفت کی زندگی گزاری اور (اسی حالت میں) مر گیا تو اس نے شہادت کی موت پائی، اس حدیث کو دارمی[۲۶] نے روایت کیا ہے۔

(حدیث) **من عشق و کتم و عف و مات مات شهيدًا**[۲۷]

تاثرات محبت کے نوادر بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ایک عاشق آتش ہجر سے بے تاب ہو کر دریا میں کود پڑا اس کی معشوقہ کو اپنے عاشق کی موت کی خبر ملی تو وہ بھی ماتم کرتے ہوئے دریا میں کود پڑی، شدید جستجو کے بعد دونوں کو اتحاد جذب محبت میں ہم آغوش پایا گیا:

بسیار دیدہ ام کہ یکی را دو کرد تیغ
شمشیر عشق بین کہ دو کس را یکی کند [۲۸]

آپ فرماتے تھے: ایک عاشق رقابت کی تاب نہ لا سکا اور دیوانگی کی حالت میں اپنے معشوق کو زخمی کرنا چاہا کسی نے کہا کہ اس کا کیا قصور ہے؟ یہ تو تیرے دل کا قصور ہے (یہ سن کر) اس نے اپنا سینہ چاک کیا اور دل نکال کر خنجر سے اس پر اتنے زخم لگائے کہ دل پارہ پارہ ہو گیا۔

آپ فرماتے تھے کہ ایک عاشق نے اپنے معشوق کو مجلس اغیار میں جانے سے منع کیا لیکن غرور حسن سے اس نے اس کی پروا نہ کی اور جہاں وہ جانا چاہتا تھا چلا گیا بے چارہ عاشق دیر تک مارے غیرت و غم گریبان میں سر ڈالے رہا آتش غیرت سے اس کا ناتواں جسم جل گیا' جب اسے دیکھا گیا تو مردہ پایا' معشوق کو اس واقعہ کی خبر ملی تو اس نے بھی حسرت و ندامت سے گریبان میں منہ ڈال اپنے عاشق کے تتبع میں جان دے دی' دونوں کو ایک دوسرے کے قریب دفن [۲۰] کر دیا گیا:

دو زخم سوزد اگر جنت ہوس باشد مرا
یک وجب جا از سر کوی تو بس باشد مرا [۲۹]

آپ فرماتے تھے: ایک مور ایک حسین عورت پر عاشق ہو گیا' رقص کرتے ہوئے اس کے گرد چکر لگاتا تھا' لوگ ملامت کرتے تھے کہ یہ عورت جانوروں کی معشوق ہے' عورت کو لوگوں کے طعنوں سے غیرت آئی' اس نے مور کو بلایا وہ رقص کرتا ہوا عورت کے پاس پہنچا' عورت نے کہا کہ اپنی آنکھ میرے قریب کرو، مور نے جو کہ عورت کا جانباز عاشق تھا، اپنی آنکھ عورت کی طرف کر دی' اس نے گرم سلاخ اس کی آنکھ میں پھیر دی' اسی طرح اس نے دوسری آنکھ کے لیے کہا تو عاشق بے تاب نے وہ آنکھ بھی عورت کی طرف کر دی' بے رحم عورت نے دوسری آنکھ میں بھی گرم سلاخ پھیر دی' مور دیر تک اس کے سامنے زمین پر تڑپتا رہا اور اپنی جان معشوقہ پر نثار کر دی' عورت بھی اس ستم ظریفی کی حسرت سے چند روز کے بعد مر گئی۔

فرماتے تھے: ایک بے رحم جوان نے فاختہ کے جوڑے میں سے ایک کو شکار کر لیا' دوسری فاختہ درد تنہائی کی تاب نہ لا سکی اور اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہا اور تنکے لا کر جمع کیے اور شکار شدہ کے پر بھی فراہم کیے اور اپنی چونچ میں انگارے لا کر اس پر ڈال دیے، تھوڑی دیر کے بعد آگ جلنے لگی اور اس نے خود کو

اس میں جلا ڈالا اور کہا:

مرا چون خلیل آتشی در دل است
که پندارم این شعله برمن گل است [۳۰]

فرماتے تھے کہ موسم بہار میں ایک پھول بلبل کے پنجرے میں لٹکا دیا گیا بلبل نے اپنا منہ برگ گل پر رکھ کر نالہ ہای موزوں کا آغاز کر دیا' زمانہ دراز تک وہ فریاد کرتا رہا پھر ناگہانی طور پر خاموش ہو گیا، دیکھا تو اسے مردہ پایا گیا:

عجب از مردہ نباشد بدر خیمۂ دوست
عجب از زندہ کہ چون جان بدر آورد سلیم [۳۱]

راقم فقیر (شاہ غلام علی) کہتا ہے کہ میں نے بھی راہ محبت کے بہت سے ایسے سبک رو دیکھے ہیں کہ مذکورات محبت میں محبت کی بھٹی کا شعلہ روشن کیا ہے اور جان دے دی ہے اور کونین سے قطع تعلق کر کے مشاہدہ محبوب میں استغراق حاصل کیا ہے:

اللّٰھم احینی فی حبك وامتنی فی حبك واحشرنی فی حبك .

(یعنی) خداوند کریم مجھے اپنی محبت میں زندہ رکھ، اپنی محبت میں مار اور میرا حشر بھی اپنی محبت میں کر۔

آپ فرماتے تھے کہ میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا قدم میرے لیے مبارک ثابت ہوا (یعنی ولادت حضرت میرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ) کہ جس سال تم پیدا ہوئے، اسی سال ہم نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی اور فقر و قناعت کی دولت کو اپنایا' پس ان (والد ماجد) کی صحبت سے ہماری طبیعت میں ترک و تجرید سے رغبت پیدا ہوئی اور فقر کو دولت مندی پر ترجیح دی' آپ فرماتے تھے کہ ہم سولہ سال کے تھے کہ شفقت پدری سے محروم ہو گئے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ اپنے اوقات کار کی تقسیم اس قسم کی رکھنا جس سے کسب کمال ہو سکے اور اپنی عمر فضول اشغال میں صرف نہ کرنا' والد کے متعلق سمجھیں کہ وہ زندہ ہے، باپ کی زندگی کا مقصد ہنر و کمال حاصل کرنے کی تربیت کرنا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ والد کی وصیت کے احترام میں میں نے اپنے اوقات حصولِ علم و عمل اور صحبت احباب میں تقسیم کر لیے [۲۱] اور عمرو زندگانی سے بہرہ اندوز ہوا۔

فرماتے ہیں کہ والد کے انتقال کے بعد خیر خواہان دنیا نے مجھے موروثی شاہی منصب کا حصول باور کروایا ہم بادشاہ فرخ سیر کی ملازمت کرنے کے لیے (اس کے پاس) گئے اتفاق سے بادشاہ کو اس وقت زکام کا عارضہ ہو گیا اور وہ دربار میں نہ آیا اسی شب ہم نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ اپنے مزار سے باہر آئے اور اپنا کلاہ میرے سر پر باندھ دیا ہمارا خیال ہے کہ وہ بزرگ حضرت خواجہ قطب الدین [۴۲] قدس سرہ ہی تھے۔ پس ہمارا دل منصب اور جاہ کے حصول سے بے زار ہو گیا اور درویشوں کی زیارت کا شوق غالب آ گیا' جہاں کہیں کسی صاحب کمال کا نام سنتا زیارت کے لیے وہاں پہنچ جاتا۔

ایک مرتبہ میں شیخ کلیم اللہ چشتی [۴۳] رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مشائخ وقت میں سے تھے، کی زیارت کے لیے گیا' آپ حدیث کا درس دے رہے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ رات کے وقت جنات میں سے ایک دیو نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کیا' آپ نے دعائے حضرت سلیمان علیہ السلام پڑھے بغیر اسے پکڑنے کا ارادہ فرمایا' اس سے میرے دل میں آیا کہ دیکھیں کہ شیخ اس حدیث کی کیا تاویل فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیخ کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ کسی دوسرے کے مرید پر اس کے پیر کی اجازت کے بغیر تصرف نہ کرے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں شاہ مظفر قادری کی زیارت کے لیے گیا تو (اس وقت) کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا اس زمانہ میں ابدال و اوتاد موجود ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ زمانہ دوستان خدا سے خالی نہیں ہوتا جس کسی کو ابدال کی زیارت کا شوق ہو وہ اس جوان (حضرت میرزا مظہر جان جاناں) کو دیکھ لے' یہ وہ زمانہ تھا جب کہ میں نے ابھی تک طریقہ اختیار نہیں کیا تھا لیکن شیخ نے اپنے نور فراست سے میرے حق میں یہ بات فرمائی تھی۔

فرماتے ہیں کہ میں نے شاہ غلام محمد موحد کی زیارت بھی کی ہے ان کی خانقاہ صبر و قناعت و زہد و توکل کے اعتبار سے حضرت جنید (بغدادی) رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے مثل تھی۔

فرماتے ہیں کہ میں میر ہاشم جالیسری کی زیارت کے لیے بھی گیا' وہ فرماتے تھے کہ میرے پیر نے پانچ ہزار مرتبہ قرآن پاک ختم کیا تھا' میر ہاشم کو الہام ہوا کہ تمہاری موت کا وقت قریب ہے اور تمہارا مدفن خطہ کشمیر ہے۔ وہ طی ارض کے بعد کشمیر گئے تو وہاں ان کا انتقال ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

اسی طرح آپ کو بہت سے بزرگوں کی صحبت میسر آئی ہے جنہوں نے آپ پر نظر عنایت کی۔

حواشی

ا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ اولاد جو غیر فاطمی ہو علوی (سادات علویہ) کہلاتی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

شرافت نوشاہی: تاریخ عباسی، قلمی۔ ایضاً، انوار السیادت فی آثار السعادت، قلمی۔ ایضاً: سیادت علویہ، قلمی، مملوکہ سید شرافت نوشاہی، لاہور۔ مصحفی نے عقد ثریا میں کسی غلط فہمی کی بنا پر حضرت مظہر کے تعلق سیادت علویہ کی تردید کی ہے (عقد ثریا، ص ۹۸)۔

۲۔ حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ کا نسب بتوسط حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت امیر المؤمنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح ہے: آپ کے والد میرزا جان بن میرزا عبدالسبحان بن میرزا محمد امان بن شاہ بابا سلطان بن بابا خان بن امیر غلام محمد بن امیر محمد بن خواجہ رستم شاہ بن امیر کمال الدین جوانمرد (جن کا نسب انیس واسطوں سے محمد بن حنفیہ کے توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے) نعیم اللہ بہڑائچی: معمولات مظہریہ، ص ۱۱، خود حضرت مظہر کا قول ہے:

> "نسب این خاکسار بہ بیست و ہشت واسطہ بتوسط محمد بن حنفیہ بن شیر بیشہ کبریا علی مرتضٰی علیہ التحیۃ می رسد" (کلمات طیبات مکتوبات حضرت مظہر مکتوب اوّل، ص ۱۲)۔

۳۔ حضرت مظہر خود لکھتے ہیں:

> فقیر کے اجداد میں سے ایک بزرگ امیر کمال الدین آٹھویں صدی ہجری میں کسی تقریب سے (ترکِ وطن کر کے) طائف سے ترکستان آئے تھے' انہوں نے اس علاقہ کے حاکم کی لڑکی سے جو قبیلہ الوس قاقشالاں کا سردار تھا شادی کر لی' حاکم کی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے حکومت کا تعلق ان (امیر کمال الدین) کی اولاد سے ہو گیا (مکتوب اوّل، مقاماتِ مظہری)۔

۴۔ جب ہمایوں نے شاہ ایران کی مدد سے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لی تو اس خاندان کے دو افراد امیر بابا خان اور مجنوں خان کو ہمراہ لایا۔(ایضاً) ہمایوں اور اکبر کے عہد میں معزز عہدوں پر فائز رہے۔لیکن بابا خان نے عہد اکبری میں بغاوت کی تھی جس کی پاداش میں اس خاندان پر اعلیٰ مناصب کے دروازے بند کر دیے گئے' تفصیل کے لیے دیکھیے: ضمیمہ دوم کتاب ہذا۔

۵۔ نعیم اللہ بہڑا ایچی: معمولات مظہریہ، ص ۱۴۔

۶۔ صبیہ اکبر بادشاہ حضرت میرزا محمد امان را کہ جد کلاں حضرت ایشان اند وصلت دست دادہ بود باین راہ جد بزرگوار (امیر عبدالسبحان) ایشان نواسۂ خاندان تیمور صاحب قراں اند (معمولات، ص ۱۴۔۱۵)۔

۷۔ مولانا نعیم اللہ بہڑا ایچی نے انہیں اسد خان وزیر کی خالہ زاد بہن لکھا ہے" ہمشیر خالہ زار اسد خان وزیر بودند" (معمولاتِ مظہریہ، ص ۱۴)۔

۸۔ گارساں دتاسی نے لکھا ہے کہ عہدہ قضا پر فائز تھے۔ تاریخ ادبیات ہندوستان۔ ج ۲/ ۲۹۷ (فرانسیسی) (بحوالہ عبدالرزاق قریشی: میرزا مظہر اور ان کا کلام، ص ۴۳)۔ اورنگ زیب کے دربار سے متوسل تھے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ کسی بات پر اورنگ زیب سے ناراض ہو کر اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے تھے (گلشن بے خار، لکھنو، ص ۱۸۳) لیکن اس بیان کی تصدیق دوسرے مآخذ سے نہیں ہوتی' اس سلسلے میں صاحب بشارات مظہریہ کا بیان ہے کہ جن دنوں اورنگ زیب تسخیر دکن میں مصروف تھا، صوبہ دار ارکاٹ نے بغاوت کی، چونکہ میرزا جان کے صوبہ دار سے اچھے تعلقات تھے اس لیے بادشاہ نے صلح کے لئے انہیں روانہ کیا' انہوں نے اسے بادشاہ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا' صوبہ دار نے بہت سے تحائف اورنگزیب کے لیے بھیجے جو انہوں نے اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کر دیے بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہا: بولو کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنے منصب میں ترقی چاہتا ہوں' بادشاہ کو غصہ آ گیا، کہا: تمہیں اپنے اجداد کی نمک حرامی یاد نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نمک حرامی اور جانفشانی دونوں یاد ہیں' انہی لوگوں کی جانفشانی کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان کا تخت آپ کے تصرف میں ہے' بادشاہ نے کہا کہ خلد مکانی نے مجھے چند وصیتیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ تمہارے خاندان کے کسی

فرد کو اعلیٰ منصب نہ دیا جائے' چنانچہ مرزا جان نے کہا کہ میں بھی اس خدمت سے دست بردار ہوتا ہوں' چنانچہ انہوں نے استعفا دے دیا اور اکبر آباد آ کر گوشہ نشین ہو گئے (نعیم اللہ بہڑائچی: بشارات مظہریہ، قلمی ورق ۱۸۔ا، بحوالہ عبدالرزاق قریشی: بشارات مظہریہ، تعارفی مقالہ مشمولہ معارف، مئی ۱۹۶۸ء، ص ۳۳۴۔۳۳۵)۔

اس بیان میں دو تاریخی غلطیاں ہیں ایک تو اورنگ زیب کے زمانے میں ارکاٹ صوبہ نہیں تھا اس لیے صوبہ دار ارکاٹ کی بغاوت بے بنیاد ہے ممکن ہے کسی اور صوبہ دار نے بغاوت کی ہو اور نام غلط کتابت ہو گیا ہو' دوسرے خلد مکاں خود اورنگ زیب کو کہتے ہیں لیکن اس سے شیفتہ کے بیان کی ضرور تائید ہو جاتی ہے، تاہم یہ بیان پھر بھی تاریخی سند کے محتاج ہے۔ (ایضاً، ص ۳۳۵)۔

خود حضرت مظہر کا بیان ہے:

پدرم بہ جرم خان مذکور (بابا خان) کہ در عہد اکبر مصدر بغی شدہ بود بہ عار کم منصبی گرفتار بود (مکاتیب حضرت مظہر۔ مکتوب اوّل کلمات طیبات، ص ۱۲)۔

حضرت مظہر کے ایک اور معتبر خلیفہ میر عبدالباقی نے لکھا ہے کہ آپ کے والد کو اورنگ زیب نے '''منصب نہصدی'' دیا تھا' روزی از مقالات والد بزرگوار خود کہ میرزا جان نام داشتند و خلد مکان بہ منصب نہصدی بایشان رعایت کردہ نقل می فرمودند'' (مآل الکمال، قلمی، ورق ۵۴۔ا)۔

۹۔ حضرت حاجی عبدالرحمٰن دہلوی، قادری سلسلہ کی مشہور شاخ نوشاہی (بانی سلسلہ حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش مدفون ساہن پال گجرات ف ۱۰۶۴ھ) سے تعلق رکھتے تھے اس لیے قادری نوشاہی تھے' حضرت پیر محمد سچیار نوشہروی (ف ۱۱۱۹ھ، ۱۷۰۷ء) سے بیعت تھے کچھ عرصہ شاہ نقا سلیمان سوہدروی کی خدمت میں گزارا (صداقت، محمد ماہ: ثواقب المناقب، قلمی، مملوکہ مولانا شرافت نوشاہی، ص ۱۹۶)۔ اپنے شیخ کی وفات ۱۱۲۰ھ/ ۱۷۰۸ء کے بعد شاہ عبدالرحمٰن دہلی چلے گئے' پھر حج کیا (ایضاً، ص ۲۰۲۔ ایک سال تک احمد آباد میں مقیم رہے (ایضاً، ص ۲۰۲) دہلی میں کوچہ خاندوران میں سکونت تھی' مراۃ الغفوریہ میں ہے: حاجی عبدالرحمٰن در دارالسلطنت شاہ جہان آباد در کوچہ خاندوران خواص بادشاہ (سکونت دارد) ورق ۱۰۶ ب۔ امام بخش لاہوری: مرأۃ

الغفوریہ، روٹوگراف مملوکہ سید شرافت نوشاہی۔ حاجی شاہ عبدالرحمٰن نے اپنے مرید علامہ محمد ماہ صداقت کنجاہی کو رسالہ الاعجاز کے پراگندہ اوراق کو مرتب کرنے کا حکم دیا چنانچہ صداقت نے ثواقب المناقب کے نام سے ایک کتاب مرتب کر دی (دیباچہ ثواقب المناقب) حاجی عبدالرحمٰن کی ایک تصنیف مثنوی گنج راز (فارسی) بھی ہے جسے غلام احمد بریاں نے ۱۳۱۳ھ میں مرتب کر کے شائع کیا تھا' حاجی عبدالرحمٰن کے ایک فرزند میاں عبداللہ تھے (شریف التواریخ، جلد سوم، حصہ دوم، ص ۲۳۸)۔ میرزا جان کے علاوہ شیخ عبدالکریم دہلوی اور علامہ محمد ماہ صداقت کنجاہی (مصنف ثواقب المناقب) بھی حاجی عبدالرحمٰن کے خلفاء میں سے تھے' حاجی صاحب، ثواب المناقب کی تصنیف ۱۱۲۷ھ کے وقت بقید حیات تھے (ر۔ک۔ شرافت نوشاہی: شریف التواریخ، جلد سوم، حصہ سوم، ص ۲۳۳۔۲۴۰، قلمی، مملوکہ سید شرافت نوشاہی)۔

۱۰۔ حضرت مظہر کے والد مرزا جان کا انتقال ۱۱۳۰ھ میں ہوا۔ خود لکھتے ہیں:

در سال ہزار وصد وسی ہجری انتقال ازین عالم فرمودہ (کلمات طیبات، مکتوب اوّل، ص ۱۳)۔

وہ متعدد علوم کے ماہر تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ مرزا محمد زاہد (استاذ شاہ عبدالرحیم والد ماجد شاہ ولی اللہ) کہا کرتے تھے کہ:

تقریر میرزا جان، جان من است'' (مناظر احسن گیلانی: تذکرہ شاہ ولی اللہ، ص ۱۸۴)۔

میرزا جان کو شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ جان تخلص کرتے تھے' ان کا کلام تذکروں میں نہیں ملتا' ان کے صرف دو شعر حضرت مظہر کی بیاض خریطہ جواہر میں درج ہیں:

نی صبر و نی قرار و نی امید وصل یار
چوں من کسی بکام دل روزگار نیست
چون شد دل خدنگ تو تا از تو درد مند
آن نیز رفتہ رفتہ بہ پہلوئی ما نشست

میرزا جان خوبان روزگار میں سے تھے' ان کے عہد کے اکثر امراء و سلاطین ان کے عادات و اطوار کو سند و حجت مانتے تھے' عالمگیر کے لشکر میں صرف چند اشخاص ہی اس مرتبہ کے تھے اور مرزا

جان ان سب کے مقتداء تھے، کشتی و تیراندازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، فن کشتی میں ان کے بے شمار شاگرد تھے (نعیم اللہ بہرائچی، بشاراتِ مظہریہ، قلمی، بحوالہ عبدالرزاق قریشی: بشاراتِ مظہریہ، مقالہ مشمولہ معارف ۱۹۶۸ء، ص ۳۳۳) مرزا جان کے تین لطائف معمولاتِ مظہریہ، (ص ۱۱-۱۴) میں محفوظ ہیں۔

۱۱۔ حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے سال ولادت میں اختلاف ہے، مولانا نعیم اللہ اور حضرت شاہ غلام علی نے ۱۱۱۱ھ اور ۱۱۱۳ھ دونوں سنین دیے ہیں، مولانا نعیم اللہ ۱۱۱۱ھ کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولادت با سعادت آن...... یعنی حضرت ایشان...... در سنہ ہزار وصد و یازدہ ہجریست و بقولی سیزدہ چنانکہ حضرت ایشان در مکتوبی نوشتہ اند اما روایت اولیٰ مطابق حساب عقود رشتہ سالگرہ و موافق قول حضرت ایشان ست کہ در عنوان عالی شان دیوان خود بیان فرمودہ کہ امروز کہ ہزار وصد و ہفتاد ہجریست و مدت عمر بشصت رسیدہ صحیح می نماید"

(معمولات مظہریہ، ص ۵-۶)

خود حضرت مظہر نے تین مواقع پر اپنا سال ولادت مختلف بیان فرمایا:

(۱) آزاد بلگرامی کو ان کی تصنیف سرو آزاد کے لیے جب اپنے حالات بھیجے تو لکھا:
"در عشرہ اولی مایہ ثانیہ بعد الف ولادتش اتفاق افتاد" (سرو آزاد، ص ۲۳۱)۔ اس کے مطابق سنہ ولادت ۱۱۱۰ھ سے پہلے ہونا چاہیے۔

(۲) اپنے فارسی دیوان کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت ۱۱۷۰ھ ہے اور میری عمر ساٹھ سال ہے، اس بیان سے سال ولادت ۱۱۱۰ھ یا ۱۱۱۱ھ قرار پائے گا۔

(۳) اپنے ایک مرید کی استدعا پر اپنے حالات اس کو لکھ کر بھیجے اس میں لکھا کہ میری ولادت ۱۱۱۳ھ میں ہوئی (مکتوب اول کتاب ہذا) اسی مکتوب میں اپنے والد کا سال وفات ۱۱۳۰ھ اور اس وفات کے وقت اپنی عمر سولہ سال بتائی ہے، تمام تذکرے ان کی اس عمر کے بارے میں متفق ہیں، اس لیے ان بیانات کی روشنی میں آپ کا سال ولادت ۱۱۱۳ھ قرار پائے گا (عبدالرزاق: میرزا مظہر، ص ۴۵-۴۶)۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ "مرزا مظہر جان جاناں" میں مختلف شواہد کی بنا پر آپ کا سال ولادت

۱۱۱۰ھ ثابت کیا ہے (خلیق انجم: مرزا مظہر کے خطوط حاشیہ، ص ۱۳)۔ لیکن ۱۱۱۱ھ کو آپ کے مریدین نے ترجیح دی ہے اس لیے اسی کو معتبر سمجھنا چاہیے۔

۱۲۔ ''طلوع شمس الملۃ والدین'' کے اعداد جمع کرنے سے ۱۱۱۷ھ برآمد ہوتا ہے' اس میں سے ''و'' کے ۶ عدد خارج کر دیے جائیں تو آپ کا سال ولادت ۱۱۱۱ھ بن جاتا ہے جو دوسرے مادے سے مطابقت رکھتا ہے۔

۱۳۔ ''تولد صاحب شرع'' کے اعداد ۱۱۱۱ھ ہوتے ہیں۔

۱۴۔ حضرت مظہر کے والد آگرہ کی طرف جا رہے تھے کہ موضع کالاباغ (حدود مالوہ) میں حضرت مظہر کی ولادت ہوئی (معمولات، ص ۶)۔

۱۵۔ جب آپ سن تمیز کو پہنچے تو آپ کے والد نے آپ کی تعلیم کا خود ذمہ لیا اور علوم عربیہ کی تحصیل کے لیے ایک فاضل کو مقرر کیا' یہی وجہ ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہم نے ''عربی اور کمالات درویشی'' کے ابتدائی علوم والد سے سیکھے (بشارات، ورق ۸۔ا) اور سن تمیز تک آپ آگرہ ہی میں رہے' اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے' بقول مولوی نعیم اللہ۔

نشو و نمای آنحضرت تا سن تمیز در مستقر الخلافۃ اکبر آباد است و صرف برگزیدہ عمر در دارالخلافۃ شہ جہان آباد...... الخ (بشارات، ورق ۱۱۔ب)۔

ہم عصر تذکرہ نویسوں نے بھی حضرت مظہر کے تبحر علم کا ذکر کیا ہے مثلاً گردیزی کا بیان ہے:

''انہیں علم فقہ و حدیث میں حظ وافر اور کتب سیر و تاریخ میں بہرہ کامل حاصل تھا'' (تذکرہ ریختہ گویاں اور تذکرہ مسرت افزاء وغیرہ)۔

''مرزا صاحب کی تعلیم عالمانہ نہ تھی مگر علم حدیث باصول پڑھا تھا'' (آبِ حیات، ص ۱۴۰)۔ (عبدالرزاق قریشی: مرزا مظہر اور ان کا اُردو کلام ص ۵۱)۔

۱۶۔ حضرتؒ مظہر خود فرماتے ہیں کہ: ''ہم نے 'فنون بانک و پٹہ' کے استعمال میں چودہ سال صرف کر کے مہارت تامہ حاصل کی تھی'':

فقیر چہاردہ سال در استعمال و اکتساب فنون بانک و پٹہ صرف کردہ مہارت تمام حاصل نمودہ'' (بشارات ۶۔ب)۔

۱۷۔ اس جہاد کی تفصیلات ہمیں معلوم نہیں ہیں۔

۱۸۔ اس سردار کا نام شیخ سرفراز علی خان پوربی تھا۔ مولوی نعیم اللہ لکھتے ہیں:

یک بار بہ نیت جہاد بر لشکر کفار رفتہ بودند در عین معرکہ درانجا غزلی گفتند کہ شیخ سرفراز علی خان پوربی کہ امیر لشکر اسلام بودند بسیار آنرا پسندیدند و بر شجاعت ایشان تحسین کردند (بشارات، ورق ۷۔ب)۔

۱۹۔ شاہ عبدالرحمٰن دہلوی کے حالات سابقہ حواشی میں ملاحظہ کریں۔

۲۰۔ حضرت مظہر کی حسن دوستی کو شعراء کے تذکرہ نگاروں نے عشقیہ داستانیں بنا کر پیش کیا ہے۔ مثلاً مرزا اشرف علی خان نے تذکرۃ الشعراء میں حضرت مظہر کو ایک بازاری عورت کے ساتھ بیت بازی کرتے دکھایا ہے، بندرابن خوشگو نے آپ کو ''عشق نوجواناں'' میں گرفتار بتایا ہے یہ تو آپ کے معاصرین کا حال ہے، متاخرین نے اس حسن پسندی کو حسن پرستی بنا ڈالا لیکن مصنفین یہ بھول جاتے ہیں کہ حضرت مظہر کی زندگی کے مختلف ادوار تھے، آپ کا عین شباب تھا کہ آپ نے:

فقیر در ہنگام جوانی بہ تحریک شورِ عشقی کہ نمک خمیرش بود نالہ ہای موزوں می کرد۔ (دیباچہ دیوان مظہر)۔

لیکن جب ہنگام جوانی ختم ہو گیا تو ''تحریک شور عشقی'' سرد پڑ گئی۔ سلوک کی منزلیں طے ہونے لگیں۔ (عبدالرزاق قریشی: میرزا مظہر اور ان کا اردو کلام، ص ۷۰۔۷۱)۔

۲۱۔ تذکرہ نویسوں کی ان غلط فہمیوں کا ہم نے کتاب حاضر کے مقدمہ میں ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲۲۔ دیوان حضرت مظہر، طبع اوّل مطبع مصطفائی، کانپور ۱۲۷۱ھ، ص ۳۰۔ دوسرے مصرعے میں این کے بجائے کین ہے۔ لیکن مقامات مظہری کے دونوں مطبوعہ نسخوں میں یہاں ''این'' ہی ہے۔

۲۳۔ مظہر: دیوان مظہر مع خریطۂ جواہر، مطبوعہ مصطفائی، کانپور ۱۲۷۱ھ، ص ۳۰۔ (ترجمہ:) اور تو دیکھنے والی آنکھ رکھتا ہے تو یہاں جلوہ مفت ہے اس جہاں کا ماتھا آئینہ ہے مثلاً مہر و ماہ، ارض و سماء آئینہ کی مانند ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پردہ خود آرائی کے پردے میں ہے۔

۲۴۔ (ترجمہ:) اس نے تقدس کی اقلیم سے باہر خیمہ لگایا اور دنیا میں اپنا جلوہ ظاہر کر دیا' اس کی چمک سے پھول روشن ہوا' پھول سے بلبل میں شور پیدا ہوا (فریاد کرنا)۔ شمع نے اس آگ سے اپنا چہرہ روشن کیا اور ہر گھر میں سیکڑوں پروانے جلا ڈالے۔

۲۵۔ یعنی آزاد ہونے کے بعد نکاح ترمذی شریف میں ہے۔ حضرت بریرہ، حضرت مغیث کے نکاح میں تھیں' جب انہیں آزاد کیا گیا تو انہیں اختیار دے دیا گیا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہیں یا علیحدگی اختیار کریں، اس دوران حضرت مغیث رویا کرتے تھے اور کوشش کرتے کہ بریدہ ان کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن وہ نہ مانیں۔ (ترمذی، باب ما جاء فی الامۃ تعتق ولہا زوج، طبع سعید اینڈ کمپنی، کراچی، ۱/ ۲۱۹، سیر اعلام النبلاء ۲/ ۲۹۷)۔

۲۶۔ مسند دارمی کے مطبوعہ اور مروجہ نسخوں میں یہ حدیث نہیں مل سکی۔

۲۷۔ البتہ حافظ سیوطی نے جامع الصغیر ۲/ ۱۶۰ اور مناوی نے حاشیہ جامع الصغیر ۲/ ۱۷۳ میں اسے اس طرح نقل کیا ہے: **من عشق فکتم وعف فمات فھو شھید** (بحوالہ تعلیقات صوفی نامہ نوشتہ غلام حسین یوسفی، تہران ۱۳۴۷خ، ص ۳۸۷)۔ نیز قطب الدین عبادی نے التصفیہ فی احوال المتصوفہ (صوفی نامہ)، ص ۳۰۹ میں اسے نقل کیا ہے جو متن مقاماتِ مظہری کے عین مطابق ہے۔ نیز ملاحظہ ہو:

عبدالرحمٰن شیبانی: تمییز الطیب من الخبیث، مصر ۱۳۴۷ھ، ص ۱۳۵۔

علی قاری، ملا: موضوعات، ص ۲۷۔

۲۸۔ یہ تو بہت دیکھا ہے کہ تلوار ایک کے دو ٹکڑے کرتی ہے لیکن دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ عشق کی تلوار دو کو ایک کر دیتی ہے۔

۲۹۔ اگر جنت کی خواہش ہو تو دوزخ کی آگ مجھے جلا دے، میرے لیے تو آپ کے کوچہ کی نکڑ پر ایک بالشت جگہ ہی کافی ہے۔

۳۰۔ حضرت خلیل علیہ السلام کی طرحِ میرے دل میں بھی آگ فروزاں ہے اور میں اس شعلے کو پھول سمجھتا ہوں۔

۳۱۔ یار کے دروازے پر کسی لاش کا ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے' پر انوکھی بات یہ ہے کہ کوئی زندہ

سلیم کی طرح جان دے دے۔

۳۲۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (سال وصال ۱۴ ربیع الاوّل ۶۳۳ھ)۔

۳۳۔ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی متوفی ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء۔
تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۶۶۔۴۲۶۔

☆☆☆☆☆

پانچویں فصل

آپ کا حضرت نور محمد بداؤنی سے استفادہ

آپ فرماتے ہیں کہ میری عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ ایک شخص نے حضرت سید قدس سرہ (نور محمد بداؤنی) کے کمالات کا ذکر میرے سامنے کیا' حضرت کے اوصاف سنتے ہی دل ان کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مشتاق ہو گیا پس آنحضرت کے دیدار معرفت بار کا شرف حاصل کیا' انہیں بزرگ پایا، متشرع، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنن مبارکہ کا متبع اور خدای سبحانہ کے اخلاق کا پیکر پایا' آپ کی صحبت کے انوار مبارک دل کے لیے صفا بخش اور جان کے لیے راحت افزا تھے (۲۲) یقین کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ شاہد مقصود اسی جگہ ہے اور مردہ دل کو اطمینان ہوا کہ شہود حق یہیں جلوہ فرما ہے، کس لیے آئے ہو؟ حضرت نے پوچھا، عرض کیا استفادے کے لیے اگرچہ استخارہ کے بغیر تلقین طریقہ آپ کی عادت کے خلاف تھا لیکن فضل الٰہی سے بندہ کے حال پر بلا توقف توجہ فرمائی' جس سے میرے لطائف خمسہ اسم ذات کا ذکر کرنے لگے' یہ آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کی پہلی توجہ سے لطائف خمسہ ذکر الٰہی سے جاری ہو جاتے ہیں اور سالک تجلی صفاتی کا مورد ہو جاتا ہے' آپ کی توجہ کی تاثیر سے باطن میں اس قسم کا رنگ آیا کہ آئینہ میں اپنی صورت آپ کی ہیئت شریف کی مثل پاتا تھا' جس سے محبت بڑھ گئی اور آپ سے عقیدت راسخ ہو گئی۔

آپ فرماتے تھے کہ حضرت مستفیدوں کے حال پر بہت التفات فرماتے تھے اور ان کی لغزشوں پر انہیں متنبہ کرتے تھے چنانچہ ایک روز میری نگاہ ایک نامحرم پر جا پڑی جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا کہ مجھے تم سے زنا کی ظلمت آ رہی ہے' شاید تمہاری نگاہ کسی نامحرم پر پڑ گئی ہے' اسی وقت میں نے توجہ کی تو اس بے جا نظر کی ظلمت کا اپنے باطن میں معائنہ کیا۔

ایک روز سرراہ میری ایک شرابی سے ملاقات ہو گئی تو حضرت نے فرمایا کہ آج تیرے باطن میں

مجھے ظلمت شراب نظر آ رہی ہے' شاید تم نے شراب پی لی ہے' جب انہوں نے میرے حال پر توجہ کی تو شراب کی کدورت مجھ میں عیاں تھی' فرمایا کہ فاسقوں سے ملاقات نور باطن مکدر کر دیتی ہے' معاذ اللہ گناہ کے مرتکب کی کیا حالت ہوگی۔

اسی طرح (اپنے) اصحاب کے اعمال کے انوار کے ظہور کا مشاہدہ ان کے باطن میں کرتے تھے اگر میں کلمہ طیبہ کا ورد کر کے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ آج تو نے کلمہ طیبہ کا ورد کیا ہے اور اسی طرح اگر درود پڑھ کر جاتا تو فرماتے کہ آج تم سے انوار درود ظاہر ہو رہے ہیں۔

ایک روز فرمایا کہ درود پڑھتے وقت اس کا شمار بھی ملحوظ رکھنا چاہیے، بندہ نے عرض کیا کہ اعداد کیسے معلوم ہو سکتے ہیں؟ تو فرمایا کہ انوار سو پتیوں والے پھول کی مثل جدا جدا نظر آتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت کے حکم سے اصل السوس (ملیٹھی) کوٹ رہا تھا فرمایا کہ کیا باریک ہو گئی ہے؟ عرض کیا کہ البتہ تو حضرت نے اپنے دست مبارک سے اسے مسل کر فرمایا کہ ابھی باریک نہیں ہوئی ہے تحقیق کر کے گفتگو کرنی چاہیے تاکہ اس طرح جھوٹ کی عادت نہ پڑ جائے۔

آپ فرماتے تھے کہ آنحضرت کی صحبت کی برکت سے بہت تھوڑی مدت میں طریقہ باطن کے حالات و کیفیات حاصل ہو گئے' متواتر جذبات حاصل کرنے سے دل غیر کی محبت سے پاک ہو گیا اور حضرت حق سبحانہ کی محبت (دل میں) گھر کر گئی اور کسی کی محبت دل میں نہ رہی' شوق کی بے تابی سے نیند، کھانا اور آرام جاتا رہا' سر و پا سے برہنہ ویرانوں میں گشت کرتا پھرا' بھوک کی شدت سے درختوں کے تھوڑے سے پتے کھالیتا' اپنا زیادہ وقت (۲۳) مراقبہ میں گزارتا' نگرانی و انتظار میں دل حقیقت الحقائق کی طرف متوجہ رہتا' حضور اور احسان لطیفہ قلب کے موافق حاصل ہوا اور ان تعبد اللہ کانک تراہ[1] یعنی تو اپنے رب کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تُو اسے دیکھ رہا ہے، کا مرتبہ (میرے) وصف حال ہوا اور محویت، فنا و بقا اور وصل اور مقصود کی یافت جو کہ صاحب دل حضرات میں متعارف ہے حاصل ہوئی دل سے خطرات جاتے رہے اور اسرار توحید منکشف ہو گئے۔ تمام نباتات و جمادات محبوب کی صورت میں نظر آنے لگے' کبھی وحدت، کثرت میں مشہود ہوتی اور کبھی غیریت کا وہم خیال سے مٹ جاتا اور فوری طور پر گریہ جاری ہو جاتا اور دل میں آہ و نالہائی بے تابی بڑھ جاتے اور گریہ یا خوف الٰہی اور ممنوع اُمور کے ارتکاب سے ندامت آتی یا ذکر جہر کے سوز و گداز سے رقت دل میں اضافہ ہو جاتا' اصحاب و

جد و حال کی کیفیات کے انعکاس سے آنسو جاری ہو جاتے یا مقام جذبہ کی حرارت و بے تابی سے گریہ حاصل ہوتا:

بلبلی برگ گلی خوش رنگ در منقار داشت
و اندراں برگ و نوا خوش نالہای زار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست
گفت ما را جلوۂ معشوق در این کار داشت [۲]

وہ وصل جو لطیفہ قلب کو اپنے اصل سے ہوتا ہے وہ شوق کی بے تابیوں کا مقتضی ہوتا ہے جو ''جمال شاہداں'' استماع نغمات اور نالہ ہای ذوق'' کا باعث ہوتا ہے اور کچھ عرصہ اسی ذوق و شوق میں گزرا، سکر و مستی نے ماسوا (کے تصور سے) بے خبر کر دیا۔ یہاں تک کہ لطیفہ قلب کی ''سلطنت'' انجام کو پہنچی اور لطیفہ دماغی سے سابقہ پڑا' آتش شوق ٹھنڈی پڑ گئی' آہ و نالہ کی مجال بھی نہ رہی' سکوت (اطمینان) اور بے ذوقی پیدا ہوئی تو میں نے اپنے حال کی شکایت حضرت سید سے کی تو انہوں نے بڑے تاسف سے فرمایا: اب وہ کیفیتیں کہاں؟ یہی بے مزگی مبارک ہو' اس مقام میں دیگر حالات پر فائز ہوا چنانچہ لطیفہ قلب کو جذبات، نگرانی اور انتظار خود بخود میسر آ گئے' لطائف اربعہ اور لطیفہ نفس بھی حاصل ہو گئے اور فنای نفس، تہذیب اخلاق، استہلاک، اضمحلال، زوال عین، اثر اور ثنای انا حاصل ہوئے' صفات و کمالات کو اصل سے منسوب پا کر اپنے کو عدم محض میں مشاہدہ کیا اور اس مقام کے علوم و معارف حاصل ہوئے' نسبت کے انوار نے وسیع ہو کر بدن کا احاطہ کر لیا' جو خطرات لطیفہ دماغ سے قلب پر گرتے تھے وہ بھی زائل ہو گئے' حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر لطیفہ کی تسلیک جدا جدا فرمایا کرتے تھے پھر حضرت مجدد نے لطیفہ قلب کی تسلیک و تہذیب کے بعد لطیفہ نفس مقرر فرمایا ہے' ان دونوں لطائف کے ضمن میں لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفی نور و صفائی اپنے اصل سے فنا و بقا حاصل کرتے ہیں [۳]

آپ فرماتے تھے [(۲۴)] کہ ہم نے حضرت سید قدس سرہ سے چار سال تک استفادہ کیا' ہمیں اجازت تعلیم طریقہ اور تبرک خرقہ شریفہ عنایت فرمایا اور عقیدہ اہل سنت و جماعت، سنت کے مطابق عمل اور بدعت سے اجتناب کرنے کی وصیت کی۔

آپ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ گلشن [۴] خلیفہ حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہما نے مجھ سے پوچھا

تمہارے شیخ نے تمہیں کس مقام کی بشارت دی تھی اور سیر و سلوک باطن میں انہوں نے تمہیں کہاں تک پہنچایا تھا' اس پر آنحضرت میرے بارے میں جو کچھ فرمایا کرتے تھے اور حالات و واردات مقام کا ادراک میں نے کیا تھا وہ بیان کر دیا تو حضرت شاہ گلشن کو تعجب ہوا اور انکار کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے پیر تو بڑے بلند دعوے کرتے ہیں لیکن یہ نسبت تو مشہور مقابر میں بھی نہیں پائی جاتی تو میں نے اس کی شکایت حضرت سید سے کی، کہ حضرت شاہ گلشن تو آپ کا انکار کرتے ہیں (یہ سن کر) آپ نے فرمایا: تم وہاں کیوں گئے؟ ان کا علم خدا کا علم تو نہیں جو ہر چیز کو محیط ہے یا میں کوئی پیغمبر تو نہیں ہوں کہ میرا انکار کفر کا موجب بن جائے اور میں نے ولایت کا دعویٰ بھی نہیں کیا کہ اس انکار سے فسق لازم آئے اس طرح شاہ گلشن سے میری ملاقات تو ترک ہوگئی کیوں کہ (مشائخ کا قول ہے) جو تیرے پیر کے بارے میں بُرا خیال کرے اور تُو اسے اچھا سمجھے تو تجھ سے کتا بہتر ہے۔

ایک سال کے بعد شاہ گلشن سے ملاقات کا اتفاق ہوا انہوں نے فرمایا کہ تم مجھ سے ناراض ہو؟ کیوں کہ میں نے تمہارے پیر کا انکار کیا تھا' میں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پیر کا کمال ہم پر ظاہر کر دیا ہے کہ ایک روز میں بازار میں بیٹھا تھا ایک پالکی سوار وہاں آیا۔ (اس کے آنے سے) تو تمام بازار منور ہوگیا' کسی نے کہا: یہ تو مرزا جان جاناں کے پیر ہیں' میں ان کا تعاقب کرتا ہوا ان کے گھر کے اندر چلا گیا تو ان کے گھر کو خانۂ خدا کی مثل انوار و صفا سے لبریز پایا، دیواروں اور زمین سے کیفیاتِ الٰہیہ موجزن تھیں کہ میں نے اکثر قبور کو بھی اس حال میں نہیں دیکھا تھا۔

میں نے حضرت سید کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: آج شاہ گلشن نے آپ کی بہت تعریف کی ہے جیسا کہ انکار درویشان سے ان پر اثر نہیں ہوا تھا، اسی طرح کلمہ مدح اور اقرار بھی آپ کے لیے خوشی کا باعث نہ بنا کیوں کہ آپ کا نفس قدسی عوام کی مدح اور سوءظن سے پاک تھا' رضا و تسلیم آپکی خوبی تھی۔

آپ فرماتے تھے کہ حضرت سید قدس سرہ کی وفات کے بعد میں نے آپ کے مزار مقدس سے اقتباس انوار کا طریقہ اختیار کیا اور چھ سال تک زیارت مزار کے لیے جاتا رہا' آپ کی توجہ سے باطنی ترقی ہوئی' سلوک باطن، سیر صفات، شیونات اور اصول سے گزر کر معاملہ "تجلیات اسم ہوالباطن" تک پہنچ گیا اور نمایاں تغیرات، احوال عجیبہ نسبت باطن میں مشاہدہ کرنے لگا۔

چنانچہ علی کثیری[۵] خلیفہ حضرت محمد صدیق[۶] رحمۃ اللہ علیہما میرے بارے میں فرماتے تھے کہ حضرت سید کے مزار کی ملازمت سے تمہاری نسبت میں نیا رنگ (رونقِ دیگر) آیا ہے اور ترقی ہوئی ہے' میں نے کہا: میں بھی اپنے حالات میں ترقی محسوس کرتا ہوں۔

آپ فرماتے تھے کہ حضرت سید نے خواب[۲۵] میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کے کمالات بے انتہا ہیں اس لیے اپنی عمر طلب حق میں صرف کرنی چاہیے قبر سے استفادہ کرنے کی اجازت نہیں ہے کسی زندہ بزرگ کی خدمت میں جا کر مقاماتِ قرب حاصل کرنے چاہئیں چنانچہ اس سلسلے میں آپ کا حکم متعدد مرتبہ صادر ہوا' اس لیے میں نے آپ کے حکم کے مطابق بزرگانِ وقت کی طرف رجوع کیا۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری لابن حجر ۱/۱۱۴، باب ۳۷۔
برای مرجع دیگر، ر۔ک المعجم المفہرس ۱/ ۴۶۷۔

۲۔ حافظ شیرازی: دیوان حافظ، طبع بمبئی، مطبع کریمی، ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء، ص ۴۳۔
(ترجمہ:) بلبل خوش رنگ پھول کی پتی چونچ میں لیے ہوئے تھی اور اس حالت میں آہ وزاری کررہی تھی، میں نے اس سے کہا: عین حالت وصل میں نالہ وفریاد کا کیا معنی؟ اس نے کہا: جلوہ معشوق نے ہمیں اس کام پر مامور کیا ہوا ہے۔

۳۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:
مقاماتِ مظہری، فصل مکاتیب (مکتوب ۲۴)۔
ابوسعید مجددی: ہدایت الطالبین مرتبہ مولانا نور احمد امرتسری، امرتسر، ۱۳۴۴ھ۔
احمد سعید مجددی: اربع انہار، دہلی۔
غلام علی دہلوی: ایضاح الطریقۃ، لاہور۔
شاہ ولی اللہ: الطاف القدس مرتبہ عبدالحمید سواتی، گوجرانوالہ، ۱۹۶۴ء۔

۴۔ حضرت شاہ گلشن متوفی ۱۱۴۰ھ کے حالات شعراء کے تذکرہ میں ملاحظہ کریں، چند نام یہ ہیں:
آزاد بلگرامی: سروآزاد، ص ۱۹۸۔۱۹۹۔
سرخوش: کلمات الشعراء، ص ۹۶۔۹۷۔
حسینی: تذکرہ حسینی، ص ۲۸۴۔
خوش گو: سفینہ خوش گو، ص ۱۶۵۔۱۷۰۔

۵۔ مقاماتِ مظہری کی دونوں اشاعتوں میں یہ نام علی کشمیری طبع ہوا ہے جو سہو کتابت ہے۔ معمولاتِ

مظہریہ، ص ۱۵ میں یہ نام کثیری ہے جو اس لیے درست ہے کہ یہاں واضح طور سے ان کے نام کے ساتھ ''شیخ العرب'' تحریر ہے۔

۶۔ حضرت شیخ محمد صدیق سرہندی (ف ۱۱۳۱ھ) بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی حج کے بعد دہلی میں مقیم ہو گئے اور تبلیغ و ارشاد میں نمایاں کردار ادا کیا' بادشاہ فرخ سیر آپ کا معتقد تھا' تفصیل کے لیے دیکھیے:

(۱) صفر احمد: مقامات معصومی ۳/۳۵۰۔۳۵۹۔۴/۲۵۳۔۲۵۷، قلمی، ورق ۶۴۹۔

(۲) کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۲/۲۳۰۔۲۳۳۔

(۳) احمد، ابوالخیر مکی: ہدیہ احمدیہ، کانپور، ۱۳۱۳ھ۔

(۴) عبدالحی: نزہۃ الخواطر ۶/۳۲۲۔۳۲۳۔

☆☆☆☆☆

چھٹی فصل

آپ کا حضرت حاجی محمد افضل سے استفادہ

فرماتے تھے کہ میں نے حضرت شاہ گلشن[1] رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی طلب کا اظہار کیا تو فرمانے لگے: تمہیں شیخ وقت ہونا ہے اور میں آدابِ طریقہ کا مقید نہیں ہوں، کبھی سماع سن لیتا ہوں اور کبھی نماز بے جماعت بھی ادا کرتا ہوں، اس لیے تمہیں کسی دوسری جگہ جانا چاہیے پس میں حضرت محمد زبیر[2] نبیرہ وخلیفہ حضرت حجۃ اللہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے میرے حال پر بہت مہربانی کی، اپنے فرزند[3] سے کہا کہ ایسے حضرات جو آداب ظاہر اور انوار باطن سے آراستہ ہوں ان سے ملاقات لازم ہے، میں نے ان کی قدم بوسی کی تو فرمایا کہ تم ہم میں سے ہو اس طریقہ میں صحبت شرط ہے لیکن تمہاری رہائش دور ہے اس لیے تم ہر روز نہیں آسکتے وہ نسبت جو تم نے حضرت (سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ) سے حاصل کی یہ وہی محکم ہے اگر تم اس کی بہت حفاظت کرو گے تو یہ کفایت کرے گی۔

پس میں نے حضرت حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں توجہ کے لیے درخواست کی تو فرمایا کہ تم نے بصیرت سے منازلِ سلوک طے کی ہیں اور تمہیں مقامات کا کشف حاصل ہے اور ہمیں کشف اور مقامات کا علم نہیں ہے، اس لیے استفادہ بطریق احسن نہیں ہو سکے گا۔

آپ فرماتے تھے: بظاہر حضرت سے ہم نے استفادہ نہیں کیا لیکن درس حدیث کے دوران آپ کے باطن شریف کے فیوض سے مستفیض ہوا اور نسبت کے اظہار میں قوت پیدا ہوگئی۔

حضرت حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ کو درسِ حدیث کے دوران نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضور حاصل ہوتا تھا اور انوار و برکات کثرت سے ظاہر ہوتے تھے گویا معنوی طور پر حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت حاصل ہو جاتی اسی اثنا میں توجہ والتفات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشہود ہوتیں اور نسبت کمالاتِ نبوت اپنی وسعت کی انتہا اور کثرتِ انوار سے جلوہ گر ہوتی اور اس حدیث شریف کہ العلماء ھم ورثۃ الانبیاء[4] علیہم

السلام (علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں) کے معنی واضح ہو گئے ہیں' آپ شیخ الحدیث اور از روی صحبت میرے پیر ہیں' میں نے آپ کی خدمت میں رہ کر بیس سال تک آپ سے ظاہری و باطنی فوائد حاصل کیے ہیں[5]

حضرت خواجہ محمد زبیر کی وفات کے بعد جو کہ قطب ارشاد تھے، شیخ محمد اعظم[6] خلیفہ حضرت حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ (۲۷) نے کہا کہ مرتبہ قطبیت حضرت خواجہ محمد زبیر سے مجھ میں منتقل ہو گیا ہے اور ارشاد کی نہر جو ان کے سینے میں جاری تھی اب مجھ میں رواں ہو گئی ہے' حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ان کا منہ تو دیکھو! وہ مرتبہ تو مرزا جان جاناں کو عنایت ہوا ہے جو کہ اس وقت ان کے طریقہ کے مدار ہیں' ان کی خدمت میں طالبوں کی کثرت رجوع اس مدعا کی دلیل ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان کے اصحاب مقامات ارجمند پر فائز ہیں اور ان کا افاضہ ہر روز ترقی پذیر ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک شخص نے حضرت حاجی محمد افضل کے حضور کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صحرا جو کہ آگ سے بھرا ہوا ہے اور کشن اس آگ کے اندر ہے اور رام چندر اس آگ کے کنارے کھڑا ہے کسی شخص نے اس خواب کی تعبیر میں کہا کہ کشن اور رام چندر جو کہ کفار کے بڑے تھے انہیں دوزخ کی آگ میں عذاب ہو رہا ہے تو میں نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر اور ہے وہ یہ کہ سابقین میں سے کسی معین شخص پر کفر کا فتویٰ دینا جس کے بارے میں شرع خاموش ہو جائز نہیں ہے' کتاب و سنت ان دونوں کے احوال سے ساکت ہیں اور اس آیۂ شریفہ ''وان من امة الاخلا فیھا نذیر''[7] (ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی خوفِ خدا دلانے والا ہوا ہے) سے ظاہر ہے کہ اس قوم (جماعت) میں بھی کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا گزرا ہے۔ ایسی صورت میں ان کے ولی یا نبی ہونے کا احتمال ہے[8]

تخلیق کائنات کے وقت رام چندر کو جن پیدا کیا گیا اس وقت عمر دراز اور طاقت بہت زیادہ ہوتی تھی' وہ اہلِ زمانہ کو سلوک کی نسبت سے تربیت کرتا تھا اور کشن ان میں سے آخری بزرگ ہے' اس کے زمانے میں پہلے کی نسبت عمر کم اور طاقت میں ضعف آ گیا تھا اور وہ اہل زمانہ کو نسبت جذبی سے ہدایت کرتا تھا' غنا و سماع جو اس سے بکثرت منقول ہیں، اس کے ذوق و شوق نسبت جذبہ کی دلیل ہے۔ پس حرارت نسبت عشق و محبت جو صحرا میں آتش کی مانند نمودار ہوئی وہ کشن کے استغراق محبت کی کیفیت تھی' اس لیے اسے آگ کے اندر دکھایا گیا ہے اور رام چندر جو کہ راہِ سلوک پر تھا اسے اس کے کنارے پر

دکھایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بہت پسند کیا اور اس تعبیر سے خوش ہوئے فقیر راقم (شاہ غلام علی) کہتا ہے: حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ابوصالح خان متھرا گئے تو انہیں ایک ایسی ضرورت پیش آئی جو سات روپے میں پوری ہو سکتی تھی، ایک شب وہ نمازِ تہجد میں مصروف تھے ایک شخص جس کی عقل ہندوؤں کی بیان کردہ ہیئت کشن کے مطابق تھی ظاہر ہوا اور سلام کر کے رقم پیش کی۔ میں نے کہا: (اشارہ کیا) ٹھہر! میں نماز سے فارغ ہو جاؤں، نماز کے بعد میں نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: کشن اور یہ سات روپے آپ کی نذر ہیں کہ آپ ہمارے شہر میں آئے ہیں، انہوں نے جواب دیا: میں محمدی (مسلمان) ہوں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پیغمبر، میرا وسیلہ اور میری حاجات کی برآری کے لیے کافی ہیں، میں بے گانوں کا ہدیہ قبول نہیں کرتا، کشن نے روتے ہوئے کہا کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف، اخلاص اور آپ کی اتباع کے بارے میں میں نے جو سنا تھا[۲۷] اس سے زیادہ میں نے (آج) مشاہدہ کیا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ حاجی صاحب کی نسبت شریفہ میں وحدانیت کا ظہور (بے رنگی) اور لطافت (ایسی) تھی کہ اربابِ ولایت اس کے ادراک سے عاجز تھے۔

ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر تھا تو فرمایا کہ آج میری محفل میں حضرت خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا (کہ اتنے میں) ان کے اصحاب میں سے ایک اور شخص بھی آ گیا، دونوں نے مراقبہ کیا اور آپس میں گفتگو کی کہ میرے اور تمہارے باطن میں نسبت اور کیفیات ظاہر ہیں لیکن حضرت حاجی صاحب کے باطن پر ہم نے نظرِ عمیق ڈالی تو کچھ بھی ظاہر نہ ہوا میں (حضرت مظہر) نے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے حضرت محمد زبیر کے پیر اور حضرت شیخ عبدالاحد (رحمۃ اللہ علیہما) سے سالہا سال تک نسبت باطنی کا کسب کیا ہے (اس لیے آپ میں) جو نسبت ''ہبات علوی'' اور لطافت پیدا ہوئی ہے کمزور نسبت والے ان مقاماتِ عالیہ کا ادراک کیسے کر سکتے ہیں؟ اور معاملہ کی حقیقت تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ ان لوگوں کو (عام) نسبت ذوق و شوق کی حرارت کا احساس ہو سکتا ہے پس کارخانہ نسبت خاندان احمدیہ (مجددیہ) صوفیہ کے متعارف طریقہ سے ماوراء ہے اور کمالاتِ الٰہیہ کا ظہور ان میں پراگندہ ہے اور ان کی عقل کے احاطہ سے مبرا ہے۔ جیسا کہ (قرآن پاک میں) آیا ہے۔ لا یحیطون

به علماً [9] (ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا)۔

میری اس تقریر پر خوشی کا اظہار فرمایا' آپ فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب پر فنا و نیستی غالب تھی' لوگوں کی لغزشوں کی معقول تاویل کر کے انہیں معذور قرار دیتے تھے۔

مجھے یہ نصیحت حضرت سے ہی حاصل ہوئی ہے اور اس قسم کے بہت سے فوائد کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ تفصیل کے لیے پانچویں فصل کا حاشیہ نمبر۴ ملاحظہ کریں۔

۲۔ حضرت خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء)۔

۳۔ حضرت خواجہ محمد زبیر کے چار فرزند تھے' یہاں اس فرزند کا نام نہیں لکھا گیا جن سے حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے استفادہ کیا' خواجہ زبیر کے فرزندوں میں سے خواجہ عزیز فرزند کلاں تھے ممکن ہے ان سے حضرت مظہر ملے ہوں۔ (خواجہ محمد زبیر کے حالات اور اولاد کی تفصیل کے لیے ملاحظہ روضۃ القیومیہ، رکن چہارم، ص ۲۷۷)۔

۴۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ۱/ ۱۶۰ لفظ ''ہم'' متون حدیث میں نہیں ہے' ملاحظہ ہو: ابوداؤد (علم ۱)۔ ابن ماجہ (مقدمہ ۱۷)۔ دارمی (مقدمہ ۳۲)۔ مسند احمد بن حنبل ۵/ ۱۹۶ (بحوالہ المعجم المفہرس ۴/ ۳۲۱)۔

۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے حواشی (فصل سوم)۔

۶۔ شیخ محمد اعظم کے حالات فصل سوم کے حواشی میں ملاحظہ کریں۔

۷۔ القرآن (فاطر) ۳۵/ ۲۴، یہاں متن مقاماتِ مظہری میں سہو کتابت سے ''امۃ'' کی بجائے ''قریۃ'' لکھا گیا ہے جبکہ اس قسم کی کوئی آیت نہیں ہے۔

۸۔ یاد رہے یہاں حضرت مظہر نے رام چندر اور کشن کے ولی یا نبی ہونے کا قیاس کیا ہے' عصر حاضر کے بعض محققین خصوصاً ڈاکٹر محمد عمر نے نامعلوم اس قیاس کو حضرت مظہر کا عقیدہ قرار دیتے ہوئے کیوں لکھ دیا ہے کہ آپ انہیں نبیوں کا درجہ دیتے تھے۔ (برہان، دہلی، جون ۱۹۶۸ء، ص ۳۸۳)۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ کتاب ہذا تحت عنوان حضرت مظہر اور ہندومت۔ نیز مکتوب ۱۴ شامل مقاماتِ مظہری۔

۹۔ القرآن (طٰہٰ) ۲۰/ ۱۱۰۔

ساتویں فصل

حضرت میرزا مظہر کا حضرت حافظ سعد اللہ سے استفادہ

آپ فرماتے تھے کہ میں نے جناب حضرت حافظ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے طریقہ کا فیض حاصل کرنے کے لیے درخواست کی تو استخارہ کرنے کا حکم دیا' استخارہ سے ''ہوالمراد'' معلوم ہوا' پس میں نے صحبت کا التزام کیا اور کفش برداری کی خدمت اختیار کی' اس خدمت کی برکت سے بہت فوائد حاصل ہوئے۔ اور ہر روز باطنی انوار میں ترقی محسوس کرتا تھا اور نسبت میں وسعت زیادہ ہوگئی' حضرت حافظ صاحب کبرسنی کے ضعف کی وجہ سے جب کہ آپ کی عمر اسی سال سے زیادہ ہوگئی تھی، طالبوں کے حالات پر توجہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

حضرت حافظ صاحب صبح کے وقت کلام اللہ کا ایک سیپارہ پڑھتے تھے اور استفادہ کرنے والے ان کے گرد حلقہ بنا لیتے تھے اور قرآن مجید کے سننے سے ترقی کرتے تھے' اس طرح میں نے بارہ سال تک آپ کی صحبت مبارک کے فیوض سے استفاضہ کیا اور اپنے حال میں بے شمار عنایات کا مشاہدہ کیا (یہاں تک کہ) آپ اپنے مریدین کے (باطنی) احوال مجھ سے پوچھتے تھے' میں جو کچھ عرض کرتا اس کی تصدیق فرماتے (۲۸) تھے اور اپنے اصحاب کی تربیت کے لیے مجھے حکم فرماتے کہ انہیں مسائل شریعت و طریقت کی تلقین کرو۔

ایک مرتبہ آپ کے ہاں صلحاء کا مجمع تھا' حضرت خواجہ محمد ناصر[1] (عندلیب) رحمۃ اللہ علیہ بھی آئے ہوئے تھے' احوال نسبت کی دریافت کے لیے حضرت نے ان کے احوال پر توجہ کی تو میں نے خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا:

ہر کس کہ دید روی تو پوشیدہ چشم من
کاری کہ کرد دیدہ با بی بصر نکرد [2]

تو فرمایا کہ ان کی نسبت انتہائی لطافت وقوت کے ساتھ جلوہ فرما ہے اور ان کے کمالات انوار سورج کی مثل ظلمت کو دور کرنے والے ہیں جس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔

حضرت میرزا صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے ایک امیر جو کہ ہمارا ارادت مند تھا کے لشکر کی نگہبانی کے لیے جسے دشمنوں کے ساتھ مہم درپیش تھی، لشکر کی حفاظت کے لیے دعائے حزب البحر پڑھی تا کہ اسے فتح حاصل ہو سکے اور حضرت حافظ صاحب اور پیران کبار کی باطنی امداد سے لشکر محفوظ اور فتح مند رہا اور دشمن پشیمانی کے ساتھ فرار ہو گیا۔

آپ فرماتے تھے کہ حضرت سے میرے استفادہ کے بعد خلق کثیر نے رجوع کیا' امراء واغنیاء بڑی کثرت سے حاضر خدمت ہوتے تھے۔

نواب خاں فیروز جنگ [3] بھی آپ سے بیعت ارادت رکھتے تھے۔ وہ کسب فیض کے لیے ہر روز جمعیت حلقہ میں حاضر ہوتے تھے' آپ کی خانقاہ میں بہت درویش جمع ہوتے تھے۔ اسّی (۸۰) فراد ہر روز آپ کے مطبخ سے کھانا کھاتے اور وظیفہ خوار تھے' آپ فرماتے تھے کہ حضرت اظہار کلمۃ الخیر اور سفارش (سفارشی رقعات بنام امراء) کرنے میں بہت مصروف رہتے تھے' (یہاں تک کہ) حاجت مندوں کی حاجت برآری کے لیے امراء کے ہاں تشریف لے جاتے تھے' آپ فرماتے تھے کہ اگر کوئی ارادت مند حضرت کی اجازت کے بغیر کسی مزار کی زیارت کے لیے چلا جاتا تو آپ کو بہت غیرت آتی تھی اور وہ اپنے باطن میں فتور محسوس کرنے لگتا اور جب تک عذر نہ کرتا اس کی نسبت درست نہیں ہوتی تھی' آپ فرماتے تھے کہ میں نے ایک روز عرض کیا: اس طریقہ میں ترقی کا مدار مرشد کی توجہ پے ہے۔ آپ نے سالہا مجھے صرف ایک ہی توجہ سے سرفراز فرمایا ہے لیکن میرے دل میں ہمیشہ اس (مزید ترقی) سعادت کی آرزو رہی ہے' میری جرأت پر آپ میں بڑا تغیر رونما ہوا اور میرے ظاہر و باطن میں خاصا تغیر پیدا ہو گیا یہاں تک کہ میں تین ماہ تک بیمار رہا، آخر جب آپ میری عیادت کے لیے تشریف لائے تو میں روبہ صحت ہوا اور میری نسبت بحال ہوئی۔

آپ فرماتے تھے: چوں کہ بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے طالبوں کے حال پر توجہ نہیں فرما سکتے

تھے اس لیے میں نے شیخ الشیوخ حضرت محمد عابد قدس سرہ کی طرف رجوع کیا اور حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا رہا' حافظ صاحب کے خلیفہ شیخ صبغۃ اللہ[۳] نے یہ خبر پہنچا دی۔ آپ کے دل میں (میرے بارے میں) ملال پیدا ہو گیا[(۲۹)] فرمایا کہ تم نے یہاں فیوض و برکات و تاثیرات میں کیا دیکھ کر دوسری جگہ رجوع کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میرا مقصود ذاتِ خدا اور نسبت علیا کے سوا کچھ نہیں ہے اور ان کا حصول توجہات علیہ پر موقوف ہے اور آپ جسمانی ضعف و ناتوانی کے سبب ایسا نہیں کر سکتے اس لیے میں نے آپ کے بھائیوں میں سے ایک کی طرف رجوع کیا ہے اور میرا اخلاص و بندگی راسخ ہے لیکن اس عرض داشت کے باوجود آپ کا ملال رفع نہ ہو سکا' آپ کی وفات کے بعد میں آپ کے مزار پر حاضر ہوا تو انہیں ناخوش پایا (یہاں تک کہ) مجھ سے روگرداں ہو گئے کئی سالوں کے بعد صبغۃ اللہ نے مجھے بشارت دی کہ حضرت نے مجھے خواب میں بتایا ہے کہ ہم میرزا صاحب سے راضی ہیں جو کچھ انہوں نے اختیار کیا وہی خدا کی مرضی تھی تو میں شکر کے سجدے بجالایا کہ اہل حقوق کی رضا مندی اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے' سبحانہ۔

فقیر راقم (شاہ غلام علی) کہتا ہے کہ حضرت محمد زبیر کے اصحاب میں سے ایک نے ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا تو اس نے آپ کی روح کو ناخوش پایا بلکہ انہوں نے اس پر تلوار اُٹھائی' اس نے حضرت شیخ کی پناہ چاہی تو حضرت محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے پوچھا کہ ناخوشی کس بات پر ہے؟ کہ طلب حق کے لیے ایک شخص نے آپ کے خاندان ہی کے ایک فرد سے رجوع کیا ہے اسے معذور جاننا چاہیے۔

شیخ جلال پانی پتی[۴] رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک شخص نے مجھ سے بیعت کی تو اس نے خواب میں کہا کہ حضرت (جلال پانی پتی) فرماتے ہیں کہ تو نقشبندی کیوں ہو گیا ہے اور میرا طریقہ کیوں چھوڑ دیا ہے؟

یہ محض مزاج کی رنجشیں ہیں حالانکہ بعض مرشدوں نے اپنے مستفیدوں کو دوسرے بزرگوں کے پاس بھیجا ہے چنانچہ ہمارے حضرت نے اپنے پیر کے حکم سے اکابر سے استفادہ کیا ہے جس کسی نے جس بزرگ کے پاس نفع زیادہ دیکھا یا اشغال طریقہ سیکھے اور کوشش کی اور وہ اپنے پیر کی خدمت بجالایا، تو اگر اسے مقصود حاصل نہ ہوا یا بعد مسافت اور دوری کی وجہ سے طالب استفادہ سے معذور ہو تو اس کے لیے

لازم ہے کہ دوسرے شیخ کے پاس جائے اور فیض الٰہی سے محروم نہ رہے۔

فرماتے تھے کہ ایک شب خواب میں میں نے بہشت کو دیکھا ناگاہ وہاں انبیاء علیہم السلام کی جماعت نمودار ہوئی اور حضرت حافظ صاحب ان اکابر کے آگے آگے جا رہے تھے مجھے تعجب ہوا کہ آپ کے اس طرح آگے چلنے کی کیا وجہ ہے؟ تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کے منیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف فرما ہیں اور وہ آنجناب مقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ ر۔ک۔ بہ مقدمہ کتاب ہذا۔

۲۔ حافظ: دیوان، (طبع بمبئی، ص ۷۹) میں یہ شعر اس طرح ہے:

ہر کس کہ دیدہ روی تو بوسید چشم من
کاری کہ کرد دیدہ من بی نظر نکرد

(ترجمہ:) جس نے تیرے چہرے کو دیکھا اس نے میری آنکھ چوم لی، آنکھ نے وہ کام کیا جو میں کم نظر نے نہ کیا۔

۳۔ ر۔ک۔ بہ فصل سوم، حاشیہ نمبر ۱۷۔

۴۔ شیخ محمد بن محمود جلال الدین محمود پانی پتی (ف ۷۶۵ھ) ملقب بہ کبیر الاولیاء، شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے جانشین تھے' انہیں بڑی مقبولیت ہوئی (معارج الولایت، قلمی، ورق ۱۹۴ب) ان کے مشہور خلفاء میں شیخ احمد عبدالحق ردولوی قابل ذکر ہیں' (حدیقۃ الاولیاء، ص ۸۶۔۸۷، سیر الاقطاب، ص ۱۹۷۔۲۱۵) حضرت مظہر کے نامور خلیفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، انہی شیخ جلال پانی پتی کی اولاد میں سے تھے۔

☆☆☆☆☆

آٹھویں فصل

آپ کا حضرت شیخ محمد عابد سے استفادہ

آپ فرماتے تھے: اس مقام کے ولایات ثلاثہ (۳۰) کیفیات، علوم اور واردات فضل الٰہی سے حضرت سید (نور محمد بدایونی) قدس سرہ سے حاصل ہو گئے اور کمالات ثلاثہ و حقائق سبعہ وغیرہ کا سات سال تک حضرت شیخ سے کسب کیا' اس کے بعد اوّل سے آخر تک دوسری مرتبہ ایک سال کی سیر مرادی میں جمیع مقامات سے گزر ہوا اور ہر مقام کی کیفیات و حالات کو نئی قوت ملی اور مقاماتِ عالیہ مجددیہ میں جو ذکر کیفیات ہے، حاصل ہوا۔ فرماتے تھے کہ واردات توحید کے ظہور سے اذواق و اشواق کا حاصل ہونا ولایات میں تھا' ان مقامات میں تمام احوال و مواجید زائل ہو گئے اور عشق و محبت کا جوش و خروش جو کہ تجلیات صفات کا مقتضی ہے، تجلیات ذاتی میں فنا ہو گیا' فقر اور عبودیت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا اور نسبت عینیت و اتحاد با رابطہ ظلیت [1] جو کہ دنیا کو اس کے بنانے والے کے ساتھ ثابت کرتے ہیں حضرت ذات پاک کے غایت تنزیہ سے مسلوک ہو گئی' یہ تمام شعبدے سکر حال کے غلبے کی وجہ سے تھے اس مرتبے میں نسبت کے بغیر (مقام) بندگی حاصل نہیں ہوتا۔ **ما للتراب ورب الارباب** (مٹی اور رب الارباب میں کیا نسبت!)۔

اس مقام کے حقائق و معارف (دراصل) عقائد حقہ اسلام، شریعت اور احکام ہیں اور اس میں یقین، اتصال بے کیف، احوال بے رنگ اور لطائف نسبت کی فوری ضرورت ہوتی ہے چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مکتوبات میں بیان فرماتے ہیں کہ ان مقامات کے ہر مرتبہ میں بے کیفی و بے رنگی حاصل ہوئی اور مقاماتِ سافلہ میں فیوض کا ورود بڑے بڑے قطرات والی بارش کی مثل تھا جو اس مقام پر لطیف ہو گیا اور آخر میں شبنم کی شکل اختیار کر گیا۔

آنحضرت (شیخ محمد عابد) کی توجہات کی برکات میں چونکہ نہایت بیرنگی ہے' اس لیے ادراک میں

بہت کم آتی ہیں بلکہ احوال کے آخر میں آپ کی صحبت شریف میں ایک خاص اسلوب کی صفائی حاصل ہو گئی اور کسی قسم کا ذوق اور کیفیت باقی نہیں رہی' کیفیات کی عدم دریافت کے بارے میں میں نے حضرت سے سوال کیا تو فرمایا کہ اس کے بارے میں اندیشہ کو راہ نہیں دینی چاہیے اس میں فیضانِ الٰہی مسلسل پہنچتا رہتا ہے اگرچہ اپنی نہایت بے رنگی کی وجہ سے ادراک میں نہیں آسکتا بالکل اسی طرح جیسے ایک حوض پرنالے سے بھر رہا ہو جب تک وہ خالی رہے گا آواز آتی رہے گی اور پانی کا احساس ہو گا او جب بھر جائے گا اور پانی پرنالے تک پہنچ جائے گا تو پھر اس میں جو پانی گرے گا اس کی آواز نہیں آئے گی۔

آپ فرماتے تھے: حضرت شیخ کی توجہ سے (میری) باطنی نسبت میں اتنی وسعت پیدا ہو گئی کہ نظ کشفی اس کے ادراک سے عاجز تھی اور تسلیک مقامات طریقہ کی ایسی قوت حاصل ہوئی تھی جس کا اظہا محض خود بینی اور فخر کرنا ہے' نیز فرماتے تھے کہ حضرت شیخ میرے حال پر بہت عنایت فرماتے تھے کہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہو سکی تھی، مجھے اپنی ضمنیت سے سرفراز فرمایا تھا[1] اور مجھے اپنے فیوض و برکات میں شریک کر کے ایک روز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ رات ہم پر جن کمالاتِ جدیدہ اور فیوض تازہ کا احسان کیا ہے ان کو سابقہ تمام کمالات و واردات پر ترجیح حاصل ہے میں نے عرض کیا: ابھی رات باقی تھی کہ ان تمام تفضلات الٰہیہ جو آپ کے باطن پر ہوئے بندہ کو بھی آپ کے توسل اتحاد و محبت سے اپنے باطن میں عجیب احوال کا احساس ہوا' فرمایا: تم سچ کہتے ہو تمہیں میرا ضمنی بنایا گیا ہے، قدرت کا ہر عطیہ و کرامت جس سے مجھے نوازا گیا ہے، اس کا بہت بڑا حصہ اور کامل تمہیں بھی حاصل ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو چند اعزاز سے ممتاز کیا تھا' ایک یہ کہ کبریٰ کی ضمنیت جو کہ بہت عالی مقام ہے اور یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مختص ہے چنانچہ یہ حدیث شریف ان معانی پر دلالت کرتی ہے:

ما صب اللّٰه فی صدری شیًا الا صببته فی صدر ابی بکر[2]

(اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی میرے سینے میں ڈالی، میں نے وہ ابوبکر کے سینے میں ڈال دی)۔

دوسرے یہ کہ جو کوئی بھی حضرت کی قبر کے جوار میں دفن ہو گا جہاں تک حضرت کی نظر کام کرے

وہ بخشا جائے گا' سوم جو کوئی حضرت کو دیکھے گا وہ بھی بخشا جائے گا' چہارم آپ کی سیر کو مرادی بنا دیا گیا تھا' پنجم یہ الہام ہوا کہ اس وقت آپ کے حلقہ پر تجلی ذاتی فائض ہے' میں (میرزا مظہر) نے عرض کیا کہ الحمدللہ! فقیر بھی اس حلقہ میں حاضر ہے تو فرمایا کہ تمہاری سیر کو بھی مرادی بنا دیا گیا ہے تمہارے حلقہ پر بھی تجلی ذاتی وارد ہے' اس عطیے کے شکر بجالانا چاہیے۔

آپ فرماتے تھے: میں نے خاندان قادری میں اجازت کے لیے عرض کی تو فرمایا: ہم تمہیں اس خاندان کی اجازت جناب رسول اللہ ﷺ سے دلواتے ہیں اور جناب سرور عالم ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے' میں نے آپ کے حکم کے موجب مراقبہ کیا تو دیکھا کہ حبیب خدا ﷺ بارگاہِ عالی میں اصحاب عظام اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور حضرت غوث الثقلین (رحمۃ اللہ علیہ) حضور انور ﷺ کی خدمت میں کھڑے ہیں حضرت شیخ نے جناب مبارک ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مرزا جان جاناں خاندان قادریہ کی اجازت کے امیدوار ہیں' فرمایا کہ اس امر میں سید عبدالقادر سے رجوع کرو پس انہوں نے حضرت شیخ کے التماس کو قبول کر کے بندہ کو خرقہ تبرکاً عطا کیا اور اجازت سے ممتاز کیا اور مجھے اپنے باطن میں نسبت شریفہ قادریہ کے حالات و برکات کا احساس ہوا اور میرا سینہ اس کے انوار سے لبریز ہو گیا' نقشبندی نسبت میں اضمحلال (وارفتگی) اور ربودگی (شیفتگی) بہت ہے اور قادری نسبت میں صفا اور انوار کی چمک ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ (۳۲) نے مجھے طریقہ قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ کی اجازت سے بھی سرفراز فرمایا تھا اور خواجہ قطب الدین قدس سرہ کی نسبت سے ہمیں نسبت چشتیہ ملی ہے' فرماتے تھے کہ بعض اوقات خاندان چشتیہ کی نسبت کا جب ظہور ہوتا ہے تو سماع اچھا لگتا ہے اور عشق و محبت کے سوز وگداز جو کہ اس کے اکابر کی نسبت کا لازمہ ہے' میرے باطن کے رنگ پر غالب آ جاتا ہے' ایک شب فقیر راقم (شاہ غلام علی) عشاء کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور خلوت تھی کہ غایت کیفیات و حالات میں حضرت (میرزا مظہر) تنہا گنگنا رہے تھے اور انتہائی گریہ طاری تھا جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا کہ اس وقت چشتی بزرگوں رحمۃ اللہ علیہم کا ظہور تھا۔

فرماتے تھے: حضرت حافظ سعد اللہ کی وفات کے بعد نواب خان فیروز جنگ [۳] نے آرزو کی کہ وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرے' بندہ (حضرت مظہر) نے حضرت کی خدمت میں

یہ معروضہ پیش کیا تو نہایت رنجیدہ ہو کر فرمایا کہ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہماری خانقاہ بھی حضرت حافظ سعد اللہ کی مثل بے برکت ہو جائے' اہل دنیا کا قدم منحوس ہے اور باطن کے لیے بے برکتی کا باعث بن جاتا ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک روز کسی نے آپ کے حضور میں کہا کہ فلاں دنیا دار بڑا دولت مند ہے' فرمانے لگے: یہ لوگ بھی محتاج ہی ہیں' دولت و نعمت سرمدی صرف ''ارباب نسبت مع اللہ'' ہی کو حاصل ہے' حدیث شریف میں ہے: الغنٰی غنی النفس [1] (اصل دولت مندی نفس کی بے نیازی ہے)۔ صلی اللہ علیہ وعلٰی صاحبہ وبارک وسلم۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ضمیمہ چہارم کتاب ہذا۔

۲۔ اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، طبع سکھر، پاکستان ۴/۶۳۴۔

۳۔ تفصیل اس سے پہلے حواشی (فصل سوم، حاشیہ نمبر ۱۷) میں تحریر کی جا چکی ہے۔

۴۔ مسلم (باب فضل قناعت) ۱/۳۵۶۔ نیز ملاحظہ ہو:

بخاری (رقاق ۱۵)، ترمذی (زہد ۴۰)، ابن ماجہ (زہد ۹)، مسند احمد بن حنبل ۲/۲۴۳۔ و بہ بعد (بحوالہ المعجم المفہرس ۵/۱۷)۔

☆☆☆☆☆

نویں فصل

ان مقدمات کا بیان جو اہل زمانہ پر آپ کی علوشان واضح کرتے ہیں

آپ فرماتے تھے کہ فارسی قواعد وغیرہ کے رسائل میں نے اپنے والد ماجد سے پڑھے اور کلام اللہ قاری عبدالرسول[1] سے اور علم تجوید وقرأت کی بھی ان سے سند لی، مروجہ علم معقول ومنقول کی تحصیل اس وقت کے علماء سے کی، والد ماجد کی وفات[2] کے ناگزیر واقعہ کے بعد حضرت حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ سے کئی علوم کی کتب مبسوطہ پڑھیں، علم حدیث وتفسیر کی اسناد بھی آپ ہی سے حاصل کیں، تحصیل علوم کے بعد حضرت حاجی صاحب نے اپنا وہ متبرک کلاہ جو کہ آپ نے پندرہ سال تک اپنے عمامہ کے نیچے پہنا تھا، مجھے عنایت فرمایا، رات کے وقت میں نے اس کلاہ شریف کو سخت گرم پانی میں ڈالا اور صبح سویرے جب کہ اس کا رنگ شربت مغز فلوس (املتاس کا گودا) سے بھی زیادہ سیاہ ہوگیا تو میں نے پی لیا، جس کی برکت سے ذہن رسا اور طبع ذکاء پیدا ہوگئی کہ کوئی مشکل کتاب، مشکل نہ رہی، مدت دراز تک طالبوں کو علم ظاہری کا درس دیا، آخر جب باطنی نسبت کا غلبہ ہوا تو کتاب کا شغل ترک کر دیا۔

فرماتے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے[3] غیب سے پکارا: مجھے تم سے بہت سے کام لینا ہیں، ہدایت خلق اور اشاعت طریقہ سے تمہارا وجود وابستہ ہے، اسی لیے افادہ کے وقت باطنی نسبت کے انوار سے صریح طور پر معلوم ہوتا تھا کہ اس کام کے لیے غیب سے تائید وقوت پہنچ رہی ہے اور میرا وجود درمیان نہیں ہے:

دو دہان داریم گویا ہمچو نے
یک دہان پنہاں است در لب ہای وی

فرماتے تھے کہ فقیر ''ابراہیمی المشرب'' تھا (علیہ السلام) حضرت شیخ نے باطنی تصرف سے ''محمدی المشرب'' (علیہ السلام) بنا دیا' فرماتے تھے کہ ان ایام میں جب کہ آپ نے مجھے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی اور اس مقام عالی کے انوار میں جب فنا حاصل ہو گئی تو میں نے دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے مقابل تشریف فرما ہیں پھر دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری جگہ تشریف فرما ہیں اور پھر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، پھر دیکھا کہ ان دونوں جگہوں پر میں ہی بیٹھا ہوا ہوں' یہ فنا و بقا جو ''حقیقۃ الحقائق'' علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں آپ کو حاصل ہوئی آپ (حضرت میرزا مظہر) کے علوشان پر دلالت کرتی ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک دن میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر تھا، میرے بارے میں فرمانے لگے دو آفتاب ایک دوسرے کے مقابل نکلے ہیں' ان کے انوار کی غایت چمک کی وجہ سے ایک دوسرے میں امتیاز باقی نہیں رہا اگر یہ طالبان خدا کی تربیت کی طرف متوجہ ہوں تو ایک دنیا کو منور کر دیں۔

فرماتے تھے کہ ایک روز انتہائی تواضع (انکساری) کے عالم میں میرے زانو کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ میرے اصحاب میں ان کی مثل کوئی نہیں ہے' ایک روز (حضرت شیخ) فرمانے لگے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمہیں جو نہایت محبت ہے اس کی وجہ سے طریقہ کی ترویج تم سے ہو گی' جناب الٰہی سے تمہیں شمس الدین حبیب اللہ کا لقب عطا ہوا ہے۔

فرماتے تھے کہ حضرت شیخ نے اپنے بعض اصحاب برائے تربیت میرے حوالے کر رکھے تھے [۴۳] میں انہیں مقاماتِ طریقہ کی نہایات تک پہنچا کر حضرت خدمت میں لے گیا تو فرمایا کہ ان کے حالات و کیفیات مقام جو انہوں نے تم سے حاصل کیے ہیں صحیح ہیں اور اس طریقہ کے امام حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر کے موافق ہیں' فالحمد للّٰہ وسلمکم اللّٰہ۔

فرماتے تھے کہ بندہ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ نے مجھے مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم، خصوصاً حضرت سید (نور محمد بدایونی) اور حضرت شیخ (محمد عابد سنامی) کی محبت و رسوخ عطا کیا اگرچہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت (مزار مبارک) کا شرف حاصل نہیں ہو سکا لیکن بہت شکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان نائبین کی صحبت کی سعادت حاصل ہو گئی اور ثمرہ حیات خاطر خواہ حاصل ہوا' ان اکابر نے از روئے بندہ نوازی فقیر کی توقیر و عزت بندہ کی حیثیت [۴۴] سے زیادہ کی

ہے۔

ایک روز حضرت سید (نور محمد بدایونی) نے میرے جوتے سیدھے کیے، فرمایا کہ تمہیں جنابِ الٰہی میں قبول تمام حاصل ہے' حضرت حاجی محمد افضل میری تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے، کہ میں تمہاری نسبت کی تعظیم کرتا ہوں' دوبارہ فرمانے لگے: کثر اللّٰہ امثالکم (تم جیسوں کو خدا اور زیادہ کرے) حضرت حافظ سعد اللہ میری بہت تکریم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم تمہیں اپنے قبلہ گاہ (مرشد) کی بجائے خیال کرتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ ایک بار ایک صاحب زادہ (میر اسد اللہ) سرہند جا رہا تھا، تو میں نے اس سے کہا کہ آپ میرا سلام نیاز حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کہہ دیں' اس نے آ کر اطلاع دی کہ جب تمہارا سلام مزار مبارک پر جا کر عرض کیا تو حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنا سر سینہ تک مزار سے باہر نکال کر کمال انبساط و اشتیاق سے فرمایا کہ کون میرزا؟ جو ہمارا دیوانیہ وشیفتہ ہے! علیک وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ صاحب زادہ صاحب نے کہا کہ مجھے کبھی حضرت مجدد قدس سرہ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا، لیکن آپ کے واسطہ سے مجھے یہ سعادت نصیب ہوگئی اور وہ میری تعظیم پہلے سے زیادہ کرنے لگے کہ تمہیں ہمارے جد امجد کا بہت زیادہ قرب ومنزلت حاصل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کشف صحیح عطا کیا ہے کہ روی زمین کے حالات مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں اور وہ (احوال) ہاتھ کی لکیروں کی طرح ہم پر عیاں ہیں اس وقت حضرت میرزا جانِ جاناں کی مثل دنیا کے کسی اقلیم اور شہر میں نہیں ہے، جسے مقامات سلوک کی آرزو ہو وہ ان کی خدمت میں جائے[4] چنانچہ ان کے حکم سے حضرت میرزا صاحب کی خدمت میں ان کے اصحاب[5] استفادہ کے لیے رجوع کیا کرتے تھے اور انہوں نے میرزا صاحب کے لیے اپنے مکاتیب شریفہ میں اس طرح القاب لکھے ہیں:

> متع المسلمین بافادات قیم الطریقۃ الاحمدیہ وروی ریاض الطریقۃ بتوجہات نفس الزکیہ[6]
> (یعنی) خدائے بزرگ اس قیم طریقہ احمدیہ اور داعی سنن نبویہ کو دیر تک مسلمانوں کو نفع پہنچانے اور مستفید کرنے کے لیے زندہ رکھے اور خدائے عزوجل اس قیم طریقہ احمدیہ خصوصاً اور طریقہ صوفیہ عموماً جو تجلی انواع فضائل سے آراستہ ہے کو دیر تک سلامت رکھ

کر مختلف برکات سب لوگوں پر نازل کرے، آمین [7]

حاجی محمد فاخر [8] جو کہ حدیث کے اکابر علماء میں سے تھے، کہتے تھے کہ حضرت میرزا مظہر متابعت جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شان عظیم کے مالک ہیں چنانچہ میں نے ایک شب دیکھا کہ عراقی گھوڑا مع سازویراق (کامل سازوسامان) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ مبارک پر کھڑا ہے میں نے پوچھا کہ یہ گھوڑا کس کا ہے؟ کسی نے جواب دیا کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جب میں اندر سے باہر آیا تو پھر کسی نے کہا کہ وہ گھوڑا میرزا جان جاناں کا ہے، میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ حضرت مظہر کا طریقہ اتباع سنت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پر مبنی) اور جادہ صراط [(۳۵)] مستقیم میں راسخ قدم ہے۔

مولوی ثناء اللہ سنبھلی [9] نے خواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا کہ کیا میرے پیر و مرشد میرزا صاحب کا طریقہ ترویج طریقت و تبلیغ احکام شریعت مقبول و محمود ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں"۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس مقدمہ کی تائید کی۔

شیخ محمد اعظم [10] خلیفہ حضرت محمد افضل رحمۃ اللہ علیہما فرماتے تھے کہ مجھے حضرت میرزا صاحب کے بارے میں یہ الہام ہوا ہے۔ "**ھذا رجل له شان عظیم ولا یقاس علیه رجل آخر**" (یہ ایک مرد عظیم الشان ہیں جن کی بزرگی کے برابر کوئی نہیں ہے) حضرت خواجہ میر درد [11] فرماتے ہیں کہ میں آپ کے اصحاب میں سے جس کو دیکھتا ہوں وہ عزیزوں کی نسبت سے بہرہ یاب ہے لیکن ان کے درجات و حالات و مقامات مختلف ہیں۔

حضرت شیخ عبدالعدل زبیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت طالبان خدا کا آپ کی خدمت میں اس قدر اجتماع ہوتا ہے کہ کسی دوسری جگہ نہیں ہوتا اور اس وقت آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نائب ہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ قاری عبدالرسول کے حالاتِ زندگی پیش نظر مآخذ میں نہیں مل سکے۔

۲۔ حضرت مظہر کے والد مرزا جان کا انتقال ۱۱۳۰ھ کو ہوا گویا اسی سنہ کے بعد حضرت مظہر حاجی صاحب سے منسلک ہوئے۔ (دیکھیے فصل چہارم کے حواشی)۔

۳۔ دیکھیے باب خلفاء حضرت مظہر (کتاب ہذا)۔

۴۔ نعیم اللہ بہرائچی: انفاس الاکابر۔ مطبوعہ مطبع اسدی لکھنؤ ۱۲۹۱ھ، ص ۲۴۔

۵۔ ان اصحاب کا ذکر کتاب حاضر کے باب خلفاء حضرت مظہر میں کیا جا چکا ہے۔

۶۔ شاہ ولی اللہ دہلوی: مکتوبات مشمولہ کلمات طیبات (مجتبائی)، ص ۱۵۹، مکتوب نمبر ۳۔

۷۔ ایضاً، نمبر ۴۔

۸۔ شیخ محمد فاخر متخلص بہ زائر الٰہ آبادی (متوفی ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء) اس عہد کے نامور عالم، متقی، محدث، شیخ محمد افضل الٰہ آبادی کے مرید اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، جن میں سے درۃ التحقیق، قرۃ العینین فی اثبات رفع الیدین وغیرہ مشہور ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

آزاد بلگرامی: سروِ آزاد، ص ۲۱۰۔۲۱۹۔

محمد حسین مراد آبادی: انوار العارفین، ص ۴۶۵۔

عبدالحی: نزہۃ الخواطر ۶/۳۴۰۔

رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۵۷۔

۹۔ ر۔ک احوال خلفاء حضرت مظہر، کتاب ہذا۔

۱۰۔ ر۔ک حواشی فصل سوم۔

۱۱۔ ر۔ک مقدمہ، کتاب ہذا۔

دسویں فصل

حضرت میرزا مظہر کی تاثیرات صحبت شریفہ وتوجہات علیہ کا بیان

حضرت میرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس انوار خدا سے محیط اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیوض کا مجمع تھی، وہاں نقشبندی نسبت کا حضور واستغراق تھا جس میں دل از خود شیفتہ ہوتے اور قادری حالات کی چمک و صفائی کا اس محفل پاک میں ظہور ہوتا تھا اور (نسبت) چشتیہ کے اذواق واشواق سے اس بزمِ معلّیٰ میں محبت خدا بڑھتی تھی، طریقۂ احمدیہ نقشبندیہ کی جدید نسبتوں کی لطافت و بے رنگی اس مجمع مقدس میں وقت کو تازگی اور صفائی بخشتی تھی، آپ کا سکوت ومراقبہ ماسوا اللہ کے نقوش دلوں سے محو کرتا تھا، آپ کی گفتگو کا موضوع شریعت وطریقت اور باطنی نسبت کی کیفیات کے فوائد کا بیان تھا نیز حدیث اور تفسیر کے ذکر نے اس میں صفائی وطمانیت کا اضافہ کر دیا تھا اوران مذکورات میں تجلی ذاتی کی نسبتوں کا پرتو تھا۔ انشاء وشعر نے ذوق بخشا، کیوں کہ اس باب میں جو ذکر ہوا تمام اسی ذوق اور حال کا بھید تھا۔ مذکورات محبت باطن مبارک میں تبدیلی کا باعث بن کر شوق کے آنسو آنکھوں سے جاری کرتے تھے۔ افسردگی، حرارت میں بدل جاتی تھی، صلحاء کی حکایات کا تذکرہ دلوں کو کیفیاتِ الٰہیہ سے سرشار کر دیتا تھا، علمی مسائل میں واضح تحقیقات کر کے لوگوں کی تسلی کرتے تھے، صوفیہ علیہ کے حقائق و معارف کی مکمل توضیح کے ساتھ تقریر کرتے تھے اوراسرار کی باریکیاں سامعین کو دل نشین کراتے۔

آپ ہر دقیقہ کا شافی بیان کر سکتے تھے اور عقدہ (۳۶) لاینحل کی کافی کشائی فرماتے تھے، ان تمام کمالات کی وجہ سے جو آپ کی ذات قدسی صفات میں جمع ہو گئے تھے، مقبول الٰہی ہو کر دنیا کے مقتدا بنے اوراپنے چاروں مشائخ کے انتقال کے بعد ان عزیزوں کی مسند خلافت کو اپنے وجودِ مسعود سے آراستہ

کیا' اس طریقہ علیہ کی ترویج اور قیام آپ کی ذاتِ مبارک کی وجہ سے ہوا' ہر طرف سے طالبانِ خدا نے آپ کی طرف رجوع کیا' حضرت شیخ (محمد عابد سنامی) کے کبار اصحاب اور اس زمانہ کے مشائخ سے فیض یافتہ لوگوں نے حضرت مظہر سے فیوض و برکات حاصل کیے۔ علماء و صلحاء کسب فیوضِ الٰہی کے لیے آپ کے خانقاہ میں جمع ہونے لگے اور آپ کے کمالات کا شہرہ ساری دنیا میں ہو گیا' ابتدائی احوال میں آپ کی توجہ شریف کے اثر سے لوگوں میں بے تابی پیدا ہوتی تھی اور کمال استغراق سے بے خود ہو کر گر پڑتے اور حرارت شوق دلوں کو راہ سلوک دکھاتی' جاذبہ محبت سے مقامات طے کرتے' آخری ایام میں آپ کے باطن میں لطافت و بے رنگی زیادہ ہو گئی تھی' جس کی وجہ سے مستفیضان اپنے باطن میں جمعیت و اطمینان پا کر قرب کے درجات میں ترقی کرتے تھے اور اسرار طریقت کی دریافت میں امتیاز حاصل کر لیا تھا' ان میں سے بعض پر عالم مثال واضح ہوا اور بعض کو عالم ارواح سے مناسبت ہو گئی بعض کو کشف کونی، بعض کو کشف قبور، بعض کو اشراف خواطر حاصل ہوا بعض کو انوار کے مشاہدے میں استغراق حاصل ہوا بعض پر توحید و معرفت کے اسرار واضح ہوئے' بعض کو ان تمام مراتب سے مناسبت ہو گئی کوئی ایسا بھی تھا کہ جو اپنی سیر مقامات الٰہیہ اور جو کچھ طریقہ احمدیہ میں مروج ہے اسے عیاں کرے اور ہر مقام کے علوم و معارف اور حالات و واردات جدا جدا بیان کرے۔

اگرچہ حضرت کے اکثر مستفید مقامات طریقہ کا کشف نہیں رکھتے لیکن تمام (مستفیدان) ہر مقام کے حالات اور کیفیات و واردات اپنے باطن میں ذوق و وجدان کے ساتھ پاتے ہیں اور مرتبہ فنا و بقا سے مشرف ہیں' مشاہدہ حق میں ان کو استغراق حاصل ہے اور نسبت باطن کی وسعت اور جمعیت باطن میں ترقی اور دل و دماغ سے نفی خواطر میں ترقی کرتے ہیں۔ آپ کے طالبوں کو اوائل حال ہی میں تصفیہ و تزکیہ حاصل ہو جاتا وہ اطاعت میں لذت و حلاوت اور بدعت و گناہ سے نفرت کرنے لگتے' ظاہر و باطن کے آداب اور آپ کی صحبت کے انوار و برکات سالکوں میں جو تہذیب نفوس پیدا کرتے تھے، وہ قدیم بزرگوں کے طالبوں کو شاید ہی حاصل ہو۔

مشائخ کرام آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ فیض جو صرف آپ کی صحبت سے طالبان حق کو حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے مشائخ کی صرف ہمت و توجہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ ایک شخص (۳۷) آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مورد الطاف ہوا وہ حضرت خواجہ

میر درد رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے گیا تو انہوں نے کہا کہ تو نے تو حضرت میرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت حاصل کیا ہے نہیں کہ اس طریقہ کی نسبت کے انوار تیرے باطن میں موجود ہیں اس لیے ہم نہیں کہتے تو صرف ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے رہو۔

آئینہ ات چہ پرسی آشفتہ شد ۔۔۔ فی غور چہ صورت تو شد

اسی طرح آپ کا ایک خادم جو حقہ بردار تھا حاضر نہیں تھا۔ حضرت شیخ (محمد جان جدی) کے حضور حاضر ہوا فرمایا کہ حضرت میرزا کی صحبت کے انوار و آثار تم میں پائے جاتے ہیں خدا کا شکر بجا لاؤ اللہ تعالیٰ نے حضرت مظہر کو ارشاد اور انتقال نسبت باطنی میں کمال قوت کرامت فرمائی تھی۔

دور دراز کے ممالک کے سالکان راہ (طریقت) آپ کی غائبانہ توجہات سے ترقی کرتے تھے۔ وہ حالات جو حاضرین حضور پر نور پر وارد ہوتے تھے وہی حالات ممالک بعیدہ کے طالبوں پر منکشف ہونے لگتے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کے نبیرہ شاہ محمد یحییٰ کابل میں دہلی سے آپ کی توجہات غائبانہ سے مقاماتِ عالیہ اور واردات سامیہ کو پہنچے اور اسی طرح دوسرے عزیز اپنے مقاصد پر فائز ہو چکے ہیں' حضرت میرزا مظہر بہ تقاضائے عمومی سالک کے ان لطائف کو جنہیں اس نے تا حال انجام تک نہ پہنچایا ہوا سے اس مقام سے عالی تر مقام پر بطریق طفرہ واصل کرتے' اس مقام کے حالات و کیفیات اسی توجہ سے اس میں القا فرماتے تھے تاکہ ہر مقام میں مناسبت پیدا کر کے بکثرت ذکر و مراقبہ سے کام انجام کو پہنچے اور مقاماتِ عالیہ کے انوار و برکات سے بہرہ یاب ہو سکے۔

چنانچہ آپ کے خلیفہ حضرت محمد احسان مقام جذبہ کی شورش و بے تابی کی وجہ سے ارباب حلقہ ذکر کی معیت وطمانیت میں تشویش پیدا کرتے' آپ نے انہیں اعلیٰ مقام پر جو اطمینان وتسکین باطن کا مقتضی تھا طفرہ فرمایا تو اس اضطراب وشورش کو فوراً تسکین میسر آئی اور ان کی باطنی نسبت پر دوسرے طریقے سے حالات وارد ہونے لگے۔

آپ اپنی ہمت عالی سے تمام اوقات اس امر میں مصروف تھے کہ طریقہ احمدیہ (نقشبندیہ) دنیا میں مروج ہو اور دنیا کو جدید نسبتیں جو کہ طریقہ مجددیہ کے خصائص میں سے ہے منور کریں فی الواقعہ آپ کی توجہات علیہ سے اکثر سالکان کو وہ حالات و مقامات میسر آئے اور انہوں نے ان متعارف واردات واحوال سے گزر کر مقامات عالی میں ترقی کی' طالبان خدا کو حضرت سے جس قدر اخلاص تھا اتنا

ہی حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا موجب اور زیارت کا سبب بنتا اور اسی اخلاص و محبت کی وجہ سے مقامات جذب و اصطفاء کی راہ میں ترقی ہوتی، ہزار ہا لوگ آپ سے طریقہ کی تعلیم حاصل کر کے دوامی ذکر خدا (۳۸) میں مشغول ہوئے، تقریباً دو سو افراد تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل کر کے راہ خدا کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔

پچاس افراد صرف انبالہ سے مقامات احمدیہ کی نہایت کو پہنچ کر اربابِ طریقت کے مقتدا بنے، اس (سلسلہ) میں طریقہ کی اجازت، مرتبہ دوام حضور، فنائے قلب، تہذیب اخلاق حاصل کیے بغیر اور اتباع سنت پر ثابت قدم رہے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور مقامِ اجازت کا یہ ایک ادنیٰ مرتبہ ہے، اس کا درمیانی (اوسط) مرتبہ لطیفہ نفس کی فنا، لفظ انا کی سالک کے وجود پر اطلاق کا زوال اور انوارِ نسبت کا تموج ہے اور اعلیٰ مرتبہ، لطیفہ قلب و نفس کی فنا و بقا شرف حاصل کرنے کے بعد عالم خلق کے لطائف کی تہذیب ہے کیونکہ اس مرتبہ میں طلب کی تپش کی تسکین، باطن کو کمال درجہ کا اطمینان اور اتباع ''ھو الماجاء به المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کا اتباع حاصل ہوتا ہے، ان میں سے کسی ایک مرتبہ کے حصول کے بغیر اجازت دینا مجاز کو مغرور اس مستفید کو محروم کرنا ہے، العیاذ باللہ منه۔

آپ کے خلفاء مختلف شہروں میں اس طریقہ کے مطابق مصروف ارشاد ہیں، ان میں سے بعض کا ذکر عنقریب آئے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کی ذات شریف کو اس طریقہ کے مقامات کی تسلیک کے (منصب) سے سرفراز فرمایا کہ آپ تیس سال تک اپنے مشائخ سے انوار و برکات طریقت و حقیقت حاصل کر کے کمال و تکمیل کے انتہائی مرتبہ پر فائز ہوئے اور تیس سال سے زیادہ سالکان راہ مولیٰ کی تربیت میں مشغول رہ کر دنیا پر نیک آثار چھوڑ گئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد میں سے بہت سے صاحب زادگان حضرت مظہر سے منسلک ہو گئے تھے جن میں سے بعض کے حالات کتاب حاضر کے باب خلفائے مظہر میں ملاحظہ کریں۔

۲۔ کشف قلوب (ر۔ک ضمیمہ فرہنگ اصطلاحات)۔

۳۔ لوہے کو جب پارس سے آشنائی ہو جاتی ہے تو وہ فوراً سونا بن جاتا ہے۔

۴۔ ر۔ک باب خلفائے حضرت مظہر (کتاب ہذا)۔

۵۔ ادنیٰ مقام سے اعلیٰ مقام پر پہنچانا (صراح)۔

۶۔ ر۔ک کتاب حاضر باب خلفائے حضرت مظہر۔

۷۔ منتخب کر لینا۔

۸۔ یعنی خواہش کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائے ہوئے دین کے تابع ہونا۔

☆☆☆☆☆

گیارھویں فصل

حضرت کے ترک وزہد اور دیگر اوصاف کا بیان

آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عقل کامل اور اعلیٰ اصابت رائے عطا فرمائی ہے' اُمورِ سلطنت اور انتظام مملکت کا تدبر[1] اور ہر کسی کے حال کے مطابق ہر اچھے طریقے سے اسے تعلیم دے سکتے ہیں' اس لیے اس وقت کے امراء مجھ سے مہمات کے سلسلے میں صلاح ومشورہ لے کر عمل کرتے ہیں[2] فرماتے تھے کہ والد کی تربیت کی برکت سے ہم ایک ہی نظر سے ہر کسی کو پہچان لیتے ہیں کہ اس میں آدمیت کا جوہر اور حوصلہ کس قسم کا ہے؟ اور لوگوں کی جبینوں پر ہم نور طریقت سے حرف سعادت یا شقاوت پڑھ لیتے ہیں کہ بہشتی ہے یا دوزخی۔

آپ کی ذات مبارک کمال درجہ کے زہد وتوکل سے متصف تھی' دنیا واہل دنیا سے بہت استغنا تھا' ان کے ہدیے بہت کم قبول فرماتے تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ محمد شاہ بادشاہ نے وزیر قمر الدین خان[3] کی زبانی کہلا بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملک عطا کیا ہے آپ جو چاہیں بطور ہدیہ قبول فرمائیں' آپ نے جواباً فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''قل متاع الدنیا قلیل''[4] (۳۹) گویا سات ولایتوں کی دولت کو قلیل فرمایا ہے' تمہارے پاس اس قلیل کا صرف ساتواں حصہ یعنی ایک اقلیم ہندوستان ہے' تمہارے پاس دینے کے لیے رکھا ہی کیا ہے؟ کہ فقرا کا سر ہمت جھک سکے۔

ایک امیر نے حویلی اور خانقاہ بنوا کر فقراء کے لیے وجہ معاش مہیا کرنے کی درخواست کی، اس نے حضرت سے عرض کیا تو اس کی درخواست قبول نہ ہوئی' فرمایا کہ چونکہ مکان چھوڑنا ہی ہے اس لیے مکان

کا اپنایا پرایا ہونا برابر ہے اور روزی جو علم الٰہی کی مقدر ہے وقت مقررہ پر مل کر ہی رہے گی' فقراء کے لیے صبر و قناعت کا خزانہ کافی ہے۔

ایک مرتبہ سخت سردی کے موسم میں آپ کندھے پر پرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے' وہاں نواب خان فیروز جنگ [۵] بھی موجود تھا وہ یہ منظر دیکھ کر آب دیدہ ہو گیا' اس نے اپنے ایک مصاحب سے کہا کہ ہم گناہ گاروں کی کتنی بدبختی ہے کہ جس بزرگ سے ہماری ارادت و بندگی ثابت ہے وہ ہمارا نیاز مندانہ تحفہ قبول نہیں کرتا' آپ نے فرمایا:

ہزار حیف کہ گل کرد بینوائی ما　　　　بہ چشم آبلہ آمد برہنہ پائی ما

فقیر نے امراء سے نیاز نہ قبول کرنے کا روزہ رکھا ہے اب جب کہ زندگی کا اختتام ہے اگر روزہ توڑوں تو دس لاکھ روپیہ درکار ہو گا تب جا کر میرے ہمسایوں کی عورتوں کو چولھا گرم ہو گا [۶]

نواب نظام الملک [۷] تیس ہزار روپے نقد بطور نیاز لایا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا تو پھر کہا کہ حاجت مندوں میں ہی تقسیم فرما دیں، آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا خانساماں نہیں ہوں یہاں سے باہر جا کر اس کی تقسیم شروع کر دو گھر پہنچنے تک ختم ہو جائے گا۔

اسی طرح افغانوں کے ایک سردار نے تین سو اشرفیاں بھیجیں تو آپ نے رد کر دیں اور فرمایا کہ اگرچہ ہدیہ رد کرنے کی ممانعت کی گئی ہے لیکن اسے لینے کو واجب بھی قرار نہیں دیا گیا اگر ہدیہ حلال ہونا متیقن ہو تو اس کا لے لینا باعث برکت ہے۔

فقیر اپنے ان اصحاب سے جو اخلاص اور احتیاط کے ساتھ تحائف لاتے ہیں قبول کر لیتا ہے لیکن امراء و اغنیاء جن کی دولت اکثر مشتبہ ہوتی ہے اور لوگوں کے حقوق ان سے متعلق ہوتے ہیں قیامت کے دن جن کے حساب سے عہدہ برآ ہونا دشوار ہے چنانچہ بروایت ترمذی حدیث شریف میں ہے: **لا یزول یوم القیمة قدما ابن آدم حتی یسال عن خمس عن عمره فیما افناه وعن شبابه فیما ابلاه وعن ماله من این اکتسبه وفیما انفقه وماذا عمل فیما علم** [۸]

اس لیے تحائف قبول کرنے میں تامل لازم ہے' ایک امیر نے آموں کا ہدیہ آپ کی خدمت میں بھیجا آپ نے اسے رد کر دیا' اس نے دوبارہ بصد التجا بھیجے' آپ نے دو آم لے لیے باقی تمام واپس کر دیے کہ میرا دل ان کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے' اسی وقت ایک باغ بان آپ کے حضور شکایت لے

کر آیا کہ فلاں امیر نے میرے آم جبراً لے لیے ہیں ان میں سے کچھ (۴۰) آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں ہمیں اس مظلوم کی حمایت کرنی چاہیے' آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ عاقبت نااندیش، مغضوبہ ہدیوں سے فقیر کا باطن تاریک کرنا چاہتے ہیں' تاب اللہ علیہم۔

امراء کا کھانا بہت کم کھاتے تھے' فرماتے تھے: ان لوگوں کے طعام کی ظلمت باطن کو مکدر کر دیتی ہے۔ اسی سلسلے میں فرمایا ہے: شر الطعام طعام الاغنیا (بدترین طعام امراء کا کھانا ہے) بلکہ آپ کو تو غربا کی ضیافت قبول کرنے میں بھی تامل ہوتا تھا کیونکہ یہ لوگ بے سروسامانی کی وجہ سے سود پر قرض لے کر ضیافتیں کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ روزہ افطار کرنے کے وقت بیگانہ طعام دوستوں میں تقسیم کیا اور اس میں سے کچھ خود بھی کھالیا' نماز تراویح کے بعد فرمایا: عزیزو! اپنے باطن کا حال تو بیان کرو کہ اس روٹی کے ٹکڑے نے باطنی نسبت پر کیا اثر کیا ہے؟ میں (شاہ غلام علی مؤلف ہذا) نے عرض کی کہ حضرت نے تو بھی تناول فرمایا۔ پہلے آپ ارشاد فرمائیں فرمایا کہ میرا باطن تو اس سے تباہ و سیاہ ہو گیا تھا' نماز اور قرآن سننے کی برکت سے بحال ہوا ہے میں نے پھر عرض کی کہ بے شک مشتبہ لقمہ نے آپ کے مبارک باطن اور دریائے انوار میں تغیر پیدا کر دیا تھا ہم جیسے تنگ باطن کی خرابی احوال کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمانے لگے: لقمہ توفیق رفیق اور نور اطاعت میں اضافہ کرتا ہے' آپ نے فقر کو دولت مندی پر ترجیح دی تھی اور صبر و قناعت کو پسند کر لیا تھا تسلیم و رضا کو اپنی مرضی کی خاصیت کے مطابق بنا کر قضائے موافق و ناموافق کے مطابق بنا لیا تھا اور دعائے نبوی ﷺ کے مطابق اللّٰھم اجعل رزق آل محمد کفافا [9] (اے اللہ! آلِ محمد کی روزی بقدر ضرورت بنا) بشریت کے لیے جو کچھ ضروری ہے اسی پر کفایت کرتے تھے۔ اپنے اصحاب کے لیے بھی یہی دعا کرتے تھے کہ وہ اس قدر دولت مند نہ ہوں کہ فضول خرچی کرنے لگیں اور نہ اس قدر مفلس ہوں کہ نوبت قرض تک پہنچے' آپ ان میں سب سے زیادہ بے سروسامان فرد تھے۔ اور موت کی تیاری وقت سے پہلے کرتے تھے' فرماتے تھے کہ عبودیت کے مراتب اور حلقہ ذکر کے بعد باقی وقت اس کے انتظار میں گزرتا ہے' اب دل میں کوئی آرزو باقی نہیں رہی اور نہ ہی دل کو لگاؤ رہا ہے۔ موت تحفۂ الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور حضرت مصطفیٰ ﷺ کی زیارت کا موجب ہے' ہر وقت میں آپ حدیث شریف کی طرف متوجہ ہوتے فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے اوقات اور اعمال

حضرت حبیب خدا ﷺ اور روایت فقہ کے مطابق درست کر لیے ہیں، جو کوئی ہمیں خلافِ شرع عمل کرتے دیکھے اس پر وہ ہمیں منع کرے، لوگوں کو سنت رسول خدا ﷺ کے مطابق سلام کرنے کی تاکید کرتے اور سر پر ہاتھ رکھنے یا جھکنے سے منع کرتے تھے فرماتے تھے: ہمیں خلوت پسند ہے اور اپنے مشائخ سے محبت و اخلاص، خصوصاً حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں نہایت راسخ تھے، فرماتے تھے کہ مجھے جو کچھ بھی ملا ہے (۴۱) اپنے پیروں سے غالب محبت کی وجہ سے ملا ہے تیرے اعمال ہی کیا ہیں؟ کہ بارگاہِ کبریا کے قرب کا موجب بنیں۔ مقبول اور مقرب حضرات کی محبت ہی قبول خدا کا سب سے مضبوط ذریعہ ہے، آپ کریم الاخلاق تھے۔ ہر ایک سے تواضع اور خندہ پیشانی سے پیش آتے، اہل فضل وتقویٰ کی تعظیم ان کے مراتب کے مطابق کرتے تھے، کسی کافر کی تعظیم کے لیے خواہ وہ امیر ہو یا غریب ساری زندگی نہ اُٹھے، ایک مرتبہ سنا کہ کافر مرہٹوں کا سردار آپ کی زیارت کے لیے آ رہا ہے آپ نے ایک شغل کے لیے اپنی مجلس برخاست کی اور اپنے حجرے میں چلے گئے جب وہ آیا اور بیٹھ گیا تو پھر وہاں سے باہر آئے اور یہ محسوس کیا کہ اب وہ جانے کے لیے آمادہ ہو رہا ہے، آپ پھر حجرہ میں چلے گئے، اس لیے کہ اگر اس کی تعظیم نہ کرتے تو وہ ناراض ہوتا اور اگر اہل دنیا کی تعظیم کریں تو دین کو نقصان پہنچتا ہے۔

انوارِ طریقہ کی اشاعت اور طالبوں کے حال پر توجہ دینے میں آپ بڑی کوشش کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس امر میں تاکید فرماتے تھے کہ اس طریقہ کی برکت سے دل میں نور اور اطاعت میں حضوری پیدا ہوتی ہے جو اطاعت حضور اور آگہی میں کی جائے اس کی قبولیت کی زیادہ امید ہے، اس طریقہ کے انوار سے نماز بے خطرہ ادا کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ آپ سخت بیمار ہوئے کہ مسند سے اُٹھنے کی تاب نہ رہی اصحاب نے مسند کے گرد ہی حلقہ بنا کر مراقبہ کیا ناگہاں آپ نے یہ شعر پڑھا:

خضر از حسد بمیرد چو بروی یار باقر
کند آخرین نگاہ و رہ پاندار گیرد

جس نے بہت تاثیر پیدا کی، مسند سے نیچے آئے اور طالبوں کے افادہ میں مشغول ہو گئے کہ گویا کوئی ضعف اور بیماری ہی نہیں ہے۔

ایک بزرگ آپ کو محبت، بغض، طے ارض، دست غیب اور تسخیر سلاطین کے اعمال کی اجازت اور

ادائے زکوٰۃ کی شرط کے بغیر ایک سیر خالص سونا آپ کو دیتا تھا' آپ نے قبول نہ کیا کیوں کہ اس طرح باطنی نسبت کے ریا سے آلودہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور دنیاوی اسباب کے لگاؤ کا شبہہ ہوتا ہے آپ کے طالبوں میں سے اگر کوئی ان اعمال کی طرف راغب ہوتا یا کیمیا سیکھنے کی خواہش کرتا تو آپ بہت ناراض ہوتے، فرماتے تھے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ درجہ توکل و استغنا اور ماسوا سے اتر کر فانی خرافات کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں جو شخص دنیاداروں سے میل جول رکھتا، اس کی صحبت کی برکات اور طریقے کے انوار سے نا اُمید ہو جاتے۔

فرماتے تھے کہ حاجت وضرورت کے بقدر اہل دنیا سے اختلاط میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اس میں وہ نیک نیت رہے اور باطنی نسبت کی حفاظت کر سکے' فرماتے تھے کہ دنیا پر خدا کا غضب ہے جیسا کہ روایت ہے: **قال رسول اللہ ﷺ الا ان الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیھا الا ذکر اللہ وما والاہ وعالم او متعلم** [11] (حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں ملعون ہیں سوائی اللہ کے ذکر، اللہ کی پسندیدہ چیز اور عالم یا طالب علم کے) اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(۴۲) سالک کے دل میں خدا اور دنیا کی طلب جمع نہیں ہو سکتی' ترک ماسوا اور دنیاوی اغراض سے منہ پھیر لینا چاہیے' خواہش رکھنی چاہیے یہاں تک کہ قبول ہو جائے:

فرد

آرزو بہ گزار تا رحم آیدش
آزمودم من چنیں می بایدش [12]

فرد

مئے صرف و حدیث کسی نوش کرد
کہ دنیا و عقبیٰ فراموش کرد [13]

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمہ کتاب حاضر۔

۲۔ دیکھیے: مقدمہ کتاب حاضر ''حضرت مظہر کے امراء سے روابط'' و ''سیاسی حالات''۔

۳۔ اعتماد الدولہ قمر الدین خان بہادر ۱۱۳۷ھ/۱۷۲۴ء میں محمد شاہ بادشاہ کا وزیر بنا، بہت سی ملکی مہمات میں سرگرم عمل رہا، اس کا لڑکا انتظام الدولہ حضرت مظہر کا ارادت مند تھا' حضرت مظہر کے دو مکاتیب اس کے نام ہیں، دیکھیے: کلمات طیبات مکتوب نمبر ۶۰۔۶۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

مآثر الامراء اردو ترجمہ ۱/۳۵۳۔۳۵۶۔

Malik, Z. U: The Reign of Muhammad Shah, Aligarh,

۱۹۷۷ء،(بامداد اشاریہ)Malik, Z. U: Khan-i-Dauran,

Aligarh،۱۹۷۳ء،(بامداد اشاریہ)

۴۔ القرآن، (النساء) ۴/۷۷ (کہ دنیا کا متاع تھوڑا ہے)۔

۵۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو حواشی سابقہ۔

۶۔ یہی واقعہ بشارات مظہریہ (ورق ۱۱/۱) میں بھی درج ہوا ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اس واقعہ کا مقام ایک بلند مکان بتایا گیا ہے کہ حضرت مظہر ایک بلند مقام میں تشریف فرما ہوئے وہاں ہوا تیز اور سرد تھی۔

۷۔ نواب نظام الملک آصف جاہ اول (۱۰۸۲۔۱۱۶۱ھ) بانی دولت آصفیہ، دکن۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو: حیات آصف مؤلف محمد محبوب جنیدی مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۶۵ھ۔

۸۔ ترمذی (باب ما جاء فی شان الحساب والقصاص) ۲/۲۷، طبع کراچی۔

متون ترمذی میں حدیث کے الفاظ قدرے مختلف ہیں' یعنی:

لا تزول قدما عبد حتیٰ یسال عن عمره فیما افناه وعن سلمه فیها فعل وعن ماله من این اکتسبه وفی ما انفقه وعن جسمه فیما ابلاه .

(ترجمہ:) کسی شخص کے قدم اپنی جگہ سے اس وقت تک نہیں ہل سکیں گے یہاں تک اس سے اس کی عمر کے بارے میں پوچھ لیا جائے گا کہ کہاں صرف کی اور سے علم کے بارے میں کہ کہاں خرچ کیا، اور اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا، اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کہاں استعمال کیا۔

۹۔ مسلم ۲/۴۰۹۔

۱۰۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسد کا لفظ زائد ہے۔ اس کا مفہوم اس طرح ہے:

خضر جب حسد کی وجہ سے اپنے محبوب کے سامنے مر جائے (اور مرنے سے پہلے) جب آخری نگاہ اپنے محبوب کے چہرے پر ڈالے گا تو اس کا راستہ پائے دار ہو جائے گا۔

۱۱۔ ترمذی ۲/۵۸۔

۱۲۔ خواہش کو دل سے نکال دے تا کہ اسے رحم آئے، میں نے یہ آزمایا ہے کہ وہ اس کو پسند کرتا ہے۔

۱۳۔ جو معشوق کے ہاتھ سے شراب خالص پی لیتا ہے، وہ دنیا و آخرت کو بھلا دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

بارھویں فصل

حضرت میرزا مظہر کے ملفوظات

آپ فرماتے ہیں کہ ایمان مجمل یعنی کہ ''میں خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان لایا اور نیز جو کچھ پیغمبر خدا سے لائے اور خدا ورسول کے دوستوں سے محبت اور ان کے دشمنوں سے نفرت رکھتا ہوں''۔ جو نجات کے لیے کافی ہے، ہر مسئلہ کو دلائل سے ثابت کرنا تبحر علماء کا کام ہے، عام مسلمان اس کے مکلّف نہیں ہیں۔

فرماتے ہیں: ائمہ اہل بیت سے اظہارِ محبت اور اصحابِ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یکساں تعظیم لازم ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے جو قیامت کے دن پل صراط کی صورت میں نمودار ہوگی، جو دنیا میں اس سیدھی راہ سے منحرف نہیں ہوگا وہ قیامت کے دن اس سے استقامت کے ساتھ گزر جائے گا۔

فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایک بے ادب رافضی نے جناب امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طعنہ دیا، ہم غیرت دین اور اصحاب سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احترام کی وجہ سے غضب ناک ہو کر اس بے ادب کے سر پر خنجر مارنے کے لیے نکلے، وہ ڈر گیا اور فریاد کرنے لگا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مجھے چھوڑ دو، حضرت امام رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک سنتے ہی میرا غصہ فرو ہو گیا اور میں نے اس بے ادب کو معاف کر دیا۔

فرماتے ہیں: تمام اولیاء اللہ کی تعظیم اور تمام مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے محبت بھی لازم ہے اگر نفع و استفادہ کی خاطر اپنے پیر کی افضلیت کا نظریہ اختیار کرلے تو یہ فرط محبت سے بعید نہیں ہے، شاید حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کہ جنھوں نے ایک نیا طریقہ رائج کیا اور اپنے طریقے کے مقامات و کمالات بکثرت تحریر فرمائے ہیں اور آپ کے برگزیدہ اصحاب ان مذکورہ مقامات و واردات کو پہنچے ہیں ہزاروں سے بھی زیادہ ہیں اور ان مقامات میں کوئی شبہ نہیں ہے کیوں کہ ان کا اقرار ہزاروں علماء اور

عقلا نے متواتر کیا ہے (اس کے باوجود) انہیں اولیاء کی برابری یا ان کی اکابر مشائخ رحمۃ اللہ علیہم پر افضلیت کا عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے کیوں کہ وہ اکابر دین آپ (حضرت مجدد قدس سرہ) کے مشائخ میں سے تھے۔

فرماتے ہیں: ان ایام میں لوگوں کے لیے احکامِ خداوندی پر عمل اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا مشکل ہوگیا ہے معاملات تباہ ہو گئے اور شریعت کے مطابق عمل موقوف ہو گیا ہے اگر کوئی روایت فقہ کے مطابق اور فتویٰ ظاہر پر عمل کرے اور اُمورِ جدیدہ اور بدعات سے اجتناب کرے تو یہ بہت ہی غنیمت ہے[1]

فرماتے ہیں: ''السماع یورث الرقة والرقة یجلب الرحمة'' (سماع رق بخشتا ہے اور رقت رحمت کا سبب ہے) پس جو چیز (۴۳) رحمت الٰہی کا باعث ہو وہ کس طرح حرام ہو سکتی ہے؟ مزامیر کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے مگر خوشی کے مواقع پر دف بجانا مباح ہے اور بانسری کا استعمال مکروہ ہے' حضرت رسول خدا ﷺ ایک جگہ تشریف لے جا رہے تھے' بانسری کی آواز آئی تو اپنے کان مبارک بند کر لیے۔ عبداللہ بن عمر بھی ہمراہ تھے آپ ﷺ نے انہیں سماع سے منع نہ فرمایا پس معلوم ہوا کہ اس سماع سے احتراز کرنا ہی کمال تقویٰ ہے۔

چونکہ نقشبندی بزرگوں کا عمل عزیمت پر محمول ہوتا ہے اس لیے وہ رخصت سے اجتناب کرتے ہیں اور سماع سے بھی پرہیز کیوں کہ غنا کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے مختلف فیہ کو ترک کرنا ہی بہتر ہے اور اس طرح کمال تقویٰ سے ذکر خفی اختیار کیا اور ذکر جہر موقوف کر دیا ہے[2]

فرماتے ہیں کہ توحید وجودی کا مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے' شرع اس باب میں خاموش ہے' صوفیہ کرام، نے اسے از روئے کشف و وجدان بیان کیا ہے جو احوالِ محبت کے غلبہ کی وجہ سے معذور ہیں' رسائل توحید اور معنی ''لا موجود الا اللہ'' کے خیال سے توحید حاصل کرنے کی کوشش اربابِ معرفت کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی[3]

ایک عالم نے خواب میں دیکھا کہ علماء وصوفیہ حضرت سرور عالم ﷺ کے حضور حاضر ہیں' علماء نے صوفیہ کے بارے میں بہت سی شکایات کیں کہ یارسول اللہ ﷺ! ان حضرات نے مسئلہ وحدت الوجود کا پرچار کر کے شرع میں خلل پیدا کیا ہے، بے باکوں نے ریاکاری سے کام لیا' حضرت رسول خدا ﷺ

نے ان اکابر پر حق سبحانہ کی طرف محبت کا جو غلبہ ہوتا ہے، کی وجہ سے معذور جانتے ہوئے سکوت فرمایا۔

فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے عروج حاصل ہوا اور نور منبسط (جس کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہو) بھی منکشف ہوا' اس میں ساری کائنات کے نقوش، منقش تھے' اس وقت مجھے حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آیا۔ **الاشیاء اعراض مجتمعة فی عین واحد**[۴] (کل کائنات کیا علوی کیا سفلی تمام عالم اعراض ہیں جو حقیقت واحدہ میں جمع ہیں) مجھے معلوم ہوا کہ اسماء وصفات کے عکسوں نے مرتبہ علم میں جو وجود کا باطن ہے امتیاز پیدا کیا ہے نیز ظاہری وجود میں بھی منعکس ہوکر آثارِ مقصود کا مصور بن گئے اور در حقیقت خارج میں وہی ایک وجود متحقق ہے اچانک مجھے تنبیہ کی گئی کہ اس مرتبہ کے اوپر بھی ایک مرتبہ ہے۔ چنانچہ اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے کہ "**فوق عالم الوجود عالم الملك الودود**"[۵] (ملک الودود کا عالم، عالم الوجود کے اوپر ہے)۔

پس اثناء سلوک میں توحید کے معارف پیش آتے ہیں اور وہ علوم جو کہ ظاہر شرع میں بے تاویل ہیں اس کے بعد واضح ہوتے ہیں ان اکابر اولیاء سے جن میں یہ علوم منقول ہیں یقین ہے کہ انہوں نے اس سے بڑھ کر ترقی کی ہوگی۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے کہ مخلصین کو اخلاص میں ثابت قدم اور ان کی بزرگی میں ترقی ہو تو افاضہ فیوض اور حل مشکلات کے لیے ان کے پیر و مرشد واقعات (مکاشفات وخواب) میں دکھائے جاتے ہیں[۴۴] اور بعض اوقات اس بزرگ کے لطائف اس کی صورت میں متمثل ہوکر ان کے کاموں کے پورا ہونے کا وسیلہ بنتے ہیں اور کبھی اس بزرگ کو اس معاملہ کی اطلاع بھی ہو جاتی ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کعبہ معظمہ سے کب آئے ہیں، میں نے جواب دیا: میں کبھی کعبہ گیا ہی نہیں' اس نے کہا: میں نے آپ سے کعبہ شریف میں ملاقات کی ہے اور ایک شعر کا مصرعہ جو مجھے بھول گیا تھا آپ ہی نے بتایا تھا پس چاہیے کہ اس قسم کے واقعات خود پسندی اور فخر کا باعث نہ بنیں ہمارا اور تمہارا تو صرف ایک بہانہ ہے، حقیقت میں تمام اُمور کا کارساز اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

او بہ دلہا می نماید خویش را
او بدوزد خرقہ درویش را[۶]

فرماتے ہیں کہ اس طریقہ میں پیری و مریدی محض بیعت، شجرہ اور کلاہ نہیں ہے بلکہ مرشد کی صحبت میں رہ کر ذکر تعلیم، حصولِ جمعیت اور توجہ الی اللہ کی تعلیم بھی لازم ہے۔

فرماتے ہیں کہ اشغال طریقہ اختیار کرنا غلبہ محبت الٰہی کے حصول کے لیے ہے کبھی فرطِ محبت محض عنایت الٰہی ہوتی ہے لیکن ذکر دوام باشرائط، طریقہ دوستان خدا میں فرض ہے تمام مرادات کا ترک کرنا اور کثرت ذکر کرنا چاہیے کیوں کہ دل ذکر کثیر کے بغیر نہیں کھلتا' ذکر کرتے وقت اگر کوئی کیفیت یا بے خودی حاصل ہو تو اسے محفوظ رکھنا چاہیے اور اگر کچھ ظاہر نہ ہو تو پھر بہت عاجزی اور افتقار کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے' اسی طرح اشغال کا التزام کرنا چاہیے تاکہ کیفیت دوام حاصل ہو جائے۔

فرماتے ہیں: اوقات کو ذکر اور عبادت سے معمور رکھنا چاہیے' اپنی قوت مدرکہ کو ماسوا اللہ کی طرف کرنے سے پاک رکھنا چاہیے' اپنی توجہ و ہمت اسم مبارک ''اللہ'' کے مفہوم کے سوا جس پر کہ ہم ایمان لائے ہیں کسی اور چیز پر صرف نہیں کرنی چاہیے یہاں تک کہ ملکہ حضوری میں راسخ ہو جائے اور دین کامل جو اسلام، ایمان اور احسان ہے، حاصل ہو جائے۔ جس وقت دل کی طرف خیال کرے اسے حق سبحانہ کی طرف متوجہ پائے' اس اثناء میں اگر دیگر ذوق و شوق اور کیفیات حاصل ہو جائیں تو یہ مزید عنایت الٰہی ہے ورنہ کار اصل مرتبہ حضور و آگاہی کا حصول ہے۔

فرماتے ہیں کہ ایسا دل سلیم پیدا کرنا چاہیے جس میں غیر اللہ کا گزر نہ ہو، واقعات و خواب چنداں قابل اعتبار نہیں ہیں کیونکہ ان میں بہت اشتباہات پیدا ہوتے ہیں' کبھی اتباع سنت کا نور، نور ذکر، نسبت مرشد، کثرت درود، خدمت سادات، درس حدیث اور کبھی تصدیق و اخلاص رسول خدا ﷺ کی صورت مبارک میں نمودار ہوتے ہیں' اسی طرح اولیاء کی خدمت میں مناسبت کے روابط ان اکابر کی صورتوں میں متصور ہوتے ہیں اور کبھی اخبار مشہورہ اور مقررات واقعہ کی صورت میں نظر آتے ہیں' یہ تمام شعبدے دل کو سرور بخشتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں ہیں مگر حضرت رسول خدا ﷺ کی زیارت اور اولیاء کا دیدار احوال، انوار باطن (۴۵) اور توفیق اطاعت کو زیادہ کرتا ہے' واقعات نفس الامر کے مطابق ہوتے ہیں جو بڑی کامیابی ہے۔

فرماتے ہیں: حضرت رسول خدا ﷺ کی زیارت اور رؤیت الٰہی جسے تجلی صوری کہا گیا ہے، خدائے عزوجل کی نعمت ہے خواہ وہ کسی قسم سے ہوں راسخ مناسبت سے بشارت دینے والی ہیں:

ع هنيئًا لارباب النعيم نعيمهم [7]

(نعمت والوں کے لیے ان کی نعمتیں مبارک)

فرماتے ہیں کہ غلبہ خواطر کے وقت جناب الٰہی میں التجا وزاری کرنا چاہیے' مرشد کی صورت کو توجہ کا مرکز بنا کر اس کے وسیلے سے باطنی امراض کے ازالہ کے لیے التجا کرنی چاہیے۔

فرماتے ہیں: افتقار و انکسار کی صفت کا ہونا لازم ہے اور لوگوں کے ظلم وستم صبر وتحمل سے برداشت کرنے کی عادت پیدا کرنی چاہیے:

چیست معراج فنا این نیستی
عاشقاں را مذہب و دین نیستی [8]

نگاہ بلند ہونی چاہیے مجازی اُمور کو تقدیر جانتے ہوئے چون و چرا نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر کوئی خطا ہو جاتی اور اہل بیت اسے ملامت کرتے تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: اسے کچھ نہ کہو اگر مقدر ہوتا تو کیا وہ ایسا کرتا؟

فرماتے ہیں کہ ان تمام تکلفات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکارم صفات کے مطابق تہذیب اخلاق کی جائے کیوں کہ ''حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا خلق، خلق عظیم ہے' حدیث شریف میں ہے: **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** [9] (میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق تمام کروں)۔

نفی و اثبات کے ذکر کی ورزش سے بشری صفات کم ہو جاتی ہیں' اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر بُری عادت کا جدا جدا تکرار کلمہ طیبہ میں کلمہ لا سے چند روز تک نفی کرے اور اس کی جگہ خدا کی محبت ثابت کرے یہاں تک کہ وہ بُری خصلت زائل ہو جائے' نفسانی خواہش کے برعکس مقامات سلوک حاصل کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ بُری خصلتیں نیک اوصاف میں تبدیل ہو جائیں۔

فرماتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ بُری صفات تصفیہ وتزکیہ کے بعد ختم ہو جاتی ہیں' ان کا مکمل خاتمہ ممکن نہیں ہے' حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا ہے تو تو سچ مان لو لیکن اگر یہ سنو کہ کسی کی جبلت بدل گئی ہے تو باور نہ کرو۔ **''لا تبدیل لخلق اللّٰہ''** [10] (خدا کی خلقت میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہے)۔

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: میرا غصہ زائل نہیں ہوا مگر اس سے پیشتر کفر میں صرف ہوا اب اسلام کی حمایت میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: فنا اور اطمینان نفس کے بعد تسلیم و رضا سالک کا وصف بن جاتا ہے اور فنائے قلب میں غلبہ محبت کی وجہ سے سب افعال لوگوں سے منسوب ہوتے ہیں اور فاعل حقیقی کے سوا سالک کے شہود میں کچھ نہیں رہتا۔

فرماتے ہیں کہ کھانے پینے، سونے جاگنے اور اعمال و عبادت میں توسط اور حد اعتدال رکھنا مشکل کام ہے' کوشش یہ کرنی چاہیے کہ (۴۶) اپنے اوقات کار حضرت خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق منضبط کیے جائیں' انبیاء علیہم السلام کی پیروی ہر کام میں حد اعتدال حاصل کرنے کے لیے ہے' ہر کام میں ''لیقوم الناس بالقسط''[۱۱] (تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں) نص قطعی ہے۔

اس باب میں آپ فرماتے ہیں کہ (طالب) مبداء فیاض کی طرف دوام سے اس قدر فیوض و برکات سے فائض ہوتا ہے کہ ''باطن'' انوار اور کیفیت محبت سے لبریز ہو کر بہنے لگتا ہے' فرماتے ہیں: اپنے اعمال کی کوتاہی کو پیش نظر رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی سابقہ عنایت کو دیکھنا اس راستے کے کارگزار کے لیے معاون ہے' خواہ کتنا ہی عمل کرے پھر بھی استغنا اور صفت کبریا میں مصروف رہے۔

گناہ کا عذر اور امید واثق کو قبولیت کا وسیلہ بنائے' تھوڑے سے گناہ کو بہت زیادہ خیال کرے' قلیل نعمت کو بے شمار خیال کرتے ہوئے شکر و رضا اختیار کرے۔

فرماتے ہیں: سالکوں کے لیے ہزار بار درود اور کثرت استغفار لازم ہے' حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات جو کہ مسائل شریعت، اسرارِ طریعت، معارف حقیقت، نکات سلوک، حقائق تصوف اور انوار نسبت مع اللہ پر مشتمل ہیں کا عصر کے بعد دائمی درس لینا چاہیے کیوں کہ ایسا کرنے سے سعادت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

دعائے حزب البحر، وظیفہ صبح و شام اور ختم حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم حل مشکلات کے لیے ہر روز پڑھنا چاہیے' تہجد کی نماز میں دس یا بارہ رکعتیں مع سورۂ اخلاص اور سورۂ یاسین یا جس قدر آسانی سے ہو سکے پڑھے' اشراق کی نماز چار رکعت اور نماز چاشت میں چار یا چھ رکعت اور زوال میں بھی چار رکعت ایک سلام سے سنت مغرب کے بعد چھ یا بیس رکعت اور عشاء کی سنت کے بعد چار رکعت

سنت عصر اور تحیۃ وضو بھی لازم ہونا چاہیے' تلاوتِ قرآن مجید ایک جز، کلمہ تمجید اور کلمہ توحید سو سو مرتبہ اور سبحان اللہ وبحمدہٖ صبح اور سوتے وقت سو مرتبہ پڑھیں' احادیث صحیحہ سے جو موقتہ دعائیں ثابت ہیں ان کا ورد بھی معین کرنا چاہیے لیکن ان تمام اعمال میں حضور قلب کا ہونا لازم ہے۔

فرماتے ہیں: فنا کا حصول جس کی علامت ماسوا اللہ سے بے شعوری اور خدا کی طرف دائمی توجہ ہے اگرچہ اس طریقہ میں جلدی حاصل ہوتی ہے لیکن اس مرتبہ کا متحقق و مثبت ہونا جس میں ماسوا اللہ کے بھول جانا اور علاقہ ''علمی وجبی'' کو دل سے قطع کرنا عرصہ دراز کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

اس طریقہ کے مقامات کے حصول کے لیے میں نے مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تیس سال خدمت کی اور تیس سال سے زیادہ طالبان حق عزوجل کو طریقہ کی تلقین میں مصروف ہوں، ساٹھ سال میں حضرت سید (نور محمد بدایونی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہات سے میں فنائے قلب سے مشرف ہوا اور اس مدت میں بڑی کوشش سے باطنی شغل کرتا رہا ہوں' اب فنائے قلبی کے آثار جیسے کہ چاہیے ظاہر (۴۷) ہو رہے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ کمال فنا کے ظہور سے بارہا یہ یقین ہوا کہ میں اس جہان سے انتقال کرنے والا ہوں اور اگر اس وقت کوئی آ کر سلام کہتا تو ایسا لگتا کہ جیسے کسی نے قبر پر آ کر سلام تحیۃ کہا ہے' ایک مرتبہ مجھے اس سے افاقہ ہوا تو گمان گزرا کہ میں ابھی زندہ ہوں اور ابھی رخت سفر باندھنے کا وقت نہیں آیا۔

فرماتے ہیں: فنا کے ظہور کے وقت قصور کی دید اس قدر غالب ہوتی ہے کہ اس موقع پر لوگوں کا خدمت اور تعظیم کرنا تعجب کا باعث بنتا ہے چنانچہ ایک دن یہ فقیر (مصنف حضرت شاہ غلام علی) آپ کے حضور میں حاضر تھا اور پنکھا کر رہا تھا اسی وقت مجھے سختی سے منع کر دیا لیکن دوسرے روز خود حکم دیا کہ پنکھا کرو' فرمایا کہ گزشتہ روز نسبت فنا کا ظہور تھا، میں نے خیال کیا کہ تم تمسخر کے طور پر یہ کام کر رہے ہو' اس لیے میں نے سختی سے منع کر دیا' اس وقت نسبت بقا کا ظہور ہے اور میرے باطن پر عظمت و کبریای الٰہی کی تجلی جلوہ گر ہے اس لیے اگر تمام دنیا اس کی تعظیم کے لیے اُٹھے پھر بھی اس مرتبہ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

فرماتے ہیں: تجلیاتِ الٰہیہ کی شناخت جو اربابِ محبت و معرفت کے باطن پر وارد ہو، کی شناخت دشوار کام ہے' نظر بصیرت تیز درکار ہے تاکہ تجلیات کی کیفیات جدا جدا معلوم کر سکے۔

فرماتے ہیں کہ مقامات طریقہ کے حصول کے بعد سالک کے احوال مختلف تصویروں والے مرقع کی طرح ہو جاتے ہیں، کبھی مقامی نسبت ظہور کرتی ہے اور وہ اپنی کیفیات میں اسے محفوظ کرتی ہے، کبھی نسبت مقامی دوسرا پرتو ڈالتی ہے تو اس وقت اس کی کوئی اور ہی حالت ہوتی ہے لیکن جب متوسلان خاندان احمدیہ (نقشبندیہ) کی نسبت اپنے کمالات اور عروج کو پہنچتی ہے تو سالک (متوسل) اس کی لطافت و بے رنگی کی وجہ سے ادراک نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ لطافت اور صفا تمام مقاماتِ سافلہ کو متاثر کرتی ہے اور کیفیات کو چھپا لیتی ہے اور وہ واقعات وخواب جو اس طریقہ کے اطفال (مبتدی) کے لیے دل خوش کن ہوتے ہیں کم ہو جاتے ہیں وہاں محض لاعلمی اور دشواری ہی ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ خلوت میں بیٹھ کر باطنی نسبت کی حفاظت اور مبداء فیاض پر دائمی توجہ رکھنی چاہیے، اپنے اوقات ادائے اعمال ظاہری سے معمور رکھنے چاہئیں کیوں کہ اعمال کا نور جمیعت، صفائی نسبت، حضور اور آگاہی کا سبب ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ہمیشہ کے مراقبے سے نسبت باطنی میں قوت ملک وملکوت کی اطلاع اور مہربانی کی نظر سے دلوں کو نوازنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے، ذکر تہلیل کی کثرت سے صفات بشریت کی فنا، کثرت درود سے اچھے واقعات، کثرت نوافل سے انکسار اور عاجزی اور کثرتِ تلاوت سے نور وصفا حاصل ہوتا ہے، ذکر تہلیل معنوی لحاظ سے اس طریقہ میں مفید ہے [۴۸] اور صرف لفظ کی تکرار ہی آخرت کے ثواب کا سرمایہ اور بُرائیوں کا خاتمہ کرتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ حبس نفس سے نفی و اثبات کا ذکر تین سو بار سے کم کیا جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے یہ جس قدر زیادہ کیا جائے اتنا ہی مفید ہے، حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبس نفس کے لیے ذکر کی شرط نہیں رکھی ہے بلکہ اس کا صرف مفید ہونا فرماتے ہیں لیکن ذکر دوام، وقوف قلبی اور مبداء فیاض پر توجہ کو اپنے طریقہ کا رکن مقرر کیا ہے [۱۲]

فرماتے ہیں کہ پہلے دل کا ذکر ضروری ہے، جب ذکر میں کچھ طاقت آجائے اور اسم ذات کی آواز خیال کے کان سے سننے لگے تو پھر ہر نفس میں ذاتِ الٰہی کی توجہ اور آگہی رکھنی چاہیے، جب کوئی خطرہ دل میں آئے تو اسی وقت اسے روکنا چاہیے تاکہ نفس کی خواہش اور وسوسے ہنگامہ برپا نہ کریں، کیوں کہ ہجوم خواطر فیض کے ورود کے مانع ہوتا ہے، یہی ''ہوش دردم'' ہے۔

فرماتے ہیں: اسم ذات کی کثرت سے جذبہ الٰہی کی نسبت حاصل ہوتی ہے' نفی و اثبات سلوک کے راستے کا فاصلہ طے کرنے کے لیے مفید ہے۔

فرماتے ہیں: باطنی حالات کی کیفیات کا ادراک مرتبہ ولایات میں محظوظ کرنا ہے لیکن کمالاتِ نبوت میں باطن کا وصف لاعلمی اور دشواری کے سوا کچھ نہیں ہوتا اگر چہ مقامات فوق میں لطافت و بے رنگی لازم ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ نسبت مجددیہ کی لطافت و بے رنگی لوگوں کے انکار کا سبب ہوتی ہے لہٰذا جب سالک کی سیر کمالات کو پہنچتی ہے تو مجھے تردد ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ طریقہ ہی ترک کر دے' ان شاء اللہ تعالٰی اگر عمر نے وفا کی تو سالکوں کو مقاماتِ سافلہ سے مقاماتِ عالیہ پر پہنچا دوں گا' اصل مقصد تو خدا کا بنا اور سنت کا متبع ہونا ہے' جو ہر مقام میں حاصل ہے۔

فرماتے ہیں کہ یقین وطمانیت مقاماتِ عالیہ مجددیہ کی طلب کے دوران زیادہ ہوتا ہے، اس کے بعد مقصود سے اتصال بے کیف پیدا ہوتا ہے۔

اتصال بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با نوع ناس [۱۳]

اس وقت کوئی ذوق وشوق اور حضور اس کی برابری نہیں کر سکتا۔

فرماتے ہیں کہ وصول کمالات کی راہ عنقریب بند ہونے والی ہے اور طریق ولایات پامال ہو جائیں گے' اس آخری زمانے میں مقامات سلوک کے لیے استعدادیں کوتاہ ہو گئی ہیں جو مقصود تک پہنچانے سے معذور ہیں لیکن تیس سال پہلے طالبوں کی سیر میں سرعت تھی' ان کا کشف و وجدان بھی درست ہوتا تھا فی الحال اگر میرے اصحاب میں سے کوئی طالب صادق اخلاص و کوشش سے فیوض طریقہ کے کسب کی کوشش کرے تو عرصہ دراز کے بعد وہ ولایت قلبی یا اس سے بالا مقام پر فائز ہوتا ہے لیکن مقاماتِ عالیہ مجددیہ کا حصول سخت دشوار ہے۔

فرماتے ہیں: مقامات میں سالکوں کی سیر میں صحیح کشف جو واقعات کے مطابق [۴۹] ہو بہت کم ہوتا ہے۔ پس بشارات دے دے کر خدا پر بہتان اور سالک کو مغرور نہیں کرنا چاہیے' حالات میں تبدیلی، واردات کی آمد اور اللہ تعالٰی کی طرف دائمی توجہ، دل جمعی اور اپنے اوقات کی وظائف و عبادت کے

مطابق تعمیر اللہ تعالیٰ کی عمدہ نعمتیں ہیں۔

فرماتے ہیں: ارباب شوق و ذوق کی تاثیر گرم اور تیز ہوتی ہے اور اہل دل کو بہت محظوظ کرتی ہے لیکن اللہ کے تمام طریقوں کی کیفیات وتصرفات میں وہی نسبت شریفہ ارباب طلب میں جذب فرماہے لیکن اہل اطمینان اور جمعیت کی نسبت جو کہ مرتبہ کمالات نبوت اوراس سے بھی بالاتر ہوتی ہے جو صرف طریقہ مجددیہ کا خاصہ ہے جس میں بہت انوار ہیں اور سالک بہت جلد ترقی کرتا ہے گرم تاثیر جو کہ بے تابی شوق بخشے بہت مفید ہے۔

ظاہر ہے قدیم زمانے میں جمعیت وطمانیت کا ظہور زیادہ تھا اس لیے اصحاب کو بے تاب حرکات سے منع کرتے تھے کیوں کہ فغان ونعرہ اصحاب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا۔

فرماتے ہیں کہ ضروری مسائل کا پڑھنا یا علماء کی صحبت میں سن کر عمل کی صحت کے لیے یاد کرنا لازم ہے فرماتے ہیں کہ علم حدیث ایسا جامع علم ہے کہ اس میں تفسیر، فقہ اور دقائق سلوک سب شامل ہیں اس علم کی برکات سے نور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ نیک عمل اور اچھے اخلاق کی توفیق پیدا ہوتی ہے تعجب ان پر ہے جو صحیح حدیث غیر منسوخ جسے محدثین نے بیان کیا ہے اور ان کے راویوں کے حالات معلوم ہیں اور جو چند واسطوں سے نبی معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن سے کبھی غلطی ہونا ممکن نہیں، پر عمل نہیں کرتے اور فقہ کی روایات جن کے ناقل قاضی اور مفتی ہیں ان کے تحریری احوال و عدل معلوم نہیں ہیں اور یہ دس واسطوں سے زیادہ پر ہی مجتہد تک پہنچتی ہیں پر عمل کرتے ہیں، ان سے خطاء وصواب ہر وقت ممکن ہے: ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا [14] (اے ہمارے رب! اگر ہم بھولیں یا غلطی کریں تو ہم سے مواخذہ نہ کر)۔

فرماتے ہیں: نکاح انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی سنت ہے لیکن ان ایام میں رزق حلال نایاب ہے اور جہالت کا دور دورہ ہے اکثر کی اولاد علم وادب سے بے بہرہ ہے عقد نکاح میں بدعات کے رواج سے بہت خلل پیدا ہو گیا ہے اس لیے سالکوں کے لیے ترک وتجرید بہتر ہے کم روزی کھانا، مولیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا، شہر میں مشہور نہ ہونا، کوئی ورثہ اور واث نہ چھوڑنا بے شک دولت بزرگ وشریف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اغبط اولیای عندی لمؤمن خفیف الحاذ ذو حظ من الصلوٰۃ

احسن عبادة ربه واطاعته في السر وكان في الناس لا يشار اليه بالاصابع وكان رزقه كفافا فصبر علىٰ ذلك ثم نقد بيده (۵۰) فقال عجلت منية قلت بواكيه قل تراثه [۵۱]

(نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے دوستوں میں سے میرے نزدیک زیادہ رشک کے قابل وہ مؤمن ہے جو کم عیال دار ہو نماز کا حصہ رکھتا ہو، اس نے پوشیدہ طور پر اپنے رب کی عبادت و اطاعت اچھی طرح کی ہو اور لوگوں میں غیر معروف ہو، انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ نہ کیا جاتا ہو، اس کا رزق بقدرِ ضرورت ہو، اس نے اس پر صبر کیا ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور فرمایا: اس کی موت جلد واقع ہوئی کیوں کہ کم عورتیں اس پر روئیں اور اس کا ترکہ بھی کم تھا۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل [۱۶] ترمذی اور ابن ماجہ [۱۷] نے روایت کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقدمہ کتاب ہذا بعنوان ''مذہبی بے راہ روی''۔

۲۔ ملاحظہ ہو: مکتوب حضرت مظہر در مسئلہ ذکر خفی و ذکر جہر۔ مکتوب نمبر ۱۱ (کتاب حاضر، باب مکاتیب)۔

۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: رسالہ وحدت الوجود تالیف ملا عبد العلی بحر العلوم ترجمہ مولانا زید ابوالحسن مطبوعہ دہلی، ۱۹۷۱ء۔

۴۔ شیخ اکبر کی فصوص الحکم کی فص شعیبیہ کی ایک طویل عبارت کا یہ اختصار ہے' معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت فصوص کی بجائے لوائح جامی پیش نظر تھی، لائحہ ۲۶ میں ہے:

شیخ رضی اللہ عنہ (ابن عربی) در فص شعیبی می فرماید کہ عالم عبارتست از اعراض مجتمعۃ در عین واحد کہ حقیقت ہستی است (لوائح جامی مرتبہ محمد قزوینی، طبع لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۳۸) جس کا مفہوم یہ ہے کہ کل کائنات کیا علوی کیا سفلی (تمام عالم) اعراض ہیں جو حقیقت واحدہ میں مجتمع ہیں' شیخ نے فص شعیبیہ (شرح جامی ص ۲۶۱۔۲۶۳) میں مفصل بحث کی ہے۔

۵۔ یہ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی (ف ۷۳۶ھ/۱۳۳۶ء) کا قول ہے، جسے حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات (۲/۲) میں نقل کیا ہے' آپ اس کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

امکان و وجوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ امکان اور وجوب ماہیت اور وجوب کے درمیان نسبت کا نام ہے تو جہاں وجود ہی نہ ہو وہاں نہ امکان ہوگا اور نہ وجوب' یہ معرفت نظر و فکر کے مقام سے وراء ہے......الخ۔

نیز حضرت مجدد الف ثانی نے معارف لدنیہ (طبع بجنور ۱۴۵۱ھ، ص ۱۸۔۲۰) میں بھی

اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے شیخ سمنانی کا یہی قول نقل کیا ہے' اس طرح آپ کے رسالہ مبداء ومعاد (طبع لاہور ص ۱۵۔۱۶) میں بھی اس قول کی وضاحت ملتی ہے۔
نقشبندی حضرات نے شیخ سمنانی کے اقوال بکثرت نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) محمد پارسا، خواجہ: فصل الخطاب، مطبوعہ بخارا۔

(۲) نورالدین اسفرائنی: کاشف الاسرار، طبع ہرمان لنڈٹ، تہران ۱۹۸۰ء۔

(۳) اسفرائنی وسمنانی: مرشد ومرید طبع ہرمان لنڈٹ، تہران۔

(۴) اقبال سجستانی: چہل مجلس شیخ علاء الدولہ سمنانی، تہران۔

(۵) ''سمنانی اور وحدت الوجود'' مقالہ ہرمان لنڈٹ' شامل دانش ایران جلد چہارم۔

(۶) مظفر صدر: احوال وآثار وافکار شیخ سمنانی، تہران۔

۶۔ وہ اپنا آپ دلوں میں ظاہر کرتا ہے اور خرقہ درویش کو سی دیتا ہے۔

۷۔ یہ مصرع اصمعی کا ہے دیکھیے نفحۃ الیمن مصنفہ شیخ احمد بن محمد یمنی شروانی، طبع دیوبند، ص ۳۹۔

۸۔ فنا کی معراج نیستی ہے، اس لیے عاشقوں کا مذہب ودنیا بھی نیستی ہی ہے۔

۹۔ موطأ امام مالک میں یہ حدیث اس طرح ہے: **بعثت لاتمم حسن الاخلاق** (حسن الخلق ۸) لیکن مدارج النبوۃ میں شیخ عبدالحق نے اسے ''مکارم للاخلاق'' ہی نقل کیا ہے (مدارج ۳۲/۱) طبع سکھر۔

۱۰۔ القرآن (الروم) ۳۰۔۳۰۔

۱۱۔ القرآن (الحدید) ۵۷/۲۵۔

۱۲۔ محمد پارسا، خواجہ: قدسیہ (ملفوظات حضرت خواجہ نقشبند) مرتبہ احمد طاہری عراقی، مطبوعہ تہران ۱۹۷۵ء، ص ۲۸۔۴۷۔

۱۳۔ نوع انسانی کے ساتھ رب الناس کا جو اتصال ہے وہ بلا کیف وقیاس ہے۔

۱۴۔ القرآن (البقرہ) ۲/۲۸۶۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فصل ۱۸ مکتوب نمبر ۱۶، کتاب ہذا)۔

۱۵۔ ترمذی ۲/۶۰ (زہد ۳۵)۔

۱۶۔ مسند احمد بن حنبل ۵/۲۵۲۔۲۵۵۔

۱۷۔ ابن ماجہ (زہد ۴)۔ نیز ملاحظہ ہو: المعجم المفہرس ۴/۴۵۹۔

تیرھویں فصل

وہ ہوش افزا نصیحتیں جو آپ نے اپنے اصحاب کو کیں

آپ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو، حضرت مصطفیٰ ﷺ کی متابعت دل و جان سے کرو، اپنے احوال کا کتاب و سنت سے تقابل کرو اگر موافق ہیں تو قبولیت کے لائق خیال کرو اور اگر مخالف ہیں تو مردود سمجھو، عقیدہ اہل سنت و جماعت کا التزام کر کے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرو اور علماء کی صحبت اختیار کر کے اخروی ثواب حاصل کرو اگر ممکن ہو تو حدیث پر عمل کرنے میں مداوت کرو[1] ورنہ کبھی کبھی حدیث پر عمل ضرور کرنا چاہیے تا کہ تم اس کے نور سے محروم نہ ہو۔

دل کو دونوں جہانوں کی اغراض سے پاک کرلو، تمہارا عمل ہی کیا ہے کہ تم اسے ہیچ سکو کس کی استطاعت ہے کہ وہ اپنے کو اس سے منسوب کرے، باطنی صفائی کے لیے خلوت لازم ہے کیوں کہ درویشی کا سرمایہ صفا کی موجودگی ہی ہے، دنیاوی اسباب میں سے بہت کم اختیار کرو کیوں کہ قیامت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا، عبادت اور ذکر خدا میں سرگرم عمل رہو آج کا کام کل پر نہ چھوڑو، مشائخ کی محبت میں اپنی عقیدت کو مضبوط کرو کیوں کہ دوستان خدا کی دوستی اللہ کے قرب کا موجب ہوتی ہے، اپنے پیر کے حضور غیر کا خیال نہ لاؤ، جب پیر کی صحبت میسر ہو تو نوافل نہ پڑھو۔

جہاں تک ممکن ہو سکے اپنی زندگی صبر و توکل سے بسر کرو، غیر کا تصور دماغ سے نکال دو، اپنے کام خدا پر چھوڑ دو، موت پر یقین اور اسے سچا وعدہ سمجھ کر اسے خلوت کا سرمایہ جانو۔

اگر تمہارے دل میں تردد نہ ہو تو گوشہ نشینی اختیار کرو رزق جس کے لیے وقت مقرر ہے خود ہی پہنچ جائے گا اگر عیال کی فکر دامن گیر ہو تو اسباب[2] کا مہیا کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، مقررہ آمدنی

جس پر دل کو بھروسا ہے نہ ہو وہ توکل اور سبیل ارشاد کے منافی نہیں ہوتی، فقیر کا راس المال تو فارغ البالی اور جمعیت خاطر ہے کیوں کہ اس کا فارغ البال دل مقصود کا منتظر ہوتا ہے، اس لیے ایسا نہ ہو کہ دل جمعی تفرقہ میں بدل جائے اور دل کی توجہ و یکسوئی میں خلل پیدا ہو، قناعت اختیار کرو، حرص اور طمع کو دل سے نکال دو یار اور اغیار سے نا اُمید ہو جاؤ، ہونا اور نہ ہونا اور ہر ایک کو برابر جانو اور کسی کو حقارت سے نہ دیکھو۔ اپنے آپ کو سب سے کم تر اور قاصر شمار کرو، طلب مولیٰ کی راہ میں کبر کو دماغ سے اور غرور کو ہاتھ سے چھوڑ دینا چاہیے، اسی مقام پر کہا گیا ہے کہ درویشی وہ ہوتی ہے کہ جو کچھ تُو اپنے دماغ میں رکھتا ہے اسے نکال دے اور اگر تیرے سر پر آن پڑے (مصیبت) تو تو جنبش نہ کرے گزشتہ اور آنے والے دن کے اندیشہ کو نکال دے، اپنی اطاعت اور عبادت پر فخر نہ کرے دید قصور اور نیسی کو اپنا سرمایہ بناؤ، نفس کی مخالفت جس قدر کر سکو وہ (۵۱) بہتر ہے۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ تنگ آ جائے کہ جس سے اطاعت کی خوشی اور شوق جاتا رہے کبھی اس کے نرمی کرنی چاہیے کیوں کہ مؤمن کے نفس کی رضامندی ثواب کا موجب ہے۔

ایک مرتبہ میرے نفس نے متمثل ہو کر ایک مخصوص طعام کی آرزو کی کہ جو بھی مقصد ہو گا وہ برآئے گا، اس وقت اتفاق سے کوئی نہیں تھا کہ میں اس سے کہتا، عرصہ کے بعد اس نے متشکل ہو کر طعام کی درخواست کی، اس وقت ایک شخص آیا، اس نے میرے حکم کے موجب کھانا مہیا کیا، اس کی ایک ایسی مشکل تھی جو کسی طرح حل نہیں ہوتی تھی لیکن یہ کام کرنے سے حل ہو گئی۔

فرماتے ہیں کہ اگر شکرگزاری کی نیت سے کھانا مزے دار بنائے تو بہتر ہے کیوں کہ بدمزگی کی صورت میں تہ دل سے شکر ادا نہیں ہوتا، لذیذ طعام میں بے مزہ پانی کی آمیزش کرنا نعمت الٰہی کو خاک میں ملانے کے برابر ہے، حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مرغوب کھانا تناول فرماتے تھے اگر رغبت نہ ہوتی تو تناول نہ فرماتے۔

ہمارے نفس حضرت جنید و شبلی رحمۃ اللہ علیہما کی طرح نہیں ہیں کہ کڑواہٹ کو بھی مٹھاس ہی خیال کریں اور کہیں کہ:

الصبر تجرع المرارة بلا عبوسته الوجه

(ناک منہ چڑھائے بغیر تلخی کو پی لینے کا نام صبر ہے)

وہ شکر جو محض زبان سے کیا جائے صبر کی ایک قسم ہے جس کا اثر روح تک ہوتا ہے۔

اولیاء کے مزارات کی زیارت کو فیض جمعیت کا دریوزہ بناؤ' مشائخ کرام کی ارواحِ طیبہ کو فاتحہ اور درود سے ثواب پہنچا کر جناب الٰہی میں انہیں وسیلہ[5] بناؤ کیوں کہ اس امر سے ظاہری و باطنی سعادت حاصل ہوتی ہے البتہ مبتدیوں کو تصفیہ قلب کے بغیر اولیاء کی قبور سے فیض حاصل ہونا مشکل ہے' اسی لیے خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ کی یاد میں مصروف ہونا اولیاء کی قبروں کی مجاورت سے بہتر ہے' عرس اور چراغاں کی متعارفہ رسوم کا مقید نہ ہونا کیوں کہ ایسا کرنے سے خیمہ و فرش کی ضرورت پڑے گی اور لوگوں کے ہجوم میں حفظ مراتب جاتا رہے گا[6] حاجت مندوں کی خفیہ طور پر نقدی سے مدد کرنے سے جلدی ثواب ملتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ عمل حدیث کے موضوع پر حضرت مظہر کا تفصیلی مکتوب نمبر ۱۶ مقاماتِ مظہری کی اٹھارھویں فصل میں ملاحظہ کریں۔

۲۔ حضرت مظہر کے زمانہ کے اقتصادی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کتاب کے مقدمہ میں ہم نے ان اُمور پر تفصیلی بحث کی ہے۔

۳۔ یعنی اس مقررہ آمدنی کو ہی اپنا دائمی رزق تصور نہ کیا جائے بلکہ اسے ایک وقتی ذریعہ خیال کرو۔

۴۔ اس نوعیت کے اقوال کی وضاحت کے لیے دیکھیے:
سلمی، ابوعبدالرحمٰن: طبقات الصوفیہ، طبع شربیہ، بامداد اشاریہ۔
اصبہانی، حافظ ابونعیم: حلیۃ الاولیاء (احوال حضرت جنید و شبلی)۔

۵۔ وسیلہ کے موضوع پر علماء و مشائخ نے بہت کچھ لکھا ہے' مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے کتاب ''وسیلہ جلیلہ'' میں ان اقوال کو بہترین طریقے پر یک جا کر دیا ہے۔

۶۔ حضرت مظہر کے حین حیات مشائخ کے عرسوں پر جو بدعات ہوتی تھیں، کتاب ہذا کے مقدمہ میں ''مذہبی بے راہ روی'' کے تحت ہم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

چودھویں فصل

آپ کے بعض منامات کا بیان اور آپ کی زبانی اولیاء کے احوال

فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت حبیب خدا ﷺ کی زیارت کا بارہا شرف حاصل ہوا ہے اور اپنے حال میں بہت عنایات کا مشاہدہ کیا ہے' آنحضرت ﷺ کی زیارت کی جو سعادت آخری مرتبہ نصیب ہوئی، آپ ہاتھی پر سوار ہو کر تشریف لائے اور اتر کر فرمانے لگے: آؤ ہم اپنے کندھے آپس میں ملائیں' میں اس خواب کی تعبیر نہیں سمجھ سکا۔

فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوۃ والتحیات کے جمال جہاں آراء کے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا کہ آپ ﷺ کے پہلو مبارک میں (۵۲) لیٹا ہوا ہوں اور آپ ﷺ کے نفس مبارک کی راحت مجھے پہنچ رہی ہے' اسی اثنا میں مجھے پیاس لگی، پیرزادگان سرہند بھی وہاں حاضر تھے، آنحضرت ﷺ نے ان میں سے ایک کو پانی لانے کا حکم دیا' میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! وہ تو میرے پیرزادے ہیں' فرمایا کہ میرا حکم بجالاتے ہیں پس ان میں سے ایک عزیز پانی لایا' جسے میں نے سیر ہو کر پیا' عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! حضرت مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: میری اُمت میں ان کی مثل کون ہے؟ میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا ان کے مکتوبات بھی آپ کی نظر مبارک سے گزرے ہیں؟ فرمایا: اگر اس میں سے تمہیں کچھ یاد ہو تو سناؤ' میں نے آپ کے ایک مکتوب[1] کی یہ عبارت پڑھی:

''سبحانہ تعالٰی وراء الوراء ثم وراء الوراء''[2]

(یعنی علم، فہم، عقل اور ادراک کی جہاں تک رسائی ہے اللہ کی ذات اس سے کہیں پرے

ہے بلکہ اس سے بھی پرے ہے)

بہت پسند کیا، محظوظ ہوتے ہوئے فرمایا: پھر پڑھو! میں نے دوبارہ وہی عبارت پڑھی' تو اس سے بھی زیادہ تعریف کی' یہ مبارک صحبت (حالت) دیر تک رہی' صبح ایک دوست آیا اور کہا کہ میں نے آج شب دیکھا ہے کہ آپ نے ایک بہت سہانا خواب دیکھا ہے وہ خواب کیا تھا' میں نے یہ خواب اس سے بیان کیا تو وہ بہت متعجب ہوا۔

فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کے نفس مبارک اور صحبت کی برکت سے میں اپنے آپ کو سراپا نور اور حضور محسوس کرتا ہوں اور اس خواب کی کیفیتوں سے جو بیداری سے بہتر ہیں، کئی روز تک پیاس اور بھوک کا احساس نہ رہا۔

فرماتے ہیں: ایک خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک بڑے صحرا میں کلاں چبوترا ہے اس پر بہت سے اولیاء حلقہ مراقبہ میں ہیں حلقہ کے درمیان حضرت خواجہ نقشبند دوزانو اور حضرت جنید قدس سرہما جھک کر بیٹھے ہیں اور حضرت سید الطائفہ جنید (رحمۃ اللہ علیہ) پر ماسوا اللہ سے استغنا اور کیفیات اور حالات فنا طاری ہیں' پھر وہاں سے سب اُٹھ کھڑے ہوئے، میں نے پوچھا: کہاں جاتے ہیں؟ کسی نے جواب دیا حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقبال کے لیے پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے' آپ کے ہمراہ ایک گدڑی پوش، سروقد، پاؤں سے ننگا اور بکھرے بالوں والا شخص بھی تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کمال تواضع اور تعظیم کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا' میں نے پوچھا: کون ہے؟ کسی نے کہا: یہ خیر التابعین اویس قرنی ہیں' وہاں ایک مصفا حجرے کا ظہور ہوا جو کمال درجہ منور تھا، وہ تمام حضرات اس حجرہ میں آ گئے، میں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہیں؟ کسی نے کہا: آج حضرت غوث الثقلین (رحمۃ اللہ علیہ) کا عرس ہے، جس کی تقریبات میں شرکت کے لیے جا رہے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ جب باطن کی نسبت پر فنا اور نیستی کا ظہور ہوتا ہے تو سالک اس وقت بے خودی اور استغراق سے متصف ہوتا ہے' وہ واقعات (مکاشفات و منامات) میں اپنے آپ کو مردہ دیکھتا ہے' نسیاب اور بے شعوری اس کے حال کے لیے لازم ہو جاتی ہے' ان ایام میں جب کہ مجھے (حضرت مظہر) حضرت سید (نور محمد بدایونی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہات سے فنائے قلبی (۵۳) حاصل ہوئی اور دنیاوی تعلقات اور خواہشات کے مٹ جانے کا (مقام حاصل ہوا) تو میں نے واقعہ میں دیکھا کہ

میرا تن سر سے جدا ہو گیا ہے' لیکن زبان سے کلمہ طیبہ جاری ہے نیز میں نے دیکھا کہ میں مردہ ہوں اور لوگ میری تجہیز و تکفین میں مصروف ہیں اور میرا جنازہ حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف دفن کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں اور میری روح بھی اس کے ہمراہ ہے یہاں تک کہ نعش کو قبر میں رکھ کر مٹی سے ڈھانپ دیا اور میں دیوار پر بیٹھا ہوں' منکر نکیر اس طریقے سے جو کہ حدیث سے ثابت ہے آئے اور اپنے دانت زمین پر مار کر قبر کے اندر داخل ہو گئے اور میری جان (روح) اور نعش میں تعلق پیدا ہو گیا' وہ جواب و سوال کر کے چلے گئے اور میں قبر میں آرام سے سو گیا نیز میں نے دیکھا کہ میرا انتقال ہو گیا ہے' لوگوں نے تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ اُٹھانا چاہا اچانک میرا جنازہ ہوا میں اُڑ گیا اور لوگ اس کے پیچھے روانہ ہوئے اور میری روح بھی اس کے ہمراہ ہے' اس وقت مجھے اپنی یہ رباعی یاد آئی:

مظہر تشویش چشم گوشی نشوی
سرمایہ جوشی و خروشی نشوی
باید کہ بپائے خود روی تا سر گور
اے جوہر پاک بار دوشی نشوی [3]

فرماتے ہیں کہ فقیر کو جو محبت جناب امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اور آپ نسبت علیہ نقشبندیہ کا سر منشا ہیں اگر تقاضائے بشریت کی وجہ سے میری باطنی نسبت پر پردہ پڑ جاتا تو جناب (صدیق اکبر) سے خود بخود رجوع ہو جاتا اور آپ کے التفات سے وہ کدورت دور ہو جاتی' ایک مرتبہ میں نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ کہا تو میرے حال پر بہت مہربانی فرمائی' ''تواضع'' کے طور پر فرمایا: میں اس ستائش کے لائق نہیں ہوں۔

فرماتے ہیں کہ ہماری نسبت (نسب) جناب امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک پہنچتی ہے اور مجھے آنجناب کی خدمت میں خاص نیاز ہے' جسمانی عوارض کے وقت میری توجہ آنجناب کی طرف ہوتی ہے جس سے مجھے شفا ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ میں نے ایک قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے:

فروغ چشم آگاہی امیر المؤمنین حیدر
ترا انگشت ید اللّٰہی امیر المؤمنین حیدر [4]

آپ کی خدمت میں عرض کیا تو بہت نوازش فرمائی۔

فرماتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت ایمان کا موجب اور تصدیق وایقان کا سرمایہ ہے، ہمارے لیے تو ان کی محبت کے سوا اور کوئی عمل وسیلہ نجات نہیں اور اپنی زبان مبارک سے یہ شعر پڑھا:

نکرد مظہر ما طاعتی و رفت بخاک
نجات خود بتولائے بو تراب گذاشت [5]

فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معارف کتاب وسنت کے مطابق ہیں اور وہ مقامات کہ جہاں اعتراضات وارد ہوتے ہیں (۵۴) کے جواب آپ نے خود تحریر فرما دیے ہیں [6] جو اہل انصاف کے نزدیک کافی ہیں۔

بہت سے کلمات جن پر علمائے ظاہر گرفت کرتے ہیں، دیگر اولیائے کرام سے بھی صادر ہوئے ہیں وہ بلا تاویل درست نہیں ہوتے، ہر تاویل جو ایسے کلام کی کی جائے وہ غلبہ احوال (سکر) یا الفاظ کا معانی کے بیان کے لیے کفایت نہ کرنا، یا ان باتوں کے اظہار کا حکم الٰہی ہونا، حضرت مجدد کے کلام سے بھی ثابت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث (دہلوی) رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اوائل حال میں آپ کے بعض معارف پر اعتراضات لکھے [7] لیکن آخر میں ان سے رجوع کرلیا۔ اور خواجہ حسام الدین [8] خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہما کو لکھا کہ ''ان ایام میں میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مجھے جو صفائی (رفع شبہات) حاصل ہوئی وہ حد سے متجاوز ہے، دراصل بشریت کا پردہ اور جبلت کا حجاب درمیان سے اُٹھ گیا ہے، رعایت طریقہ وانصاف اور حکم عقل جو ان عزیزوں اور بزرگوں کے حق میں بُرا نہیں ہوتا، ذوق، وجدان اور غلبہ کے طور پر کوئی چیز ایسی باطن میں پڑی ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیرتی اور احوال کو بدلتی ہے، شاید اہل ظاہر دور رہیں، میں تو نہیں جانتا کہ حال کیا ہے؟ اور کس طریق پر ہے؟'' انتہا [9]

راقم فقیر (شاہ غلام علی) کہتا ہے کہ ان کا قول کہ دراصل پردہ بشریت اور حجاب باقی نہیں رہا سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان اعتراضات کا لکھا جانا نفسانیت کی وجہ سے تھا نہ کہ حق وانصاف کا اظہار، اس

لیے ان معترضین کا یہی حال ہوتا ہے جو بلا تامل و تحقیق اعتراضات کرتے ہیں اگر آپ کا کلام انصاف سے پڑھا جائے تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا' حضرت شیخ (عبدالحق) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ (اعتراضات) کے آخر میں لکھا ہے کہ میں آپ کے بارے میں عالم غیب کی طرف متوجہ تھا کہ آپ کے ان سب معارف و مقامات کی غایت تحریر کیا ہے؟ آیا یہ اصلاً حق ہے یا محض سخنسازی ہے؟ تو یہ آیۃ شریفہ میرے باطن پر القا ہوئی: وان یک کاذبًا فعلیه کذبه [11] (اگر یہ جھوٹا ہے اس کا جھوٹ اسی پر ہے)' انتہا۔ ظاہر ہے کہ اس آیت کا نزول فرعون اور پیروکاران فرعون کے رفع شبہات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اثبات حقیقت کے لیے ہوا' اس لیے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے انکار سے باز آنا اور ان کے باطن شریف پر مذکورہ آیۃ کا القا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت شیخ کے اعتراضات رفع ہو چکے تھے [11]

فرماتے ہیں کہ بادشاہ [12] کی طرف سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو تکلیف پہنچنا بھی آپ کی انبیاء کرام علیہم السلام کی کمال متابعت کی دلیل ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید میں اعتکاف کیا اور حضرت سید المرسلین علیہ افضل الصلوات غار میں خلوت گزین ہوئے۔

(حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے) مخلصوں نے آپ پر کیے گئے اعتراضات اور شبہات کے ردّ میں رسائل تالیف کیے ہیں [13] ان رسائل ردشبہات میں سب سے بہترین رسالہ [14] مرزا محمد بیگ [15] (۵۵) بدخشی کا ہے' جو مکہ شریفہ میں تالیف ہوا' جس پر چاروں مسلک کے مفتیوں کی مواہیر ثبت کروائیں۔

فرماتے ہیں: فیض الٰہی بے انتہا ہے اور ہر ولی کی استعداد کے مطابق اس کا ظہور ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے متاخرین کی حکمت بالغہ کے مطابق کمالات عنایت کیے ہیں، یہ تمام علوم و فیوض متقدمین سے مروی نہیں ہیں' انبیاء علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت ثابت ہے' اسی طرح اولیا کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے' ان مقامات کی وجہ سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو امتیاز حاصل ہے' آپ کے طریقہ کے بہت سے مستفید ان درجات و حالات پر فائز ہوئے اور ان علوم و کیفیات کا اقرار کیا جس سے اس مقام کی نسبت میں شک و شبہ نہیں رہا کیوں کہ متواتر خبر صدق و یقین کے لیے مفید ہے' جو کوئی ان مقامات پر نہیں پہنچا اس نے انہیں تسلیم نہیں کیا اس لیے وہ اپنی جہالت کی وجہ سے معذور ہے' اعلیٰ کمالات کے

لیے کرامات کا ظہور شرط نہیں ہے' آپ ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان اعلیٰ درجات پر فائز ہونے کے باوجود جن پر کوئی ولی نہیں پہنچ سکتا، سے بکثرت خرقِ عادات، شوق و ذوق کی نسبتیں اور جذبہ و استغراق کا ظہور نہیں ہوا۔

کسی نے حضرت میرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ان دو بزرگوں حضرت غوث الثقلین اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا: یہ دونوں میرے پیر اور رہنما ہیں مجھ پر دونوں رحمت الٰہی کے بادل کی طرح برستے ہیں' میری رہنمائی کے لیے ان میں ایک ہی کافی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ فلک سے زیادہ نزدیک کون ہے۔

فرماتے ہیں: حضرت سید (نور محمد بدایونی) کے پیر حضرت حافظ محمد محسن استفادہ کے لیے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے فرمایا: تمہارے بزرگ ہمارے بزرگوں کا انکار کرتے تھے اب تم انکار کرنے آئے ہو یا اقرار [16]؟ عرض کی: اس انکار کی عذر خواہی کے لیے پس حافظ صاحب آپ کی صحبت کا التزام کر کے کمال و تکمیل کے مرتبہ کو پہنچے۔

راقم فقیر (شاہ غلام علی) کہتا ہے کہ حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نبیرہ حضرت شیخ محمد فرخ [17] جو کہ کثیر العمل عالم تھے، حج کے لیے گئے تو سید محمد برزنجی [18] نے جو کہ حضرت مجدد کا متشدد منکر تھا، چاہا کہ مدینہ منورہ سے آپ کے ہمراہ مکہ شریفہ آئے' آپ نے دعا کی کہ الٰہی میں عجمی ہوں اور وہ عربی اور حرم مبارک میں مجادلہ مناسب نہیں ہے تو اس کے شر سے مجھے بچا' آپ کی دعا قبول ہوئی وہ سخت بیمار ہو گیا' آپ نے حضرت رسول خدا ﷺ کے مزار مقدس کی زیارت کا شرف حاصل کر کے ہندوستان کی طرف رجوع فرمایا اور کشتی میں سوار ہوئے تو اس وقت وہ صحت یاب اور طاقت ور ہو کر آپ کے تعاقب میں آیا وہ ایک چھوٹی کشتی میں سوار ہوا کہ جہاز میں بیٹھ کر آپ کے ساتھ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے معارف پر بحث کرے' آپ نے دعا (۵۶) کی: اللّٰھم اکفیه بما شئت (اے اللہ! مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ) کشتی دریا میں غرق ہو گئی اور منکر اولیاء کو اس کی سزا ملی [19]

فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالاحد نے اپنے والد اور چچا [20] سے استفادہ کیا تھا وہ ان دونوں حضرات رحمۃ اللہ علیہما کی نسبتوں کو برابر خیال کرتے تھے اور نسبت سعیدی و معصومی میں فرق نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ میری نظر میں یہ دونوں بزرگ برابر ہیں جیسے امام تسبیح کے ساتھ دو دانے ہوتے

ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان حضرات کی نسبتوں کا امتیاز کرنے کی صلاحیت بخشی ہے' سعیدی نسبت میں اضمحلال اور بے خودی جو کہ مقامِ خلت کے لائق ہے بہت ہے اور معصومی نسبت میں "صفا اور لمعان" جو کہ مقامِ محبوبیت کے لیے مناسب ہے، بے شمار ہے' نسبت سعیدی میں کمالاتِ نبوت اور دیگر مقامات کی زیادہ قوت ہے' نسبت معصومی کی ولایات میں قوت زیادہ ہے حضرت مجدد کے مخصوص مقامات سے ان دو صاحب زادوں رحمۃ اللہ علیہما کے علاوہ کوئی مشرف نہیں ہوا۔

فرماتے ہیں کہ ابتداء میں میں طالبوں کو توبہ کی تلقین اس طرح کرتا تھا جو کہ توبہ نصوح کی تاکید کی طرح ہوتی تھی' ایک شب اپنے حضرت شیخ کو خواب میں دیکھا' میرے حال پر عنایات کیں وہاں ایک قوال حاضر تھا اس کو بھی آپ نے توجہ دی تو اس کی عجیب حالت ہوئی اس نے وہ عمل ترک کر دیا اور مزامیر توڑ دیے اور غیر شرعی افعال سے توبہ کی، فرمانے لگے کہ توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ جب طالب کے باطن پر نسبت غالب آجائے تو وہ اپنا کام خود کرے، اس روز سے میں نے توبہ کے سلسلے میں سختی کرنے سے گریز کیا کیوں کہ توبہ مجمل ہی کافی ہے۔ اور توبہ نصوح خاص وقت پر حاصل ہو جاتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ دانش مندوں کے ایک گروہ نے مجھ سے پوچھا: آپ نے طریقہ نقشبندیہ میں کیا فضیلت دیکھ کر دوسرے طریقوں کے مقابلہ میں اسے اختیار کیا؟ میں نے کہا کہ یہ طریقہ کتاب وسنت پر منطبق ہے جس کا قطعی ثبوت ہے اور یہ قطعیت پر منطبق ہے' وہ بھی قطعی ہے۔

اس طریقہ کے اشغال سے اتباعِ سنت کی توفیق ہوتی ہے اور شریعت کے اتباع سے اس طریقہ کے انوار میں اضافہ ہوتا ہے' اسی طرح ایک مرتبہ شیطان خشک ملا کی صورت میں ظاہر ہوا اور مجھ سے پوچھا کہ آپ کے مزاج میں عشق کی شورش کا غلبہ ہے اور آپ کی طبیعت عاشقانہ اشعار کی طرف راغب ہے تو پھر آپ نے اس بے کیف طریقہ کو جس میں سماع کو دخل نہیں اور آواز جہر (ذکر جہر) سے بھی سروکار نہیں ہے کیوں اختیار کیا؟ میں نے کہا: عقیدت اور محبت جناب باری تعالیٰ سبحانہ کی حکمت بالغہ کی مقتضی ہوتی ہے' اس نے کہا: یہ تو محض مجبوری کی علامت ہوئی' مجھے اس کے لاپرواہانہ سوال پر غصہ آیا اور چاہا کہ اس کی داڑھی پکڑ لوں اور ماروں لیکن وہ دفعتاً غائب ہو گیا۔

فرماتے ہیں: حضرت سید (نور محمد بدایونی) کے پیر حضرت شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہما ایک رات

تہجد کی نماز کے بعد اُٹھے تو بانسری کی آواز (۵۷) ان کے کان میں آئی بے تاب اور بے خود ہو کر گر پڑے جس سے دست مبارک پر چوٹ لگ گئی، فرمانے لگے: لوگ مجھے بے درد کہتے ہیں بے درد تو وہ ہیں جن پر سماع کی تاثیر نہیں ہوتی فرماتے ہیں کہ اس طریقہ کے ایک بزرگ ایک جگہ جا رہے تھے کہ ان کے کان میں سماع کی آواز آئی تاب نہ لا کر بیٹھ گئے اور اس کی شورش کو ضبط کر گئے جس کی گرمی سے ان کے سر کی کھوپڑی پھٹ گئی' انہوں نے کہا کہ سماع مہلک ہے اس لیے اسے حرام قرار دیا گیا ہے [۲۱]

فرماتے ہیں کہ حضرت سید (نور محمد) کے پیر حضرت شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہما کی خانقاہ میں ہر روز چار سو [۲۲] درویش استفادہ کے لیے جمع ہوتے تھے' حضرت شیخ ہر ایک کی فرمائش کے مطابق کھانے پکواتے تھے' ان تمام ناز و نعم کے باوجود سالکین بلند مقامات پر فائز ہوتے تھے کیوں کہ اس طریقہ کا مدار مرشد کی ہمت اور توجہ پر ہے' اس طریقہ کے ایک فرد نے چاہا کہ غذا کم کر دے ان کے پیر نے کہا کہ اس طریقہ کے فیوض حاصل کرنے کے لیے اس قسم کے اعمال کی ضرورت نہیں ہوتی کیوں کہ ہمارے بزرگوں نے اس کام کی بنیاد دوامی وقوف قلبی اور مرشد کی صحبت پر رکھی ہے' زہد اور شدید مجاہدات کا نتیجہ کرامات اور تصرفات ہیں لیکن مقصد کا حصول تو دوام ذکر، توجہ الی اللہ، اتباعِ سنت اور انوار و برکات کی کثرت سے ہوتا ہے ظاہر بین عوام کی نظر تو خرق عادات کے ظہور پر ہوتی ہے اور خواص جو حقیقت سے آگاہ ہوتے ہیں ان کا مطمح نظر صرف تصفیۂ قلب اور نسبت مع اللہ ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت حافظ سعد اللہ کے پیر حضرت محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہما، حضرت غوث الثقلین کی اولاد امجاد میں سے ایک صاحب زادے سے ملنے کے لیے گئے وہ صاحب زادگی اور اپنی ظاہری حشمت کے غرور سے آپ کی تعظیم کے لیے نہ اُٹھا' آپ کے اصحاب اس کی اس بے ادبی سے ناخوش ہوئے' اس نے آپ کی خدمت میں التماس و التجا کی آپ کے صرف ہمت سے اس نے طریقہ نقشبندیہ حاصل کر لیا اور اس کے حالات اچھے ہو گئے' اس کے عزیزوں کو یہ طریقہ پسند نہ آیا' انہوں نے کہا کہ تم نے اپنے آبا و اجداد کا طریقہ چھوڑ کر دوسروں کا طریقہ اپنا لیا ہے' اس نے کہا کہ خدا نہ قادری ہے نہ چشتی ہے' جہاں میں نے اپنا مقصود دیکھا وہیں پہنچ گیا۔

فرماتے ہیں کہ حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ تدفین کے لیے سہرند لے گئے، راستے میں اذان کے وقت آپ کے جنازہ سے اذان کا جواب سنا گیا۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بے ادب عورت نے حضرت شیخ عبدالاحد (وحدت) رحمۃ اللہ علیہ کو بُرا بھلا کہا آپ نے صبر کیا تو معلوم ہوا کہ غیرتِ الٰہی اس سے انتقام لینے کے لیے حرکت میں آ گئی ہے آپ نے حاضرین میں سے ایک سے فرمایا کہ اس بے ادب کے تھپڑ رسید کرو، اس نے توقف کیا اچانک وہ عورت گر پڑی اور مرگئی آپ نے اس توقف کرنے والے پر عتاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس عورت کا خون تمہاری گردن پر ہے اگر تو میرے حکم پر عمل کرتا تو وہ بے ادب (۵۸) نہ مرتی اور سلامت رہتی' حضرت مظہر اس واقعے کے بعد فرمانے لگے: مشائخ کے حکم پر بلاتوقف عمل کرنا چاہیے' اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

فرماتے ہیں کہ شاہ گلشن جو کہ حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے، کمال درجہ کے زہد اور ریاضت سے متصف تھے' یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے سالکوں کے لیے محل رشک ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے تین روز کے بعد بھوک لگتی تھی شدید بھوک کے وقت درختوں کے پتے، کھیرا اور خربوزے کے چھلکے لے کر انہیں پانی سے پاک کر کے کھالیتا' ایک ہی بوسیدہ گدڑی تیس سال تک آپ نے پہنے رکھی' ایک بار حضرت نے روزہ کے افطار کے وقت گرمی کی شدت سے حوض کا پانی طلب فرمایا، کسی نے عرض کی کہ یہاں ایک کنواں ہے جس کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا ہے' فرمانے لگے: ہم کئی سالوں سے اس مسجد میں سکونت رکھتے ہیں خیال میں یہ کبھی نہیں آیا کہ یہاں کوئی کنواں بھی ہے پیاس کی شدت کے وقت اسی حوض کا پانی پی لیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے دیناروں کی ایک تھیلی بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں بھیجی' آپ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے کہ ہم پر حج فرض ہو گیا ہے' ایک لحہ بھی نہ گزرا تھا کہ واپس آ کر فرمایا: ایک سائل نے سوال کیا تو وہ تھیلی میں نے اسے دے دی' اس لیے حج کی فرضیت میرے ذمہ سے اب ساقط ہو گئی ہے۔

ایک بار چاہا کہ زکوٰۃ ادا کریں کیوں کہ ہر فرض الٰہی کی ادائیگی سے خاص قرب حاصل ہوتا ہے' جب زکوٰۃ کا نصاب فراہم ہو گیا تو زکوٰۃ اور نصاب دونوں خدا کی راہ میں دے دیے کیوں کہ جب مقصود حاصل ہو گیا تو مذکورہ دولت کس کام آئے گی؟ فقراء کا خزانہ صرف درِ خدا ہے، سبحانہ۔

فرماتے ہیں کہ سلسلہ مداریہ [۲۴] کے فقراء کی ایک جماعت رقص و سرود کر رہی تھی کہ اہل تماشا میں

سے ایک کو خیال آیا ان بدعتیوں میں بھی کوئی صاحب کمال ہوتا ہوگا۔ ان فقراء میں سے ایک نزدیک آیا اور کہا:

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر
تو چہ دانی کہ درین گروہ سواری باشد [۲۴]

فرماتے ہیں کہ کسی کا انکار نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ ان صورتوں میں ''معانی حقیقت'' جلوہ گر ہیں۔

فرماتے ہیں کہ نواب مکرم خان [۲۵] رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ محمد معصوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کمالاتِ باطنی کا استفادہ کیا تھا' ایک روز ان سے عالمگیر بادشاہ نے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: چار سال وہ عرصہ جو میں نے اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں بسر کیا ہے یہی میری عمر ہے' باقی وبال آخرت ہے:

اوقات ہماں بود کہ با یار بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصل و بے خبری بود [۲۶]

فرماتے ہیں کہ نواب مکرم خان کے کھانے میں اتنے تکلفات ہوتے تھے جو فضول خرچی کی حد تک پہنچ گئے تھے لیکن حضرت خواجہ [۲۷] (محمد معصوم) رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کامل احتیاط اور انتہائی تقویٰ کے ان کا کھانا کھالیتے تھے۔

فرماتے تھے کہ ان کے کھانے کی برکات سے اس قدر (۵۹) نور باطن بڑھتا ہے کہ گویا کھانا کھایا ہی نہیں' حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کے غلبہ اور انوار نسبت کے ظہور سے ان کی تمام چیزیں منور ہو گئیں (تو انہوں نے بطور شکرانہ) دوگانہ نماز ادا کی۔

مثنوی

از محبت مسہا زرین شود
از محبت تلخہا شیرین شود
از محبت سرکہ ہا مل می شو
از محبت خارہا گل می شود [۲۸]

فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے پیر کی خدمت میں عریضہ [۲۹] لکھا کہ آپ کی محبت خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر غالب ہے' جو میرے لیے شرمندگی کا باعث ہے' اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ پیر کی محبت میں ہی خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت ہے اور کمالاتِ الٰہیہ کا جذبہ جو پیر کے باطن میں ہوتا

ہے اسی کا سبب ہوتا ہے [30]

چوں دیدہ عقل آمد احول معبود تو سرتست اول [31]

فرماتے ہیں کہ نواب مکرم خان کے انتقال [32] کے وقت حضرت خواجہ (عبیداللہ) احرار کا متبرک کلاہ ان کے سر پر رکھا گیا' انہوں نے نور فراست سے معلوم کر لیا اور آنکھیں کھول دیں کہ میرے پیر کا متبرک کلاہ لایا گیا ہے، اس لیے حضرت خواجہ کی ذات درگاہِ الٰہی میں میرا وسیلہ ہوگئی۔

فرماتے ہیں کہ قدیم نقشبندی بزرگوں کی نسبت اور نسبت احمدیہ (مجددیہ کے انوار میں فرق ہے۔ نیز ان کی کیفیات بھی مختلف ہیں' توجہ جو پیر اپنے مستفید کے حال پر کرتا ہے وہ پیر کے پیروں سے کم ظاہر ہوتی ہے کیوں کہ یہاں دونوں (پیر و مرید) کے قرب کے سبب ''معیت'' قوی اور متحقق ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت شیخ (محمد عابد)، حضرت سید (نور محمد بدایونی) اور نواب مکرم خان رحمۃ اللہ علیہم کے مزارات جو کہ یک جا واقع ہیں کی زیارت کے لیے گئے' دونوں مزاروں پر توجہ کرنے کے بعد فرمایا دونوں بزرگوں کی نسبت ایک ہی ہے لیکن حضرت سید کے مزار کی نسبت فقر و ورع نورانیت اور چمک کی وجہ سے ممتاز ہے۔

فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے طریقہ اخذ کیا، ایک نے طریقہ قادریہ اور دوسرے نے طریقۂ نقشبندیہ، حضرت شیخ فرماتے ہیں: حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک تشریف لائی اور مثالی صورت میں اپنے خاندان کے مرید کے ہمراہ روانہ ہوگئی اور حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ بھی مثالی صورت میں اپنے طریقہ کے معتقد کے ساتھ روانہ ہوئے۔

فرماتے ہیں: جنابِ الٰہی میں ہر شیخ طریقت کا توسل ''حبل المتین'' ہے کیوں کہ یہ مراتب قرب پر فائز ہوتے ہیں' مستفید اگر فیض حاصل کر لے تو زہے سعادت (اس طرح) وہ بھی ان میں سے ہوگیا' یہی نہیں بلکہ اس بشارت میں جس کے لیے یہ اکابر ممتاز ہوتے ہیں شریک ہوگیا اور ان بزرگوں کی عنایت اس کے شامل حال رہی۔

فرماتے ہیں کہ حضرت غوث الثقلین کی توجہ اپنے طریقہ کے متوسلین کی طرف زیادہ معلوم ہوتی ہے' میری اس طریقہ کے کسی ایسے فرد سے آج تک ملاقات نہیں ہوئی، جس کے حال پر آپ کی توجہ مبذول نہ ہو' اسی طرح (٦٠) اپنے طریقہ کے معتقدین پر حضرت خواجہ نقشبند کی توجہ صرف ہوتی ہے۔

مغل صحراؤں میں سوتے وقت اپنے سامان اور گھوڑے حضرت خواجہ کی تحویل میں دے دیتے اور ان کی غیبی مدد ان کے ساتھ ہوتی، اس باب میں اس قدر حکایات ہیں کہ اگر انہیں لکھا جائے تو طوالت ہوگی۔

فرماتے ہیں: حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے مزار کے زائرین پر بہت عنایت فرماتے تھے' اسی طرح شیخ جلال پانی پتی [۳۳] بہت التفات کرتے تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین کی شہود میں استغراق کی شان بہت عالی ہے' حضرت خواجہ شمس الدین (ترک پانی پتی) ماسوا اللہ کے کسی طرف التفات نہیں کرتے راقم فقیر (شاہ غلام علی) کہتا ہے: پانی پت سے روانگی کے وقت فقیر نے آنکھوں کو پاؤں بنالیا اور بڑے ادب کے ساتھ شمس الدین ترک (کے مزار) کی زیارت کے لیے گیا اس کے باوجود انہوں نے کہ ترک ماسوا اللہ کر رکھا ہے، مجھ پر عنایت کی' جس کی کیفیات وتوجہات شریفہ سے میرا دل اس قدر محظوظ ہوا کہ دہلی تک میں اس کا اثر اپنے اندر محسوس کرتا تھا اور کئی روز تک میں اس کے اثر سے سرشار رہا۔

فرماتے ہیں کہ ان اکابر کی نسبت کی قوت اور آبرو اس مرتبہ کی ہوتی ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے بلکہ ان عزیزوں کی باطنی نسبتوں اور قدیم صوفیہ علیہ کے مقابلہ میں کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان سے بہرہ ور نہیں ہو سکے ایک روز آپ نے اپنے اصحاب سمیت حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک پر توجہ کی اور فرمایا: سبحان اللہ عجیب اور قوی جذبہ والی نسبت کا ظہور حضرت خواجہ سے ہوا کیوں نہ ہوتا، حضرت خواجہ تو اس خاندان کے بزرگ ہیں' راقم (مصنف کتاب ہذا) کہتا ہے کہ میں اس وقت شرفِ حضور میں مشرف تھا، حضرت خواجہ کی طرف سے ایسی نسبت وارد ہوئی کہ ہمارے سینے جو خالی تھے اس نسبت کے انوار و کیفیت سے پُر ہو گئے، جب مراقبہ سے سر اُٹھایا تو حضرت خواجہ کا التفات ختم ہو چکا اور جو معمور دل تھے وہ خالی اور بے نور ہو گئے یہ انوار اور کیفیات ہمارے باطن پر ان شموس سے ہیں "وسط سماء حقیقت" ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

فرماتے ہیں کہ پانی پت میں امام بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سرہانے میں نے مراقبہ کیا اور کافی وتوجہ بھی کی لیکن ان کی نسبت کا اثر ظاہر نہ ہوا لیکن عرصہ دراز کے بعد ان کی نسبت نہایت لطافت سے ظاہر ہوئی تو معلوم ہوا کہ ان کا سلوک صوفیہ کے مقررہ طریقے کے مطابق نہیں ہے' وہ راہِ خدا میں بذریعہ شہادت پہنچے ہیں اور دفعتاً بطریق "اصطفا" فائز ہوئے ہیں اور یہی حال ان شہیدوں کا ہوتا ہے

جو خدا کی راہ میں دفعتاً جان دے دیتے ہیں انہیں عنایاتِ الٰہی کے جذبات دفعتاً مقاماتِ قرب پر فائز کر دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے نیا طریقہ بیان کیا ہے' اور اسرار (۶۱) معرفت کی تحقیق اور علوم کی گہرائی کی خاص طرز رکھتے ہیں' ان تمام علوم اور کمالات کی وجہ سے وہ علمائے ربانی میں سے ہیں، ان کی مثال ان محقق صوفیہ کی سی ہے جو کہ علم ظاہر و باطن کے جامع اور نئے علوم کے موجد ہوں ایسے چند ایک ہی گزرے ہوں گے۔

فرماتے ہیں کہ وہ اولیاء جو خدمت (خلق) پر مامور ہوتے ہیں، میں انہیں پہچانتا ہوں اور میری ان سے ملاقات بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں ہے کہ اس کا اظہار کیا جائے' نادر شاہ کے لشکر کے قطب سے ملاقات ہوئی تھی کسی معاملہ میں لاہور کے قاضی کی مہر درکار تھی میں نے اس سے کہا وہ ایک پہر کے اندر قاضی کی مہر لگوا کر لے آیا اور کہا کہ قاضی ایک کام میں مصروف تھا اس لیے میں دیر سے آیا ہوں' ورنہ میں گھڑی بھر میں آ جا سکتا ہوں' ایک مرتبہ ایک فقیر کی لڑکی کی شادی کے لیے رقم کی ضرورت تھی وہ آدھی رات کے وقت قلعہ کے اندر گیا محمد شاہ بادشاہ کی بالین سے جو ہر رات کو ہزار روپے کی تھیلی گوشہ نشین مساکین پر خرچ کرنے کے لیے اپنے سرہانے رکھتا تھا وہ تھیلی اٹھا لی بادشاہ کو اس کی خبر ہو گئی اس نے اسے چور سمجھا، فقیر نے کہا: میں وہ ہوں جس کے ذریعے تمہاری جان محفوظ رہی، بادشاہ نے کہا: کچھ اور رقم مانگو، اس نے کہا: بس یہی کافی ہے۔

فرماتے ہیں کہ وہ خفیہ طور پر ہمارے حلقہ میں آ کر بیٹھتا تھا کسی نے اسے نہیں دکھا تھا اولیائے عشرت کے لیے شہرت لازم ہے تاکہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں لیکن اولیائے عزلت کے لیے خفیہ رہنا لازم ہے تاکہ اسرار ظاہر نہ ہونے پائیں' ایک مرتبہ ایک قد آور جوان جس کے ہاتھ میں تیر و کمان تھی حضرت کے سامنے آیا' آپ اس کی تعظیم کے لیے اُٹھے اور فرمایا: تم وہی ہونا، وہ دیر تک بیٹھا رہا پھر چلا گیا تو فرمایا کہ یہ جوان ابدال تھا بلدہ سنبھل کی حفاظت اس کے ذمہ ہے' ہمیں دیکھنے کے لیے ایک ہی جست (یک قدم) میں وہاں سے یہاں آیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ بلدہ دہلی کا قطب ایک کشمیری مرد ہے جو فلاں محلے میں رہتا ہے' محمد احسان نے عرض کی کہ مجھے اس کا نام و پتہ بتائیں، فرمایا: کیا تو چاہتا ہے کہ راز فاش ہو جائے؟

ایک مرتبہ ایک سپاہیانہ وضع عزیز آپ کی خدمت میں آیا' آپ نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا: اجمیر سے' اس وقت مجھے اس کام پر مامور کر کے بھیجا گیا ہے کہ نجیب خان [35] کی نگہبانی کے لیے آپ اپنے اصحاب سے سورۂ اخلاص کا ورد کرنے کا حکم دیں پس آپ کے اصحاب نے سورۂ اخلاص کا ورد کیا اور نجیب خان کفار کے شر سے محفوظ رہا' [36]

حضرت (میرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ) نے کئی بار فرشتوں اور ارواحِ طیبہ اور باطن کے انوار کا اپنی ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا' ایک مرتبہ میں (شاہ غلام علی مصنف ہذا) آپ کی خدمت میں حاضر تھا، فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ اور یہاں کیوں آئے ہیں' میں نے عرض کی: یہاں کوئی بھی نہیں ہے' فرمانے لگے: مگر تم انہیں نہیں دیکھ سکتے' یہ سچ ہے کہ مغیبات کا کشف ہر ایک کو نہیں ہوتا اور عالم غیب کو دیکھنا طریقہ میں شرط نہیں ہوتا' اصل کام تو محض خدا کی طرف دائمی توجہ اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع ہے۔

فرماتے ہیں کہ ہمارے سب سے زیادہ اُمید والے اعمال اللہ کی طرف دائمی توجہ [62] اور مشائخ کرام کی محبت کے علاوہ نہیں ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ہر عمل کی کیفیت الگ الگ ہوتی ہے نماز تمام کیفیتوں کی جامع ہوتی ہے کیوں کہ وہ تلاوت، تسبیح، درود اور استغفار و اذکار کے انوار پر مبنی ہوتی ہے' سب سے صحیح اور اصل حالات جو کہ احوال قرن [37] سے مشابہ ہوتے ہیں نماز ہی میں حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ اس کے آداب جیسا کہ چاہیے بجالائے جائیں۔

راقم (شاہ غلام علی) مسکین عفی اللہ عنہ کہتا ہے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے، باطن کو نماز کی حالت میں عروج ہوتا ہے اور لطائف کو انوار فوق سے حظ حاصل ہوتا ہے مگر ارکان میں اعتدال اور خشوع و خضوع کا ہونا لازم ہے۔

فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت صفائی باطن اور قلب کی قبض رفع کرنے کا موجب ہے' ترتیل حروف اور خوش الحانی ہونی چاہیے' قرآن مجید کی تلاوت متوسط آواز سے کرنی چاہیے اس سے اذواق پیدا ہوتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں باطنی نسبت میں بہت ترقی ہوتی ہے، روزہ کی حالت میں غیبت اور جھوٹ سے بچنا واجب ہے، ورنہ روزہ کا حاصل فاقہ کشی کے سوا کچھ نہیں ہے' کوشش کرنی

چاہیے کہ اس مہینے کی رضامندی اور روزہ کی ادائیگی کا حق حاصل ہو جائے۔

فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے اس ماہ کو ایک پارسا مرد کی صورت میں دیکھا، اس نے پوچھا کہ تم روزہ داروں سے خوش ہو جاتے ہو؟ اس نے کہا کہ روزے کا حق ضائع کر کے انہوں نے مجھے ناراض کیا ہے مگر حضرت حجۃ اللہ (محمد) نقشبند [۳۸] رحمۃ اللہ علیہ بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے تھے لیکن وہ اس پر نادم تھے ان کا روزہ نہ رکھنے سے نادم ہونا دوسرے لوگوں کی نسبت مجھے زیادہ پسند ہے۔

فرماتے ہیں: اس ماہ مبارک کے انوار و برکات کا ظہور غرہ شعبان سے ہی شروع ہو جاتا ہے گویا اس ماہ کے فیوض کو چاند نے طلوع کیا، نصف شعبان سے ہی ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ چاند بدر تاباں ہو گیا ہے اور اس ماہِ مبارک کے انوار سے جہان منور ہو گیا ہے' شب غرہ سے ہی یہ ماہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فیوضِ الٰہی کا آفتاب بادلوں کے حجاب سے نکل آیا ہے' اس لیے مسلمان رمضان المبارک میں ہر طرف سے جمع ہونے لگتے ہیں اور بڑی عجیب صحبتیں رہتی ہیں تراویح میں قرآن سننے سے نئے حالات وارد ہوتے ہیں' کبھی کبھار تراویح کے بعد اصحاب کے ساتھ مراقبہ کرتے اور صحیح حالات حاصل ہوتے اور جس پر لیلۃ القدر کا احتمال ہوتا تو فرماتے کہ آج رات بہت سی برکات فائض ہوئیں اور بکثرت تجلیات کا ظہور ہوا اس رات آپ بہت سی دعائیں پڑھا کرتے' ان حالات کی کیفیات کی تحریر میں گنجائش نہیں ہے۔

فرماتے ہیں کہ شب قدر بدل کر آتی ہے، یعنی طاق راتوں میں سے کسی رات کو آتی ہے' اس کے لیے ستائیس معین نہیں ہے البتہ اس رات کثرت سے دعا اور نماز (نوافل) ادا کرنے کے سبب لوگوں کا اس رات کو جاگنا معمول بن گیا ہے [(۶۳)] اس میں بہت ہی برکات پائی جاتی ہیں اور بعض اوقات شب قدر مذکورہ تاریخ میں ہو بھی جاتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ ان ایام کی جمعیت اور حضور سارے سال کا ذخیرہ ہوتا ہے' یہ تجربہ کی بات ہے کہ اگر اس مہینے میں کوئی قصور یا فتور ہو جائے تو اس کا اثر سارا سال رہتا ہے' میں (میرزا مظہر) نے اپنے استاذ کی زبانی سنا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر یہ ماہ جمعیت و اطاعت میں گزرے تو سارا سال اچھی توفیق اور جمعیت سے محفوظ رہتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہر سال ماہ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرتے تھے

اور اگر کوئی اجازت طریقہ کے مقامات پر پہنچ جاتا اور اسے ان ایام میں اگر خرقہ سے سرفراز کرتے تو اسے تاکید کرتے کہ ان ایام میں لوگ حلقہ میں حاضر رہیں تاکہ باطنی ترقیات سے بہرہ ور ہوسکیں۔
رمضان شریف ختم ہونے کے بعد فرماتے کہ روزوں کی برکات سے عزیزوں کی نسبتیں کثیر الانوار اور روشن ہوگئی ہیں افسوس کہ سارا سال رمضان کیوں نہیں رہتا' روزہ اگر (سال) میں کسی وقت بھی رکھا جائے اس سے ''صفائی'' حاصل ہوتی ہے اور اس وعدہ کی برکات کی انا اجزی بہ [۳۹] (اس کی جزا میں دوں گا) سے خالی نہیں ہے لیکن اس میں رمضان شریف کی سی کیفیات نہیں ہوتیں' راقم مسکین کہتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے: الصوم لی وانا اجزی بہ [۴۰] (روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا بھی میں ہی دوں گا) بعض کے نزدیک اجزی صیغہ مجہول ہے اس صورت میں روزہ کا رؤیت (باری تعالیٰ) میں کامل دخل ہے۔ فطوبی للصائمین (روزہ داروں کے لیے ہی بہتری ہے)۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ مجدد الف ثانی: مکتوبات ۱/۲۔

۲۔ حضرت مجدد الف ثانی کا محولہ بالا مکتوب، حضرت شیخ اکبر ابن عربی کے تصور وحدت الوجود اور اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی کے اپنے نظریے کے بیان پر مشتمل ہے، جس کے ابتدائیہ کا یہ آخری فقرہ ہے۔

۳۔ اے مظہر آنکھ اور کان کے لیے تشویش نہ بن جوش وخروش کا سرمایہ نہ بن، چاہیے کہ تُو اپنے پاؤں سے قبر تک پہنچے، اے جوہر پاک تو کسی کے لیے بوجھ نہ بن۔

۴۔ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ چشم آگاہ کی روشنی ہیں، پھر تیرے لیے وہ ید اللہ کیوں نہیں؟

۵۔ مظہر: دیوان، طبع مصطفائی، ص ۱۸۔

(ترجمہ:) ہمارے مظہر نے بندگی نہیں کی اور قبر میں چلے گئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ قرار دیا۔

۶۔ امام ربانی مجدد الف ثانی: مکتوبات، جلد اوّل، مکتوب ۲۰۹۔ جلد سوم، مکتوب نمبر ۸۸، ۹۲، ۱۲۱۔

۷۔ حضرت شیخ محدث کا ایک پورا مکتوب حضرت مجدد کے معارف پر اعتراضات پر مبنی ہے، یہ مکتوب معارج الولایت تالیف عبداللہ خویشگی قصوری (بسال ۱۰۹۶ھ) میں منقول ہے جسے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حیات شیخ عبدالحق محدث میں نقل کر دیا ہے، ص ۳۱۲۔۳۴۴۔

۸۔ خواجہ حسام الدین احمد، اکبر بادشاہ کے مقرب اور ابوالفضل کے بہنوئی تھے، بعد میں امارت ترک کر دی اور حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں شب و روز بسر کر کے ۱۰۴۳ھ میں انتقال کیا۔ (نزہۃ الخواطر ۱۲۸/۵۔۱۲۹ نسیم احمد فریدی: خواجہ باقی باللہ لکھنو ۱۹۷۸ء، ص ۹۹۔۱۱۴)۔ عبیداللہ، خواجہ کلاں: زاد المعاد تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، مطبوعہ گوجرانوالہ ۲۰۱۴ء۔

۹۔ شیخ محدث کا یہ مکتوب اخبار الاخیار کے آخر میں شامل ہے' اس سلسلہ کے مخالفین نے حضرت محدث رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکتوب کی آڑ لے کر اپنی آراء کو مؤثر بنانے کی سعی کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ نے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا تھا' دونوں حضرات کی اولاد میں بعد میں بہت محبت اور یگانگت پیدا ہو گئی تھی چنانچہ حضرت خواجہ محمد یحییٰ بن حضرت مجدد الف ثانی نے حدیث کی سند حضرت شیخ محدث سے حاصل کی تھی' حضرت شیخ محدث کی اولاد میں سے بہت سے افراد حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد سے بیعت ہو کر رشد و ہدایت میں معروف ہوئے' حضرت میرزا مظہر سے حضرت شیخ محدث کے کئی صاحب زادگان منسلک تھے جن کی تفصیل کتاب حاضر کے باب خلفائے حضرت مظہر میں ملاحظہ کریں نیز ہم نے اپنی کتاب احوال و آثار عبداللہ خویشگی (ص ۱۴۵۔۱۵۰) میں اس روایت رجوع پر مفصل بحث کی ہے۔

۱۰۔ القرآن، (المؤمن) ۴۰/ ۲۸۔

۱۱۔ مؤلف کتاب حاضر حضرت شاہ غلام علی نے حضرت شیخ نے ان اعتراضات کے جواب میں مستقل رسالہ تالیف کیا تھا جو رسالہ در اعتراضات شیخ عبدالحق بر حضرت مجدد کے عنوان سے ان کے رسائل سبعہ سیارہ، مطبوعہ ۱۲۸۴ھ اور ان کے مکاتیب شریفہ میں بھی شامل ہے نیز کئی حضرات نے شیخ محدث کے جواب میں مستقل رسائل تالیف کیے ہیں دیکھیے مقدمہ ملفوظاتِ شریفہ، ص ۴۰۔ رسائل در دفاع حضرت مجدد الف ثانی' مقدمہ نوشتہ محمد اقبال مجددی

۱۲۔ نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو سجدہ تعظیمی نہ کرنے کے جرم میں گوالیار کے قلعہ میں قید کیا، اور آپ وہاں (۱۶۱۹ء/۱۶۳۱ء) تین سال رہے اس کے بعد کچھ عرصہ جہانگیر کے ہمراہ اس کے لشکر میں رہ کر تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

۱۳۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، زندگی ہی میں اعتراضات شروع ہو گئے تھے اور ہر دور میں مخالفین آپ پر اپنے لایعنی اعتراضات تراشے بغیر نہیں رہ سکے ہم نے بعض ایسے دریافت شدہ خطی رسائل کی نشاندہی کی ہے جو حضرت مجدد کے ردّ میں لکھے گئے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: احوال و آثار عبداللہ خویشگی، ص ۱۵۹۔۱۶۲، اسی طرح آپ کے سلسلے کے معتقدین نے اَن گنت رسائل ان مخالفین کے جواب میں تالیف کیے، روضۃ القیومیہ

کی تالیف (حدود ۱۱۶۴ھ) تک تین سو پینسٹھ رسائل کا شمار ہوا تھا (۳/۴۸ قلمی) ہم نے اپنے ایک مقالہ ''حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں لکھی جانے والی کتابیں'' (مشمولہ رسالہ نور اسلام، حضرت مجدد نمبر) میں اس موضوع کی ۴۱ کتابوں کی تفصیل دی ہے۔

۱۴۔ اس رسالہ کا نام عطیۃ الوہاب الفاصلہ بین الخطا والصواب ہے' جو عربی میں ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء میں تالیف ہوا۔ علیحدہ کتابی صورت میں اور پھر مکتوبات حضرت مجدد کے عربی ترجمہ محمد مراد (دفتر سوم) کے حاشیہ پر دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔

۱۵۔ شیخ محمد بیگ مکی کئی اہم کتابوں کے مؤلف تھے۔ (ر۔ک۔ ملحق خلاصۃ السیر، طبع ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، حموی' مصطفیٰ: فوائد الارتحال ۲/۱۰۴۔۱۱۴)۔

۱۶۔ یہاں انکار اور اقرار سے حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کا وہ اختلاف مراد ہے جس کی تفصیل فصل ہذا (حواشی ۷، ۸، ۹) میں ملاحظہ کریں نیز حضرت حافظ محمد محسن کے حالات کے لیے دیکھیے حواشی فصل سوم کتاب حاضر۔

۱۷۔ حضرت شیخ محمد فرخ بن حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی، معروف عالم اور کثیر التصانیف تھے، علامہ اور مولوی معنوی لقب تھا۔ ستر ہزار حدیثیں متن اور سند کے ساتھ انہیں حفظ تھیں (مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ، حاشیہ، ص ۲۶ عربی)۔ حضرت مجدد الف ثانی کے معارف پر کئی کتابیں تالیف کیں اور مخالفین کے ردّ میں ایک پر مغز کتاب کشف الغطا عن اذہان الاغبیاء لکھی تھی، راقم کئی خطی نسخوں سے تقابل کر کے اس کا متن تیار کر رہا ہے۔

۱۸۔ دورِ وسطیٰ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مخالفین میں سب سے نمایاں نام سید محمد بن عبدالرسول برزنجی کا ہے۔ اس دور کے اکثر مخالفین سلسلہ مجددیہ کا تعلق اسی برزنجی سے تھا اس نے اس موضوع پر بہت سے رسائل لکھے جن میں سے بعض کے خطی نسخوں کی نشاندہی ہم نے احوال و آثار خویشگی میں کی ہے، (ص ۱۵۹۔۱۶۴)۔ عمر رضا کحالہ: معجم المؤمنین ۹۔۳۰۸، ۱۰۔۱۶۵۔

۱۹۔ یہ روایت مجددی سلسلے کے کئی تذکروں میں ملتی ہے، دیکھیے روضۃ القیومیہ ۳/۷۶۔

۲۰۔ حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت کے والد حضرت خواجہ محمد سعید اور چچا حضرت خواجہ محمد معصوم

فرزندان حضرت مجدد الف ثانی مراد ہیں اور نسبت سعیدی و معصومی انہی حضرات سے منسوب ہے۔

۲۱۔ سماع کے بارے میں حضرات صوفیہ کرام میں اختلاف ہے، نقشبندی مشائخ نے بھی اس موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں' خود حضرت مظہر کے خلیفہ جلیل القدر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا رسالہ سماع بہت مشہور، مقبول اور مطبوعہ ہے۔

۲۲۔ حضرت مؤلف (شاہ غلام علی) اپنے رسالہ احوال بزرگان میں خود فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ سیف الدین چودہ سو طلبہ کو وظیفہ (مدد معاش) دیتے تھے۔ (قلمی، ورق ۱۷۳۔۱)۔

۲۳۔ سلسلہ مداریہ، شاہ بدیع الدین مدار (ف ۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء) سے منسوب ہے' سلاطین شرقیہ کے عہد میں اس سلسلے کو عروج حاصل تھا' تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار، ص ۱۵۴۔

Sharqi Sultanate of Jaunpur, pp. 274-77.

Sufi Orders in Islam, p. 97.

۲۴۔ خاکساران جہان کو حقارت سے نہ دیکھو، تجھے کیا معلوم کہ اس گروہ میں کوئی سوار بھی ہے؟

۲۵۔ نواب مکرم خان کا نام میر محمد اسحٰق بن شیخ میر تھا' اورنگ زیب عالم گیر کے خاص مقربین میں سے تھا' کئی اہم ملکی مہمات میں شریک رہا ۱۱۲۹ھ کو انتقال کیا۔ (ملاحظہ ہو: مآثر الامراء، اردو ترجمہ ۵۷۵۔۵۷۹) حضرت خواجہ محمد معصوم سے اس کے پورے خانوادے کو عقیدت تھی، اس کا والد، چچا شیخ منیر، برادر بزرگ محتشم خان (میر ابراہیم) اور برادر خرد شمشیر خان (میر یعقوب) بھی اس سلسلے کے معتقد تھے' خود مکرم خان بھائیوں سمیت سرہند شریف میں حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں کئی سال رہا تھا۔ (مقامات معصومیہ، قلمی، ص ۸۸۸)۔ مکتوبات معصومیہ ۳/۱۵۹/۲۱۲ جہاں میر یعقوب کو اس خانوادے کا فرد بتایا گیا ہے۔

۲۶۔ اچھا وقت وہی تھا، جو یار کی صحبت میں گزرا، اس کے علاوہ سب بے حاصل اور بے خبری تھی۔

۲۷۔ مقامات مظہری کے دونوں مطبوعہ نسخوں میں یہاں حضرت سید یعنی شیخ نور محمد بدایونی طبع ہو گیا ہے جو سہو کتابت ہے۔

۲۸۔ محبت سے تانبا سونا بن جاتا ہے اور محبت کڑوی چیز کو میٹھا بنا دیتی ہے، محبت سے سرکہ شراب

انگوری بن جاتا ہے۔ اور محبت سے کانٹے پھول ہو جاتے ہیں۔

۲۹۔ مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم دفتر دوم میں مکتوب نمبر ۱۵۳ اور ۱۵۴، انہی کے نام ہیں ان میں اگر چہ مکتوب الیہ کا خطاب مکرم خان نہیں لکھا گیا جس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ خطاب حضرت خواجہ محمد معصوم کی وفات کے بعد ملا تھا (مقامات معصومیہ، قلمی، ص ۸۸۹)۔

۳۰۔ مکتوب نمبر ۱۵۳ میں فرماتے ہیں:

نوشتہ بودند محبتی کہ این جانب منسوب است، فوق محبتی است کہ بجناب قدس او تعالیٰ منسوب ست و این اکثر درخوف وخشیت می باشد۔ سعادت آثار آنچہ نوشتہ آید سہ توجیہ دارد...... توجیہ اول آنکہ محبتی کہ بہ پیر و مرشد است، وسیلہ محبت حق است جل وعلا......

(دفتر دوم، ص ۲۵۱)

۳۱۔ جب عقل کی آنکھ بھینگی ہو جاتی ہے تو معبود اول تیرا سر ہوتا ہے۔

۳۲۔ ۱۱۲۹ھ/ ۱۷۱۷ء۔

۳۳۔ حالات کے لیے اسی فصل کا حاشیہ نمبر ۲۵ ملاحظہ کریں۔

۳۴۔ نادر شاہ کا حملہ ہندوستان (۱۱۵۱ھ/ ۱۷۳۹ء) تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ کتاب حاضر۔

۳۵۔ نجیب خان سے مراد نجیب الدولہ ہے جو مشہور روہیلہ سردار تھا۔

۳۶۔ نجیب الدولہ نے بیسیوں مرتبہ حضرت مظہر سے دعا کی درخواست کی اور آپ سے اس کے قریبی روابط تھے تفصیل کے لیے کتاب حاضر کا مقدمہ مطالعہ کریں۔

۳۷۔ احوال قرن، یعنی ایسے احوال جو ایک دوسرے سے مربوط ہوں اور ان میں کامل جامعیت پائی جائے۔

۳۸۔ حالات کے لیے سابقہ حواشی ملاحظہ کریں۔

۳۹۔ بخاری (باب صوم ۲)۔

۴۰۔ ایضاً۔ نیز دیکھیے مسلم (صیام ۱۶۴)، نسائی (صیام ۴۱، ۴۳)، ابن ماجہ (ادب ۵۸)، موطا (صیام ۵۸)، مسند احمد بن حنبل ۱/ ۴۴۶ و بہ بعد، ملاحظہ ہو: المعجم المفہرس ۳/ ۲۶۰۔

☆☆☆☆☆

پندرھویں فصل

آپ کے بعض کشوف اور کرامات

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے آپ کو مقامات الٰہیہ کا صحیح کشف عنایت فرمایا تھا' آپ کی معلومات نفس الامر کے موافق تھیں' فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ارشاد فرماتے تھے کہ تمہاری تمام معلومات اور وجدانیات صحیح ہیں اور ان میں سرِ مو بھی تفاوت نہیں ہے لہٰذا آپ کے اصحاب میں سے کسی کو کشف ہوتا تو اپنی سیر کے مقامات میں عین دیکھتا، نہیں تو حالات کے ہر مقام میں اسی مقام کے مناسب جیسا کہ حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے، اپنے باطن میں معلوم کرتا۔

فرماتے تھے کہ میرا کشف و وجدان ہمیشہ اپنے پیران کبار کے مطابق ہوتا تھا مگر ایک مرتبہ مجھ سے غلطی ہوئی کہ حضرت شیخ نے ایک بزرگ کے حق میں فرمایا کہ وہ تمہارے وسیلے سے کمالات کو پہنچا ہے۔ میں نے واقعہ کے خلاف عرض کیا' فرمایا: تمہارے مشاہدے میں غلطی ہوئی ہے جو کچھ میں نے کہا درست ہے لیکن چند روز کے بعد انہوں نے میرے حال پر عنایت کی اور فرمایا کہ تمہاری دید (۶۴) صحیح تھی ہم سے غلطی ہوئی ہے۔

فرماتے تھے کہ میں مقامات کی بشارت بیان کرنے میں بڑے تامل سے کام لیتا تھا' یہاں تک کہ سالک کے باطن میں اس مقام کے انوار واضح طور پر دیکھ لوں' اس کے بعد بھی میں الہام کا متوقع رہتا' پھر میں اس کے حالات کے تغیرات پر سوال کرتا اگر وہ الہام کے موافق ہوتے اور اس کے باطن میں جدید حالات و کیفیات رونما ہوتے تو میں اسے اس مقام کی بشارت دیتا کہ تجھے اس مقام سے مناسبت پیدا ہوگئی ہے جو صرف واقفیت کی حد تک ہے، نہ یہ کہ اسے متقدمین جیسی نسبت حاصل ہوئی ہے تاکہ مساوات لازم نہ آئے اگر تو ہمیشہ ذکر اور مراقبہ کرے اور قضائے الٰہی کے سامنے اپنی رضامندی پیش کرے گا تو اس مقام کی فتوحات سے فائدہ اُٹھائے گا۔

مستفید کو توجہی الی اللہ اور ماسوا اللہ سے قطع تعلق کرنے سے مرشدوں کی صحبت میں اذواق و کیفیات حاصل ہوتی ہیں، وہ خلوتوں میں بیٹھ کر اپنے اوقات وظائف اور عبادت سے تعمیر کر کے مقامات الہیہ میں ترقی کرتے ہیں اگر مبداء فیاض میں تجلی نہیں ہے تو قصور سالکوں کی ہمت کا ہے، راقم مسکین کہتا ہے: قدیم بزرگ مجاہدہ، تفصیل مقامات اور سلوک سے ولایت کی راہ پر پہنچے ہیں اور ان کا سلوک کئی سالوں کی ریاضات شاقہ کے بعد انتہا کو پہنچا ہے اس لیے ان کے قوی حالات اور ولایت کے آثار اچھے طریقے سے ظاہر ہوئے ہیں لیکن اس طریقہ (نقشبندیہ) جذب اور مرشد کی توجہ سے اجمالاً مقامات سے مناسبت پیدا ہوتی ہے، ان مقامات کے انوار و برکات مناسبت کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اس طریقہ کے اصحاب اپنی عمر ذکر اور عبادات میں گزار کر تصفیہ دل اور غیر کی توجہ کا ازالہ اور رذائل سے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں تو اطمینان مع کیفیات اور حالات ان کے نقد احوال سے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں تو اطمینان مع کیفیات اور حالات ان کے نقد احوال ہوتے ہیں خرق عادات مجاہدات پر موقوف ہیں نہ کہ یہ قرب اور ولایت کے لیے شرط ہیں[1]

فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت کہ جس کا شکر ادا کرنے کی بیان قدرت نہیں رکھتا، وہ یہ ہے کہ مجھے مقاماتِ الہیہ کا کشف نفس الامر کے مطابق حاصل ہے اور اس خاندان کے جتنے بزرگ اس وقت طالبوں کے ارشاد میں مصروف ہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ امتیاز بخشا ہے کہ میں اس طریقے کے سالکوں کی نہایات تک تسلیک کر سکتا ہوں۔

بعض افغانوں نے آپ کی بشارات سے انکار کیا' آپ نے اپنے نور فراست سے معلوم کر لیا اور فرمایا: اگر تم باور نہیں کرتے تو قدمائے دین میں سے ایک کو مقرر کرو تاکہ اس کی روح ظاہر ہو کر ان بشارات کی شہادت دے' انہوں نے عرض کی: اگر سرور عالم ﷺ اس کی تصدیق فرمائیں تو دعویٰ صدق کے نزدیک تر ہو جائے گا' آپ نے حضرت پیغمبر خدا ﷺ کی روح مبارک پر فاتحہ پڑھی اور اپنے اصحاب سمیت جناب مقدس ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے' اس توجہ میں اہل مراقبہ پر غیبت طاری ہوئی' حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ (۶۵) نے ظاہر ہو کر منکروں کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ میرزا کی تمام بشارات صحیح ہیں۔

شاہ عبدالحفیظ[2] حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے مقاماتِ عالیہ پر فائز ہوئے تھے' کہتے ہیں: میں

نے آپ سے استفادہ کیا ہے، مجھ سے فرمایا: طاقت حاصل کرنے کے لیے تمہیں ہر مقام کی دوبارہ توجہ دیتے ہیں پھر تھوڑی دیر کے لیے ولایت قلبی کی توجہ کی، میں نے امتحان کے طور پر اس مقام کو چھوڑ کر اس مقام سے دوسرے مقام پر توجہ کی، میں آپ کے حضور بیٹھا تھا کہ آپ نے مجھے تنبیہ کی کہ میں نے تو تمہیں دل کی طرف متوجہ رہنے کے لیے کہا تھا تم نے دوسرے مقام کی طرف توجہ کیوں کی؟ اس روز سے مجھے یہ یقین ہو گیا کہ آپ کا کشف بہت صحیح ہے۔

احمد خان زبیری کے خلیفہ شاہ معزالدین اپنے پیر کے حکم سے مقامات کی تصحیح کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے حالات پر توجہ کرنے کے بعد فرمایا، تمہیں کس مقام کی نسبت حاصل ہے؟ تمہارے پیر نے کون سی بشارت دی ہے؟ اس نے آپ کے کشف کی صحت کا اقرار کیا۔

میر بہادر[3] نے حضرت شیخ سے طریقہ کے مقامات سیکھے تھے اور آپ سے بھی استفادہ کیا تھا، کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے حضور توجہ کے اصل مقام کو بغرض امتحان چھوڑ کر دوسرے مقام کا مراقبہ کیا تو مجھے منع فرمایا کہ توجہ ہمت کو پراگندہ نہ کرو اور اسی مقام پر توجہ مرکوز رکھو، تمہیں مقاماتِ سافلہ سے بھی مناسبت ہے لیکن پھر بھی ترقی کے لیے ہمت کرنی چاہیے۔

شیخ محمد احسان[4] نے حضرت سید (نور محمد) رحمۃ اللہ علیہ کے پیر حضرت حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مراقبہ کیا تو ان کی زبان سے بے اختیار یہ نکلا کہ آپ حضرت میرزا صاحب کی بشارات کی صحت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے اپنے مزار سے باہر آ کر فرمایا: سب صحیح ہیں۔

اس قسم کے بے شمار شواہد آپ کے کشف کی صحت کے بارے میں ہیں، آپ کی صحت بشارات کی قوی دلیل سالک کے ہر مقام پر حالات میں تغیر ہے جو اس طریقہ کے امام حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق ہے، آپ کے اصحاب جس کی وجہ سے ممتاز ہیں اور اپنے باطن میں (ان) کیفیات کو پاتے ہیں اور اسی طرح کشف کونی، کشف قلوب اور کشف قبور کے متعلق بیان کرتے ہیں، واقعہ کے مطابق ہوتا تھا۔

محمد قاسم[5] کے بھائی نے آپ کے حضور عرض کی کہ محمد قاسم عظیم آباد میں قید ہے، اس مخلص کے لیے توجہ فرمائیں، مختصر خاموشی کے بعد فرمایا: قید نہیں ہوا ہے، اس کا دلالوں سے کچھ تنازعہ ہو گیا تھا لیکن خیریت ہے، اس نے اپنے گھر خط ارسال کر دیا ہے، کل پرسوں تک پہنچ جائے گا۔

اسی طرح کا واقعہ ہے کہ غلام مصطفیٰ خان[6] کی زوجہ[(۲۶)] (اپنے گھر میں) غائبانہ توجہ کے لیے بیٹھتی تھی وہ آپ کے حضور شریف میں ہر روز اطلاع کے لیے ایک شخص کو بھیجتی تھی' ایک روز وہ شخص اس کی اجازت کے بغیر ہی چلا آیا اور عرض کی کہ وہ آپ کی توجہ سے مستفیض ہونے کے لیے منتظر بیٹھی ہے' آپ نے مختصر سکوت کے بعد فرمایا: جھوٹ نہ کہو، تم اس کی اجازت کے بغیر ہی آ گئے ہو، وہ تو ابھی تک سوئی ہوئی ہے' اس نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔

ایک روز میں (شاہ غلام علی) آپ کی خدمت میں حاضر تھا، شیخ غلام حسن[7] سے توجہ کے بعد فرمایا کہ کیا تُو نے کفار کی پوجا کا کھانا (چڑھاوا بتاں) کھایا ہے؟ تیرے باطن سے کفر کی ظلمت ظاہر ہو رہی ہے' انہوں نے کہا: میں نے ہندو کے ہاتھ سے کچھ چیز کھائی ہے' میرے باطن کی تمام کدورت اسی وجہ سے ہے' مولوی غلام محی الدین[8] کو رخصت کے وقت فرمایا کہ تمہاری راہ میں دیوار نظر آئی ہے شاید تم راستے ہی سے واپس آ جاؤ' وہ چند ماہ کے بعد واپس آ گئے۔

ملا نسیم[9] سے رخصت کے وقت فرمایا: دوبارہ ملاقات ہوتی نظر نہیں آتی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فرماتے تھے کہ اصحاب کے دلوں کے راز مجھے خود ان سے بھی زیادہ معلوم ہیں کہ ان کو کیا خطور درپیش ہیں۔ میں (مصنف کتاب) نے عرض کی کہ حضرت آپ مطلع کیوں نہیں فرماتے؟ فرمانے لگے: پردہ داری خدا کا وصف ستاری کا ظل ہے جس سے یہ بات دور ہے۔

ایک دن میں آپ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک بے ادب بوڑھا آیا اور کہا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ دیکھوں آیا جان جاناں کا طنطنہ رحمانی ہے یا شیطانی ہے؟ آپ اس بات سے ناراض ہوئے۔ میں نے دل میں کہا: ناراض ہونا درویشی کے خلاف ہے' جس سے آپ نے دل میں بُرا منایا اور غضب ناک ہو کر فرمایا: دور ہو ہمارا انکار کرتا ہے۔

میر علی اصغر[10] کہتے ہیں کہ ان ایام میں جب کہ مجھے ابھی داڑھی نہیں آئی تھی ایک دن میں نے آپ کی قدم بوسی کی آپ نے مہربانی فرماتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرا سر اُٹھا لیا' میرے دل میں آیا کہ مجھے بے ریش (سادہ رو جوان) دیکھ کر میرے چہرے پر ہاتھ رکھا ہے' میرے اس خیال سے میرے باطن میں کچھ تغیر سا پیدا ہو گیا' بارہ سال کے بعد آپ نے میری اس بدظنی کو ظاہر کیا تو مجھے بڑا تعجب ہوا' ایک تو دلی راز پر دوسرے آپ کی قوتِ حافظہ پر۔

محمد احسان [۱۱] کہتے ہیں کہ میں نے اپنے فرزند کا نام تجویز کرنے کے لیے آپ سے کہا اور ساتھ ہی میرے دل میں آیا کہ اگر اس کا نام محمد حسن رکھیں تو یہ میری مرضی کے عین مطابق ہوگا' اس خیال کے دل میں آتے ہی فرمایا: میں نے تمہارے فرزند کا نام محمد حسن مقرر کیا ہے۔

اسی طرح غلام عسکری خان [۱۲] کہتے ہیں کہ میرے دل کا حال معلوم کر کے میرے لڑکے کا نام غلام قادر رکھا۔

ایک دن ایک فاحشہ عورت کی قبر کے سرہانے متوجہ ہو کر بیٹھے فرمایا کہ اس کی قبر میں دوزخ کی آگ شعلہ زن ہے اور یہ عورت اس آگ میں کبھی قبر کے سرہانے اور کبھی قبر کے پائیں جاتی ہے۔ مجھے اس کے ایمان میں تردد ہے' آپ نے ختم کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی روح کو بخشا وہ ایمان لے آئی۔ ختم کلمہ طیبہ کا ثواب بخشنے کے بعد آپ نے فرمایا: الحمد للہ! وہ ایمان لے آئی ہے، کلمہ طیبہ نے اپنا (٦٧) کام کر دیا اور عذاب سے نجات مل گئی' راقم فقیر (شاہ غلام علی) کہتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ اپنے لیے یا دوسرے کے لیے پڑھے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اک روز نواب امیر خان [۱۳] کی قبر پر مراقبہ کیا، فرمایا: ان کے بخشے جانے کی وجہ ان کی سیادت اور خلقت میں ان کی رسوائی اور طعن ہے' حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے نسبت ہی اس دنیا میں شرف کا باعث ہے اور لعن وطعن کرنے والوں کے اعمال کا ثواب مطعون کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔

راقم فقیر کہتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت شیخ اکبر محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ منبر پر بیٹھے وعظ کر رہے ہیں' اولیاء وانبیاء علیہم السلام بھی وہاں موجود ہیں' اس نے کہا: آپ کی مجلس میں انبیاء علیہم السلام کا ہونا جائے تعجب ہے' فرمایا کہ مجھے اس مرتبہ کا انعام واکرام تمہاری وجہ سے حاصل ہوا ہے یعنی میرے بارے میں تمہاری غیبت اور طعن میرے لیے ثواب اور مسلسل رحمت الٰہی کا باعث ہے۔

ایک بے ادب شخص نے آپ کے ان مکشوفات کا انکار کیا اور امتحان کے طور پر کہا کہ یہ قبر میرے ایک دوست کی ہے، اس کا حال معلوم کریں آپ نے سکوت کے بعد فرمایا: جھوٹ کیوں بولتے ہو یہ قبر تو ایک عورت کی ہے' تیرے دوست کی قبر تو نہیں ہے' اس نے عذر کیا اور کہا کہ میں نے آپ کے کشف کا امتحان لینے کے لیے ایسا کیا ہے۔

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ میرا فلاں رشتے دار جو حال ہی میں فوت ہوا ہے تباہ حال معلوم ہوتا ہے' آپ اس کے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا فرمائیں' اس میت کے لیے جناب الٰہی میں تضرع، استغفار اور ہمت دعا کے بعد فرمایا کہ الحمد للہ اس کی بخشش ہوگئی، وہ مردہ ایک عزیز کو خواب میں ملا اور کہا کہ حضرت کی دعا سے میری بخشش ہوئی ہے۔

آپ کی دعا اور ہمت سے بہت سے حاجت مندوں کے کام ہوئے ہیں اور قریب مرگ بیماروں کو شفا ملی ہے' فرماتے ہیں: ہم تو فقیر ہیں ہمیں مقدور مداوا نہیں۔ اپنے پیران کبار کے توسل سے امراض سلب کرتے ہیں اور عنایت الٰہی سے انہیں شفا مل جاتی ہے۔

میر علی اصغر کی والدہ بیمار تھیں اس کے سلب مرض کے لیے آپ نے توجہ فرمائی تو الہام ہوا کہ ابھی شفا کا وقت نہیں آیا ہے' چند دن کے بعد آپ اپنے در دولت میں تشریف فرما تھے اور بیمار بہت دور تھا اس وقت غیب سے الہام ہوا کہ اس کی صحت کا وقت آ گیا ہے اس کے لیے آپ نے غائبانہ دعا کی تو اسے فی الفور شفا حاصل ہوگئی۔

پیر علی[۱۴] سخت بیمار تھے اور کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا تھا، اس کے سلب مرض کے لیے توجہ کی تو اسے صحت ہوگئی آپ کا ہمسایہ شدت مرض سے جان بلب تھا' آپ نے دعا کی کہ الٰہی مجھے اس کی موت کا غم برداشت کرنے کی تاب نہیں تُو اسے شفا عطا کر' آپ کی دعا قبول ہوئی اور وہ تین روز میں تندرست [۶۸] ہو گیا تو اس کے تیمارداروں کو تعجب ہوا کہ احیاء موتی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔

راقم مسکین عفی عنہ کہتا ہے کہ قریب مرگ مریضوں کا آپ کی توجہات سے شفا پانا کیوں کر جائے تعجب ہے' جب کہ روحانی امراض سے شفا یابی میں بھی آپ کی التفات مسلم ہے اور آپ کی عنایات سے مردگان غفلت کو جاودانی زندگی ملی ہے اور ماسوا سے فنا اور صفات خدا سے بقا حاصل ہوئی گویا ''الشیخ یحیی ویمیت'' (شیخ زندہ کرتا اور مارتا ہے) کا وصف تو آپ کے ہی شایانِ شان تھا' آپ سنت نبویہ ﷺ کو زندہ کرنے اور بدعاتِ سیئہ کو ختم کرنے والے تھے' آپ دلوں سے بُرائیاں ختم کرتے اور خوبیاں القا فرماتے تھے' جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

جس وقت غلام مصطفیٰ خان کی موت کا وقت آیا تو اس کی گردن ضعف کی وجہ سے سینے پر لٹک گئی

اور ہوش بھی جاتا رہا تو اس کے اقربا نے اس حالت میں اس کی صحت یابی کے لیے آپ سے صرف ہمت کی (درخواست کی) اس کی زائل شدہ طاقت اور گم شدہ حواس عود کر آئے اور مکمل ہوش کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

عسکری خان کی والدہ شریفہ جو آپ کے طریقہ میں داخل تھیں ایک روز مراقبہ کے بعد انہوں نے آپ کا دامن مبارک تھام لیا کہ جب تک آپ میری لڑکی کے ہاں بچے کی پیدائش کی خوش خبری نہیں دیں گے میں دامن نہیں چھوڑوں گی' حضرت مظہر نے مختصر توقف کے بعد فرمایا: خاطر جمع رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری بیٹی کو فرزند عطا کرے گا' عنایت الٰہی سے ایسا ہی ہوا۔

رقم کہتا ہے کہ اس فرزند نے آغاز شباب میں طریقہ چشتیہ میں بیعت کرنا چاہی تو اس کے خواب میں حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور فرمایا: بیٹا میرے گھر سے کہاں جاتے ہو؟ اس کے حال پر توجہ فرمائی اس کا دل ذاکر ہو گیا اور اسے کیفیت حاصل ہو گئی وہ آپ کی خدمت میں آیا اور نقشبندیہ طریقے پر بیعت کی۔

ایک روز فرمانے لگے کہ ایک بار میں زادراہ کے بغیر ہی سفر پر روانہ ہو گیا' اللہ تعالیٰ ہر منزل پر بے گانوں سے ضروری سامان سفر مہیا فرماتا رہا' اچانک راستے میں شدید بارش شروع ہو گئی اور ہوا بھی سرد تھی، ساتھیوں کو تکلیف ہو رہی تھی' میں نے دعا کی: الٰہی ہمارے گرداگرد بارش ہو اور ہم خشک ہی منزل مقصود پر پہنچ جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ کا غصہ اور غیرت قہار جل سلطانہ کے قہر کا نمونہ تھا۔

فرماتے ہیں کہ شروع میں جن لوگوں نے مجھ سے طریقہ سیکھا تھا، میں نے انہیں اپنا نام بتانے سے منع کر دیا تھا تاکہ ہر کسی کے سامنے میرا نام نہ لیا جائے۔

ایک روز حضرت حافظ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے محمد رفیع سے پوچھا کہ تم نے یہ طریقہ کہاں سے حاصل کیا ہے[(۶۹)] اس نے کہا اپنے بزرگوں سے، اسے چاہیے تھا کہ آپ کے روبرو فقیر کا نام لیتا مجھے بہت غیرت آئی اور بہت ناراض ہوا' دیکھا کہ اس طریقے کے تمام مشائخ حضرت ابوبکر صدیق رضوان اللہ علیہم تک اس سے برگشتہ ہو گئے ہیں، وہ دو تین روز کے بعد ہلاک ہو گیا' اسی طرح بعض دوسرے بے ادبوں کو بھی اپنی گستاخیوں کی سزا ملی' عفی اللہ عنہ۔

فرماتے ہیں: میرا مزاج بہت نازک ہے، اور میرا غضب بہت شدید' یہ بات ہدایت وارشاد کے شایانِ شان نہیں' میں نے کئی سال دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے میرے غضب کی تلوار کو کند کیا البتہ غضب کی شدت ختم نہ ہوئی اور جس پر غصہ کرتا ہوں اسے سزا ضرور ملتی ہے اور اس کی باطنی نسبت تباہ ہو جاتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ ناراض ہوتے ہی اس کی نسبت شہاب ثاقب کی طرح اپنے مقام سے نیچے آ جاتی ہے اور میرے راضی ہوتے ہی اس کی نسبت آتشین ہوا کی طرح اوپر چڑھ جاتی ہے (بحال ہو جاتی ہے)۔

آپ کے کشف وکرامات بہت زیادہ ہیں۔صرف دو تین نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، کیوں کہ سب سے عمدہ کرامت اتباع حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں استقامت ہے اور طالبوں کی ہدایت اور انہیں مراتب قرب خدا سبحانہ تک پہنچانا ہے اور حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی کرامات کا ظہور، سورج سے زیادہ درخشاں اور روز گزشتہ سے زیادہ واضح ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ ظہور کرامت کے سلسلے میں حضرت کا مکتوب نمبر ۲۱ کتاب حاضر میں فصل نمبر ۱۸ ملاحظہ کریں۔

۲۔ ملاحظہ ہو: باب احوال حضرت شیخ محمد عابد سنامی، کتاب حاضر۔

۳۔ ملاحظہ ہو: احوال حضرت شیخ محمد سنامی (کتاب ہذا)۔

۴۔ ملاحظہ ہو: فصل ۱۷، کتاب ہذا۔

۵۔ میاں محمد قاسم کے نام حضرت مظہر کے تین مکاتیب ہیں، دیکھیے: مجموعہ خلیق انجم مکتوب نمبر ۳۴، ۳۵، ۳۶۔

۶۔ ملاحظہ ہو: فصل خلفائے حضرت مظہر۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو: فصل خلفائے حضرت مظہر (کتاب حاضر)۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ غلام عسکری خان، میاں محمد احسان کے بھائی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد اور عماد الملک کے متوسلین میں سے تھے۔ (ملاحظہ ہو حواشی فصل خلفائے حضرت مظہر، کتاب حاضر)۔

۱۳۔ عمدۃ الملک امیر خان انجام (ف ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۶ء) محمد شاہی دور کے اہم عہدے داروں میں سے تھا' وہ الٰہ آباد کا گورنر بھی رہا' مغلیہ دور کے سیاسی نشیب و فراز میں وہ ایرانی طبقہ کا نمائندہ تھا۔ (دیکھیے: مآثر الامراء ۲/ ۸۳۱۔۸۳۳ اور عہد محمد شاہ از ظہیر الدین ملک، مطبوعہ علی گڑھ (انگریزی)، ۱۹۷۷ء، ص ۱۳۱، ۱۸۴، ۱۸۸، بہ بعد۔ (نیز ملاحظہ ہو: مقدمہ کتاب ہذا تحت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

☆☆☆☆☆

سولہویں فصل

آپ کے علم و فن سے علم وجودی کی
مرضِ انتقال کی کیفیت

آپ پر اپنے انتقال سے تھوڑا عرصہ پہلے وصلِ حق سے ملاقات کا شوق غالب آ گیا تھا اور ایمان والوں پر موت کا تحفہ لانے والے تھے۔ اس وقت اپنے شعور کے استغراق میں اضافہ ہوتا جاتا تھا لطائف اور عبادات زیادہ غالب تھے۔ ان دنوں میں اس طریقہ کا زیادہ اہتمام رہنے لگا تھا اور فوق در فوق کمالات طریقہ میں داخل ہونے لگے تھے اور آپ کے متعلقین اور مریدوں نے جمعیت تامہ کی وجہ سے مخصوص حاضری کی بدولت ان دنوں ملاقات میں سب سے زیادہ فیض آپ کی صحبتِ مبارکہ میں حاضر ہوتے اور آپ کی توجہاتِ شریفہ سے بہ مقام و مراتب میں ترقی کرتے تھے۔

ملا نسیم نے جو ان کے وقت رخصت کرتے وقت فرمانے لگے کہ اب ہماری اور تمہاری ملاقات کا طریقہ معلوم نہیں ہے۔ آپ کے ان کلمات سے بھی جو آپ کے قربِ انتقال پر دلالت کرتے تھے لوگوں پر اثر کیا اور لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ملا عبدالرزاق کو لکھتے ہیں کہ میری عمر اب ساٹھ (سال) سے زیادہ ہو گئی ہے (انتقال کا) وقت نزدیک آ پہنچا ہے تمہیں دعائے خیر میں یاد رکھنا چاہیے۔

اسی طرح دوسرے عزیزوں کو بھی ایسی باتیں لکھیں جو اس ناگزیر واقعے کی خبر دیتی ہیں۔ ایک روز کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے اظہار کے لیے شکر کرنا لازم ہے (۴۰) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے دل کی تمام آرزوئیں پوری کی ہیں، مجھے حقیقی اسلام سے مشرف کیا، علم کا بہت بڑا حصہ عطا کیا، نیک عمل کی استقامت کرامت فرمائی، طریقہ کے لوازم یعنی کشف، تصرف اور کرامات عنایت

کیے، صلحاء کو حصول فیوض کے لیے میرے پاس بھیجا' ان کو مقامات طریقہ پر پہنچا کر اپنی راہ کی ہدایت کے لیے مقرر کیا، دنیا اور اہل دنیا سے الگ رکھا، دل میں غیر کی آرزو نہ آنے دی اور ہاں ایک آرزو باقی ہے اور وہ ظاہری شہادت ہے، جس کا قرب الٰہی میں اعلیٰ درجہ ہے' میرے بزرگوں [7] میں سے اکثر نے شربت شہادت نوش کیا ہے لیکن میں بہت ناتواں ہوں اور ضعف غایت درجہ ہے اس وقت جہاد کی قوت میسر نہیں ہے' بظاہر اس مرتبے کا حصول دشوار نظر آتا ہے' مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو موت کو پسند نہیں کرتا' یہ موت ہی ہے جو اللہ سے ملاقات کا موجب ہے' یہی حضرت رسالت پناہ ﷺ کی زیارت کا سبب، دیدار اولیاء کا حصول، عزیزوں کے دیدار سے مسرور کرتی ہے۔ میں کبرائے دین کی ارواحِ طیبہ کی زیارت کا مشتاق ہوں' حضرت مصطفیٰ اور حضرت خلیل خدا علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے دیدار کی سخت آرزو ہے۔

امیر المؤمنین صدیق اکبر، امام حسن مجتبیٰ، سیّد الطائفہ حضرت جنید، حضرت خواجہ نقشبند اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت سے فیض یاب ہونا چاہتا ہوں' میرے دل میں ان اکابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے خاص محبت ہے [7]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس آرزو کو منصۂ ظہور پر جلوہ گر کر دیا اور آپ کو شہادت کے درجہ پر پہنچا دیا' اس طرح ظاہری شہادت باطنی شہادت میں، جسے صوفیہ کی اصطلاح میں مرتبہ فناء فی اللہ کا حصول ہے، میں ضم ہو گئی' اللہ تعالیٰ آپ کے درجات قرب کو اعلیٰ علیین تک پہنچائے۔

شب چہار شنبہ ۷ محرم ۱۱۹۵ھ ہجری کو کچھ رات گزری [8] تھی کہ چند آدمیوں نے حضرت کے دروازے پر دستک دی' خادم نے جا کر عرض کی کہ کچھ لوگ زیارت کے لیے آئے ہیں' فرمایا: آنے دو! تین آدمی اندر آئے ان میں سے ایک ایرانی نژاد مغل بھی تھا' آپ خواب گاہ سے باہر تشریف لائے اور ان کے درمیان بیٹھ گئے' اس نے پوچھا کہ مرزا جان جاناں آپ ہیں؟ فرمایا: ہاں! دوسرے دونوں نے بھی تائید کی کہ میرزا جان جاناں یہی ہیں' اس بد بخت نے طبانچہ کی گولی داغ دی اور گولی آپ کے بائیں طرف دل کے قریب لگی' آپ میں ضعف اور بڑھاپے کی ناتوانی کی وجہ سے طاقت نہیں تھی' زمین [1] پر گر پڑے۔ لوگوں کو اطلاع ہوئی، جراح کو بلایا گیا۔

صبح نواب نجف خان [9] نے ایک فرنگی جراح کے ذریعے یہ پیغام بھیجا کہ جن بدبختوں نے یہ گناہ

کبیرہ کیا ہے معلوم نہیں اگر معلوم ہو جائے تو ان سے ضرور بدلہ لیا جائے گا' فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی شفا دینا ہے تو زخم ہر صورت میں مندمل ہو جائے گا' کسی دوسرے جراح کی حاجت نہیں ہے' جو شخص اس امر کا مرتکب ہوا ہے، اگر معلوم بھی ہو جائے تو ہم اسے معاف کر دیں گے تم بھی اسے معاف کر دینا[10]

آپ تین روز بقید حیات رہے ہر روز ضعف زیادہ ہو جاتا تھا' انتہائی ضعف کی وجہ سے آپ کی آواز مبارک بھی سنائی نہیں دیتی تھی' تیسرے روز جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد مجھ (مصنف کتاب ہذا) سے پوچھا: مجھ سے گیارہ نمازیں قضا ہوئی ہیں اور میرا تمام بدن خون سے آلودہ ہے' سر اُٹھانے کی طاقت نہیں ہے' مسئلہ یہ ہے کہ اگر بیمار میں سر اُٹھانے کی طاقت نہ ہو تو نماز موقوف کر دینی چاہیے' وہ ابرو کے اشارے سے بھی ادا نہ کرے' تمہیں اس مسئلے کے بارے میں کیا معلوم ہے؟ میں نے عرض کی کہ مسئلہ اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے[11]

نصف دن گزرنے کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور دیر تک فاتحہ پڑھتے رہے چنانچہ حضرت خواجہ نقشبند نے بھی اس حالت میں فاتحہ پڑھی تھی' عصر کے وقت میں (مصنف) حاضر تھا' فرمایا: دن ابھی کتنا باقی ہے' میں نے عرض کی کہ ابھی چار گھڑی باقی ہے' فرمایا: ابھی مغرب دور ہے۔ مغرب کی نماز کے وقت شب شنبہ کے دوسرے دن محرم کی دسویں تاریخ تھی دو تین مرتبہ سانس میں شدت پیدا ہوئی اور آپ کی روح مبارک نے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا'[12] رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

آپ کی وفات پر بہت سی تاریخیں[13] کہی گئیں، (ان میں سے) دو تاریخیں لکھی جاتی ہیں، پہلی اس آیۃ شریفہ سے:

اولئک مع الذین انعم اللہ[14] (۱۱۹۵ھ)

دوسری حدیث شریفہ کے اس جملے سے جو حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک کے بارے میں صادر ہوا تھا، وہی آپ کی تاریخ وفات ہے:

عاش حمیدًا مات شہیدًا[15] (۱۱۹۵ھ)

آپ کی وفات کی رات ایک عزیز نے خواب دیکھا کہ نصف قرآن مجید آسمان کی طرف اُڑ گیا اور دین متین کی برکات میں فتور آ گیا ہے' فقیر راقم (مصنف) کہتا ہے کہ اس خواب کی تعبیر سے آپ کے

اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ فرماتے تھے: میرے انتقال کے بعد طریقہ کے مقامات موقوف ہو جائیں گے اور اس خاندان والوں کی نسبت نے اگر نہایت ترقی بھی کی تو وہ لفظ ولایات تک پہنچے گی۔

آپ کے انتقال کو سولہ سال گزر چکے ہیں[۱۶] مجھے (مصنف) آپ کے مستفیدوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور آپ کے ان اصحاب کے احوال بھی سنے ہیں جو دور و دراز شہروں میں رہتے ہیں اگر ان کے احوال و کیفیات، ولایت قلبی تک پہنچ چکے ہیں، تو یہ غنیمت ہے اور مقامات عالیہ کے احوال ادراک سے دور ہیں[(۲۷)] وہاں تک پہنچنا بہت دشوار ہے' واللہ اعلم۔

ایک اور شخص نے خواب دیکھا کہ گویا آفتاب عالم تاب آسمان کے عین درمیان درخشاں تھا کہ زمین پر آرہا اور دنیا کو تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے' یہ سچ ہے کہ آپ کا وجودِ مسعود دنیا میں امن اور خلق خدا کے لیے بہبودی کا باعث تھا۔

آپ کے انتقال کے بعد کئی قسم کے حوادث کا دروازہ کھل گیا[۱۷] آپ کی وفات کے بعد کامل تین سال تک قحط کی وبا نے دنیا کو ہلاکت میں ڈالے رکھا' سرسام، خارش اور چیچک جیسی بیماریاں ہندوستان میں پیدا ہوگئیں جن سے کئی سال تک لوگ بیمار رہے اور دنیا سے عدم کی طرف کوچ کرتے رہے۔ عالم آشوب جیسے فتنے پیدا ہوئے' نجف خان جو اس امر (شہادت حضرت میرزا مظہر) کا مرتکب تھا اور اس نے حد کے اجراء میں غفلت برتی تھی، جلد ہی مر گیا اور اس کے ساتھی بھی باہمی مجادلات میں مارے گئے (اب) ان ظالموں کا نشان تک باقی نہیں رہا اگرچہ آپ نے اپنا خون معاف[۱۸] کر دیا تھا لیکن غیرتِ الٰہی نے اپنے دوستوں کا انتقام اور مظلوموں کی دادرسی کی:

فرد

ہیچ قومی را خدا رسوا نہ کرد
تا دل صاحب دلی نامد بدرد[۱۹]

بے شک آپ کو (اپنی وفات) کے ناگزیر واقعے کا علم تھا، اسی لیے آپ اپنے دیوان میں خود فرماتے ہیں:

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریری
کہ این مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیری[۲۰]

جس رات آپ نے انتقال فرمایا، نصف دن تک بارش ہوتی رہی جو چھ ماہ سے بند تھی، وہ اس قدر برسی کہ ہر طرف آبِ رحمت رواں ہوگیا' آپ کے مزار مبارک پر بہت مرتبہ انوار برکات فائض ہوئے جن سے زائرین کے دل نورانی ہو گئے اور آپ کی توجہات روحانی آپ کے مزار شریف سے اقتباس انوار کرنے والوں کے شامل حال ہیں' وہ اپنے باطن میں ترقی محسوس کرتے ہیں۔

مرزا ابراہیم بیگ [۷۱] جنہوں نے مجھ (مصنف کتاب ہذا) سے مرتبہ قلب کی توجہات لی تھیں وہ آپ کے مزار مقدس کی زیارت کے لیے گئے' آپ نے اس کے لطیفہ دماغی پر توجہ کی جس کا اثر تین ماہ تک باقی رہا۔

اصالت خان نے اپنے مختلف خدشات میں باطنی احوال ضائع کر دیے، کئی سالوں کے بعد وہ آپ کے مزار مبارک پر آیا، تو توجہ کے لیے التجا کی اور نصف دن سے زیادہ تک آپ کی روح مقدس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہا' اس کے قدیم احوال عود کر آئے کہ گویا ایسا ان میں کوئی فتور تھا ہی نہیں۔

ایک درویش نے کہا کہ آپ کے مزار فائض الانوار کی زیارت سے بہت فوائد حاصل کیے ہیں۔ ایک روز میں (درویش) نے عرض کی: میرے حال پر پوری توجہ فرمائیں' میری التماس کو قبولیت کا شرف بخشا' میں نے خوب ترقی محسوس کی جب میں زیارت کے بعد لوٹا تو ایک عزیز نے جو کہ [۷۳] باطنی احوال کی اچھی شناخت رکھتا تھا، کہا کہ آج تمہارے احوال میں خاصی ترقی معلوم ہوتی ہے' میں نے کہا: کیوں نہ ہو حضرت نے میرے حال پر بلیغ توجہات فرمائی ہیں' اس طریقہ کے ارباب مقامات ہر اس مقام پر جس پر وہ فائز ہیں، آپ کے مبارک مزار کی زیارت سے اپنے باطن کے انوار میں ترقی محسوس کرتے ہیں۔

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ آپ کے مزار شریف کا فیض ہی باطنوں میں مکمل تاثر ہے کیوں کہ طریقہ احمدیہ (مجددیہ) کا اس شہر میں کوئی مزار اس قدر بلندی شان اور نسبت کے نفوذ کی قوت رکھنے والا نہیں ہے۔

ایک شخص نے آپ کے مزار مبارک میں قیام کیا' ایک رات اس نے جاگنے میں کوتاہی کی، آپ مزار مبارک سے باہر آئے، اسے بیدار کیا اور فرمایا: کیا تو مجھے مردہ تصور کرتا ہے؟ تیرے سارے احوال مجھے معلوم ہیں، اُٹھ کر نماز ادا کر۔

مخلصوں کے حال پر آپ کی بہت التفات تھی' قاضی ثناء اللہ نے خواب میں دیکھا (کہ آپ فرماتے ہیں:) تم اپنی جگہ قائم رہو، فقیر تمہارے ساتھ ہے' انتقال کے بعد کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے۔
ایک عزیز جس کے حال پر آپ عنایت فرماتے تھے، معاش کی فکر میں متردد تھا، اسے خواب میں فرمایا: تم معاش کا غم نہ کرو تمہاری معاش کی تدبیر پہلے سے زیادہ بہتر کروں گا، اور اسی طرح ہوا۔
مولوی نعیم اللہ [۲۲] نے ایک مہم کے لیے سامان مہیا کیا' ان کے خواب میں ظاہر کر فرمایا: اس کا انجام دینا میرے ذمے ہے چنانچہ صبح وہ کام بخوبی انجام پا گیا' رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔
آپ کی زوجہ [۲۳] عفت پناہ وعصمت دست گاہ نے بھی آپ سے طریقہ کی تعلیم حاصل کی تھی' انہیں آپ کی صحبت مبارک سے مرتبۂ حضور و آگاہی حاصل تھا اور نساء صالحات کے ارشاد کی انہیں اجازت تھی' ان سے دلوں میں گرم تاثیر پیدا ہوتی [۲۴] انہوں نے بھی (آپ کے بارے میں) اچھے واقعات ومبشرات دیکھے تھے' ایک شب انہوں نے دیکھا کہ حضرت سرور کائنات ﷺ نے آپ کے حال پر نہایت بلیغ عنایت فرمائی ہے، جس سے آپ کے باطنی حالات زیادہ ہو گئے' دیر تک وہاں خوش بو روح کو افزائش بخشتی رہی' حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ (حضرت مظہر) کے حال پر التفات فرماتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کی عنایاتِ عالیہ کی برکات آپ اپنے باطن میں محسوس کرتے تھے۔
آپ فرماتے ہیں کہ انہیں (زوجہ خود کو) سودا [۲۵] کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے، اور جنون کے غلبہ نے ان کی عقل کو مستور کر دیا ہے' مجھ سے ان کی موافقت بہت کم ہوتی ہے' اس لیے ان کے باطن میں نمایاں فتور آ گیا تھا، اور ان کی باطنی نسبت کی وہ تاثیر اور گرمی مخفی ہو گئی تھی لیکن میں نے ان کی سودایانہ حرکات معاف کر دی ہیں کیوں کہ دیوانہ معذور ہوتا ہے' مخلصین بھی میرے پاس اخلاص کی وجہ سے ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتے، میں نے ان کی مخالفت کو صبر وتحمل سے برداشت کیا جس سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے' اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے کیوں کہ ان کا احسان (۷۴) مجھ پر ہے [۲۶]

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

موت کا وقت قریب ہے، عمر اسّی سے تجاوز کر گئی ہے' ملاقات کی توقع نہیں۔ (کلمات طیبات ۵۱/۵۲)

۲۔ ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

اس آخری عمر میں فیض و برکات اس قدر زیادہ ہیں کہ تحریر میں نہیں آسکتے۔ (خلیق انجم: خطوط ۵۶/ ۱۶۷)......

فقیر مع توابع پوری کمزوری اور ناتوانی کے ساتھ زندہ ہے اور ابھی تک تقریباً سو آدمیوں کو دونوں وقت توجہ دی جاتی ہے (ایضاً ۵۷/ ۱۶۹)۔

۳۔ حالات کے لیے دیکھیے: فصل خلفائے حضرت مظہر (کتاب حاضر)۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ بابا خان کی بغاوت اور اکبر کے حکم سے ان کے قتل کی تفصیل کے لیے دیکھیے، ضمیمہ دوم (کتاب حاضر)۔

۷۔ حضرت مظہر نے آخری ایامِ حیات کے مفصل حالات اپنے ایک مکتوب بنام میاں محمد قاسم میں تحریر کیے ہیں، ملاحظہ ہو: کلمات طیبات مکتوب ۳۵/ ۴۵۔

۸۔ قدرت اللہ گوپاموی کا بیان ہے کہ حضرت مظہر تہجد کی نماز کے لیے اُٹھے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا (نتائج الافکار، ص ۷۲۵)۔ گوپاموی کا یہ بیان اس لیے غلط ہے کہ صاحب مقامات مظہری اس

واقعہ کے وقت خانقاہ میں ہی موجود تھے، گویا چشم دید گواہ ہیں۔

۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ کتاب حاضر، مولوی نعیم اللہ نے لکھا ہے کہ بادشاہ شاہ عالم نے بھی قاتلوں کی تلاش کروائی لیکن پتا نہ چلا اس نے کہلا بھیجا کہ آپ کچھ سراغ بتائیں تا کہ ان کو تلاش کر کے سزا دی جائے، حضرت نے جواب دیا کہ فقیر تو شہید راہ خدا ہیں۔ مرے ہوئے کو مارنے کا قصاص کیسا اور اگر اتفاق سے مجرم ہاتھ آ جائیں تو انہیں میرے پاس بھیج دیا جائے تا کہ دستور طریقت کے مطابق ان سے بدلہ لیا جائے' یعنی انہیں معاف کر دیا جائے۔ (معمولات، ص ۱۴۰)۔

۱۰۔ معمولات مظہریہ میں نجف خان کے علاوہ بادشاہ وقت (شاہ عالم ثانی) کے اس عالم میں حضرت مظہر کے ساتھ نامہ و پیغام کا ذکر کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے ہر چند مجرموں کا سراغ لگانے کی کوشش کی لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا، تو کہلا بھیجا کہ اگر آپ کو مجرموں کا پتہ چل جائے تو اطلاع دیں تا کہ تدارک کیا جائے، آپ نے جواب میں فرمایا:

> قصاص تو شریعت میں زندہ لوگوں کے لیے ہوتا ہے' میں تو مردہ لوگوں میں شامل ہوں' اس لیے قصاص جائز نہیں ہے اور اگر سلطان کو مجرموں کا سراغ مل جائے تو وہ انہیں میرے پاس بھیج دے تا کہ ان کے ساتھ طریقت کے مطابق معاملہ روا رکھا جائے یعنی انہیں معاف کر دیا جائے (ص ۱۴۰)۔

آفتاب رائے لکھنوی نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ نجف خان کے ایک رفیق کار نے حضرت مظہر پر یہ حملہ کیا تھا:

> ''بدست یکی از رفقای... نجف خان بہادر مجروح گشتہ'' (تذکرہ ریاض العارفین، مرتبہ حسام الدین راشدی، راولپنڈی ۱۹۸۲ء، ۲/۲۱۴)۔

۱۱۔ ہدایہ میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح درج ہوا ہے۔ (متن ہدایہ، شامل فتح القدیر، مطبوعہ سکھر ۱/۴۵۹)۔

۱۲۔ حضرت مظہر کے ایک اور خلیفہ میر عبدالباقی، جن کے حالات آئندہ فصل میں ملاحظہ کریں، اسی سال یعنی ۱۱۹۵ھ میں حضرت سے رخصت لے کر اکبر آباد روانہ ہوئے تھے کہ انہیں راہ ہی میں

معلوم ہوا کہ حضور کو کسی رافضی نے طبانچہ سے شہید کر دیا ہے' وہ فوراً دہلی پہنچے تو تفصیلات معلوم کر کے اپنی کتاب مآل الکمال میں محفوظ کر لیں۔ وہ لکھتے ہیں: جب تدفین کا وقت آیا تو مدفن کا فیصلہ وارثوں کے اختیار میں تھا اور مریدین کی تجویز کے بغیر ہی آپ کو اپنے مسکن (مقامی کی بودو باش) ہی میں دفن کر دیا گیا' کسی نے بھی صورتِ حال کو درست کرنے کا ارادہ نہیں کیا' آخر قبر کھودی گئی اور وہ سبز چادر جو کفن مبارک پر تھی ہٹا دی گئی اور اس کی جگہ سفید چادر ڈالی گئی۔ (مآل الکمال، قلمی، ورق ۴۰ ب)۔

۱۳۔ حضرت مظہر کی ذات مبارک معاصرین میں اس قدر محبوب تھی کہ نامی وگرامی شعراء نے آپ کی وفات پر قطعات تاریخ کہے' ان میں مرزا محمد رفیع سودا، سلام اللہ خان اور آزاد بلگرامی (شام غریباں، ص ۳۱۷) کے نام قابل ذکر ہیں۔

۱۴۔ القرآن (النساء) ۴/ ۶۹ ''اولئك'' میں ہمزہ کے دس عدد بھی شمار کیے گئے ہیں۔

۱۵۔ یہ ماہ تاریخ اس حدیث ''عش حمیدًا ومت شهیدًا'' (ابن ماجہ (لباس ۲) ومسند حنبل ۲/ ۸۹) سے ماخوذ ہے۔ موسوعۃ اطراف الحدیث ۵/ ۴۴۸۔

۱۶۔ اس فقرے سے مقاماتِ مظہری کا سال تصنیف ۱۲۱۱ھ/ ۱۷۹۶ء متعین ہوتا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے، مقدمہ کتاب حاضر۔

۱۷۔ ان حوادث کی تفصیل مقدمہ کتاب حاضر میں ملاحظہ کریں۔

۱۸۔ ر۔ک۔ حواشی فصل ہذا۔

۱۹۔ خدا کسی قوم کو اس وقت تک رسوا نہیں کرتا جب تک وہ کسی صاحب دل کو ناراض نہ کرے۔

۲۰۔ مظہر: دیوان، طبع مصطفائی، ص ۷۷ یعنی میری لوح مزار پر غیب سے یہ تحریر نمایاں ہوئی کہ اس مقتول کا بے گناہی کے سوا کوئی گناہ نہیں۔

صاحب تذکرہ مسرت افزا نے مولوی جان محمد ناتواں کی زبانی یہ واقعہ لکھا ہے کہ:

میرزا صاحب کی وفات کے بعد آپ کے بعض دوستوں نے آپ کا دیوان اس نیت سے کھولا کہ جو شعر نظر آئے اسی کو آپ کے مزار پر کندہ کرایا جائے تو یہی شعر نکلا۔ (عبدالرزاق قریشی: میرزا مظہر اور ان کا اردو کلام، ص ۸۷)۔

آپ کی شہادت ایک سیاسی واقعہ تھا، جس کی تفصیل کتاب حاضر کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔

۲۱۔ مؤلف (حضرت شاہ غلام علی) کے خلفاء کے جو حالات کتاب ہذا میں بطور ضمیمہ شامل ہیں ان میں مرزا رحیم اللہ بیگ عرف محمد درویش عظیم آبادی کا نام بھی ہے ممکن ہے یہاں سہو کتابت سے ابراہیم بیگ طبع ہو گیا ہو۔

۲۲۔ ر۔ک احوال خلفائے حضرت مظہر۔

۲۳۔ حضرت مظہر کی زوجہ کا نام مردم محل تھا، مکاتیب حضرت مظہر مرتبہ عبدالرزاق قریشی میں متعدد مقامات پر ان کا نام درج ہوا ہے۔

۲۴۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے ان کی تاثیر توجہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

از ارباب اجازت و ارشاد و در اوائل حال اجازت در باطن این مستورہ آن قدر تاثیر بودہ کہ اکثر مستورات از گرمی توجہش بسیار بے خود و بے ہوش می شدند لیکن بہ سبب بے پروائی و بے اہتمامی و عارضہ سودا این نسبت ضعیف شد (بشارات، ورق ۱۶۸۔ا،ب)۔

۲۵۔ مردم محل کے اس سودا نے حضرت مظہر کی گھریلو زندگی کو خاصا تلخ بنا دیا تھا' جس کا حضرت مظہر نے اپنے خطوط میں خود ذکر فرمایا ہے جس کی وجہ سے حضرت کو تنگ دستی، مقروضی، ''فقیر از دست مردم محل بجان آمدہ، ان کا اور میرا ایک شہر میں رہنا فتنہ کا باعث ہے'' لیکن کبھی کبھی ان کا مزاج اعتدال پر بھی آ جاتا تھا (تفصیل کے لیے دیکھیے، عبدالرزاق قریشی کا مقدمہ مکاتیب حضرت مظہر، ص۱۲۔۱۴)۔

۲۶۔ حضرت مظہر اپنے وصیت نامے میں اپنی زوجہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

این مستورہ بنا بر عارضہ سودا درطول عمر ناساز یہا بسیار با فقیر کردہ' چناں چہ مخفی از اعزہ نیست، اما من ازاں ہمہ عفو کردم و بحرمت آن کہ اورا با خدائے تعالیٰ و رسول او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبتی بلکہ بامن ست کہ برمن ثابت ست، مخلصان مرا پس از من بقدر مقدور بحق وفا دلجوئی او لازم ست۔ (وصیت نامہ، محفوظ در معمولات مظہریہ، ص۱۴۵)

حضرت مظہر کے ایک خلیفہ اخوند ملا نسیم (جن کے حالات اگلے باب میں ملاحظہ کریں) کی خانقاہ واقع نور محل اوچ ریاست دیر صوبہ سرحد، میں حضرت مظہر کی کئی یادگاریں محفوظ ہیں۔ ان میں وہ

خون آلود کپڑے بھی موجود ہیں جو حضرت مظہر شہادت کے وقت پہنے ہوئے تھے' راقم کو ان کی زیارت کا موقع ملا ہے' مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب بھی وہاں گئے تھے' انہوں نے وہ فرغل پہن کر دیکھا تھا، لکھتے ہیں:

حضرت مظہر روئی کا فرغل پہنے ہوئے تھے، بائیں طرف دل کے قریب وہ فرغل طبنچے کی ضرب سے خون آلود ہے اور اس وقت کا معتمد بھی ہے، جس کے سامنے کے حصے میں دو سوراخ چھوٹے ہیں اور پچھلے حصے میں بڑے بڑے سوراخ جلے ہوئے اور خون آلود ہیں' وہیں ایک پوٹلی میں وہ دھجیاں بھی ہیں جن سے حضرت کا خون پونچھا گیا تھا یہ فرغل راقم الحروف نے پہن کر دیکھا تھا، جس سے اندازہ ہوا کہ ان کا جسم مبارک راقم الحروف کے بدن کی طرح تھا۔ (لوائح خانقاہ مظہریہ، ص۲ حاشیہ)

☆☆☆☆☆

سترھویں فصل

آپ کے بعض خدا شناس خلفاء کا ذکر

آپ کے خلفاء بہت تھے، ان اوراق میں ان کے احوال تحریر کرنے کی گنجائش نہیں ہے' صرف ایک جماعت (طبقہ) کا حال بیان کرتا ہوں لیکن میں ان کے تفصیلی حالات اور واردات سے مطلع نہیں ہوں' اس لیے ان کے حالات مختصراً لکھ رہا ہوں جو آپ کی صحبت مبارک میں آپ سے سنے اور آپ کی بشارات کے مطابق ان کے (نام) و مقامات مجھے معلوم ہیں اور ان اکابر کی باطنی کیفیات اور انوار میں نے اپنے وجدان سے معلوم کیے ہیں لیکن ان کے اسمائے مقامات مفصل لکھنے کی ضرورت نہیں ہے' مختصر ہی کافی ہیں۔

کسی شخص کے باطنی احوال، استغراق، سکر، ذوق وشوق اور احوال توحید کے ظہور پر منحصر نہیں ہیں، پھر ان اصحاب کبار رضی اللہ عنہم سے اس قسم کے حالات اور خرقِ عادات بکثرت مروی نہیں ہیں گو مقاماتِ قرب میں تمام اولیاء پر سبقت رکھتے ہیں مگر ان اکابر کے باطنوں پر جو حالات وارد ہوتے ہیں، ادراک ان کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے' اس طریقے کے اصحاب کے احوال میں مختلف مقامات کی وجہ سے اختلافات ہیں مگر حصول اطمینان، رسوخ ملکہ حضور، نسبت مع اللہ، تہذیب اخلاق اور اتباعِ سنت میں سب برابر ہیں متعارف احوال یعنی سکر، ذوق وشوق، استغراق، بے خودی اور واردات توحید کبراء کی تحقیق کے موافق ہیں متوسلین کی معلومات لطیفۂ قلب کی وجہ سے ہیں اور باقی لطائف کے علوم و حالات اور چیز ہیں کہ ان مقامات پر پہنچے بغیر ان کی تصدیق کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ نئی کیفیات اور قدیم تو مشہور ہی ہیں اور آیت شریفہ "ولا یحیطون به علمًا"[1] (اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا) کا اشارہ بھی انہیں مقامات کی طرف ہے۔

حضرت میر مسلمانؒ

اس دیار میں وہ صحیح النسب سادات کبار میں سے ہیں' انہوں نے دنیا اور اسبابِ دنیا سے قطع تعلق کر کے رضائے الٰہی کی تحصیل میں زندگی بسر کی' ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل میں آپ کے ہم سبق تھے[۲] اور آپ کے مشائخ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صحبت میں طریقے کے مقامات حاصل کیے اور آپ سے بھی استفادہ کیا' آپ ان کا بہت احترام کرتے تھے، کیوں کہ پیران کبار کی نظر التفات ان پر تھی' بزرگوں کی زیارت اور استفادہ سے سالکوں کی قدر پیدا ہوتی ہے' ان کے آپس کے روابط راسخ اتحاد[۳] پر مبنی تھے چنانچہ انہیں لکھتے ہیں کہ (۷۵) قدیم عہد کی یاد سے میرے دل پر ایسی حالت طاری ہوتی ہے اور مجھے اپنی تنہائی پر رحم آنے لگتا ہے، جو تحریر میں نہیں لایا جا سکتا:

سقی اللّٰہ وقتا کنت اخلو بوجھکم
وتغز الھوی فی روضۃ الانس ضاحك
اقمنا زمانا والعیون قریرہ
واصحبت یوما والجفون سوافك[۴]

خادم سرکار شیخ احمد مصروف کار ہے' اس کا لطیفہ قلب، قالب کی قید سے آزاد ہو چکا ہے' اس مرد کی استعداد ضعیف ہے، وہ گرتا پڑتا مقصود کی طرف جا رہا ہے' اللہ تعالیٰ اسے منزلِ مقصود پر پہنچائے' امراض قلب و قالب کا سلب کرنا ہمارے حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول ہے' حق تعالیٰ نے آپ کو بھی یہ قوت و قدرت عطا کی ہے، پھر آپ اپنے کو اس امر میں بطور انکسار کیوں معذور خیال کرتے ہیں؟

فیض اللہ خان[۵] کو اپنے سامنے بٹھا کر ہر روز پانچ سو نفس کے بقدر اس کا مرض سلب کریں، تاکید ہے' سفر حجاز کا ارادہ مبارک ہو' لیکن اس نیک عمل کے لیے قدرے تامل ہونا چاہیے' ایسا نہ ہو کہ کسی کا کوئی حق تلف ہو جائے[۶]

میر مسلمان کی رحلت سے آپ کو بہت رنج ہوا' چناں چہ میر مبین خان کو لکھتے ہیں:

میر مسلمان کی وفات کی خبر سن کر کیا لکھوں کہ مجھ پر کیا گزری ہے:

یار رفت و ما چو نقش پا بخاک افتادہ ایم
سایہ میکردید کاش این نا رسا افتادگی

الحمد للہ ہم بھی سر راہ بیٹھے ہیں ان کی وفات کی کیفیت اور جائے مدفن کے بارے میں لکھو، چند نفس جو باقی ہیں، حق تعالیٰ انہیں اپنی رضا میں گزار دے[7]

قاضی مولوی ثناء اللہ (پانی پتی)

آپ کے بزرگ ترین اور اوّلین خلفاء میں سے ہیں، ان کا نسب گیارہ[8] واسطوں سے حضرت شیخ جلال کبیر اولیاء چشتی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے اور حضرت جلال[9] کا نسب جناب امیرالمؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔

حضرت قاضی زبدہ علماء ربانی اور مقرب بارگاہ یزدانی ہیں، عقلی و نقلی علوم میں انہیں کامل دسترس ہے، فقہ اور اصول میں وہ مجتہد کے مرتبہ پر فائز ہیں۔

انہوں نے ایک مبسوط کتاب علم فقہ پر لکھی ہے، جس میں ہر مسئلے کے مآخذ، دلائل اور مذاہب اربعہ[10] میں مجتہدین کے مختارات بیان کیے ہیں اور ان میں سے جو خود ان کے نزدیک زیادہ صحیح ہیں، انہوں نے انہیں ایک جدا رسالے کی صورت میں تحریر کر کے (رسالہ) مآخذ الاقویٰ[11] نام رکھا ہے۔

علم اصول میں بھی انہوں نے اپنے مختارات لکھے ہیں[12] انہوں نے ایک مفصل تفسیر بھی لکھی ہے، جو قدیم مفسرین کے اقوال کے لیے جامع اور (قرآن پاک کی) جدید تاویلات، جو مبداء فیاض نے ان کے لطیفہ روحانی پر القاء کی ہیں، تحریر فرمائی ہیں[13]

(علم) تصوف پر ان کے رسائل اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معارف پر تحقیق بھی کی ہے۔[14]

صفائے ذہن، جودت طبع، قوت فکر اور سلامت عقل میں وہ زائد الوصف تھے، انہوں نے طریقہ حضرت شیخ الشیوخ محمد عابد قدس سرہ سے حاصل کیا، (۷۶) اور حضرت کی توجہات سے فنائے قلب کا مرتبہ حاصل ہوا پھر حضرت شیخ کے حکم کے بموجب آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ کی اعلیٰ تربیت کی بدولت تمام مقامات احمدیہ پر فائز ہوئے اور بڑی تیزی سے سیر، شوق اور ''وصول اصل خود'' حتیٰ کہ اس طریقہ کا مکمل سلوک پچاس توجہات میں مکمل کر لیا۔

ان کی عمر اٹھارہ سال تھی کہ ظاہری علم اور طریقے کی خلافت حاصل کر کے اشاعت علم اور فیض باطن پر مامور ہوئے اور ہدایت و ارشاد کو رواج دیا، آپ سے ''علم الہدیٰ'' کا لقب پایا۔

(خواب میں) انہوں نے بچپن میں اپنے جد امجد حضرت شیخ جلال پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی تھی، انہوں نے ان کے حال پر بہت مہربانی فرمائی اور اپنی پیشانی ان کی پیشانی کے ساتھ رگڑی' انہی ایام میں انہیں حضرت غوث الثقلین (رحمۃ اللہ علیہ) کی زیارت کا شرف حاصل ہوا' حضرت نے آپ کو تازہ کھجوریں عنایت فرمائیں۔

ایک بار انہوں نے امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا، انہوں نے بڑی مسرت سے قاضی صاحب کے بارے میں فرمایا:

انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ [15] علیهما السلام

(تمہیں میرے ساتھ وہ نسبت ہے، جو ہارون کو حضرت موسیٰ کے ساتھ تھی)

آپ نے اس کی تعبیر اس طرح کی کہ فقیر (حضرت مظہر) کی مثالی صورت میرے جد بزرگوار یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل ہے، ان کلمات کا مبشر اس لیے فرمایا ہے کہ شاید اس طریقے کی خلافت تم میں منتقل ہو جائے۔

انہوں نے حضرت میرزا مظہر کی وفات کے بعد، حضرت غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہیں اور آپ کی وفات پر تعزیت کے کلمات کہے اور افسوس کا اظہار کیا۔

آپ حضرت قاضی کی بہت تعریف اور مدح کرتے اور فرماتے تھے: ''میری نسبت اور ان کی نسبت علو مرتبہ میں مساوی ہیں لیکن عرض اور قوت میں مختلف، وہ میرے ضمنی ہیں اور میں حضرت شیخ قدس سرہ کا ضمنی ہوں، جو فیض بھی مجھے پہنچا ہے، وہ اس میں شریک ہیں' ان کا دوست و دشمن میرا بھی دوست و دشمن ہے' وہ ظاہری و باطنی کمالات کے ''اجتماع'' کی وجہ سے عزیز ترین موجودات میں سے ہیں [16] میرے دل میں ان کی ہیبت ہے، صلاح و تقویٰ اور دیانت کی وہ مجسم روح ہیں' شریعت کو مروّج اور طریقت کو منور کرنے والا فرشتہ صفت ہیں' ملائکہ بھی ان کی تعظیم کرتے ہیں'' [17] انتہا (کلام حضرت مظہر)۔

مجھے (مصنف کتاب ہذا) خود ان کی زبانی سننے کا موقع ملا ہے کہ (حضرت مظہر) فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن خدا نے مجھ سے پوچھا کہ تم میری درگاہ میں کیا تحفہ لائے ہو تو میں عرض کروں گا کہ ''ثناء اللہ پانی پتی''۔

ایک روز میں (مصنف کتاب ہذا) آپ کی خدمت میں حاضر تھا، ذکر اور مراقبے کا حلقہ منعقد تھا' حضرت قاضی بھی آ گئے' آپ نے دریافت فرمایا: تم کیا عمل کرتے ہو کہ فرشتوں نے (اس محفل میں) تمہاری تعظیم کے لیے جگہ چھوڑ دی ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ میں آپ کے کامل خلفاء سے بھی ملا ہوں' یہ تمام فیوض و برکات [۷۷] طریقہ احمدیہ جو کہ ان کی ذات میں جمع ہیں، میں نے کسی میں نہیں دیکھے اگرچہ ارباب قلب ان حالات کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اس لیے میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ان کمالات اور خاصہ مجددی میں ان جیسی عالی نسبت والا اس وقت اور کوئی نہیں ہے' آپ کے خلفاء میں وہ بوجہ بہت سے فضائل، دوسروں سے ممتاز ہیں لیکن آپ کی نیابت جو کہ طالبوں کو طریقہ احمدیہ کی غایات سے منسلک کرنے اور مقامات کا صحیح کشف، وجدان، کیفیات اور درجات قرب الٰہی سے عبارت ہے، کسی میں بھی تسلیم نہیں کی گئی چنانچہ آپ نے بارہا اس امر پر افسوس کیا کہ میرے اصحاب میں سے کوئی بھی میرا (بہ خصائل مذکورہ) قائم مقام نہیں ہے۔

فقیر راقم (مصنف کتاب) کہتا ہے: طریقہ کے اختیار کرنے کا اصل مقصد ''تصفیہ قلب از گرفتاریٔ ماسوا''، علم باللہ کا دائمی حصول، خصائل بد سے دل کا پاک کرنا، تہذیب اخلاق، برکات ذکر، شغل کیفیات، حالات و استغراق اور سکر غلبات محبت کا حاصل کرنا ہے' الحمد للہ کہ یہ باتیں آپ کے خلفاء کی صحبت میں طالبوں کو اس زمانے کے موافق حاصل ہو جاتی ہے' مجھے ان (خلفاء کے) مستفیدین کو دیکھنے کا موقع ملا ہے' وہ حضور جمعیت مع اذواق قلبی، بلکہ اس سے بھی بالا انوار رکھتے ہیں۔

حضرت قاضی کی ذات ظاہری و باطنی کمالات سے متصف ہے' ان کے اوقات اطاعت اور عبادت سے معمور ہیں' سو رکعت نماز انہوں نے اپنا وظیفہ مقرر کر رکھا ہے' تہجد کی نماز میں ایک منزل قرآن پڑھتے ہیں چونکہ اس زمانے میں متدین علماء کم ہیں اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ قاضی کا منصب اختیار کر کے مقدمات کے صحیح فیصلے کریں اور اس مرتبے کا حق کما حقہ ادا کریں' رسوم قضات میں سے کوئی عاقبت نااندیش رسم آپ سے ظہور میں نہیں آئی [۱۸]

ایک مرتبہ اس شخص نے جس کے پاس آپ کی مہر ہوتی تھی کسی سے کوئی چیز لی' آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسے سزا دی اور اس نے جو کچھ لیا تھا وہ واپس کروایا' جس قسم کے ادائے حق اس منصب کا

خاصہ ہے، آپ اس میں مشہور ہیں۔

ان کے نام آپ کے بہت سے مکاتیب ہیں' ان میں سے چند فقرے لکھے جارہے ہیں:

شیخ عین الدین ساکن عظیم آباد ایک نوجوان ہے، جس نے اپنا روزگار ترک کر کے طریقہ اختیار کیا ہے' وہ اس رقعہ کے وسیلے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے، اس کے دل کو نور حاصل ہو گیا ہے، قطع مسافت ابھی تک شروع نہیں کی، شکستہ دل آدمی ہے، اس کے حال پر توجہ کریں [19] علی رضا خان نے مجھ سے طریقہ سیکھا ہے' اس کا ذکر لطائف خمسہ جاری ہو گیا ہے، نفی و اثبات کا عمل شروع ہے' وہ تمہارے (حلقے) میں شامل ہونا چاہتا ہے، اس کے لطیفۂ قلب پر توجہ کریں کیونکہ اس لطیفے کا پہلا کام (۷۸) یہی ہے، جو ضروری ہے [20] انتہا۔

ان کے اصحاب میں سے پیر محمد اور سید محمد وگھسیٹا کو آپ کی صحبت حاصل ہوئی ہے، وہ اس طریقہ کی (مختلف) نسبتوں پر فائز ہیں [21]

مولوی فضل اللہ رحمۃ اللہ

مولوی ثناء اللہ (پانی پتی مذکور) کے بڑے بھائی تھے اور ظاہری علم میں بہرہ کامل رکھتے تھے' انہوں نے طریقہ حضرت شیخ (محمد عابد سنامی) رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا اور آپ (حضرت مظہر) کی صحبت سے بھی استفادہ کیا تھا، آپ کی توجہات شریفہ سے وہ طریقہ کے مقامات پر فائز ہوئے تھے' وہ کثیر الذکر اور اللہ تعالیٰ کی طرف دائمی توجہ رکھنے والے تھے۔

ان کی وفات کے بعد مولوی ثناء اللہ بڑے آزردہ رہنے لگے تھے وہ ان کے خواب میں آتے اور کہتے کہ بھائی یہ اس قدر غم اور الم کیسا ہے؟

الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون [22]

(سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم)

یہ نص قرآنی ہے' اس دنیا (آخرت) میں مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت آسائش اور نعمتیں عطا کی ہیں جو بیان و حساب سے بہت زیادہ ہیں [23]

مولوی احمد اللہؒ

مولوی ثناء اللہ (پانی پتی) کے بڑے لڑکے، اور حضرت مظہر کے مخصوص اصحاب میں سے ہیں' انہوں نے ظاہری علم اپنے والد ماجد اور دیگر علماء سے حاصل کیا ہے' تحصیل کے ایام میں ساری رات ہی مطالعہ کتب میں مصروف رہتے تھے، کھانے پینے کی طرف رجحان بہت کم تھا، قرآن مجید حفظ تھا' علم قرأت وتجوید میں پوری مہارت حاصل تھی' ہر روز اکیس سیپارے تلاوت کرتے تھے، انہوں نے طریقہ آپ سے حاصل کیا' ذکر اور مراقبہ تو پہلے ہی حاصل تھا ہر روز پینتیس ہزار مرتبہ ذکر تہلیل کرتے، صبح سے ''چاشت بلند'' تک مراقب بیٹھتے۔

آپ کی توجہات علیہ، کثرت ذکر، مراقبہ مقامات بلند اور واردات حاصل کر کے طریقہ کی اجازت لی اور لوگوں کو تلقین ذکر، مراقبہ اور سلوک راہ مولیٰ میں مشغول ہوئے، ان کے حال پر آپ بہت عنایت کرتے تھے اور ان کی ترقی کے لیے غائبانہ توجہ کرتے رہتے تھے، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

آج تک تم پر توجہ کرنے میں میں نے ناغہ نہیں کیا اور نہ ہوگا۔ تم دن بدن ترقی کر رہے ہو' کمالات رسالت کی تجلیات کا کبھی کبھی ظہور ہوتا ہے' تم صبح وشام مردوں اور عورتوں کا جو حلقہ ارشاد کرتے ہو، اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے اور کامل توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں کی فتوحات ارزانی فرمائے گا۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

احمد اللہ پر حقیقت کعبہ کی توجہ ہوتی ہے، دو تین روز کے بعد وہ حقیقت قرآن میں داخل ہوگا۔ انتہا

مولوی احمد اللہ ذکر وعبادات میں کمال جہد سے طریقہ کے تمام اعلیٰ مقامات پر پہنچے اور بہت بلند شان کے مالک ہوئے' ان تمام ظاہری و باطنی کمالات کے باوجود ''الولد سر لابیہ'' ان پر صادق آتا ہے' تیس سالہ جوان تھے کہ انتقال کر گئے ان کے والد (قاضی ثناء اللہ) [(۷۹)] فرماتے ہیں کہ اس فرزند کی موت کا ظاہری سبب میری اس سے والہانہ محبت تھی' حق سبحانہ کمال غیرت سے اپنے اولیاء کے دل میں غیر کی محبت کا گزر بھی پسند نہیں کرتا' اس لیے اسے اس جہاں سے اُٹھا لیا اور میرے دل میں غیر کی محبت نہ رہنے دی۔

وہ بہت بہادر لوگوں میں سے تھے، انہوں نے کفار سے بارہا جہاد کیا تھا، اور غازی فی سبیل اللہ کا مرتبہ انہیں حاصل تھا' ایک دفعہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے ان کو آلیا' انہوں نے ان کے خادم سے سامان اور دوسری چیزیں چھین لیں' وہ تنہا اور پاپیادہ ان کے تعاقب میں گئے اور ان بیس سواروں سے جو شمشیریں اور ڈھالیں بھی رکھتے تھے، اپنا سامان واپس لے کر ''ان اللّٰہ یحب الرجل الشجاع'' (اللہ تعالیٰ بہادر شخص کو پسند کرتا ہے)، ثابت کر دیا کہ یہ وصف صرف انہی کا تھا [۲۴]

شیخ صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرزند دوم مولوی ثناء اللہ نے بھی علم حاصل کیا تھا' دینی کتب کی تحصیل بھی کی تھی، انہیں طریقہ آپ سے حاصل ہوا' جوانی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

مولوی دلیل اللہ [۲۵] فرزند سوم مولوی ثناء اللہ نے علم فقہ پڑھا ہے، فن اصول اور معقول سے بھی مناسبت رکھتے ہیں' طریقہ اور شغل قلبی انہوں نے آپ سے ہی سیکھا ہے، خدا انہیں سلامت رکھے۔

مولوی ثناء اللہ (پانی پتی) کی بیوی [۲۶] نے بھی آپ (حضرت مظہر) سے باطنی فیوض کا کسب کیا اور احوال فناء و بقا جو صرف اس خاندان کے صاحب نسبت حضرات ہی کو ہوتے ہیں، انہیں بھی حاصل تھے' انہوں نے تعلیم طریقہ کی اجازت بھی پائی تھی' وظائف، اطاعت، ذکر و مراقبہ جیسے نیک اوقات نے انہیں مقبول بارگاہ بنا دیا ہے' آپ اپنے ایک مکتوب میں اس عفیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

> اگر مستورات کو توفیق ہو اور تم سے توجہ چاہیں تو میری طرف سے اجازت ہے' جناب پیران (کے وسیلے) سے قوی امید ہے کہ اس میں تاثیر پیدا ہوگی نیز تمہیں کبھی کبھار توجہ دی جاتی ہے، تو ترقی معلوم ہوتی ہے' اپنے آپ کو ذکر الٰہی جل شانہ، اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے لیے مقید کر لو' ذوی الحقوق کی رعایت اور اچھا اخلاق پیدا کرنا لازم ہے، جو نیک نامی اور کامیابی دارین کا موجب ہے [۲۷]

شیخ محمد مراد

آپ کے قدیم اصحاب میں سے ہیں' انہوں نے آپ سے طریقہ حاصل کیا' پینتیس سال تک ہر روز حلقہ ذکر میں حاضر ہوتے رہے اور آپ کی صحبت کی برکت سے طریقہ کے مصطلحہ مقامات پر فائز ہوئے اور اعلیٰ نسبت حاصل کی' آپ کی خدمت میں ان کو ایسی خصوصیت حاصل تھی کہ جس میں دوسرے اصحاب شریک نہیں تھے، آپ کے گھریلو معاملات انہی کے ذمے تھے [۲۸] آپ فرماتے ہیں: ہمارے

اصحاب میں رفعت نسبت کے اعتبار سے ان کے مساوی کوئی نہیں ہے' آپ کی ذات میں بہت سے کمالات جمع ہیں چونکہ وہ تجارت پیشہ [29] ہیں اس لیے طالب ان کی طرف رجوع نہیں کرتے' گویا ایک شیخ کے لیے علم و عقل سلیم، کشف صریح مع وجدان صحیح، شرف نسب، ظاہری شوکت، دولت فقر اور قناعت بھی ہونی چاہیے۔ انتہا

مولوی نعیم اللہ نے لکھا ہے:

(۸۰) کہ وہ مستجاب الدعوۃ ہیں [30] اور اس کا بارہا تجربہ بھی کیا گیا ہے [31] واللہ واعلم۔

فقیرِ راقم (مصنف کتاب ہذا) کہتا ہے کہ قبولیت دعا کے لیے باطنی کمالات کا ہونا لازم نہیں ہے' اللہ کی عظمت کے سامنے تسلیم کے سوا چارۂ کار نہیں' قبولیت دعا کے لیے رزقِ حلال، راست گوئی اور اخلاص شرط ہے' قبول دعا کے لیے یہ تینوں اُمور ضروری ہیں' میرے (مصنف کتاب ہذا) کے نزدیک ان کی نسبت کے حالات اس قسم کے نہیں جو ہر کسی کے ادراک میں آ سکیں' اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے [32]

شیخ عبدالرحمٰن

شیخ محمد مراد کے بھائیوں میں سے ہیں، آپ کی توجہات سے عالی احوال حاصل کیے' نسبت مع اللہ کے حالات سے مغلوب تھے' قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں:

ان کی نسبت کی کیفیات کے ظہور کی وجہ سے انہیں دیکھتے ہی دل تعظیم و تکریم کے لیے بے اختیار ہو جاتا ہے۔ انا رؤا ذکر اللّٰہ [33] (جب ان کی زیارت کی جائے تو خدا یاد آ ئے) انہی کے وصف حال تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

میر علیم اللہ گنگوہیؒ

آپ کے اکابر خلفاء، شیفتہ جمال اور معرفت افزاء قدیم اصحاب میں سے تھے' انہوں نے حضرت شیخ (محمد عابد سنامی) کی صحبت بھی حاصل کی تھی اور انہیں کے حکم سے انہوں نے آپ (حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت کا التزام اور طریقہ احمدیہ کا سلوک مکمل کیا' حالات عالیہ و واردات سامیہ حاصل تھے' ان کی نسبت میں ایسے سکر کا غلبہ تھا کہ مجددی نسبت کا صحو اور ہوش مندی غالب نہیں آ سکتی تھی' وہ محبت الٰہی کی

شرابِ طہور میں سرشار اور حضور و آ گاہی کے ذوق سے مخمور تھے' ان کی زبان پر اہل محبت کا تذکرہ رہتا اور عاشقانہ حکایات سے ان کی آنکھیں اشک ریز رہتی تھیں' گریہ آپ کے احوال کو آبرو بخشتا تھا' شورانگیز نالے ان کے سینے میں سوز پیدا کرتے تھے' ان کی صحبت خدا کی محبت کا شوق بخشتی' آپ کی جبیں سے ''نسبت مع اللہ'' کے انوار چمکتے' ان پر استغراق قوی اور طویل بے خودی طاری ہوتی تھی' ان میں آپ کی محبت غالب تھی' غلبہ محبت کی وجہ سے سلام کی بجائے آپ کو'' قربانت شوم'' (میں تجھ پر قربان) لکھ بھیجا۔

جب اپنے وطن (شہر) سے آپ کی زیارت کے لیے چلتے تو راستے کی تکلیف سے تھک جاتے تو آپ کے مناقب کے ذکر سے پھر جوش و ولولہ پیدا ہو جاتا اور بیابان نوردی کے لیے تیار ہو جاتے۔

ایک مرتبہ خواب میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر ان کی قدم بوسی کرنی چاہی، حضرت نے فرمایا: یہ کیا حرکت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ! اس میں ہم فقیروں کی سعادت مندی ہے' اس سے انہیں بہت مسرت ہوئی اور ان کے حال پر بہت لطف فرمایا۔

ایک شب خواب میں انہوں نے دیکھا کہ سلسلہ چشتیہ کے اکابر مثلاً حضرت شیخ فرید گنج شکر اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما (۸۱) تشریف لائے اور ان کے باطن سے نقشبندی نسبت سلب کر لی اور اپنے خاندان کی نسبت القا کی' ان کے جانے کے بعد نقشبندی بزرگوں مثلاً حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت میرزا مظہر قدس اللہ اسرارہما تشریف لائے اور ان کے باطن سے چشتی نسبت کشید کرنے کے بعد پھر سے ان کا سینہ نقشبندی نسبت سے معمور کر دیا' اس سلب اور القا کے عمل سے انہیں اکابر کی زیارت کا شرف حاصل ہو گیا، جس سے ان پر ایک حالت طاری ہوئی اور ایسا ''اضمحلال'' حاصل ہوا کہ ان سے طاقت بالکل جاتی رہی۔

صبح کے وقت آپ کی خدمت میں آئے تو سارا واقعہ بیان کیا اور آپ انہیں اپنے پیر حضرت شیخ (محمد عابد سنامی) قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس لے گئے، فرماتے ہیں: واللہ! ہم نے ان کے حال کے بارے میں کسی قسم کا اظہار نہیں کیا لیکن حضرت شیخ نے اپنے نورِ فراست سے معلوم کر لیا اور فرمانے لگے کہ بزرگوں نے ان کے حال پر تصرف کیا تھا اور اپنی نسبت القا کی تھی لیکن نقشبندی حضرات پہنچ گئے اور اپنے خاندان کی نسبت انہیں دوبارہ عطا کر دی' انہوں نے طریقہ کے جو مقامات حاصل کیے صحیح اور

بجا ہیں۔

مختصر یہ کہ ان کی طینت میں گرم جوشی، استعداد اور آثار حرارت اور چشتی نسبت کی حرارت کے اذواق موجود تھے کیوں کہ یہ حالات طالبانِ راہ مولیٰ کے لیے رشک کا باعث ہیں' تمام عمر گرم جوشی محبت میں بسر کی اور آپ کی زندگی ہی میں فوت ہوئے۔

ان کی بیوی نے بھی آپ سے طریقہ حاصل کیا تھا' وہ بھی بادہ محبت خدا سے سرشار تھی (میر علیم اللہ نے) وفات کے بعد خواب میں آپ کی خدمت میں عرض کی کہ فرشتے مجھے بارگاہ کبریا جل جلالہ میں لے گئے، میں نے خود کو لا متناہی انوار میں مستغرق پایا اور اسی حال میں شاہد مقصود کی طرف دوڑا، جس سے مغفرت اور رحمت کے دروازے مجھ پر کھل گئے' فحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ [۳۴]

شیخ مراد اللہ عرف غلام کاکیؒ

حضرت میرزا کے اجل خلفاء میں سے تھے، علم و عمل میں اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے' وہ اس جماعت میں سے تھے جنہیں حضرت شیخ (محمد عابد) نے تربیت کے لیے آپ کے حوالے کیا تھا' وہ آپ کی تربیت کی برکت سے طریقہ کے انتہائی مقامات حاصل کر کے خلافت یاب ہوئے اور ملک بنگالہ میں طالبوں کے مرجع و مآب بنے' ان کے کمالات کا شہرہ اس دیار کے دلوں کو مسخر کرتا' ان کے اخلاقِ حسنہ اور صفاتِ کاملہ کی خوش بو دماغوں کو معطر کرتی اور ان سے بہت سے طالب سرمایہ جمعیت و آگاہی حاصل کر کے مقبول بارگاہِ الٰہی بنے اور یادِ خدا میں مصروف ہوئے۔

ان میں سے محمد غوث (۸۲) کے حالات صحیح ہیں' ان کے اصحاب میں سے محمد دانش اور محمد درویش نے آپ سے استفادہ کیا تھا' محمد دانش کی باطنی نسبت آپ کی عنایات سے فنائے قلب اور فنائے نفس سے بھی بلندی پر پہنچ گئی تھی' ''حضور و آگاہی، کیفیات استہلاک و اضمحلال'' بھی جو کہ فنائے نفس کا خاصہ ہیں، انہیں حاصل ہیں۔

محمد درویش کو بکثرت باطنی ترقیات ملی ہیں اور نسبت کمالات سے مشرف ہوئے ہیں' شیخ مراد اللہ نے طالبوں کی آسانی کے لیے ہندی (اردو) زبان میں قرآن مجید کی تفسیر [۳۵] لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرمایا کہ طریقہ کے انوار کی اشاعت اخلاص اور مرتبہ احسان کا موجب ہے، اپنے اوقات اسی شغل میں صرف کرنے چاہئیں' ذکر اور مراقبہ کے علاوہ کوئی عمل نہیں کرنا چاہیے، انہوں نے آپ کے

وصال سے پہلے وفات پائی[۳۶]

حضرت شیخ محمد احسانؒ

آپ کے قدیم اصحاب اور اکمل خلفاء میں سے تھے' حضرت حافظ محمد محسن[۳۷] کی اولاد[۳۸] میں سے تھے' ان کا نسب شیخ عبدالحق[۳۹] رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے' ایامِ جوانی کے آغاز میں ان کے عقیدہ میں انحراف اور بظاہر صراطِ مستقیم سے انصراف پیدا ہو گیا' انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے دودھ چاول تناول کیے اور بقیہ انہیں دے دیا' پس انہوں نے آپ کے دست مبارک پر توبہ کر کے واردات حاصل کیں' اس راہ میں کمال استقامت سے ثابت قدم رہ کر بہت ترقی کی' اور طریقہ احمدیہ (مجددیہ) کے انتہائی مقامات پر فائز ہوئے' اپنے باطن کو انوار اور آگاہی کا مظہر بنایا' ان کی نسبت میں جذبہ اور شورش قوی تھی' ولایت قلبی کی سیر میں بے تابی اور نالہ ہای بے خودی بہت کرتے تھے' باطن کی حرارت شوق اور گرمی تپش کی وجہ سے سردی کے موسم میں بھی انہیں پنبہ دار لباس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

جذبات محبت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے سننے اور سماع کی آواز کی ان میں تاب نہیں تھی' ایک روز آپ کی خدمت میں فریاد لائے اور بے خود ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ تمہاری نسبت میں ذوق وشوق پیدا ہو گیا ہے اگر تم اسی نسبت گرم اور جذبہ و حالات عشق و محبت پر کفایت کرنا چاہتے ہو تو ہماری صحبت ترک کر دو ورنہ اس قسم کی فریاد و نعرہ تمہارے لیے نقصان کا موجب بن سکتے ہیں' اس وقت ذکر و مراقبہ میں فرشتوں کا مجمع تھا' تمہاری فریاد کی وجہ سے وہ منتشر ہو گیا اور ان میں سے ایک تمہاری طرف تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا اگر تم اپنے باطن کا کام میرے حوالے کر دو تو میں ایسی توجہ کروں گا، جس سے تم اس شورش کے مقام سے نکل کر طمانیت (۸۳) میں پہنچ جاؤ گے کیوں کہ نسبت اطمینان، نسبت ''قرن'' کے مشابہ ہے، جو شائبہ ریا سے دور ہے' انہوں نے عرض کی کہ مجھے شورش اور طمانیت سے کوئی غرض نہیں ہے، میرا مقصد تو صرف آپ کی رضا کا حصول ہے' آپ نے انہیں (سابقہ مقام سے) پھلانگ (بطور طفرہ) کر بالا مقام پر پہنچا دیا اور وہاں کے احوال پر فائز کر دیا' جس سے ان کی بے تابی اطمینان میں بدل گئی لیکن ان کی گرم استعداد کا تقاضا ابھی باقی تھا، کبھی کبھی بے اختیار ہو کر فریاد کر اُٹھتے تھے' جس سے بے خود ہو جاتے۔

ایک دن کسی نے ان کے سامنے کہا کہ مولوی ثناء اللہ سنبھلی کا روزینہ مشتبہ مال سے مقرر ہوا ہے'

کہنے لگے: حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے سے انوار کی ایسی سبیل آتی ہے جو ان تمام کدورتوں کو بہا کر لے جاتی ہے، اس بات سے انہیں بہت فیض پہنچا، انہوں نے آہ بھری اور بے خود ہو گئے' ایک مرتبہ یہ شعر سننے سے:

رفتم ازمیکدہ اما بدعا می خواہم
کہ ازین در نروم لغزش مستاں مددی [۴۰]

بہت بے تابی پیدا ہوئی' محبت کی یہی شورش انہیں مضطرب رکھتی' بسا اوقات انہیں عاشقانہ نغمہ بے خود کر دیتا' یہ عشق ہی ہے، جو طالبوں کے دلوں کے بے حیات افزا اور یہ عشق ہی ہے، جو سالکوں کی جانوں کو بقا بخشتا ہے:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

شعر

گر عشق ترا نیست بہ تحقیق ز تقلید
چاکی بہ گریباں زن وخاکی بہ سر افگن [۴۱]
کار ما عشق و بار ما عشق است
حاصل روزگار ما عشق است

شیخ محمد احسان فرماتے ہیں کہ (احمد) شاہ درانی کے ہنگامہ غارت گری [۴۲] میں اپنے کوچہ کے دروازہ میں پوری ہمت سے متوجہ ہو کر بیٹھ گیا تا کہ غارت گروں میں سے کوئی کوچہ میں داخل نہ ہونے پائے فضل الٰہی سے ساری رات اس کوچہ میں کوئی نہ آیا۔

ایک روز ایک شخص نے جو درد پہلو میں مبتلا تھا ان کی خدمت میں عرض کی کہ اس مرض کے سلب کرنے کے لیے ہمت کریں، جونہی اس کے کان میں اسم مبارک اللہ پہنچا، اس نے نعرہ مارا اور درد اسی وقت ختم ہو گیا [۴۳]

وہ فرماتے ہیں: ملا رحیم داد [۴۴] کے لشکر کی کفار سے شکست کے وقت میں بھی اس لشکر میں موجود تھا، اس قیامت انگیز وقت میں بھی میری نسبت کا کامل غلبہ کے ساتھ ظہور ہو رہا تھا گویا مجھے سردی کی

شدت اور قتل و غارت کفار کی خبر ہی نہیں تھی اور میں مشائخ کرام کی توجہ کی بدولت محفوظ رہا۔

فرماتے ہیں کہ کسب سلوک کے دنوں میں میں نے سخت فقر و فاقہ اختیار کیا، پے در پے تین فاقوں کو ایک فاقہ خیال کرتا تھا۔

ایک روز آپ نے میرے احوال پوچھے میں نے اپنی بے سامانی کا ذکر کیا، انہیں افسوس ہوا، تھوڑا سا (۸۴) آٹا اور کرتا خاص عنایت کیا، کہتے ہیں کہ اس تبرک شریف کی برکت سے تنگی فراخی سے بدل گئی۔

بتاتے ہیں کہ میں نے چھ ماہ تک آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کی سعادت حاصل کی، جس سے اس کثرت سے فیوض حاصل ہوئے کہ کسی ریاضت اور مجاہدہ میں اس قسم کی ترقی میسر نہ آئی۔

شیخ غلام حسنؒ

شیخ محمد احسان کے بھائی [۴۵] اور آپ کے خاص اصحاب اور زبدۂ احباب میں سے ہیں، انہیں آپ کی مزید عنایات کا اختصاص بھی حاصل تھا، انہوں نے طریقۂ شریفہ آپ ہی سے حاصل کیا تھا اور اس خاندان کی نسبت کے مقامات پر پہنچے، یادالٰہی میں اپنے اوقات بخوشی بسر کیے [۴۶]

شیخ محمد منیرؒ

حضرت شیخ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد اور آپ کے اجل خلفاء میں سے ہیں، طریقہ علیہ چشتیہ کے اشغال کرتے اور اس نسبت شریفہ کے اذواق و اشواق سے حظ اُٹھاتے، طریقہ نقشبندیہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور اس کی صحبت شریفہ کا التزام کر کے طریقہ کے انتہائی مقامات پر فائز ہو کر اجازت حاصل کی، ان کی نسبت قوی اور حالات بلند تھے اور ہمیشہ گوشہ قناعت و توکل میں یاد خدا میں مصروف رہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ان کی نسبت بہت قوی ہے اگر کوئی قطب وقت ہو تو اسے بھی ان سے استفادہ کرنا چاہیے، سلوک کے (ابتدائی ایام میں) وہ ساری رات مراقبہ کرتے تھے اور کثرت مراقبہ کی وجہ سے ان کا کشف و وجدان صحیح تھا، طالب ان سے رجوع کرتے، ارباب ذکر کا حلقہ خوب جمعیت کے ساتھ منعقد کرتے [۴۷] لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی اور آپ کے حین حیات ہی میں درد سینہ کے مرض میں

انتقال کیا[۴۸] ان کی موت سے آپ کے دل میں بہت غم واندوہ ہوا چنانچہ مولوی ثناء اللہ سنبھلی کو لکھتے ہیں:

شیخ محمد منیر اکثر یاران طریقہ میں ممتاز تھے، انہوں نے ۱۹ ذی الحج کو رحلت کی، جس سے مجھے سخت صدمہ ہوا چنانچہ ہمارا انتقال بھی طبعی عمر کے موافق قریب ہے، اس لیے تسلی ہے[۴۹]

حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے خواجہ عباد اللہ نے شیخ محمد منیر سے طریقہ حاصل کیا، ان کی وفات کے بعد انہوں نے آپ کی صحبت اختیار کی اور آپ کی توجہات سے بلند مقامات پر پہنچے اور طریقہ کی تعلیم دینے کی اجازت بھی حاصل ہوئی' آپ فرماتے ہیں: ان کی نسبت بہت قوی ہے' کئی سال ہوئے ان کی وفات ہو چکی ہے۔

حاجی جمال الدین نے بھی جو کہ شیخ محمد منیر کے اصحاب میں سے تھے، آپ کی صحبت مبارک کی برکت سے نسبت عالیہ کا کسب کیا اور حرمین شریفین کی زیارت (۸۵) کا شرف حاصل کیا اور یاد مولیٰ میں گوشہ قناعت میں خوش ہیں۔

مولوی قلندر بخش

آپ کے منتخب اصحاب اور برگزیدہ خلفاء میں سے ہیں' دینی علوم کے عالم تھے' علم معقول کی بھی تحصیل کی تھی، قرآن مجید حفظ تھا انہوں نے طریقہ آپ سے ہی حاصل کیا' آپ کی توجہات علیہ سے طریقہ کے انتہائی مقامات پر پہنچے' انہیں طریقہ کی تعلیم دینے کی اجازت ہے اور درس علم اور ارشاد وسلوک باطن ان کا شغل۔

علم طب میں بھی مہارت رکھتے تھے' جسمانی اور روحانی دونوں علاج کرتے تھے' انہیں آپ کے ساتھ بہت ہی اخلاص تھا اور آپ کے مصاحب خاص تھے' رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن مجید سناتے تھے، آپ ان کی اچھی آواز اور ترتیل حروف سے جو کہ ان کی تلاوت کے آداب میں سے تھے[۵۰] بہت خوش تھے۔

ہر سال آپ کی زیارت کے لیے اپنے وطن[۵۱] (شہر) سے آتے اور انوار حضور کا کسب کرتے یہاں تک کہ (اسی طرح عمل کرتے ہوئے) وفات پائی۔

میر نعیم اللہؒ

آپ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں، حضرت حاجی محمد افضل کی صحبت حاصل تھی ۵۲ اور حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ شیخ محمد اعظم ۵۳ کی خدمت بھی کی تھی، حضرت مظہر کی صحبت کا التزام کر کے طریقہ احمدی (مجددی) کے مقامات سلوک مکمل کیے تھے اور تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل کی تھی، علم و ادب اور حسن اخلاق سے متصف تھے (ان کے دل میں) آپ کی محبت راسخ تھی، طریقہ کی تعلیم اور علم دین کا درس ان کا شغل تھا، قرآن مجید حفظ تھا، علم قرأت و تجوید کی سند قاری عبدالغفور ۵۴ سے لی تھی۔ تراویح میں آپ ان سے قرآن مجید سن کر بہت محظوظ ہوتے تھے ۵۵

ایک روز فرمانے لگے کہ میں مولوی قلندر بخش اور سید نعیم اللہ کے تہذیب اخلاق کے سبب ان سے کبھی ناراض نہیں ہوا، ایک دن حضرت سید نعیم اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے راہِ خدا اور رضاءِ مولیٰ میں جو قدم رکھا ہے وہ ہماری آنکھوں پر رکھو اگر تم جیسے لوگ اپنے وطنوں سے نہ آئیں تو ہمارا حلقہ مراقبہ بے جمعیت و بے برکت ہو کر رہ جائے، انہوں نے آپ کے حین حیات ہی انتقال کیا ۵۶

مولوی ثناء اللہ سنبھلیؒ

آپ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں، ظاہری علم کی بھی تحصیل کی تھی، قرآن اور حدیث کا علم حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا ۵۷ طریقہ کی تعلیم آپ کے خلیفہ خواجہ موسیٰ خان ۵۸ رحمۃ اللہ علیہ سے لی، ذکر اور مراقبہ ان کا دائمی شغل ہے اور ان کے حکم سے باطنی کمالات میں آپ سے استفادہ کیا، طریقہ کے انتہائی مقامات پر پہنچے اور طریقہ کی تعلیم دینے کی اجازت ملی اور بلدہ (۸۶) سنبھل میں درس علم اور راہِ خدا کی ہدایت و سلوک میں مصروف رہے، علم و عمل اور صبر و استقامت سے متصف اور اعلیٰ اخلاق اور اوقاتِ حسنہ کے لیے معروف تھے، وہ کہتے ہیں: حدیث و تفسیر کے درس سے نور اور صفا حاصل ہوتا ہے اور نسبت احمدیہ کو طاقت اور ترقی ملتی ہے۔

کہتے ہیں کہ "ایک مرتبہ میں نے ایک امیر کا کھانا کھایا، میرے باطنی احوال ضائع ہو گئے، میں نے ہر چند توبہ اور نیازمندی کی لیکن وہ حالات پیدا نہ ہو سکے اگرچہ نسبت کی کیفیات ہمیشہ شامل حال تھیں لیکن احوال و ذوق نام کی کوئی چیز نہیں رہی تھی، صاحب نفحات ۵۹ نے کہا ہے کہ ان طائفہ کرام میں

سے ایک نے انتہائی پیاس کی حالت میں ایک لشکری (سپاہی) سے پانی پی لیا' تو اس کے تمام باطنی حالات تباہ ہو گئے' تیس سال گزر گئے ہیں کہ اس کدورت کا اثر اب تک باقی ہے''۔ انتہا۔

مولوی ثناء اللہ سنبھلی نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے حال پر بہت عنایت فرمائی، ایک روپیہ یومیہ مقرر فرمایا' اسی طرح واقعہ ہوا کہ اس خواب کے بعد ایک امیر آدمی نے ان کی ضروریات کے لیے ایک روپیہ روزانہ مقرر کر دیا' آپ نے انہیں لکھا ہے:

وھو معکم اینما کنتم[۶۰] (تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے) تم وہاں جاؤ اور میری جانشینی کرو، کیوں کہ اس ضلع میں سمجھ دار عالم اور صاحب نسبت درویش کوئی نہیں ہے، خاطر جمع رکھ کر اپنے کام میں مصروف ہو جائے اور پریشانی کو دل میں جگہ نہ دو اور اپنے اوقات دین کے ظاہری و باطنی منافع کے حصول میں صرف کرو' اس پاک ذات نے تمہیں دولت دی ہے، یہی اس کا شکر ہے۔ حضرت جنید نے فرمایا ہے: ''**الشکر صرف النعمة فی مرضیات المنعم**'' (نعمت کو اللہ تعالیٰ کی خوش نودی میں صرف کرنا شکر ہے) ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی تنگی وسعت میں بدل جائے گی:

مشکلی نیست کہ آساں نہ شود مرد باید کہ ہراساں نہ شود[۶۱]

اگر غیب سے کوئی چیز (فتوح) میسر آ جائے تو اسے بلا تامل قبول کر لینا چاہیے، کیوں کہ بغیر طلب اور سوال کے جو چیز ملتی ہے وہ توکل کے منافی نہیں ہوتی اگر اس چیز (معاش) پر اعتماد نہ ہو[۶۲] تو خصوصاً اس زمانہ میں توکل تفرقہ دل کے رفع کرنے کا سبب ہے اور صرف توکل بے جمعیتی کا موجب ہے اور یہی ''جمعیت'' تو صوفیہ کا راس المال ہے۔

اللہ تعالیٰ سنت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے متبعین اور خانقاہ عالی جاہ مجددیہ کے درویشوں کی جمعیت ضائع نہ کرے' تعلیم طریقہ اور کتابوں کے درس کے لیے خود کو پابند کر لو' اس عمل میں اپنے اوقات صرف کرنا، دونوں جہانوں کی فتوحات حاصل کرنا ہے' ختم خواجگان اور ختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلقہ صبح کے لیے ہر روز لازمی طور پر کرو' صرف اللہ تعالیٰ سے اُمید وابستہ رکھو اور غیر سے نا اُمید ہو جاؤ' مرہٹہ کفار کے آشوب کی فکر نہ کرو، انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے (۸۷) دوستوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور مجھے حاضر ہی سمجھیے[۶۳] انتہا۔

حاجی محمد یار نے ان سے طریقہ کی تعلیم حاصل کی اور آپ کی توجہات سے انہیں حضور و آگاہی کی

نسبت حاصل ہوئی، پھر انہوں نے مولوی نعیم اللہ کی صحبت اختیار کی۔

احمد علی نے بھی جوان کے اصحاب میں سے ہیں آپ سے استفادہ کیا، نسبت قلبی کے جذبات سے مغلوب ہوئے اور جذبات کی بے تابی سے سونا اور کھانا ترک کر دیا' اکثر اوقات بے قرار اور حالات سکر سے سرشار رہتے، آپ کی حسن تربیت سے ہوش میں آئے' اپنے باطن کے معاملہ کو فنائے نفس تک پہنچا کر طریقہ کی تعلیم کی اجازت حاصل کی اور نسبت مع اللہ کی کیفیات میں مدہوش ہوئے[64]

میر عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے اجل خلفاء میں سے ہیں' ظاہری علوم سے بھی بہرہ ور ہیں' سالہا سال آپ کی صحبت میں رہ کر کسب فیض کیا' طریقہ کے انتہائی مقامات کو پہنچے' کمال علم اور عزت سے آراستہ ہیں' اچھے اخلاق سے متصف اور عالم مثال سے پوری مناسبت رکھتے ہیں' آپ اپنے دوستوں کے اُمور مرجوعہ کے استخارہ کے لیے انہی سے فرمایا کرتے تھے' ان کی معلومات واقعہ کے مطابق ہوتیں۔

انہیں پانچ بار حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور آنجناب مقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنایات سے ممتاز ہوئے[65]

خلیفہ محمد جمیل رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں' چھوٹی عمر میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ آئے اور آپ نے ایک توجہ لی' تحصیل علم اور طب کا شغل اختیار کیا۔

کہتے ہیں علم سے حظ وافر حاصل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی توجہ کی برکت سے مجھے اپنے کی طلب عطا کی اور میں مقصود کی جستجو میں بے شمار درویشوں کی خدمت میں گیا، کسی جگہ دل کو آرام نہ آخر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور طلب کے لیے مشقتیں کیں، یہاں مقصود مل گیا۔ آپ کی توجہات علیہ سے طریقہ کے مقامات پر پہنچ کر اجازت وخلافت سے مشرف ہوا۔

خلیفہ صاحب تحمل، تمکین اور اُمورِ شریعت وطریقت میں استقامت راسخ رکھتے تھے' طریقہ احمدیہ کے انتہائی مقامات سلوک تک ان کی نسبت قوی تھی' ظاہری و باطنی امراض کے علاوہ کے لیے ممتاز تھے' آپ کے حین حیات ہی انتقال کیا[66]

حضرت شاہ بھیکھؒ

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد میں سے تھے[67] آپ کی توجہات سے اپنے آباء کرام کی نسبت خاصہ سے حظ وافر حاصل کیا اور کار باطن کو کمالات تک پہنچا کر آپ کی اجازت سے ہدایت وارشاد راہ مولیٰ میں مصروف ہو گئے' اتباع سنن مصطفیٰ ﷺ اور طریقہ احمدیہ پر استقامت رکھتے تھے (۸۸) ان کی وفات[68] کے بعد سکھ کافروں نے جو سرہند کے متبرک مزارات خراب کر رہے تھے، چاہا کہ ان کی نعش کو قبر سے باہر نکالیں، آپ نے ایک کافر کے سر پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ فی الفور ہلاک ہو گیا اور اس کے ساتھی جان کے خطرہ سے بھاگ گئے[69] اس قسم کی کرامت کے ظہور سے کفار مزارات پر دست درازی کرنے سے باز آ گئے[70]

مولوی عبدالحقؒ

شاہ بھیکھ کے بھائیوں[71] میں سے تھے، انہوں نے طریقہ آپ سے حاصل کیا، ان کا نسبت باطن کا کام فنائے قلب تک پہنچ چکا تھا' ان کے حالات صحیح تھے' ظاہری علم کا درس دیتے تھے' عین عالم شباب میں انتقال کیا۔

شاہ محمد سالمؒ

آپ کے قدیم اور برگزیدہ خلفاء میں سے ہیں' دس سال تک آپ کی صحبت مبارک میں کسب فیوض کر کے طریقہ کے مقامات سلوک طے کیے اور تعلیم طریقہ کی اجازت کے بعد طالبانِ خدا کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔

بہت سے لوگ ان کی توجہات سے ''حضور و آگاہی'' کے مرتبے کو پہنچے اور آپ کی وضع اور آداب پر استقامت رکھتے ہیں[72] آپ نے ایک مکتوب میں انہیں لکھا ہے:

> ہم خیریت سے ہیں، تمہیں شریعت اور شغل طریقت کی پابندی کا التزام کرنا چاہیے' لوگوں سے خاکساری اور بے نفسی سے پیش آؤ کیوں کہ نفس کا کمال نیستی ہے اور حق تعالیٰ کی ہستی مسلم' فقراء اور علماء کی صحبت لازم قرار دو، زمانہ کے مکروہات پر صبر کرو کیوں کہ یہ دنیا مؤمنین کے لیے قید ہے اور آخرت میں راحت ملنے کا وعدہ ہے' اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں پر شکر کرنا واجب ہے اگر کوئی طریقہ کی طرف رجوع کرے تو اس کی خدمت کرنی چاہیے تا کہ اس سے خدمت لی جائے مگر غلبہ محبت کی وجہ سے اگر وہ خود (خدمت) کرنا چاہے تو کوئی مضائقہ نہیں' تم جہاں رہو خدا تمہارے ساتھ ہے، استقامت سے رہو اور پیران طریقہ کی محبت دل میں رکھو' والسلام۔

شاہ رحمت اللہ

آپ کے کامل خلفاء میں سے ہیں، کمال درجہ کی محبت اور اخلاص کے لیے مخصوص ہیں، ملک سندھ[۳ے] سے طلب خدا کے لیے نکلے، جہاں کہیں کہیں درویش کا سنتے وہیں پہنچ جاتے' انہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بھی حاصل ہوئی ہے۔

آپ کے آستانہ ولایت نشان پر پہنچے، اور چار سال تک آپ کی صحبت مبارک میں کسب فیض کیا' کار سلوک کو طریقہ کے انتہائی مقامات تک پہنچا کر اجازت سے سرفراز ہوئے' انہیں ایذائے نفس اور معنوی لحاظ سے راحت روح جیسے جلالی معاملات زیادہ پسند تھے' صبر بلکہ قضائے الٰہی کے مطابق رضا ان کا شیوہ تھا۔ یاد خدا کے لیے صبر وقناعت اور ترک ماسواء اللہ پر استقامت رکھتے تھے' سرداران وقت (۸۹) کی آرزو تھی، کہ وہ روزینہ قبول کریں لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔

رات کو ان کے گھر ذکر خدا کے نور کے چراغ کے سوا اور دن کو صرف اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی خوراک نہیں ہوتی تھی' سالہا سال تک وہ عریاں رہے' صرف ایک تہ بند باندھے رکھا۔

ان کی صحبت میں طالبوں کا جم غفیر ہوتا تھا اور مکمل جمعیت کے ساتھ حلقہ مراقبہ کا انعقاد ہوتا تھا' دو اشخاص کو ان سے تعلیم طریقہ کی اجازت ملی تھی' ان کے اصحاب میں شاہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ نیک احوال رکھتے ہیں۔ انہوں نے مرزا مظفر[۴ے] رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی صحبت بھی حاصل کی تھی' ان کے بعد باجمعیت حلقہ ذکر و مراقبہ یہی کرتے تھے' ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔

محمد اکبر نے بھی ان سے طریقہ حاصل کیا ہے' نیز حضرت مرزا مظفر کی صحبت کا فیض حاصل کر کے آئی کی ہے' ہمارے حضرت (مظہر رحمۃ اللہ علیہ) سے بھی توجہات لیں' میرے (مصنف کتاب ہذا) کے پاس بہت نشست رہتی ہے اور اپنے گم شدہ احوال کی دریافت کرتے ہیں' باطنی نسبت کی طرف توجہ کم ہے وفقہ اللہ سبحانہ وایای لمرضاتہ (اللہ تعالیٰ انہیں اور مجھے اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے)۔

محمد شاہ

انہوں نے حضرت شیخ (محمد عابد) رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ صوفی عبدالرحمن [۵] سے طریقہ حاصل کیا اور آپ کی خدمت میں پہنچے، آپ کی تربیت کی برکت سے وہ طریقہ کے انتہائی مقامات پر فائز ہو کر طالبانِ حق کو ہدایت کی اجازت سے مشرف ہوئیاور اپنے مسکن [۶] میں باجمعیت حلقہ ذکر و مراقبہ میں مصروف ہیں [۷]

میر مبین خان رحمۃ اللہ علیہ

سادات [۸] کبار میں اور آپ کے عمدہ اصحاب و برگزیدہ احباب میں سے ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ تھے، آپ سے ''طریقہ'' حاصل کر کے انتہائی مقامات پر فائز ہوئے، تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل کر کے طالبوں کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔

بہت سے طالبوں نے ان کی صحبت کی برکت سے حضور و جمعیت کا کسب کیا، انہیں آپ سے بہت محبت تھی اور آپ کے اوضاع و اطوار کی اتباع کے لیے انہوں نے بڑی کوشش کی [۹] اس لیے آپ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''میر مبین خدا کے بڑے اولیاء میں سے ہیں اور جان جاناں صغیر اولیاء میں سے''۔

اس سے زیادہ ان کی تعریف نہیں لکھی جا سکتی۔

ان کے اصحاب میں سے، آپ کی عنایت سے پیر محمد باطنی نسبت میں لطیفہ نفس کی فنا تک پہنچ گیا، انہیں صحیح کشف کونی حاصل ہوا اور آنے والے دن کے حالات دعویٰ کے ساتھ بیان کرتے تھے، جو اسی طرح ہوتے تھے، وہ فرشتوں اور روحوں کو ظاہری طور پر دیکھتے تھے، کہتے ہیں ایک دن سردی کے موسم میں میں دریا میں غسل کر رہا تھا کہ اتنے میں بھیڑیے دریا کے کنارے کھڑے ہو گئے، مجھے تیرنا نہیں آتا تھا، میں نے حضرت میر مبین خان کی طرف توجہ کی، تو کیا دیکھتا ہوں کہ میر صاحب ہاتھ میں عصا لیے ہوئے آئے اور بھیڑیوں کو وہاں سے مار بھگایا۔

میر محمد معین خانؒ

میر مبین خان کے بھائی ہیں [۹۰]، اخلاص و محبت میں آپ کے اصحاب میں سے اکثر پر سبقت لے

ئے' تعلیم طریقہ آپ سے ہی لی' طریقہ کی اجازت کے مقام پر فائز ہوئے' اعلیٰ ادب میں مؤدب اور
ن اخلاق سے مہذب تھے چنانچہ آپ نے جو خط ان کے نام لکھا ہے' اس میں لکھتے ہیں:

آدمیت کے وہ آداب جن کا ظہور تم سے ہوا' اس میں دوسروں کو شریک کرنا بڑا ظلم ہے' اللہ تعالیٰ تمہاری وضع وقطع اس سے بھی بہتر بنائے۔

آج جب کہ شوال کی دس تاریخ ہے' میں تمہارے والد' جو کہ ہزاروں خوبیوں کے مالک تھے' جو اپنی یاد کے داغ (دل پر) چھوڑ گئے' کی تعزیت کے لیے آنولہ آیا ہوں [80] تعزیتی عبارت لکھنا تکلف سے خالی نہیں کیوں کہ ہم اور وہ ہم عمری کی وجہ سے اس دنیا میں آنے کے وقت چند ہی تقدیم اور تاخیر سے ہم سفر تھے' اب جب کہ اصلی وطن کو واپس جانے کا وقت آیا ہے' چند ہی نفس کے فاصلے سے ہم قافلہ ہوں گے:

امروز گر از رفتہ حریفان خبری نیست
فردا ست درین بزم کہ از ما اثری نیست [81]

کمزوری اس قدر ہے کہ پہلو کے بل لیٹ کر حلقہ کرواتا ہوں اگرچہ زندگی کا اب کوئی لطف نہیں رہا لیکن پھر بھی صوفی کی زندگی غنیمت ہے' ایک تو خود اس کے لیے' دوسرے دیگر لوگوں کے لیے بھی' تمہاری بیوی کو حق تعالیٰ نے قاعدہ طفرہ سے ولایت کبریٰ تک پہنچا دیا ہے' وہ انوکھی عفیفہ (بیوی) اچھی استعداد رکھتی ہے' عقیدت اور اخلاص کے معاملے میں وہ مردوں کی پیش رو ہے' میر مکھو کمالات نبوت کے ابتدائی مقام پر پہنچ گئے ہیں' میر مبین خان کو شیخ مقرر کر دیا ہے' آج کل صبح و شام خوب حلقہ ہو رہا ہے' اچھی استعداد والے لوگ آ گئے ہیں' حق تعالیٰ انہیں فرصت دے کہ اصطلاحی سلوک کی سیر مکمل کریں' تمہاری جگہ خالی ہے' اس آخری عمر کے فیوض و برکات اس قدر ہیں کہ تحریر میں نہیں آ سکتے۔ الحمد للّٰہ علیٰ نوالہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہ [82]

علی اصغر عرف میر مکھوؒ

میر محمد مبین خان کے اقربا اور آپ کے برگزیدہ خلفاء میں سے ہیں' ظاہری وجاہت اور باطنی

حلاوت اور آدابِ کاملہ سے متصف ہیں، تعلیم طریقہ آپ سے لی، ان کے سلوک باطن کا کام انتہا کو پہنچ گیا ہے اور احوال مقامات طریقہ پر فائز ہیں، نہایت اخلاص کے ساتھ ذکر رابطہ دوام کو پہنچایا، نیز حضرت مظہر کی عالی واردات کے انعکاس سے مستفید و منور تھے۔

بزرگوں نے کہا ہے: حالات و کیفیاتِ الٰہیہ کے حصول کے لیے محبت شیخ اور ذکر رابطہ ہی مضبوط جز ہے اور یہ طریقہ ذکر اور مراقبہ کے دونوں طریقوں سے بہتر موصل ہے، میر صاحب مجمع فیوض الٰہی اور انوار آگاہی کا مظہر تھے، طریق باطن کی اجازت (۹۱) انہیں حاصل تھی، طالبوں کو ذکر اور مراقبہ کی تعلیم دی، مرشد آباد میں بہت سے (لوگ) ان کے مرید ہوئے کہ صاحب دل حضرات کے ایک مجمع کا انعقاد ہو گیا، رزق حلال کے حصول کے لیے تجارت کا پیشہ اپنایا لیکن یہ تجارت ان کے وظائف و عبادات سے تعبیر شدہ اوقات میں حائل نہیں تھی [۸۳] اور یہ آیۃ شریفہ:

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله [۸۴]

(وہ مرد جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی) ان کے حال کے مطابق ہے، عرصہ ہوا ان کا انتقال ہو چکا ہے [۸۵]

محمد حسن عربؒ

آپ کے قدیمی اصحاب میں سے تھے، ان کا مجاہدہ قوی تھا اور ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے، تائید الٰہی سے چالیس ہزار مرتبہ لسانی طور پر کلمہ طیبہ اور دس ہزار مرتبہ حبس نفس سے قلبی [۸۶] طور پر نفی و اثبات کرتے، ہزار بار سورۂ اخلاص، درود اور استغفار ان کا ہر روز کا وظیفہ تھا، یہ آیۃ شریفہ:

واذكروا الله كثيرًا لعلكم تفلحون [۸۷]

(اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم مراد کو پہنچو)

ان کے حال کے مطابق ہے، شب بیداری اور دن کو آپ کی ''خدمت گاری'' کرتے تھے، روز شب بیداری (قیام) اور کثرت ذکر سے صحیح کشف اور وجدان سلیم حاصل ہو گیا، تین سال میں طریقہ احمدیہ کا سلوک مکمل کر کے ''خلافت یاب'' ہوئے، اور اپنے وطن جا کر طلبہ کا مرجع بنے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ساری زندگی میں صرف ایک ہی طالب خدا اور راہ مولیٰ کا مجاہد میرے پاس آیا ہے اور وہ محمد حسن عرب تھا اور یہ الفاظ ان کے وصف کے لیے کافی ہیں۔

محمد قائم کشمیریؒ

خواجہ موسیٰ خان ۹۸ کے اصحاب میں سے تھے، مقصود حاصل کرنے کے لیے سفر کی بہت تکلیفیں اُٹھائیں اور بہت سے درویشوں کے پاس گئے، روزہ اور شب بیداری ان کا دائمی عمل تھا، حضرت خواجہ موسیٰ کے حکم سے آپ کی خدمت میں آئے اور آپ کے حسن تربیت کی بدولت تین سال میں ہی طریقہ کے انتہائی مقامات پر فائز ہو کر تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل کی۔

حضرت خواجہ موسیٰ خان کی زیارت کے لیے بخارا گئے، تو انہیں مرضِ موت میں مبتلا پایا، ان کی وفات کے بعد خواب دیکھا کہ ہمارے حضرت (مظہر) ان (خواجہ محمد قائم) کے حال پر توجہ فرما رہے ہیں، پس ان کی توجہ کی برکت سے ان کو وہاں (بخارا) میں مقبولیت ہوئی اور بہت سے طالبوں نے حصولِ طریقہ کے لیے ان کی طرف رجوع کیا لیکن ان کے دل کو وہاں قرار نہ آیا، ایک مرتبہ انہوں نے خواب دیکھا کہ مدینہ منورہ میں ان کا ایک باغ ہے اور ہمارے حضرت کی ایک نہر جاری ہے اور اس نہر کا پانی اس باغ میں آتا ہے اور درخت و پھول نشو ونما پاتے ہیں، اسی وجہ سے حضرت مصطفیٰ ﷺ کے روضہ مقدسہ کی زیارت کا اشتیاق ان پر غالب آیا اور حج کا عزم کیا۔

کہتے تھے کہ میرے دو لڑکے ہیں، میں نے منت مانی ہے کہ ان میں ایک کو خانہ خدا کا مجاور (۹۲) اور دوسرے کو مسجد مصطفیٰ ﷺ کا خادم بناؤں گا۔

حافظ محمدؒ

حضرت خواجہ موسیٰ خان کے یاروں میں سے تھے۔ انہی کے حکم سے آپ سے استفادہ کیا، ایک مرتبہ انہیں زبردست قبض کا سامنا کرنا پڑا اور کسی طرح بسط نہیں ہوتا تھا، وہ فنائے نفس کے قریب پہنچ چکے تھے، انہوں نے حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے! تمہارا اصلی کام تو خطرات سے دل کو پاک اور رذائل سے تزکیہ نفس کرنا ہے اور یہ دولت تو تمہیں حاصل ہے۔

مدتِ دراز کے بعد ان سے ایک نمایاں خدمت کا ظہور ہوا، جس سے آپ ان کے حال پر مہربان ہوئے، فرمانے لگے: اب تمہاری رفع قبض کا وقت آ گیا ہے اور کمال عنایت سے ان کے باطن پر

توجہات فرمائیں اور وہ عقدہ جو سال ہا سال سے لاینحل تھا' آپ کے ایک ہی معرفت افزا اور دل کشا التفات سے حل ہو گیا اور ان کے تنگ دل میں فیض جاری ہو گیا کیوں کہ ان تنگیوں کا تدارک تو (اس میں مضمر ہے):

خدمت ترا بہ کنگرہ کبریا کشد

(تجھ کو خدمت بلندی کے انتہائی مقام پر پہنچا دے گی)

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: مجھے جو کچھ حاصل ہوا (مشائخ کی) خدمت سے ہی حاصل ہوا' وقف حماموں میں میں نے بیس سے زیادہ درویشوں کی خدمت اور بدن کی مالش کی' یہاں تک کہ درویشوں کی رضا کی برکت سے میرا دل آبِ معرفت سے دھل گیا' اور ماسوا کی طرف توجہ کرنے کی ناپاکی سے میرا دل صاف کر دیا گیا۔

حافظ محمد نے وقت کے ایک ایسے شیخ سے علم حدیث کی سند لی جو حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر تھا' حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مبارک نے آپ کو ان کے حال پر توجہ کرنے سے منع فرما دیا' وہ آپ کے حلقہ شریفہ میں آئے' لیکن آپ نے توجہ نہ کی بلکہ فرمانے لگے: تم سے میری قدیم صحبت اور خدمت کا حق تو بے شک ثابت ہے لیکن پیران کبار کی مرضی نہیں ہے کہ میں تمہیں توجہ دوں' انہی دنوں انہیں جنون لاحق ہو گیا اور نوبت زنجیروں میں جکڑنے تک پہنچی' وہ جوش جنون میں یہ شعر پڑھتے تھے:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند

کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را [۸۹]

اور اسی عارضہ سودا میں انتقال کیا' غفر اللہ لہ۔

مولوی قطب الدینؒ

ظاہری علم سے بہرہ ور تھے' اس طریقہ کے مشائخ کی صحبت اختیار کی تھی' ذکر کا سبق اس خاندان کے ایک بزرگ سے لیا' حضرت خواجہ موسیٰ خان کی صحبت کا شرف بھی حاصل تھا اور سات سال تک ان کی خدمت کا التزام کیا' ان کے باطنی سلوک کا کام ان دو مقامات یعنی ''فنائے قلب و فنائے نفس'' کے حالات و واردات تک پہنچا اور حضرت محمد زبیر کے خلفاء میں سے خواجہ ضیاء اللہ اور شاہ عبدالعدل (۹۰)

اور حضرت شیخ محمد عابد کے خلیفہ شاہ عبدالحفیظ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میسر آئی تھی اور اپنی نسبت میں قوت حاصل کی، ہمارے حضرت کی صحبت بھی اختیار کی اور کئی سال استفاضہ کیا اور مقاماتِ عالیہ پر فائز ہوئے۔ طریقہ مجددیہ کے سلوک کے انتہائی مقامات حاصل کیے۔

فنا اور نیستی کا ان پر غلبہ ہو گیا، مہذب اور نرم دل تھے، آخر عمر میں نسبت باطنی کا ''استہلاک و اضمحلال'' ان پر غالب آ گیا جس نے انہیں بے خود بنا دیا اور (اسی حالت میں) ان کا انتقال ہوا [۹۰]

مولوی غلام یحییٰؒ

اجل اور زیرک عالم اور خوش تقریر فاضل تھے، اعلیٰ صفات سے متصف تھے، قرآن مجید حفظ تھا، ظاہری علم کے درس میں مصروف رہے، علم معقول کی کتب پر مفید حواشی لکھے ہیں [۹۱] طبیعت رسا اور ذہن انتہائی ذکی تھا، طریقہ قادریہ اس عالی خاندان کے ایک شیخ [۹۲] سے حاصل کیا، کئی سال تک باطنی ذکر و شغل میں مصروف رہے اور (اپنی زندگی) صبر و قناعت اور امراء سے استغناء میں بسر کی، جس سے انہوں نے اعلیٰ شان اور وجاہت پیدا کی۔

آپ کے کمالات کے شہرہ نے ان کے دل میں جذبہ پیدا کر دیا اور ملک پورب [۹۳] سے آپ کے آستانہ ولایت نشان پر حاضری کے لیے کمربستہ ہوئے اور اس قبلہ خدا پرستان کی زیارت کا شرف حاصل کر کے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا، طریقہ کے مقامات سلوک کی تحصیل پر ہمت صرف کی، چھ ماہ تک انہیں کوئی کیفیت محسوس نہ ہوئی لیکن باطنی اشغال میں پیش قدم تھے کیوں کہ اوّلین توفیق الٰہی تو اس کی یاد ہے اور حالات و کیفیات کا ادراک تو اس دوام شغل باللہ کا ثمر ہے جو اپنے وقت پر حاصل ہوتا ہے اگر احوالِ صوفیہ میں سے کوئی چیز دنیا میں نہ مل سکے، تو آخرت جو کہ دار جزاء ہے، ان کیفیات، عمل اور اخلاص کا ظہور ہوتا ہے:

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند [۹۴]

ایک بزرگ نے فرمایا ہے:

التلذذ بالبکاء ثمن البکاء۔
(رونے سے لطف اندوز ہونا ہی رونے کی قیمت ہے)

دوسرا قول ہے:

اللذت فی الصلوٰۃ شرك ۔

(نماز میں لذت شرک (خفی) ہے)

حکمت الٰہی کسی کو تو اذکار کی کیفیات سے محظوظ کرتی ہے تو کسی کو علم کے اسرار سے سرفراز، کسی کو محض اپنی یاد اور اطاعت کی توفیق سے ممتاز کرتی ہے، یہ تینوں درگاہ خدا کے مقبولوں میں سے ہیں، اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے:

منا من علم ومنا من جهل ۔

(ہم میں سے بعض نے جان لیا اور بعض نے نہ جانا)

جیسے علم اسرار وحقائق اور مشاہدہ تجلیات الٰہیہ کا تفصیلی مشاہدہ شاذ و نادر ہوتا ہے، اسی طرح باطنی حالات کی جہالت بھی بہت کم ہوتی ہے، اصل کام تو محبت اور رضائے الٰہی کی توفیق ہے:

اللّٰھم وقفنا لما تحب وما ترضی ۔

(اے اللہ! ہمیں اپنی پسند اور رضا کی توفیق عطا فرما)

(۹۴) عنایت الٰہی سے ان پر طریقہ کے حالات و کیفیات وارد ہونا شروع ہو گئے، نقشبندی نسبت کے جذبات سے فائز ہوئے، پانچ سال [۹۵] تک آپ کی صحبت شریفہ میں رہ کر کسبِ فیوض کیا، تجلی ذات تک سلوک کی دائمی سیر حاصل ہوئی، تعلیم طریقہ کی اجازت لے کر سالم اور بامراد اپنے وطن لوٹے۔ انہیں وہاں [۹۶] قبولیت حاصل ہوگئی، طالبوں کا ان کی طرف رجوع ہونے لگا، ظاہری علم کا درس موقوف کر کے باطنی احوال کے مطالعے میں مصروف ہو گئے، تنہائی میں توجہ الی اللہ کا مراقبہ کرتے فرماتے تھے: باطنی نسبت کے حالات وغلبات کے ورود کی وجہ سے انہیں فرصت نہیں ملتی تھی لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی۔

ان کے قادری سلسلہ کے شیخ [۹۷] بیمار ہوئے، ان کے سلب مرض کے لیے توجہ کی تو شیخ کا مرض ان میں منتقل ہو گیا، اور اسی مرض میں انتقال کر گئے، اسی وجہ سے آپ (حضرت مظہر) کے دل مین اس کا دکھ اور غم بیٹھ گیا چنانچہ آپ ایک عزیز کو لکھتے ہیں کہ:

مولوی غلام یحییٰ کی رحلت سے جو زخم لگا ہے اس کے لیے مرہم نہیں ہے، ان کی وفات

کے جانکاہ واقعہ سے میرے سینے میں آگ سی لگ گئی ہے اور زہرہ آب ہو گیا ہے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔ صبر کے سوا چارہ ہی کیا ہے' کیوں کہ کل ہمیں بھی یہاں سے جانا ہے [۹۸]

مولوی غلام یحیٰی نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر ایک رسالہ لکھا تھا [۹۹] وہ آپ کی نظر سے بھی گزرا' آپ نے اس کی بڑی تعریف کی' آپ (حضرت مظہر) نے اس رسالہ کے ایک ورق پر یہ عبارت لکھی:

نحمد اللّٰہ ونصلی علیٰ رسولہ 'سرگروہ علمای فحول اور جامع معقول ومنقول سید غلام یحیٰی اوصلہ اللّٰہ الی ما یتمی 'جونسبت اخوت طریقت اس ہیچ مداں یعنی جان جانان سے رکھتے ہیں' (انہوں نے) میرے ایما پر مسئلہ وحدت الوجود و وحدت الشہود کے بیان میں ایک مختصر رسالہ لکھ کر مجھے دکھایا' حق بات یہ ہے کہ اختصار کے باوجود انہوں نے پورے موضوع کا احاطہ کر لیا ہے' جزاھم اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء (خدا انہیں جزائے خیر دے)۔ لیکن مسئلہ تطبیق سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ مکشوفین کے درمیان تطبیق کا مسئلہ تکلف سے خالی نہیں ہے لیکن اس سے ایک اچھی مصلحت وابستہ ہے۔ ھی الاصلاح بین الفتین العظیمتین رحم اللّٰہ عبدًا انصف ولم یتعسف (اس سے دونوں فرقوں کے درمیان مصلحت ہو جائے گی' خدا رحم کرے اس بندے پر جس نے انصاف کیا اور بے انصافی کو روکا) والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ [۱۰۰]

راقم فقیر (مصنف کتاب ہذا شاہ غلام علی) کہتا ہے کہ ان دونوں مسئلوں پر تطبیق کرنا محال ہے کیوں کہ دونوں مسئلے الگ الگ مقام کے مقتضی ہیں لیکن درحقیقت ان دونوں مشارب میں نزاع نہیں ہے [۱۰۱] گر کسی نے طریقہ مجددیہ کی علم و وجدان کے ساتھ سیر کی ہو تو اس پر اس کا مفہوم واضح ہے [۱۰۲]

مولوی غلام محی الدینؒ

صحیح النسب سادات میں سے تھے' ان کا نسب حضرت غوث الثقلین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے' علوم معقول ومنقول کے عالم (۹۵) تھے' قرآن مجید کے حافظ' حدیث رسول ﷺ کے ماہر' زاہد و عابد'

ماسوا اللہ سے تنفر اور مقام توکل پر پہنچے ہوئے تھے' طلب خدا کے غلبہ سے واقف و ناواقف کا فرق جاتا رہا تھا' اپنے وقت کے مشائخ کی صحبت میسر آئی تھی' بزرگوں کی عنایت سے بہرہ ور ہوئے' اہل اللہ کے طریقوں کا ذکر وشغل کرتے' اذواق قلب کی کیفیت حاصل ہوئی لیکن اس راہ کی انہیں کمال خواہش تھی اس لیے تسلی نہ ہوئی۔

وہ اور مولوی غلام یحییٰ اور مولوی عبدالحق ایک ہی روز آپ کی خدمت میں پہنچے[103] اور طریقہ کی طلب کا اظہار کیا' آپ نے ان دونوں بزرگوں کو تو قبول کر لیا' لیکن ان سے فرمایا کہ تم میں وحشت معلوم ہو رہی ہے' تھوڑا عرصہ طلب فقراء کی کوشش کرو اس لیے وہ دو سال تک دہلی کے مشائخ' اور جہاں کہیں کسی درویش کا سنتے' پہنچ جاتے لیکن کسی جگہ انہیں تسلی نہ ہوئی آخر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے' چھ سال آپ کی صحبت شریفہ کا التزام کیا' تجلیات صفات وشیونات سے گزر کر دائمی تجلیات ذاتیہ پر فائز ہوئے' اور تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل ہوئی۔

آپ نے جس روز انہیں خرقہ اجازت عطا فرمایا' ان سے فرمانے لگے کہ تمہیں غیب سے کوئی بشارت ملے گی' انہوں نے مجھ (مصنف) سے کہا کہ میں نے خواب میں ایک اجل بزرگ کو دیکھا کہ انہوں نے سورہ والضحیٰ آخر تک مجھ پر پڑھی (میں نے تعبیر یہ کی) کہ ہدایت' ترقیات اور مقام رضا کے حصول کی بشارت ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ان ایام میں جب کہ میں آپ کی خدمت میں آیا' میں نے دیکھا کہ آپ کے حلقہ ذکر میں حضرت غوث الاعظم آپ کی جگہ بیٹھے ہیں نیز ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ حضرت غوث الثقلین تشریف لائے ہیں اور آپ نے اپنے حجرہ سے نیاز لا کر حضرت کی خدمت میں پیش کی' اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ اس خاندان میں سلسلہ قادریہ کا فیض بھی شامل ہے کیوں کہ حضرت غوث الثقلین کا فیض التفات آپ (حضرت مظہر) کی صورت میں متمثل ہو کر دوبارہ نظر آیا۔

میں نے ایک ثقہ شخص کی زبانی سنا ہے کہ ان (مولوی غلام محی الدین) کے استاد مولوی باب اللہ[104] نے حضرت غوث الثقلین کے مزار فائض الانوار کی زیارت کا ارادہ کیا' حضرت ان کے خواب میں آئے اور فرمایا: میرا فرزند غلام محی الدین تمہارے پاس پڑھتا ہے' اس کی زیارت میری ہی زیارت ہے' اس لیے سفر اختیار کرنے کی صعوبت نہ اُٹھاؤ۔

مولوی نعیم اللہ (بہرائچی) نے لکھا ہے کہ:

ایک مرتبہ میں نے ان کا پیراہن تبرکاً پہنا تو مجھے اتنے فیوض و برکات حاصل ہوئے کہ میں کبھی ان حالات پر نہیں پہنچا تھا[۱۰۵]

مولوی غلام محی الدین اورنگ آباد (میں تھے کہ) فیض کے طالب بہت سے اصحاب ان کے گرد جمع ہو گئے اور ان کی صحبت سے فائدہ اُٹھاتے تھے' وہ وہاں عرصہ دراز تک رہے پھر حج کے لیے چلے گئے' انہیں حرمین (۹۶) الشریفین کی زیاررت کا شرف حاصل ہوا' جوار خانہ خدا یا مدینہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آسودہ ہیں[۱۰۶]

مولوی نعیم اللہ بہرائچی

آپ کے قابل اعتماد خلفاء میں سے تھے' علم معقول و منقول کے جامع تھے' تحصیل علم کے دوران چاہا کہ باطنی شغل بھی اختیار کریں تو انہیں خواب میں یہ بشارت ملی کہ اس دولت کے حصول کے لیے شیخ کامل کی ضرورت ہے اور اس کا وقت ابھی نہیں آیا اس لیے تحصیل علم کے بعد خلیفہ محمد جمیل سے' جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے' طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی چار سال صحبت و خدمت کا التزام کرنے سے اس طریقہ کے مقامات علیہ یعنی دائمی تجلیات ذاتیہ پر فائز ہوئے اور خرقۂ اجازت و خلافت حاصل کیا اور اپنے وطن (جا کر) طالبوں کا مرجع بنے۔

ان کی صحبت میں دلوں کو جمعیت اور حضور حاصل ہوتا ہے' طریقہ شریفہ پر کمال استقامت' سنن نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہیں' اپنے اوقات صبر و قناعت سے یادِ خدا سے معمور کر لیے ہیں' آپ ان کے حال پر بہت عنایت کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنا حال اس طرح لکھا ہے کہ:

آپ میرے بارے میں فرماتے ہیں: تمہاری چار سالہ صحبت دوسروں کی بارہ سال صحبت کے برابر ہے' تمہاری ہمت کے نور سے ایک دنیا منور ہو گی' اور دونوں جہانوں کی فتوحات اللہ تعالیٰ عنایت کرے گا[۱۰۷] انتہا۔

اللہ تعالیٰ انہیں کمالات کے ساتھ سلامت رکھے۔

میں (مصنف کتاب) نے سنا ہے کہ ان کے اصحاب میں سے کرامت اللہ[۱۰۸] اور اسد علی بیگ اچھے احوال سے ممتاز ہیں[۱۰۹]

مولوی کلیم اللہ بنگالیؒ

آپ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں' طریقہ آپ سے ہی حاصل کیا' کئی سال [۱۱۰] تک آپ سے باطنی فیض پایا' کمالات کی نسبت حاصل کر چکے تو اجازت ملی اور اپنے وطن [۱۱۱] روانہ ہو گئے' وہ کہتے ہیں کہ مجھے آپ کی صحبت سے حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات کے مطالعہ سے محبت اور عقیدہ قوی پیدا ہو گیا' حضرت کے کلام شریف (مکتوبات) اور تحقیقات کے انوار سے دل کو دائمی حضوری اور آگاہی ملی۔

ایک مرتبہ مرشد آباد کے قاضی کے ہاں دعوت طعام تھی' قاضی کا کھانا کھاتے ہی میرے باطن سے حضور اور صفا زائل ہو گئے اور دل پر کدورت چھا گئی جو کسی عمل سے بھی دور نہیں ہوتی تھی' درویشوں کی صحبت کا اشتیاق غالب آیا' کہ شاید کسی بزرگ کے التفات کی وجہ سے وہ صفا اور حضور دوبارہ مل جائے چنانچہ میں نے بزرگوں سے رجوع کیا لیکن مجھے کسی جگہ بھی جمعیت اور آگاہی نہ مل سکی (آخر) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا [۹۷] اور صرف آپ کے دیدار فائز الانوار سے ہی میرے دل کو اطمینان حاصل ہو گیا' میں نے (پھر سے) طریقہ نقشبندیہ کی آپ سے تعلیم لی اور آپ نے میرے حال پر توجہات فرمائیں' پندرہ پندرہ دن تک توجہ کا اثر باطن پر نہیں ہوتا تھا' آپ فرماتے تھے کہ تمہارے لطائف خوب جاری ہیں لیکن میں ساکن تھا' ایک روز میں راستے میں جا رہا تھا کہ اچانک میرا دل حرکت میں آیا' اور اسم ذات کی آواز میرے کان میں آئی' جس نے مجھے مضطرب کر دیا' راقم فقیر (مصنف شاہ غلام علی) نے ان کی حرکت ذکر بہ چشم خود دیکھی ہے' حرکت ذکر مبتدی کو بہت خوش کرتی ہے' لیکن (اصل) کام تو دوام توجہ بخدا اور ادراک کو ماسواء اللہ سے خالی کرنا ہے' وہ کہتے ہیں: مجھ پر ایک ایسی مشکل پڑی جس کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا' میں نے حاجت روائی کے لیے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ختم شروع کیا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک دریائے زخار ہے' جس میں سخت طوفان ہے' آندھی نے طوفان کی شکل اختیار کر لی ہے' میں ایک کاغذی کشتی پانی کے اُلٹے رخ بہا کر باہر آنا چاہتا ہوں جس سے مجھے بہت تشویش ہو رہی تھی کہ اس حال میں ساحل تک پہنچنا ممکن نہیں۔

ایک شخص غیب سے آیا اور مجھ سے کہا: ڈرو مت! حضرت مجدد کی مدد سے تمہاری کشتی منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گی' اسی وقت ہوا تھم گئی اور کشتی بحفاظت تمام ساحل تک پہنچ گئی' دو تین روز کے بعد وہ

مشکل حل ہو گئی' حاجات بر آری کے لیے میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی جناب میں التجا کرتا ہوں' تو غیب سے خود بخود حل ہو جاتی ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ [۱۱۲]

میر روح الامین رح

سونی پت کے سادات کبار میں سے تھے [۱۱۳] ایک بزرگ سے طریقہ قادریہ حاصل کیا اور باطنی شغل میں مصروف ہو گئے اور سلسلہ شطاریہ کے بعض اذکار بھی ایک بزرگ سے سیکھے' جس سے عجیب واردات حاصل ہوئیں۔

وہ کہتے ہیں: اسم ذات کے ذکر کا مجھ پر ایسا غلبہ ہوا کہ میں ہر جگہ اسم مبارک اللہ کا مشاہدہ کرتا تھا' ایک مرتبہ دیکھا کہ قبلہ کی طرف دیوار میں شگاف پڑ گیا ہے اور قبلہ شریف کا جمال بے حجاب نظر آنے لگا' (متقدمین) اولیاء کرام کی میں نے اپنی ظاہری آنکھوں سے زیارت کی جس سے حرارت و شوق قلب حاصل ہوا لیکن میرے دل کو اطمینان نہ آ سکا یہاں تک کہ میں آپ سے وابستہ ہوا' تو مجھے جمعیت و طمانیت حاصل ہوئی۔ اور جو میری آرزو تھی پوری ہوئی' انہوں نے کئی سال آپ سے استفادہ کیا' طریقہ کی اجازت کا مقام حاصل ہوا' یہاں سے انہوں نے مزید ترقی کی' ان کی نسبت کمالات تک پہنچی تھی' قوی استقامت رکھتے تھے' آپ فرماتے ہیں:

> وہ محمدی المشرب ہیں' ان کی نسبت بھی قوی ہے' عمر کے آخری حصہ میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا' سارا قرآن مجید حفظ نہیں کیا تھا کہ انتقال ہو گیا' شرح الصدور [۱۱۴] میں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے:
>
> کہ جس کسی نے قرآن مکمل حفظ نہ کیا (۹۸) (اور مر گیا) تو فرشتے اسے ایک سیب دیتے ہیں' اس کی خوش بو سونگھتے ہی اسے سارا قرآن یاد ہو جاتا ہے [۱۱۵]

ان کے فرزند میر غلام حسین' جنہوں نے تعلیم طریقہ آپ (حضرت مظہر) سے حاصل کی تھی' انہوں نے خواب میں ایک عزیز کی روح سے پوچھا کہ میرے والد کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ وہ میری ہمسائیگی میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں' سیوطی نے اسی کتاب میں مردوں کے قبور میں تلاوت کرنے کے بہت سے واقعات لکھے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: **کما تعیشون تموتون و کما تموتون تبعثون** (جس حال میں تم زندہ رہو گے اسی طرح مرو گے اور جس حال میں مرو گے اسی طرح

اُٹھائے جاؤ گے) اس بیان کے مطابق احتمال ہے کہ وہ بھی قرآن کی تلاوت کرتے ہوں گے' مردوں کی یہ تلاوت ان کی (زندگی کی) عادت اور حظ نفس کے مطابق ہے' اس میں کوئی تکلیف نہیں ہے کیوں کہ تکلیف کا مدار تو دنیا ہے' ایک ولی نے کہا ہے: اگر جنت میں نماز نہیں تو اس کی احتیاج نہیں نماز اور مناجات کی لذت کو اخروی لذت سے زیادہ سمجھ کر عبادت کی آرزو کی گئی ہے' بہشت میں جو کچھ چاہو گے وہ ملے گا' اللہ کی رضامندی کی دولت میسر آئے گی۔

شاہ محمد شفیعؒ

کسی بزرگ [۱۱۶] سے طریقہ حاصل کیا' پھر آپ کی صحبت مبارک کے التزام سے اپنے باطن کا کام بلند مقامات پر پہنچایا اور تجلیات ذاتیہ پر فائز ہوئے اور اپنا وقت یادِ الٰہی میں بسر کرتے تھے [۱۱۷]

محمد واصل و محمد حسین

اس طریقہ (نقشبندیہ) کے ایک بزرگ [۱۱۸] سے ذکر اور مراقبہ کی تعلیم حاصل کی اور ان کی خدمت میں اٹھارہ سال رہ کر انوار جمعیت کا کسب کیا انہیں سکر احوال حاصل ہوا' ساری رات بے خودی اور مراقبہ میں گزار دیتے' اپنے پیر کے انتقال کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچے اور اس طریقہ کے فیوض حاصل کیے۔

اسی ثنا میں محمد واصل انتقال کر گئے' اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ کے جوار میں دفن ہوئے' محمد حسین نے کئی سال آپ کی صحبت کا التزام کیا اور خوب ترقی کی اور اچھی کیفیتیں پیدا کر لیں' ولایت قلبی کی سیر کے دوران عاشقانہ اشعار پڑھتے تھے:

خنجر ناز تو تنہا نہ مرا کشتہ و بس
یعلم اللہ کہ جہاں جملہ قتیل است و قتیل [۱۱۹]

کہ دل خوشی سے جھوم اُٹھے اور ذوق حاصل کرتے' سلوک کی سیر نسبت کمالات تک کی تھی چونکہ نسبت قلبی کے استغراق سے خوگر ہو گئے تھے' اس لیے مجددی نسبت کی بیرنگی و لطافت سے چنداں محظوظ نہیں ہوتے تھے۔

ایک روز میں (مصنف کتاب ہذا) نے ان کے حال پر توجہ کی اور انہیں ہر مقام کی کیفیات سے

آگاہ کیا، انہوں نے جواب دیا کہ ہر مقام کی کیفیات و حالات مجھے جدا جدا معلوم ہیں لیکن نسبت کمالات میرے ادراک سے باہر ہے، میں نے جواب دیا: امام طریقہ حضرت مجدد (الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس نسبت کے حصول کے لیے جہل اور نکارت کا ہونا ضروری قرار دیا ہے جس کا ادراک وجدان وتجلیات ذاتیہ کرنے سے قاصر ہیں، وہ تھوڑا عرصہ مزید صبر و جبر سے آپ کی صحبت میں رہے تب ان کی اس لطافت و بے رنگی میں قوت پیدا ہوئی (۹۹) اور اس مقام میں ان کا قدم راسخ ہوا، ان کی شکایت تشکر میں تبدیل ہوگئی اور انہیں تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل ہوئی اور اپنے وطن چلے گئے [۱۲۰]

شیخ غلام حسین تھانیسری

آپ کے پسندیدہ اور ریاضت کرنے والے اصحاب میں سے تھے، پنجاب کے شہر بٹالہ میں علم فقہ پڑھا، طریقہ قادریہ شیخ غلام قادر شاہ قادری [۱۲۱] سے حاصل کیا، پھر حضرت محمد میر [۲۱۲] سے سات سال صحبت رہی، حضرت شیخ الشیوخ محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ صوفی عبدالرحمان [۱۲۲] کی زیارت کی اور ان سے توجہات لیں، سات سال تک حبس نفس سے ہر روز پانچ ہزار مرتبہ نفی و اثبات کرتے، اس کثرت ذکر سے جمعیت حاصل کر کے آپ (حضرت مظہر) کی خدمت میں پہنچے، کئی سال تک صحبت مبارک کا التزام کیا اور طریقہ کے مراتب سلوک میں آپ کی توجہات علیہ سے ترقی کی، سیر وسلوک باطنی نے تجلیات ''اسم ظاہر'' سے گزار کر اپنے باطن کے معاملہ کو تجلیات اسم الباطن تک پہنچایا، لہٰذا حبس نفس اور کیفیات ... کی گرمی سے ان کے نفس کی تاثیر بہت گرم، شوق افزا، آزاد اور بے تکلف ہوگئی، باطنی حالات کے ادراک کے لیے ان کی وجدانیات صحیح ہیں، رام پور میں افغانوں نے ان سے طریقہ حاصل کیا اور ان کی توجہات سے گرمی اور حرارتِ قلبی کا کسب کیا۔

میں (مصنف کتاب ہٰذا) نے ان کے اصحاب کو ان کی صحبت کی کیفیت و برکات سے بہرہ ور پایا اور اس جماعت میں سے دو کو میں نے ممتاز دیکھا۔

درویشی خدا کا ہو جانے کا نام ہے اور سعادت یہی ہے کہ اپنی عمر یادِ الٰہی اور اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بسر کی جائے اور اسی کو اپنا زندگی کا سرمایہ بنانا چاہیے، وہ حج کے لیے گئے، الحمد للہ انہیں حرمین الشریفین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور بعافیت واپس آئے [۱۲۴]

مولوی عبدالکریم اور مولوی عبدالحکیم

آپ کے کمالات کا شہرہ سن کر ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد ملک پورب [۱۲۵] سے آپ کے حضور پرنور میں پہنچے اور نقشبندی طریقہ حاصل کیا' چند سال تک آپ سے ''حضور و آ گاہی'' کے انوار کا کسب کیا اور تعلیم طریقہ کی اجازت کا مقام حاصل ہوا اور طالبوں کی رشد و ہدایت کے لیے مامور ہو کر اپنے وطن واپس چلے گئے' ان دنوں مولوی عبدالکریم کا انتقال ہو گیا ہے۔

مولوی عبدالحکیم نے گوشہ نشینی اور ترک ماسوا اللہ اختیار اور یادِ الٰہی پر قناعت کر لی ہے' دو پہر کے وقت تھوڑا سا بے مزہ کھانا کھاتے اور پھر تنہائی میں مراقبہ اور ذکر میں مشغول ہو جاتے' اس لیے ان کی نسبت میں بہت قوت پیدا ہو گئی اور ان سے بہت کرامات ظہور میں آئیں' ایک امیر ان کے پاس پندرہ ہزار روپیہ بطور ہدیہ لایا کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتا ہوں' آپ نے اپنے زہد کی وجہ سے قبول نہ کیا۔

ایک مرتبہ ایک کوڑھی نے آپ کے وضو کی تر شدہ مٹی بدن [۱۰۰] پر ملی اور وضو کا غسالہ شفا جان کر پی لیا' اسے چند دن میں شفا ہو گئی' اس قسم کی کرامات کے ظہور سے انہیں قبولیت حاصل ہو گئی اور لوگ ان کے پاس آنے لگے' ان کے اوقات' اعمال اور احوال ہم پس ماندگان کے لیے فخر اور دلیری کا مقام ہے' ان کا دل ماسوا اللہ سے اچاٹ اور یاد مولیٰ میں مصروف ہو گیا' انہوں نے اپنا دروازہ لوگوں کے لیے بند کر لیا' یہی سعادت دوستان خدا کا مقصود ہوتی ہے۔

نواب ارشاد خان

آپ کے مخصوص اصحاب میں سے ہیں' اعلیٰ اوصاف سے متصف اور آپ کی محبت و اعتقاد میں ان کی شان بلند تھی' جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی' آپ کی محبت اور صحبت کی وجہ سے دنیاوی تعلقات کے باوجود اس خاندان کی نسبت کا کسب کیا اور ارشاد طریقہ کی اجازت حاصل کی' آپ کی خدمت لائقہ بجا لائے' جس سے انہیں خاص قرب اور معیت حاصل ہوئی [۱۲۶] ان کے فرزند ظفر علی خان [۱۲۷] نے بھی تعلیم طریقہ آپ ہی سے لی ہے۔

مدت ہوئی باپ بیٹا دونوں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال کر چکے ہیں [۱۲۸]

غلام مصطفیٰ خانؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے تھے' آپ کی اعلیٰ تربیت کی بدولت انہیں خاندانِ احمدی (مجددی) کی نسبت میں حظ وافر حاصل ہوا' نسبت باطن کے سلوک میں تجلیات ذاتیہ دائمیہ تک پہنچے' انہیں تعلیم طریقہ کی اجازت تھی' چند اشخاص کو یادِ الٰہی میں مصروف کیا۔

وہ پاکیزہ اخلاق سے آراستہ تھے' خلق خدا کی تعظیم کا ان پر غلبہ تھا جو کمالاتِ الٰہی کا مظہر ہے' اپنے متوسلین میں سے کسی ادنیٰ کو بھی کبھی لفظ تو (صیغہ واحد حاضر) سے خطاب نہیں کیا' وہ سب سے احترام کے ساتھ پیش آتے تھے' اپنے نوکروں کو تنخواہ دیتے وقت مقررہ اجرت سے زیادہ دیتے تھے۔

وہ آپ سے بہت اخلاص رکھتے تھے' آپ کی پسندیدہ خدمات بجالاتے تھے' جنابِ الٰہی میں انہیں قبولیت حاصل ہوئی کیونکہ درویشوں کے خادم کو ہی فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ نعم المال الصالح للرجل الصالح [129] (نیک آدمی کے لیے مال حلال بہت اچھا ہے) انہی کا وصف تھا' آپ ان کی وفات کے بعد ان کے مزار پر تشریف لے گئے اور دیر تک مراقب بیٹھے رہے' سر اٹھا کر فرمایا: سبحان اللہ! اگر مجھے یقین سے یہ معلوم ہو جائے کہ میری قبر بھی اسی طرح کے انوارِ الٰہی سے معمور ہوگی تو میں (آج ہی) خوشی کا شادیانہ اپنے دروازے پر بجواؤں۔

اس تمام مغفرت اور رحمت کے ظہور کی وجہ ان کا حسن اخلاص ہے۔

اخون نور محمد قندھاریؒ

علم دین سے بہرہ ور تھے' انہوں نے طریقہ اخون فقیر (101) سے حاصل کیا اور اسی خاندان کے اذکار کی مشق کرتے رہے' تعلیم طریقہ کی اجازت لی اگرچہ ان کے سینہ میں سوز اور دل میں گداز موجود تھا لیکن ان کے درد دل کو تسکین نہیں ہوتی تھی چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں آئے اور نقشبندی طریقہ میں داخل ہوئے اور کئی سال آپ کی صحبت میں فیوض کا کسب کیا' طریقہ احمدیہ کے سلوک کا کام انتہا کے قریب پہنچ گیا تو نورانی نسبت حاصل ہوئی' خلوت و گوشہ نشینی میں زندگی بسر کرنے لگے۔

آپ (حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ) کی وفات کے بعد کہنے لگے کہ آپ کی نیابت [130] کا منصب اور طریقہ کی ترویج (کا شرف) مجھے عطا ہوا ہے' حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ

اسرار ہما سے اویسی طریقے پر مجھے تازہ نسبت حاصل ہوئی ہے۔

باطنی افاضات کی دولت مغل گھرانہ (یعنی حضرت میرزا مظہر) سے منتقل ہو کر اب افغانوں (اخون نور محمد قندھاری) کے گھر آ کر طالبوں کے احوال کو رونق بخشتی ہے، ایک شخص جسے حضرت محمد زبیر اور اس خاندان کے دیگر افراد کی صحبت حاصل تھی، کہتا ہے کہ ان کے انوار و برکات اتنے زیادہ تھے کہ گویا ایک خشک نہر ہے، جو نور کی شعاعوں سے بھر گئی ہے۔

چند اشخاص نے اخذ طریقہ کے لیے ان کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے کہا کہ ان کی صحبت میں بہت سے فیوض حاصل ہوتے ہیں، اسی لیے وہ بڑے بڑے دعوے کرتے تھے کہ وہ فیض اور وہ مقامات جو آپ (حضرت مظہر) کی صحبت میں مدت دراز کے بعد جا کر بھی حاصل نہیں ہوتے تھے، میری فوری توجہ سے ہی طالبان خدا کو حاصل ہو جاتے ہیں۔

فی الحقیقت وہ طریقہ احمدیہ کے مطابق علم و عمل اور ضبط اوقات سے آراستہ تھے لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی، چند ہی دنوں میں انتقال کر گئے، غفر اللہ له [۱۳۱]

ملا نسیم

آپ کے اجل خلفاء میں سے ہیں [۱۳۲] طریقہ احمدیہ کا باطنی سلوک آپ کی توجہات علیہ سے انجام کے قریب پہنچایا، کسب مقامات میں خلافت کے کمالات تک تربیت کی اور بطریق طفرہ (بلاتوقف، چھلانگ کر) وہاں تک پہنچے جہاں تک خدا نے چاہا، صحیح حالات رکھتے ہیں، ہر سال اپنے وطن سے آپ کی خدمت میں آتے، طریقہ کے انوار حاصل کرتے [۱۳۳] اخلاص و محبت اور آپ کی اتباع میں راسخ ہیں، آپ کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ قے کرنا چاہی لیکن اپنا گلا بند کر لیا اور آپ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا: اجازت ہو تو قے کر لوں، آپ کے کمال اتباع کی وجہ سے بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئے، طالبوں کا ان کی طرف رجوع ہونے لگا اور ان کی توجہ کی برکت سے انہیں جمعیت اور حضور حاصل ہوتا تھا۔

میں (مصنف کتاب ہذا) نے ایک ثقہ شخص کی زبانی سنا ہے کہ ایک بار انہوں نے ایک شخص پر پورے جذبے سے توجہ کی وہ تاب نہ لا سکا اور دیر تک مضطرب اور بے تاب رہا، آخر اسی حالت میں انتقال کر گیا۔

ان کی کثیر البرکت ذات بہت غنیمت ہے، اپنے اوقات علم کے درس اور طریقہ کی تعلیم میں صرف کرتے ہیں۔

ملا عبدالرزاق

(۱۰۲)علم فقہ اور اصول میں پوری مہارت رکھتے ہیں [۱۳۴] آپ کی صحبت مبارک کے التزام سے ان کو صحیح حالات حاصل ہیں اور مدارج قربِ الٰہی میں ترقی کر کے کمالات پر فائز ہوئے، تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل کی۔

اپنے نیک اوقات ظاہری و باطنی علوم کے افاضہ میں صرف کرتے ہیں [۱۳۵]

ملا جلیل

آپ سے وابستہ تھے، کئی سال تک باطنی انوار کا کسب کیا، باطنی نسبت کو کمالات تک پہنچایا، تعلیم طریقہ کی اجازت پائی، یادمولیٰ میں بخوشی وقت گزار رہے ہیں، خدا جسے چاہتا ہے اسے باطنی طریقہ میں مشغول کر دیتا ہے اور ذکر الٰہی سے اس کا دل زندہ ہو جاتا ہے۔

ملا عبداللہ

عالم، ادیب اور صالح مرد تھے، آپ کی صحبت کی برکت سے صاحب حضور و آگاہی بن گئے۔ ملا نور محمد (مذکور) سے چند روز صحبت بھی رہی پھر اپنے وطن [۱۳۶] چلے گئے، ذکر اور مجاہدہ کی کثرت نے ان کے احوال قلبی میں رسوخ پیدا کر لیا تھا، ان کے گرد طالبوں کا ہجوم رہنے لگا، وہ ان کی توجہات سے (مقام) جمعیت و حضور پر فائز ہونے لگے۔

ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی نے جنہیں ان سے تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل تھی، ذکر کا حلقہ گرم رکھا، اب ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے، انہوں نے ایک بزرگ کو اپنا قائم مقام بنایا تھا، لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ملا تیمور

آپ سے طریقہ حاصل کر کے فنائے قلب کے مقام پر فائز ہوئے، احوال حضور و آگاہی بھی انہیں

حاصل ہیں، ملا نور محمد کی صحبت میں رہے، اپنے وطن [۱۳۷] میں سخت ریاضتیں کیں اور اپنے باطن کی نسبت کی حفاظت کے لیے بڑی کوشش کی اور ان کی نسبت میں ذوق وشوق اور استغراق پیدا ہو گیا، وہ طالبوں کے مرجع بنے، بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی، کفار نے ان کی باطنی تاثیرات کی گرمی پر شیفتہ ہو کر اسلام قبول کیا [۱۳۸] اور ان کے التفات شریفہ سے انہیں طریقہ کا شغل حاصل ہوا، رافضی بھی ان کی صحبت کے جذبے سے متاثر ہو کر اہل سنت و جماعت میں شامل ہو کر یاد خدا میں مصروف ہوئے، طالبوں کو ملا نسیم (مذکور) کی صحبت میں جمعیت وطمانیت کا حظ نہیں ملتا تھا، اس لیے وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے مقصود کو پہنچتے [۱۳۹] **الحمد للّٰہ فالحمد للّٰہ** ۔

حضرت مظہر کے اصحاب میں سے ملا اولیاء، ملا ابراہیم، شاہ لطف، ملا سیف الدین، محمد خان، خواجہ محمد عمر، خواجہ یونس، شیخ قطب الدین، شیخ محمد امین اور شیخ غلام حسین اور دوسرے عزیزوں کو مقامات قرب خدا کا امتیاز حاصل ہے، انہوں نے ماسوا سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہے، **رحمۃ اللّٰہ علیہم جمیعًا** ۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ القرآن (طٰہٰ) ۲۰/۱۱۰۔

۲۔ مولانا نعیم اللہ بہڑائچی نے لکھا ہے:

ایشان و جناب آں حضرت (میرزا مظہر) باہم آشنا و استاذ زادہ ہا وہم پیرو وہم عمرو ہم سبق و سن بودند (بشارات مظہریہ، قلمی، ورق ۱۸۷ ب)۔

۳۔ روزی حضرت ایشان (میرزا مظہر) می فرمودند کہ مرتبہ اخلاص و مرتبہ و درجہ رسوخ و اعتقاد جناب حضرت میر صاحب بافقیر آن قدر بہ ظہوری رسید کہ در یاران مخلصان این زمانہ کم تر یافتہ می شود۔ (ایضاً) ایک مرتبہ ان کی حضرت مظہر سے عرصہ دراز کے بعد ملاقات ہوئی تو انہوں نے بے اختیار اپنا سر ان کے پاؤں پر رکھ دیا اور اسے دیر تک سہلاتے رہے اور زار و قطار روتے رہے، یہ مصرعہ زبان پر تھا:

ع اے بہ قربان سراپائے تو سرتاپائے من

(تیرے سراپا پر میں از سرتاپا قربان ہوں) (ایضاً ورق ۱۸۷ ب)

۴۔ (ترجمہ اشعار:) اللہ تعالیٰ اس وقت کو شاداب رکھے، جب تم سے خلوت میں صحبتیں رہتی تھیں اور ہم محبت کے باغ میں نغمات محبت گایا کرتے تھے، اس زمانے میں آنکھیں ٹھنڈی تھیں اور اب یہ حال ہے کہ میری پلکوں سے خون گر رہا ہے۔

۵۔ حضرت مظہر کے تربیت یافتہ تھے، بقول شوق: ''تربیت یافتہ مظہر موصوف است'' (طبقات ۴۷۵) فیض اللہ خان امید کے والد کا نام عبداللہ تھا، عبداللہ خان بھی شاعر تھے، اور مشتاق تخلص کرتے تھے، مصحفی نے لکھا ہے کہ عبداللہ خان ولد ابوالحسن خان بن سیف اللہ خان یوسف زئی پٹھان تھے۔ عبداللہ کے والد کا تخلص ''حسن'' اور دادا کا ''سبقی'' تھا (تذکرہ ہندی، ص ۲۱۹)۔

فیض اللہ خان امید نے قرآنی رسم الخط پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا (شوق، ص ۴۷۵) حضرت مظہر سے بہت محبت تھی۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

فیض اللہ خان کے بارے میں کیا تحریر کروں، تمام دنیا کے مناقب ومحاسن اس جوان میں جمع ہو گئے ہیں۔ (کلمات طیبات ۲۶/۴۰)

تفصیل کے لیے دیکھیے: خمخانہ جاوید ۱/۱۲۱۔ طبقات الشعراء شوق، ص ۴۷۵۔ تذکرہ ہندی، ص ۲۱۹۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط از خلیق انجم، تعلیقات، ص ۲۳۶۔۲۳۸۔

۶۔ مظہر: کلمات طیبات ۲۴/ ۳۹۔

۷۔ ایضاً ۵۵/۵۳۔

۸۔ قاضی صاحب نے اپنے خودنوشت حالات مولوی نعیم اللہ بہڑائچی کو دیئے تھے جو انہوں نے من وعن بشارات مظہریہ میں نقل کر لیے، یہ گیارہ واسطے اس طرح ہیں:

فقیر مولوی ثناء اللہ بن حبیب اللہ کہ در خدمت حضرت شیخ، نسبت مجددیہ اخذ نمودہ، فقیر کاتب گویداول کسی را کہ حضرت شیخ (محمد عابد سنامی) بعد اجازت توجہ دادند ایشان بود۔ بن مولوی ہدایت اللہ کہ نسبت چشتیہ از خاندان شیخ عبدالقدوس گنگوہی درخواستہ وحضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علوم ظاہر از ایشان استفادہ فرمودند بن عبد الہادی بن شیخ عبدالقدوس بن شیخ خلیل اللہ کہ نسبت چشت یہ از پدر خود شیخ عبدالسمیع یافتہ ومشار الیہ از خلفای شیخ عبدالقدوس بود بہ واسطہ یا بلا واسطہ بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ محفوظ بن خواجہ احمد بن ابراہیم بن مخدوم شیخ جلال الدین کبیر اولیاء چشتی قدس سرہ (بشارات مظہریہ، قلمی، برٹش میوزیم، ورق ۱۴۷۔۱)۔

۹۔ شیخ جلال الدین کبیر اولیاء بن معز الدین بن خواجہ محمود بن کریم الدین بن خواجہ یعقوب بن جمیل الدین خواجہ عیسیٰ بن مجدالدین اسماعیل بن خواجہ محمد بن ابوبکر بن خواجہ علی بن شمس الدین عثمان بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ثانی بن زین الدین عبدالعزیز سرخسی بن خواجہ خالد بن خواجہ ولید بن خواجہ عبدالعزیز الکبیر بن عبدالرحمان الکبیر بن خواجہ عبداللہ ثانی بن خواجہ عبدالعزیز بن خواجہ کبیر بن خواجہ عمر بن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (سیر الاقطاب، ص ۲۴۳۔۲۴۴)۔

۱۰۔ رسالہ فقہ در مذاہب اربعہ حضرت مظہر کے ارشاد کے مطابق لکھا گیا۔ اس کا خطی نسخہ مولانا زید ابوالحسن فاروقی، دہلی کے کتب خانہ میں ہے (عبدالرزاق قریشی، مکاتیب میرزا مظہر، ص ۲۳۲)۔

۱۱۔ الماخذ الاقویٰ کا قلمی نسخہ بھی مولانا زید صاحب کے پاس ہے۔ (ایضاً، ۲۳۳)۔

۱۲۔ رسالہ پنج روزی در اصول فقہ (حضرت مظہر کے ارشاد کے مطابق لکھا گیا (ایضاً، ص ۲۳۳)۔

۱۳۔ اس کا نام تفسیر مظہری ہے، اس کی دس جلدیں ہیں، عربی متن اور اُردو ترجمہ، ندوۃ المصنفین، دہلی سے طبع ہوا۔

۱۴۔ اس موضوع پر قاضی صاحب کے دو رسائل ہیں:

(۱) رسالہ احقاق (در ردّ اعتراضات شیخ عبدالحق محدث بر کلام حضرت مجدد)۔ اس کا ایک خودنوشت نسخہ مصنف، مولانا زید صاحب کے پاس ہے (تجلیات ربانی، ص ۱۹ حاشیہ)۔ دوسرا نسخہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ہے)۔

(۲) اس موضوع پر ان کا دوسرا رسالہ در جواب شبہات بر کلام امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ بھی بصورت مخطوطہ مولانا زید کے کتب خانے میں ہے (قریشی، ص ۲۳۲)۔ ان دونوں رسائل کا عکس ہمارے مرتبہ مجموعہ دفاع حضرت مجدد الف ثانی میں شامل ہے۔

۱۵۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی ۔ ترمذی (مناقب ۲۰)، مسند امام حنبل ۱/۱۷۷ و بعد، معجم المفہرس ۶/۳۳۵۔ مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: شرافت نوشاہی، شریف التواریخ ۱/۳۳۶۔۳۳۷۔

۱۶۔ نیک و بدشما بعینہ نیک و بد فقیر است، خدا ے دارند و وجود شما باعتقاد فقیر عزیز ترین موجودات است (مکاتیب میرزا مظہر۔ ۱۱۷/۱۷۳)۔

۱۷۔ کلمات طیبات ۷۵/۶۳ (میں بھی اسی نوعیت کے تعریفی جملے ملتے ہیں)۔

۱۸۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے عہد میں، پانی پت میں مرہٹوں کا غلبہ تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے بحیثیت قاضی نہایت انصاف سے فرائض منصبی ادا کیے ہم عصر تذکرہ نویس جسے ان کی خدمت میں چالیس روز تک قیام کے دوران مشاہدہ کا موقع ملا، رقم طراز ہے:

از برکت وجود شریف ایشان کہ در قصبہ پانی پت باوجود غلبۂ کفار مرہٹہ موجود است۔ در ممالک دیگر اسلام بالفعل یافتہ نمی شد' باین طور آداب خدمت قضاء را گذاردن کار ہر کس نیست بنا برین انگشت اعتراض بر صفحہ مسند قضا کہ منافی طریق صوفی گری می نماید نمی رسد وفقیر چہل روز در خدمت وصحبت شریف در پانی پت ماندم' انفاذ حکم اعلام ایشان بر دلہای خلائق موثر یافتم (نعیم اللہ: بشارات' ورق ۱۴۷ب' ۱۴۸۔ا)

حضرت قاضی منصب قضا پر کب فائز ہوئے اور کن کن مقامات پر انہوں نے یہ فرائض انجام دیے؟ ان اُمور کی کوئی اطلاع نہیں ہے' حضرت مظہر کے بعض خطوط سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ پانی پت میں قاضی تھے' بعض خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نواب نجیب الدولہ اور ملا رحیم داد روہیلہ کے لشکر میں بھی کچھ عرصہ رہے (عبدالرزاق قریشی: مکاتیب میرزا مظہر' ص ۲۲۵)

۱۹۔ مکاتیب میرزا مظہر مرتبہ قریشی' مکتوب نمبر ۱۱۰' ص ۱۶۵۔

۲۰۔ ایضاً مکتوب نمبر ۹۔ ص ۱۱۔ یہ علی رضا خان' حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں پانی پت گئے تھے۔

۲۱۔ حضرت قاضی صاحب کو علومِ ظاہری میں کمال حاصل تھا' انہوں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا' پانی پت کے علماء سے تحصیل علم کے بعد دہلی آ کر حضرت شاہ ولی اللہ سے فقہ اور حدیث میں درس لیا (عبدالحی: نزہۃ الخواطر ۷/۱۱۳) قاضی صاحب کی وفات یکم رجب ۱۲۲۵ھ/۲ اگست ۱۸۱۰ء کو ہوئی (دیباچہ مالابد' ص ۴ بحوالہ قریشی: مکاتیب میرزا مظہر' ص ۲۲۸) قاضی صاحب کثیر التصانیف بزرگ تھے' مولانا زید ابوالحسن فاروقی (دہلی) کو ان کے گھر واقعہ پانی پت سے ان کی ۳۲ تصانیف کے خطی نسخے دستیاب ہوئے تھے (ایضاً ص ۲۳۱۔۲۳۳) جن میں تفسیر مظہری' رسالہ احقاق' ارشاد الطالبین' مالابد منہ' السیف المسلول بہت مشہور اور متداول ہیں۔

۲۲۔ القرآن (یونس) ۱۰/۶۲۔

۲۳۔ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ' ورق ۱۷۰

۲۴۔ مظہر: کلمات طیبات ۸۰/۶۶۔

بشارات مظہریہ کے مؤلف' مولوی احمد اللہ کے انتقال کے وقت پانی پت میں موجود تھے گویا وہ اس جواں سال کی موت کے منظر کے عینی شاہد ہیں:

فقیر کاتب در ہنگام انتقال ایشان در قصبہ پانی پت در خدمت حضرت (قاضی ثناء اللہ) حاضر بود...... (بشارات مظہریہ' ورق ۱۷۱')

حضرت میرزا مظہر کے بعض مکاتیب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسند قضا ان کے حوالے کی گئی تھی اور اس کی سند خود حضرت مظہر نے دہلی سے حاصل کر کے ارسال کی تھی (دیکھیے مکاتیب میرزا مظہر' ص ۱۰۳' ۱۱۳' ۱۱۵ بہ بعد) ان کا انتقال ۱۱۹۸ھ میں ہوا (لوائح خانقاہ مظہریہ ص ۲۳۵)۔

۲۵۔ قاضی صاحب کے اس فرزند مولوی دلیل اللہ کے ساتھ حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی محبت تھی اور آپ ان پر بہت شفقت فرماتے تھے' وہ حضرت مظہر کے منہ بولے بیٹے اور کنار پروردہ تھے۔

مولوی نعیم اللہ لکھتے ہیں:

فرزند خواندہ و کنار پروردہ حضرت ایشانند ہر چند از کمالات باطنی کماحقہ بہرہ ندارند لیکن از مناسبت فی الجملہ واجازت مفیدہ از توجہ آنحضرت خالی (نیست) زیرا کہ نظر توجہ و التفات بحال ایشان بسیار مبذول بودہ کہ زیادہ از فرزندان شفقت و پرورش می فرمودند (بشارات' ورق ۱۷۳)۔ حضرت مظہر کا ایک مکتوب گرامی بھی ان کے نام ہے۔

(میرزا مظہر کے خطوط ۸۴/۲۱۲)

۲۶۔ قاضی صاحب کی دو بیویاں تھیں' عجیبہ خانم اور رابعہ خانم' عجیبہ خانم نے حضرت مظہر سے کسب فیض کیا تھا' ان بیویوں کے بطن سے چار لڑکے' احمد اللہ' صبغۃ اللہ' دلیل اللہ اور حجۃ اللہ تھے' اور چار لڑکیاں تھیں (تعلیقات عبدالرزاق قریشی بر مکاتیب میرزا مظہر ص ۲۳۱)۔

۲۷۔ مکتوب حضرت مظہر بنام عجیبہ خانم' مجموعہ قریشی ۱۳۲/۱۹۲۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور حضرت مظہر میں بڑے گہرے روابط تھے' حضرت مظہر کی سودائی بیوی مردم محل کی ناز برداری کا ذمہ انہوں نے لے رکھا تھا اور وہ اکثر پانی پت میں رہتی

تھیں، حضرت مظہر کے بہت سے مکاتیب ان کے نام ہیں، قاضی صاحب ان مکاتیب کو نہایت احتیاط سے ایک خریطہ میں رکھتے تھے، مولوی نعیم اللہ کو اس خریطہ کی زیارت اور ان مکاتیب کے مطالعے کے موقع ملا تھا، انہوں نے اس خریطہ میں سے چند مکاتیب اپنی کتاب (بشارات) میں شامل کیے ہیں:

حضرت ایشان مکاتیب بسیار...... بنام حضرت مولانا (قاضی ثناء اللہ) نوشتہ بودند و حضرت مولانا آن مکاتیب را در خریطہ باحتیاط نگاہ میداشتند وفقیر از مطالعہ تمام آن مکاتیب مشرف شدہ جزی چند انتخاب نمودہ میداشت (بشارات، ورق ۱۵۰ا)

اس نادر خریطہ میں سے ۱۴۱ مکاتیب حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی (دہلی) کو قاضی صاحب کے مکان پانی پت سے دستیاب ہوئے، انہوں نے اپنے خط بنام عبدالرزاق قریشی میں ان مکاتیب کی جس تھیلے میں موجودگی کی اطلاع دی ہے، اس سے یہی خریطہ مراد ہے، یہ ۱۴۱ مکاتیب مجموعہ قریشی کی زینت ہیں، مجموعہ خلیق انجم میں سات اور مجموعہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان میں بھی ان کے مکاتیب شامل ہیں، ان کے اسی ارتباط کی وجہ سے بعد میں مجددی حضرات نے ان سے رشتے ناطے کیے، حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی محترمہ فاروقی مرحومہ کا عقد نواب زادہ لئیق احمد خان انصاری نبیرہ قاضی ثناء اللہ سے ہوا، جن کی اولاد اب لاہور میں مقیم ہے (زید ابوالحسن: مقامات خیر، ص ۱۴۷-۱۷۷)۔

قاضی صاحب کے دونوں فرزند مولوی احمد اللہ اور مولوی دلیل اللہ قاضی صاحب کے مزار کی چار دیواری کے باہر مدفون ہیں، مولانا عبدالحی حسنی اپنے سفر پانی پت ۱۳۱۲ھ کے دوران زیارت کے لیے گئے تھے (دہلی اور اس کے اطراف، دہلی ۱۹۵۷ء، ص ۸۴)

۲۸۔ حضرت نے اپنے گھریلو معاملات میں میاں محمد مراد سے مشورہ کرنے کے بارے میں قاضی صاحب کو بھی لکھا ہے:

در مقدمات خانہ فقیر با میاں محمد مراد جیو در مشورہ، امداد و اعانت لازم دانند۔ (مجموعہ قریشی ۵/۶)

۲۹۔ میاں محمد مراد نے کفش فروشی کا پیشہ اختیار کیا تھا، مولوی نعیم اللہ لکھتے ہیں:

بہ سبب پیش کفش فروشی کسی از من این معنی را اصلاً باور نخواہد داشت (بشارات، ورق ۷۶اب)

۳۰۔ ایضاً، ورق ۷۷۔۱ (نیز مجموعہ خلیق انجم، ص ۱۳۹)۔

۳۱۔ ایضاً۔

۳۲۔ میاں محمد مراد، حضرت مظہر کی خانقاہ کے خادم خاص تھے، انہوں نے خانقاہ کے صوفیہ کی خدمت میں کبھی کوتاہی نہیں کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت مظہر نے انہیں ''ام الصوفیہ'' کا لقب دیا تھا۔ (ایضاً، ورق ۷۵اب، ۷۶۔۱)۔

مقامات مظہری کے مطبوعہ فارسی نسخوں کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے شیخ محمد مراد سے استفادہ کیا تھا (حاشیہ، ص ۷۹)۔

۳۳۔ ابن ماجہ، ص ۳۰۳۔

۳۴۔ ایک مرتبہ مولوی نعیم اللہ بہرائچی، حضرت مظہر کے پاؤں دبا رہے تھے کہ میر علیم اللہ گنگوہ سے حاضر خدمت ہوئے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر صاحب کا مسکن گنگوہ تھا۔

فقیر راقم روزی پای مبارک آنحضرت مالید یک بار ایشان از گنگوہ تشریف آوردند آنحضرت معانقہ کردند، با فقیر معانقہ کنانیدند و فرمودند کہ ایشان از یاران قدیم فقیر (حضرت مظہر) اند و طریقہ از فقیر در عین حیات حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسب نمودند......(بشارات، ورق ۱۹۰۱)۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے مولوی علیم اللہ گنگوہی کا سال وفات ۱۲۱۱ھ لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱/۶۸۹، نزہۃ الخواطر ۷/۳۳۸)۔

۳۵۔ شیخ مراد اللہ نے یہ تفسیر لکھی تھی جو صرف پارہ عم کی تفسیر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں انہوں نے حضرت مظہر سے اجازت لے لی تھی، یا قبل از اجازت مذکورہ حصہ لکھ چکے تھے، باقی تفسیر حکماً مکمل نہیں کی، اس کا نام ''خدا کی نعمت ہے''، لیکن تفسیر مرادیہ کے نام سے طبع ہو کر مشہور ہوئی اور ۲۴ محرم ۱۱۸۵ھ کو مکمل ہوئی، خاتمہ میں خود وضاحت کرتے ہیں:

حمد اور شکر کا سجدہ لائق سزاوار ہے پاک پروردگار کے......عم سپارے کی تفسیر ہندی زبان

میں تمام کروا دی اور اس عاصی گناہ گار مراد اللہ انصاری سنبھلی قادری نقشبندی حنفی کو یہ خدمت فرما کر توفیق بخش کر اس کے دل میں اپنے کلام کا بیان بخشا......اس تفسیر کا نام ''خدا کی نعمت'' مقرر کروایا یہ تفسیر محرم کے مہینہ کی چوبیس تاریخ جمعے کے دن گیارہ سو چوراسی برس ہجری تمام ہو کر پچاسی شروع ہوا تھا جو تمام ہوئی۔

تفسیر مرادیہ بہت مقبول ہوئی اور متعدد مرتبہ پاک و ہند کے مختلف مطابع سے شائع ہو چکی ہے' اس وقت دو نسخے مطبع اسماعیلی بمبئی ۱۲۷۱ھ اور مطبع برکتی کلکتہ ۱۲۸۰ھ پیش نظر ہیں' عموی اشاعتوں کی ضخامت تقریباً پانچ سو صفحات ہے' ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ ''اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ'' کراچی یونیورسٹی ۱۹۸۰ء' ص ۷۔۱۲' میں تفسیر مرادیہ کا لسانی تجزیہ کیا ہے۔

۳۶۔ شاہ مراد اللہ کا تعلق سنبھل سے تھا' ایک مرتبہ کسی تقریب سے بنگالہ گئے تو وہاں ہزار ہا طالبان خدا نے ان سے طریقہ و تعلیم حاصل کی اور وہاں ان سے بہت فیض جاری ہوا' سنبھل ہی میں مدفون ہیں' بقول مولوی نعیم اللہ:

یک بار بہ تقریبی بہ بنگالہ رفتہ بودند در انجا ہزاراں ہزار عالم از ایشان طریقہ و نام خدا تعلیم گرفتہ...... چنانچہ در آنجا سلسلہ فیض ایشان ہنوز جاری ست و ایشان نیز رحلت نمودہ در سنبھل آسودند۔ (بشارات' ورق ۱۹۹ب' ۲۰۰۔ا)۔

۳۷۔ حافظ محمد محسن' شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نواسے تھے (معمولات' ص ۱۸) تفصیل کے لیے دیکھیے فصل پنجم

۳۸۔ جدید شجروں کے مطابق شیخ محمد احسان' شیخ محدث کی نرینہ اولاد میں ظاہر کیے گئے ہیں' یعنی میاں محمد احسان بن خیر اللہ بن ابوالحیات بن علیم اللہ بن شیخ نور اللہ بن شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق (خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق' ص ۲۵۵) مفتی غلام سرور نے شیخ محمد احسان کو حافظ محمد محسن کا فرزند لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۶۸۸) جو درست نہیں' اس بنیاد پر ہم نے اپنی تالیف احوال و آثار عبداللہ خویشگی میں بلا تحقیق انہیں حافظ محمد محسن کا فرزند لکھا تھا جو جدید حقائق کی روشنی میں غلط ثابت ہوا ہے۔ (ص ۱۴۸)۔

۳۹۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۳ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔

۴۰۔ ترجمہ: اگرچہ میں مے خانہ سے چلا گیا ہوں لیکن یہ دعا کرتا ہوں کہ اے لغزش مستانہ میں اس دروازے سے جانے نہ پاؤں۔

۴۱۔ (پہلا شعر) حافظ شیرازی: دیوان' طبع بمبئی' ص۱۲ (ترجمہ:) وہ شخص کبھی نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا ہو' دفتر عالم (لوح محفوظ) پر ہماری زندگی جاوید کی مہر ثبت ہے۔
(ترجمہ شعر ثانی:) اگر تجھے عشق حقیقی و مجازی حاصل نہیں تو اپنا گریباں پھاڑ لے اور اپنے سر پر خاک ڈال لے۔

۴۲۔ اس ہنگامہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ کتاب حاضر' خود میاں محمد احسان اپنے ایک مکتوب بنام حضرت مظہر میں لکھتے ہیں کہ احمد شاہ درانی لاہور پہنچ گیا ہے' وہ سکھوں سے اور مرہٹے جاٹوں سے صلح کر لیں گے' پھر شاہ اور مرہٹوں کے درمیان جنگ ہو گی' گویا یہ پانی پت کی تیسری جنگ جیسی کیفیت ہے' (لوائح' ص۵۸)۔

۴۳۔ حضرت میاں محمد احسان احمدی کچھ عرصہ رام پور میں مقیم رہے ہیں' وہاں کے نواب فیض اللہ خان نے انہیں تین روپے نذر کیے تو وہ پورب کی طرف روانہ ہو گئے (لوائح ۱۹۱/ ۲۵۹)۔ میاں محمد احسان' ملا رحیم داد (ر۔ک۔ حاشیہ نمبر۴۴) کے لشکر میں بحیثیت ملازم' مختلف مہمات پر اس کے ساتھ رہے چنانچہ حملہ سرہند میں بھی وہ اس کے لشکر میں تھے' حضرت مظہر نے لکھا ہے کہ ایک ہفتہ ہوا وہ لشکر ملا رحیم داد میں گئے ہیں (مجموعہ قریشی' ص۷۱۔ لوائح' ص۱۱۷) وہ مع متعلقین فرخ آباد میں بھی مقیم رہے۔ (لوائح' ص۹۵)

حضرت شیخ محدث کی اولاد میں سے چار افراد حضرت مظہر سے منسلک تھے' میاں محمد احسان' شیخ غلام حسن (کتاب ہذا' ص۴۰۰) غلام عسکری خان اور میاں محمدی' ان صاحبزادگان کا ذکر حضرت مظہر کے مکتوبات میں ملتا ہے' نیز ان کی آپس کی مراسلت سے ان کے رشتے کے بھائی ہونے کا بھی ذکر ہے' غلام عسکری خان نے خود اپنے مکتوب بنام حضرت مظہر' میں محمد احسان احمدی کو اپنا بھائی لکھا ہے (لوائح' ص۸۹' اور مکتوب حضرت مظہر یعنی مجموعہ خلیق انجم' ص۲۱۷) لیکن یہ غالباً ان کا خطاب ہے نام کچھ اور ہو گا' وہ نواب عماد الملک سے وابستہ تھے' (لوائح' ۸۰)' میاں محمدی

کا نام نور الحق عرف حافظ محمدی بن سعادت اللہ بن سعد الدین بن جار اللہ بن نور اللہ بن نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث تھا (خلیق احمد نظامی: حیات عبدالحق، ص ۲۵۵)۔

حضرت مظہر کے تین مکاتیب میاں محمد احسان کے نام ہیں۔ (نمبر ۲، ۳، ۴، ۷، مجموعہ خلیق انجم)، خود میاں محمد احسان کے پانچ عریضے حضرت مظہر کے نام خانقاہ اخوند ملا نسیم اوچ (دیر) سے دستیاب ہوئے ہیں، جسے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے لوائح خانقاہ مظہریہ میں نقل کیا ہے (ص ۵۷ تا ۶۳)۔

میاں محمد احسان کے ایک فرزند بھی تھے، جن کا نام محمد حسن، خود حضرت مظہر نے ہی رکھا تھا، دیکھیے فصل کرامات حضرت مظہر کتاب حاضر۔

مولانا زید ابوالحسن فاروقی نے میاں محمد احسان از اولاد شیخ محدث اور صاحبزادہ محمد احسان محمدی کو از اولاد حضرت مجدد بتایا ہے اور موخر الذکر کو روضۃ القیومیہ کا مؤلف لکھا ہے (مکتوب مولانا زید بنام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، شامل ''حضرت مجدد، ایک تحقیقی جائزہ'' ص ۸۶۔۸۷)، جو محل نظر ہے۔

۴۴۔ ملا رحیم داد ایک روہیلہ سردار تھا اسے مجد الدولہ کی سرپرستی حاصل تھی (مجموعہ قریشی، ص ۲۶۱)۔ بشارات مظہریہ (ورق ۱۸۳ ا) میں لشکر اسلام کی کفار کی بجائے کفار سکھوں سے شکست کھانے اور ملا رحیم داد کے شہید ہونے کا تذکرہ ہے اور حضرت مظہر نے اس لشکر میں حضرت مجدد کی اولاد کی شمولیت کا بھی ذکر کیا ہے:

جماعت کثیر از صاحب زادہ ہای سرہند ہمراہ او (ملا رحیم داد) ہستند' (مجموعہ قریشی، ص ۱۲۴) پھر ایک مکتوب میں اس لشکر کی شکست، ملا رحیم داد کی شہادت اور اولاد حضرت مجدد کے بعض افراد اور خود میاں محمد احسان کے اس معرکہ میں زندہ رہنے کا ذکر کیا ہے۔ ''دی روز خبر متوحش شہادت ملا رحیم داد و تباہی لشکر اسلام مشہور است۔ بعض پیرزادہ ہا و میاں محمد احسان جیو و لالہ ہر پرشاد جیو را خدا حافظ باد'' (ایضاً، ص ۱۳۱) تفصیل کے لیے دیکھیے، مقدمہ کتاب ہذا۔

۴۵۔ حقیقی بھائی نہیں تھے بلکہ رشتے میں باہم برادر تھے، نسب یوں ہے: غلام حسن بن کمال الدین بن صبغۃ اللہ بن سیف الدین بن نور اللہ بن شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث (خلیق احمد نظامی:

حیات شیخ عبدالحق، ص ۲۵۵)۔ مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے لکھا ہے کہ وہ حضرت حافظ محمد محسن کی اولاد میں سے تھے (بشارات، ورق ۲۰۱ ب) جو درست نہیں ہے۔

۴۶۔ مولوی نعیم اللہ لکھتے ہیں کہ شیخ غلام حسن، حضرت مظہر کے ''کنار پرورده اور تعلیم و تربیت کرده'' تھے، انہیں حضرات کے مزاج میں اس قدر دخل تھا کہ باوجود کثرت صحبت کبھی حضرت کی نازک مزاجی کے خلاف ان سے کوئی حرکت سرزد نہ ہوئی خدا انہیں سلامت رکھے اور ان کی رحلت کا داغ مجھے نصیب نہ ہو، اسی قسم کی دعا شیخ غلام حسن بھی کیا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ ''داغ رحلت آنحضرت بمن نصیب نکند'' چنانچہ اسی طرح ہوا کہ ان کی وفات اور حضرت مظہر کی وفات اس طرح ہوئی کہ دونوں کو ایک دوسرے کی رحلت کا علم نہ ہو سکا۔ بشارات، ورق ۲۰۲)۔

غلام عسکری خان اور محمدی خان (مذکورہ حاشیہ نمبر ۴۳) بھی اسی خاندان کے افراد تھے، میاں محمدی خان کے بارے میں لکھا ہے کہ لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ (ایضاً، ورق ۲۰۲۔ا) نیز خاندان شیخ محدث کے بارے میں یہ معاصر اطلاع ہے کہ ''تمام خاندان ایشان (غلام حسن و متعلقات) از خرد و مخلص و معتقد آنحضرت اند'' (ایضاً، ۲۰۲) متعلقین حضرت مظہر میں ایک اور غلام حسن کا نام آتا ہے، جن کا تعلق صوبہ سرحد سے تھا، یہ ان سے مختلف ہیں (لوائح، ص ۲۱۱)۔

۴۔ بقول مولوی نعیم اللہ:

قریب ہفت و ہشتاد کس در حلقہ بہ صحبت شریف ایشان می نشستند۔ (بشارات، ورق ۱۹۲۔ب)

۱۔ بیرون ترکمان دروازہ دہلی میں مسجد کے صحن میں مدفون ہیں ''در دہلی بیرون ترکمان دروازہ در صحن مسجد آسودند'' (ایضاً، ورق ۱۹۱ ب)۔

۔ خلیق انجم: مرزا مظہر کے خطوط ۳۰/ص ۱۳۲، فرماتے ہیں کہ انہوں (محمد منیر) نے کوئی بیٹا چھوڑا نہ خلیفہ (اس لیے) ان کے مریدوں کی تربیت اور پس ماندگان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری فقیر کی گردن پر پڑی ہے (ایضاً، ص ۱۳۲)۔

۔ نعیم اللہ: بشارات، ورق ۱۹۶۔ا۔

۔ ان کا مسکن تھانیسر تھا، مولوی نعیم اللہ نے ان کے نام کے ساتھ تھانیسری لکھا ہے (بشارات، ورق ۱۹۶۔ا) سکھوں نے جب قلعہ تھانیسر پر قبضہ کر لیا تو یہ ان کے ہاتھوں لٹ لٹا کر نواح

تھانیسر میں مقیم ہو گئے' حضرت مظہر لکھتے ہیں:

اس زمانے میں دل کو ایک سخت صدمہ پہنچا ہے' پچھلے مہینے کفار سکھ تھانیسر کے قلعہ پر قابض ہو گئے' اور انہوں نے خوب قتل و غارت کیا' مولوی قلندر بخش جیو سلمہ ربہ مع بیوی بچوں کے لٹ لٹا کر اور جانیں بچا کر نکل آئے عجیب کیفیت ہوئی' انا للّٰہ و انا الیہ راجعون بالکل ہی بے سروسامانی کی وجہ سے اس (تھانیسر) کے نواح میں مقیم ہیں اور ہم تک نہیں پہنچے' اس مصیبت کے علاوہ شرم کی بات یہ ہے کہ ''خصوصیت'' کے باوجود ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکے کیوں کہ بے استقامت ہیں' خدا اس کی تلافی کرے۔

(خلیق انجم: میرزا مظہر کے خطوط' ص ۱۳۴)

مولوی قلندر بخش تھانیسری کے والد کا نام ضیاء الدین حسین تھا' شیخ ضیاء الدین حسین کے تین خطوط بنام حضرت مظہر خانقاہ حضرت اخوند ملا نسیم (اوچ' ریاست دیر) میں محفوظ ہیں جنہیں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے لوائح خانقاہ مظہریہ میں نقل کیا ہے (۱۳۵۔۱۳۸) ان خطوط میں انہوں نے قلندر بخش کو نور چشمی لکھا ہے' (۱۳۶'۱۳۷) اور تھانیسر کے ہنگاموں کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً ''آمد آمد احمد شاہ ابدالی'' (ص ۱۳۶) اور ''آمد آمد ابدالی خیلے تردد انداختہ'' (ص ۱۳۷۔۱۳۸) ان خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد یعنی شیخ ضیاء الدین حسین بھی حضرت مظہر سے منسلک تھے۔

مولوی قلندر بخش کے ایک بیٹے مولوی مراد اللہ فاروقی تھے' جو کم سنی میں والد کے ہمراہ حضرت مظہر کی خدمت میں حاضر ہو کر داخل طریقہ ہوئے' ان کی جوانی میں ہی حضرت مظہر شہید ہو گئے' اور تھانیسر سکھوں کے ہاتھوں تباہ ہو گیا' تو مولوی مراد اللہ کسب فیض کے لیے حضرت مولوی نعیم اللہ بہرائچی خلیفہ حضرت مظہر و مؤلف معمولات مظہریہ کی خدمت میں لکھنؤ چلے گئے اور اکتساب طریقہ کے بعد ان کے جانشین بنے' مولوی مراد اللہ نے ۱۲۴۸ھ میں انتقال کیا (دیباچہ معمولات مظہریہ نوشتہ مولوی ابوالحسن) مولوی مراد اللہ کے خلفاء میں سے مولوی ابوالحسن بن نور الحسن حسینی نصیر آبادی (۱۲۷۲ھ) مذکور اور مولوی غلام رسول کانپوری قابل ذکر ہیں (نزہۃ الخواطر ۷/۴۶۹)۔

۵۲۔ ان کے ہم نام مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے انہیں حضرت حاجی محمد افضل کے کتب خانہ کا ناظم لکھا ہے:

قاری و حافظ و عالم و فاضل و عارف و کامل و متولی کتب خانہ حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹی شیخ الحدیث آنحضرت (مظہر) و صاحب اجازت و ارشاد بودند (بشارات ورق ۱۹۶ب) بشارات کے نسخہ برٹش میوزیم میں ان کا نام بعنوان سید علیم اللہ سہو کتابت ہے۔ اس کے دوسرے نسخہ میں واضح طور سے ان کا نام میر سید نعیم اللہ ہے (ورق ۱۳۲ھ) مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے ان کی نسبت گلاوٹھی بتائی ہے۔

۵۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب حاضر (فصل ششم' استفادہ از حضرت حاجی محمد افضل)۔

۵۱۔ قاری عبدالرسول کے حالات ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے۔

۵۰۔ حضرت مظہر خود فرماتے ہیں:

سید نعیم اللہ قرآن در تراویح می خوانند و دہ دوازدہ کس' ہمہ از یاران حلقہ در جماعت حاضر می شوند (مجموعہ قریشی' ص ۲۵)

غالباً میر سید نعیم اللہ' مدرسہ غازی الدین (دہلی) میں مدرس تھے' حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا قاضی ثناء اللہ کو تاکید کی تھی کہ ان کے احوال مدرسہ مذکور سے معلوم کر کے لکھو۔

(ایضاً' ص ۳۳)

میر نعیم اللہ کا ایک عریضہ بنام حضرت مظہر لوائح خانقاہ مظہریہ (ص ۱۰۵) میں شامل ہے' جس پر ان کی مہر بھی ہے۔

۔ میر نعیم اللہ کی وفات کی خبر سن کر حضرت مظہر مولانا ثناء اللہ پانی پتی کو لکھتے ہیں:

افسوس و ہزار افسوس! رقعہ از گلاوٹھی رسیدہ کہ نعیم اللہ صاحب مشرف بر ہلاک تو قع حیات نماندہ (مجموعہ مکاتیب مرتبہ قریشی ۱۰۱/۱۵۳)

۔ بشارات' ورق ۱۸۸ب۔

۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب حاضر فصل ششم ''استفادہ از حضرت حاجی محمد افضل'' ص ۲۸۷۔۲۹۲۔

۵۹۔ نفحات سے نفحات الانس مراد ہے جو مولانا عبدالرحمٰن جامی کی مشہور کتاب ہے، کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔

۶۰۔ القرآن (الحدید) ۵۷/۴۔

۶۱۔ (ترجمہ:) کوئی مشکل ایسی نہیں جو حل نہ ہو سکے، انسان کو چاہیے کہ وہ پریشان نہ ہو۔

۶۲۔ یعنی اس مال پر اتنا بھروسا بھی نہ کرلیا جائے کہ اسے دائمی مقررہ روزی سمجھنے لگے بلکہ اسے ایک وقتی امداد خیال کرے تو یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

۶۳۔ خلیق انجم: میرزا مظہر کے خطوط ۲۸۔۱۲۹۔۱۳۰۔

۶۴۔ خوش قسمتی سے بشارات مظہریہ میں مولوی ثناء اللہ سنبھلی کا سال وفات ۱۱۹۹ھ محفوظ رہ گیا ہے، لکھا ہے:

ایشان بعد رحلت آنحضرت (مظہر) در ہزار وصد ونود و نہ ہجری رحلت نمودند (ورق ۱۸۹۔۱)۔

اور اپنے مسکن سنبھل ہی میں دفن ہوئے (ایضاً) انہوں نے حضرت مظہر کی مدح میں بہت خوب رباعیات لکھیں (ایضاً) صاحب نزہۃ الخواطر نے ان کا سال وفات تیرھویں صدی ہجری قیاس کر کے انہیں ساتویں جلد (ص ۱۱۵ تراجم علماء تیرھویں صدی) میں شامل کیا ہے، جو درست نہیں۔

ان کی دستیاب ہونے والی کتب میں سے مآل الکمال تصوف کے اہم مسائل پر مشتمل ہے۔ جا بجا حضرت مظہر کے اقوال سے اپنے بیانات کو مؤثر بنایا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کتاب حضرت مظہر کے افکار کی تشریح و توضیحات کے سلسلے میں بھی اہم ہے۔ ہمارے پیش نظر مذکورہ خطی نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا محررہ ہے، اس کا سال تصنیف ۱۱۹۵ھ ہے اور کتابت ۱۲۱۷ھ اس کے پہلے ورق پر بھی مصنف کے دستخط ہیں، اس کے اوّل و آخر کے اوراق کا عکس یہاں دیا جا رہا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، مآخذ مقدمہ و حواشی، کتاب ہذا)۔

۶۶۔ بشارات مظہریہ و معمولات مظہریہ کے مؤلف مولوی نعیم اللہ بہڑائچی کے محسن تھے۔ انہوں نے ان کے بہت سے احسانات کا ذکر کیا ہے:

حقوق ایشان بہ ذمہ فقیر بسیار اند یکی آنکہ ذکر این طریقہ از خدمت شریف ایشان گرفتہ، دوم بہ برکت توجہ ایشان بہ جناب فیض مآب آنحضرت رسیدہ، سوم یک بار سخت بیمار بوسم از برکت دعای و معالجہ ایشان بدولت شفا رسیدہ (بشارات، ورق ۱۹۰ب)۔

ان کے والد کا نام شیخ محمد رفیع تھا جو حضرت مظہر کے یاران مخصوص میں سے تھے (ایضاً، ۱۹۱)۔

خلیفہ محمد جمیل نے حضرت مظہر کی زندگی میں ہی دہلی میں انتقال کیا۔ اس وقت مولوی نعیم اللہ بہڑائچی بھی موجود تھے، لکھتے ہیں:

ایشان درحین حیات آنحضرت در حضور فقیر راقم در دہلی انتقال نمودند، در جوار مقابر بزرگان خود آسودند (بشارات، ورق ۱۹۱ب)۔

خلیفہ صاحب دہلی سے ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء میں لکھنؤ گئے، تو مولوی نعیم اللہ بہڑائچی ان کی زیارت کے لیے پہلی مرتبہ حاضر ہوئے تھے (ایضاً، ورق ۲۔۱) اسی سال مولوی نعیم اللہ حضرت مظہر کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے دو ماہ کے بعد واپس چلے گئے، پھر دو سال کے بعد ۱۱۸۹ھ میں دوبارہ حضرت مظہر کی خدمت میں دہلی گئے (ایضاً) اور کامل چار سال تک وہاں رہ کر (یعنی ۱۱۸۹+۴=۱۱۹۳ھ) باطنی فیض پایا (معمولات، ص۲) گویا انہی سالوں میں خلیفہ صاحب کا دہلی میں انتقال ہوا تھا۔

۶۔ حضرت عبدالاحد وحدت کے ذریعہ ان کا شجرۂ نسب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ساتھ اس طرح واصل ہوتا ہے۔ شیخ محمدی عرف شاہ بھیکھ بن شیخ محمد زکی بن شیخ محمد ابوحنیف بن شیخ عبدالاحد وحدت ملقب بہ شاہ گل بن حضرت خواجہ محمد سعید خازن الرحمۃ بن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم: (ر۔ک بہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: رسالہ در احوال اولاد حضرت مجدد، قلمی مخزونہ کتب خانہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی شریف، ص۱۷۔ احمد ابوالخیر: ہدیہ احمدیہ، مطبوعہ، ص۲۰)۔

شاہ بھیکھ کی اولاد میں ایک لڑکا شاہ پیر اور چھ لڑکیاں تھیں (ایضاً)۔ روضۃ القیومیہ میں ہے: بھیکھ ہندی زبان میں دریوزہ کو کہتے ہیں، چونکہ شیخ محمد زکی کے ہاں اولاد نہیں تھی اس لیے جب یہ پیدا ہوئے تو انہیں بھیکھ کہنے لگے، یعنی خدا سے مانگا ہوا۔ (رکن اول، ص۳۰۲)۔

۶۸۔ سال وفات معلوم نہیں ہے قصبہ مالنیر میں رہتے تھے' وہیں انتقال ہوا اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی نعش کو سرہند لا کر آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا (بشارات' ورق ۱۹۶)۔

۶۹۔ بشارات' ورق ۱۹۷ب۔

۷۰۔ سکھوں کے ہاتھوں سرہند تباہ و برباد ہو گیا' تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' مقدمہ کتاب ہذا۔ حضرت شاہ بھیکھ کا ایک مکتوب بنام حضرت مظہر' ہمیں بشارات مظہریہ سے دستیاب ہوا ہے' جو یہ ہے:

عریضی شریف ایشاں کہ از مالنیر بخدمت آنحضرت نوشتند: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بعرض خدام ذوی الاحترام حضرت میرزا صاحب قبلہ مدظلہ العالی فقیر شاہ بھیکھ عفی عنہ می رساند کہ اشتیاق قدم بوسی نہ بدرجہ ایست کہ درحیطہ بیان در آید' فقیر را اقربیت دو ماہ شدہ کہ بخیریت در مالنیر آمدہ سکونت میدارد و شب و روز ہمین فکر دارد کہ صورتی میسر آید کہ حصول (۱۹۸۔ا) دولت قدم بوسی رو دہد' قدری اسباب راہ و چندی در آنجا حاضر بود میسر شود از سر پا ساختہ بخدمت مستفیض شدم دیگر از احوال پر اختلال خود چہ معروض دارد کہ ہجوم خطرات بہ حدی رو دادہ کہ کسب کمال یک سو اگر دین و اسلام باقی ماند زہی دولت لِلّٰہ وللرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم' ہمتی و اعانتی و مددی زیادہ چہ عرضی نماند (ورق' ۱۹۸۔ا)۔

مقاماتِ مظہری سے ہی شاہ بھیکھ کے کابل (افغانستان) میں قیام کا پتا چلتا ہے (ر۔ک فصل تاثیرات صحبت حضرت مظہر)

۷۱۔ حضرت مجددی کی اولاد کے انساب پر محولہ کتب میں شاہ بھیکھ کے کسی حقیقی بھائی کا ذکر نہیں ہے' بلکہ انہیں اکلوتا لڑکا بتایا گیا ہے البتہ حضرت عبدالاحد وحدت سرہندی مجددی مذکور کے فرزند چہارم شیخ نورالحق کی اولاد میں سے ایک عبدالحق نامی فرزند کا ذکر اس طرح ملتا ہے' عبدالحق بن معزالحق بن عزیزالحق بن حضرت وحدت مذکور (ہدیہ احمدیہ' ص ۲۷) ہمارا خیال ہے کہ یہی عبدالحق' مولوی عبدالحق (صاحب ترجمہ ہذا) ہیں۔

۷۲۔ بشارات مظہریہ میں ہے کہ ''در تقویٰ و طہارت پیش قدم یاران طریقہ بودند و در طعام و شراب احتیاط بلیغ میں نمودند تا آن کہ طعام را از دست خود می خوردند و نظافت و لطافت در مزاج بسیار داشتند وتقلید اوضاع آنحضرت در لباس و غذا استعمال آب بغایت می نمودند'' (ورق ۲۰۱۔ا)۔

یہ مکتوب آپ کے مکاتیب میں موجود ہے' مؤلف نے یہ دوسطور حذف کر دی ہیں:

میاں محمد انور بُرے حالوں پھر تمہارے پاس آ رہے ہیں حتی المقدور ان کی خاطر مدارات سے دریغ نہ کرنا' جانتے ہو دنیا میں طالب کم ہیں اگر کوئی آئے تو اسے خدا کا نام سکھاؤ۔ کیوں کہ اس کا بہت اجر ہے۔ (خلیق انجم: میرزا مظہر کے خطوط ۳۲_۲۳۶)۔

۷۳۔ بشارات کے نسخہ انڈیا آفس میں انہیں ٹھٹھوی لکھا ہوا ہے (ورق ۱۳۵) رجال سندھ پر جو کتب ہیں ان میں ان کے حالات نہیں ملتے' تحفۃ الکرام میں ایک مخدوم رحمت اللہ نقشبندی کا ذکر ہے (ص ۴۸۹) جو ۱۱۳۷ھ میں فوت ہوئے' گویا اس وقت حضرت مظہر کی عمر تقریباً پچیس برس تھی۔ اس لیے یہ صاحب ترجمہ سے مختلف شخصیت ہیں۔

دراصل شاہ رحمت اللہ جن کا تعلق حضرت مظہر سے ہے وہ حضرت کے حین حیات ہی فوت ہو گئے تھے' خود حضرت مظہر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھتے ہیں:

''شاہ رحمت اللہ جیو بعد دو سال از سہارن پور برائے ملاقات فقیر با دو کس از مریدان خود در دہلی آمدہ بودند' بعد سہ مقام کہ از زیارات مزارات حضرات فارغ شدند' شب رخصت خواستند' رخصت دادم' صباح آن روانہ خانہ شدند از موضع مسوری یک کردہ بقصد یا کھ پت رفتہ بودند کہ حال متغیر (شد) و یک بار افتادند و مردند''۔

ان کی نعش کو ان کے داماد جو کہ ہمراہ آئے تھے دہلی لائے اور جمعہ کے دن میاں محمد منیر کے پہلو میں دفن کیا (مکاتیب میرزا مظہر' از قریشی ۱۱۸/۱۷۴_۱۷۵)۔

اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ شاہ رحمت اللہ ارشاد و تبلیغ کے لیے سہارن پور میں متعین تھے نیز صاحب اولاد تھے ان کا ایک دامادہ بھی ہمراہ آیا تھا۔

۷۴۔ حالات کے لیے دیکھیے کتاب حاضر' فصل سوم۔

۷۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب حاضر' فصل سوم و ہشتم۔

۷۶۔ بشارات مظہریہ میں ہے کہ ان کا مسکن قصبہ سہسوان ہے: ''در قصبہ سہسوان سکونت دارند'' (ورق ۱۸۵_۱)۔

۷۷۔ مولوی نعیم اللہ بہڑایچی نے لکھا ہے کہ وہ اس وقت بہت معمر ہیں ان کے ایک عزیز محمد مکرم نے ان سے ان کی بہت تعریف کی تھی لیکن مولوی نعیم اللہ کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا: بسیار من......از خدمت ایشان بمردم فیض میر سید مکرم نام عزیزی از یاران بافقیر مداحی بسیار میکرد کہ ایشان از خوبان روزگار اند و بر جادہ شریعت و طریقت بسیار مستقیم لیکن از ایشان بافقیر اتفاق ملاقات نہ شد (ورق ۱۸۵۔ا)۔

۷۸۔ حضرت مظہر نے میر مبین کے والد کا نام سید حشمت خان لکھا ہے (میرزا مظہر کے خطوط' ص۱۷۶)۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ حشمت خان کسی معاملے میں حضرت مظہر سے سفارش کے طالب تھے' حضرت مظہر کے ایک اور مکتوب بنام غلام عسکری خان سے بھی میر مبین کے والدین سے حضرت مظہر کے تعلق خاطر کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والدین ایک زمانے میں فرخ آباد میں مقیم تھے۔ (مجموعہ خلیق انجم' ص۲۱۷) حضرت مظہر کے مکتوب بنام عماد الملک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میر مبین نے عماد الملک کی سرکار سے توسل اختیار کرنا چاہا تھا (مجموعہ خلیق انجم' ص۱۷۶)۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی تحقیق کے مطابق میر مبین کا سال وفات ذی قعدہ ۱۱۸۹ھ ہے (لوائح خانقاہ مظہریہ ۸۷۔۸۸) میر مبین خان کے چار مکاتیب بنام حضرت مظہر' خانقاہ ملا اخوند نسیم (اوچ' دیر) میں محفوظ ہیں' پہلے میں افواج ولایت (افواج درانی) کی دہلی کی طرف آمد آمد کے غلغلے کا ذکر ہے' دوسرے میں سرداران روہیلہ فیض اللہ خان' حافظ رحمت خان اور نجیب الدولہ کے متعلق اطلاعات ہیں' یہ چاروں مکاتیب ڈاکٹر صاحب نے لوائح (ص۸۹۔۹۴) میں نقل کیے ہیں۔

۷۹۔ بشارات مظہریہ میں ہے: در تقلید اوضاع و اطوار و عشق و محبت آں حضرت (مظہر) مع اہل و عیال مستغرق بودند (ورق ۱۹۴'ا)۔

۸۰۔ حضرت مظہر کے اس سفر آنولہ و سنبھل سے مولانا امتیاز علی خان عرشی نے یہ نتائج نکالے ہیں:

(۱) میرزا مظہر علیہ الرحمۃ کا یہ سفر نواب دوندے خان کی حیات میں واقع ہوا تھا۔

(۲) اس زمانے میں چاروں طرف سے فتنہ و فساد دہلی کا رخ کر چکا تھا۔ اس لیے میرزا

صاحب دو ماہ کے بعد اپنے متعلقین کی خبر گیری اور حفاظت کے خیال سے دہلی واپس جانا چاہتے تھے۔

(۳) اور ۸ سے ۱۰ شوال تک آنولے میں قیام کر کے گیارھویں تاریخ کو سنبھل کی طرف سفر کرنے کا قصد تھا' دوندے خان کی وفات ۳ محرم ۱۱۸۵ھ/ ۱۸ اپریل ۱۷۷۱ء میں ہوئی' لہٰذا میرزا صاحب کا سفر روہیل کھنڈ اس سنہ سے پہلے کا واقعہ ہے' جس فتنے کا میرزا صاحب نے اپنے مکتوب میں حوالہ دیا ہے اس سے مرہٹوں کی دلی پر چڑھائی مراد ہے۔ انہوں نے ۱۱۸۳ھ/ ۱۷۶۹ء میں بڑے لشکر کی صورت میں دریائے چنبل عبور کر کے دلی کا رخ کیا تھا مگر نجیب الدولہ نے فرخ آباد کی تسخیر کی طرف متوجہ کر دیا' آغاز ۱۱۸۴ھ میں مرہٹوں اور روہیلوں کی صلح ہو گئی' اسی سال نجیب الدولہ کا انتقال ہوا' اور مرہٹے دہلی کی طرف بڑھے چنانچہ ۱۱۸۵ھ میں ضابطہ خان دہلی چھوڑ گیا' جس سے مرہٹوں کا اس پر قبضہ ہو گیا' اس سے یہ قیاس کرنا بے جا نہیں کہ ۱۱۸۴ھ میں میرزا صاحب آنولے یا سنبھل میں تھے' اسی زمانے میں مرہٹوں نے فرخ آباد کی مہم سر کی' اس لیے حضرت مظہر کا یہ سفر شوال ۱۱۸۴ھ/ جنوری ۱۷۷۱ء میں واقع ہونا چاہیے' اس زمانے میں ان کا یہ لکھنا درست ہے کہ فتنہ دہلی کا قصد کر رہا ہے۔ (عرشی: دستور الفصاحت' دیباچہ ص ۶۵۔۶۷ ملخصاً۔ رک مقدمہ مقامات مظہری حاشیہ نمبر ۱۵۴)۔

۸۱۔ آج گزشتہ حریفوں کی کوئی خبر نہیں ہے اور کل اس بزم میں ہمارا بھی نشان نہیں ہو گا۔

۸۲۔ خلیق انجم: میرزا مظہر کے خطوط ۵۶/ ۱۶۷۔۱۶۶۔ اس مکتوب کے اقتباسات میں آخری اقتباس کا تعلق مکتوب کے پہلے حصے سے ہے' متن میں سہو کتابت سے ''مساوی کمالات نبوت'' ہو گیا ہے' لیکن کلمات طیبات میں ''مبادی کمالات نبوت'' درست ہے۔

۸۳۔ ان مبحث کی تفصیل کے لیے دیکھیے: کلاباذی' ابوبکر محمد: التعرف مرتبہ عبدالحلیم محمود' قاہرہ' ۱۹۶۰ء' ص ۲۳۔۲۴۔

۸۴۔ القرآن (النور) ۲۴/ ۳۷۔

۸۵۔ ان کی صحبت خاصی مؤثر تھی' ان کے مریدین میں سے حافظ ضیاء صاحب استقامت تھے' میر علی

اصغر نے ردشیعہ میں ایک طویل ومتین مکتوب حضرت مظہر کو لکھا' جس وقت یہ مکتوب پہنچا' مولوی نعیم اللہ بہڑائچی بھی حاضر خدمت تھے' جب حضرت مظہر نے مکتوب پڑھا تو فرمایا: ''این عزیز مکتوبی خوب نوشتہ''، ان کے دو بھائیوں میں عاشوری اور میر جلکن بھی حضرت مظہر سے منسلک تھے' ان کے خاندان کی اکثر ''ذکور واناث'' بھی داخل طریقہ تھیں' (بشارات' ورق ۱۸۳ب)

میر علی اصغر کے دو خطوط بنام حضرت مظہر' خانقاہ ملا اخوند نسیم (اوچ' دیر) میں محفوظ ہیں' دوسرے مکتوب میں نجیب الدولہ کے کوچ کر جانے اور اگلے دن حافظ رحمت خان کے کوچ کرنے کی اطلاع ہے (لوائح خانقاہ مظہریہ' ص ۹۴۔۹۸)۔

۸۶۔ متن میں لفظ لساناً کی مناسبت سے جناناً آیا ہے۔ جنان بمعنی ''قلب'' استعمال ہوتا ہے۔

۸۷۔ القرآن (الانفال) ۸۔۴۵۔

۸۸۔ خواجہ موسیٰ خان کے حالات فصل سوم اور ہشتم میں ملاحظہ کریں۔

۸۹۔ نقشبندی مشائخ ایسے قافلہ سالار ہیں کہ قافلہ کو پوشیدہ راہ سے حرم میں پہنچا دیتے ہیں۔

۹۰۔ مولوی قطب الدین ۱۲۰۵ھ تک بقید حیات تھے' جب مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے معمولات مظہریہ مکمل کی تو اسی سنہ میں ان سے اس کتاب پر اپنی رائے لکھوائی' جو یہ ہے:

برگزیدہ ارباب یقین حضرت شاہ قطب الدین ایں گوہر بیان از داماں زبان الہام ترجمان افشاندند کہ ''این نسخہ را بآب زر باید نوشت بالجملہ این نسخہ قبول خاطر جمیع اکابر این طریقہ گردیدہ''۔ معمولات' ص ۱۴۶۔ نیز دیکھیے: بشارات مظہریہ' ورق ۱۸۴ب۔

۹۱۔ لواء الہدیٰ فی اللیل والدجیٰ شرح میر زاہد اور حاشیہ علیٰ شرح السلم' (نزہۃ الخواطر ۲۱۶/۶) ان کے حواشی میں سے ہیں۔

۹۲۔ شیخ بدر عالم بن محمد باقر قدوائی سادا موی اودھی (ف ۱۱۸۰ھ) سے انہوں نے باطنی فیض پایا جس کا ذکر مولوی نعیم اللہ نے بشارات میں کیا ہے (ورق ۱۹۲۔ا)۔

شیخ بدر عالم کا سلسلہ طریقت شیخ پیر محمد لکھنوی تک اس طرح پہنچتا ہے: شیخ بدر عالم' حافظ سید ابوالقاسم بجنوری' غلام نقشبند' میر محمد شفیع' پیر محمد لکھنوی (مخزن برکت' ص ۸۸۔۹۲)۔

۹۳۔ مولوی غلام یحییٰ کا مولد ومنشاء قریہ باڑہ من مضافات بہار تھا (نزہۃ الخواطر ۲۱۵/۶)۔

تذکرہ علمائے ہند میں ہے: ان کا مولد و مسکن موضع اکرام متصل نگرنہسہ ہے، جو بہار سے آٹھ کوس کے فاصلے پر پٹنہ و بہار کے درمیان واقع ہے۔ (ص ۳۷۱)۔

۹۴۔ تو منکتوں کی طرح امید صفہ پر بندگی نہ کر، تیرا مالک بندہ پروری کے طریقے سے خوب واقف ہے۔

۹۷۔ اس سلسلے کی مختلف تحریرات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی غلام یحیٰ مسلسل پانچ سال حضرت مظہر کی خدمت میں نہیں رہے بلکہ مختلف اوقات کے قیام کی مجموعی مدت پانچ سال ہوگی، بقول مولوی نعیم اللہ بہڑا پچی:

درعرصہ دو نیم سال کسب کمال این طریقہ تا خرقہ و اجازت مطلقہ از آن جناب حاصل نمودہ باز مراجعت بہ بلدہ لکھنو فرمودہ۔ (بشارات، ورق ۱۹۲۔ا)

وہ پھر ایک ماہ کے لیے خانقاہ شریف میں مقیم نظر آتے ہیں، خود حضرت مظہر، قاضی ثناء اللہ کو لکھتے ہیں:

یاران حلقہ، خصوصاً مولوی غلام یحیٰ صاحب کہ بعد یک ماہ قصد وطن دارند و بہ کمالات رسالت رسیدہ اند۔ (مجموعہ قریشی ۳۰/۴۱)

۔ حضرت مظہر سے بیعت وخلافت کے بعد ان کا قیام مسجد شیخ محمود قلندر کے قریب خانقاہ شیخ پیر محمد لکھنوی میں تھا۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۲۱۶) یہ خانقاہ بتل ساحل گومتی معروف بہ بتل شیخ پیر محمد، لکھنو میں ہے۔ (ایضاً ۵/۹۷)

۔ ان کا نام شیخ بدر عالم سادا موی ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے، اسی فصل کا حاشیہ نمبر ۹۲۔

۔ خلیق انجم: میرزا مظہر کے خطوط نمبر ۳۷، ص ۱۴۶، ۴۶/ ۱۵۵۔

۔ اس رسالے کا نام کلمات الحق جو خود حضرت مظہر کی فرمائش پر مؤلف نے لکھا تھا، اس کا سال تصنیف ۱۱۸۴ھ ہے، مؤلف اس رسالے کے دیباچے میں خود وضاحت کرتے ہیں جس سے حضرت مظہر اور مؤلف کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے، ملاحظہ ہو:

امابعد محرر این مطالب...... فقیر غلام یحیٰ کہ از آغاز شباب بعد تحصیل علوم منقول و معقول باچندی از طلبہ علم در مقام لکھنو بہ تعلیم و درس مشغول بود ارادہ ازلی ہمت حق طلبی را برو

مسلط گردانیدہ و فائدہ توفیق بجناب...... حضرت میرزا مظہر جان جانان سلمہ الرحمٰن رسانید در محروسہ دہلی ملازمت گرامی دریافتہ بہ کسب کمالات طریقہ عالیہ مجددیہ...... ملتزم گردید و نیز روز و شب از خدمت آں مرجع اہل فضل و کمال در باب از مسائل عقلی و نقلی فیوض و برکات تحقیقات جدیدہ و تدقیقات غریبہ می رسد و گاہ بنا بر امتثال امر عالی فقیر ہم بعض مقدمات بعرض میرسانید و قبول می افتاد از آن جملہ سخن در مسئلہ توحید وجودی و شہودی نیز می رفت و ذکر اختلاف محققین از متقدمین و متاخرین صوفیہ در آن باب بہ میان آمدہ و اکثر اشارہ تمام بشارہ بہ تحریر زبدہ این مطالب و خلاصہ این مآرب بہ فقیری فرمودند تا حسب الامر آن جناب در سنہ ہزار و صد و ہشتاد و چہار ہجری بہ تالیف این رسالہ کہ مشتمل بر تبصرہ و دو مسئلہ و تکملہ مسمی است بہ کلمات الحق موفق شد۔ (ورق ا' نسخہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ)۔

کلمات الحق کے اس وقت ہمیں تین خطی نسخوں کا علم ہے' دو کتاب خانہ بانکی پور' پٹنہ (نمبر ۱۷۰۲' دوسرا نمبر ۱۷۰۵ء فہرست بانکی پور ۱۶/۱۵۳)۔ تیسرا' کتب خانہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسماعیل خان)' رسالہ کلمات الحق کے مندرجات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل شاہ ولی اللہ کے رسالہ تطبیق وحدت الوجود والشہود کے جواب میں لکھا گیا ہے' حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے رسالہ کلمات الحق کا رد دمغ الباطل کے نام سے لکھا ہے' جو مکتبہ نشرو اشاعت' نصرۃ العلوم' گوجرانوالہ سے ۱۹۷۶ء میں چھپ چکا ہے (ترتیب و تحقیق از عبدالحمید سواتی) مسئلہ وحدت الوجود والشہود کو اس دور کے مصنفین نے خاصا اُلجھا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی دو فعال ترین شخصیتوں یعنی شاہ ولی اللہ اور میرزا مظہر اس معاملے میں خاصے متفکر اور متحرک نظر آتے ہیں' حضرت مظہر نے اپنے مکاتیب میں بھی اس موضوع پر خاصی جامع و مدلل بحث کی ہے نیز انہوں نے شیخ قمرالدین اورنگ آبادی سے اس موضوع پر بھی ایک رسالہ لکھوایا جس کا نام مظہر النور (عربی) ہے۔ اس رسالے کی شرح ''المظاہر'' کے نام سے سید نور الہدیٰ بن قمرالدین اورنگ آبادی نے لکھی تھی۔ (عبدالحی حسنی: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند' اردو ترجمہ' اعظم گڑھ' ص ۲۷۰)۔ مظہر النور کا ایک قلمی نسخہ عربیک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک میں ہے

(تصوف برصغیر میں' ص ۳۹۴)۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' مقدمہ کتاب حاضر' اس دور کے فکری رجحانات' خصوصاً وحدت الوجود۔

۱۰۰۔ ڈاکٹر خلیق انجم صاحب نے حضرت مظہر کی اس تقریظ کا اردو ترجمہ میرزا مظہر کے خطوط' ص ۲۲۵ میں شامل کیا ہے جو مقامات مظہری سے ہی ماخوذ ہے' دراصل مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے بشارات مظہریہ میں یہ تقریظ نقل کر لی تھی (ورق ۱۹۳۔) جسے حضرت شاہ غلام علی نے مقامات میں بھی محفوظ کر لیا۔

۱۰۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ کتاب حاضر۔

۱۰۲۔ غوث علی شاہ قلندر پتی کا قول ہے کہ:

میاں غلام علی شاہ صاحب کے روبرو اگر کوئی ذکر توحید (وحدت الوجود) کرتا تو اس کو اپنی خانقاہ سے نکلوا دیا کرتے اور فرماتے کہ اس مقام میں آدمی گمراہ ہو جاتا ہے۔

(تذکرہ غوثیہ' ص ۲۷۴)

مولوی غلام یحییٰ بن نجم الدین اپنے عہد کے کبیر عالم تھے' انہیں ظاہری علوم پر بھی کامل دسترس تھی' انہوں نے سندیلہ جا کر مروجہ کتب' مدرسہ منصوریہ میں مولانا باب اللہ جونپوری سے پڑھیں اور مدت تک طلبہ کو علم کی روشنی سے بہرہ ور کرتے رہے' حافظ قرآن تھے۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۲۱۵۔۲۱۶)۔ مولوی غلام یحییٰ کے سال وفات میں تذکرہ نویسوں کا اختلاف ہے' صاحب نزہۃ الخواطر نے بحوالہ بحر زخار ۱۱۸۰ھ لکھا ہے اور مولوی رحمٰن علی نے ۱۱۲۸ھ' ص ۲۷۱)۔

لیکن ہم عصر مؤلف نعیم اللہ بہڑائچی نے ۱۱۸۶ھ لکھا ہے:

درحین حیاب آنحضرت درسنہ ہزار وصد و ہشتاد و شش ہجری در محروسہ لکھنو وفات یافتند۔

(بشارات' ورق ۱۹۴۔ا) اس سنہ کی تصدیق خود حضرت مظہر کے اس مکتوب سے بھی ہوتی ہے: ''مولوی غلام یحییٰ کی وفات کے داغ کا کوئی مرہم نہیں''۔ (مجموعہ خلیق انجم ۳۷/۱۴۶) مولوی غلام یحییٰ کی خبر (وفات) جانکاہ نے سینے میں آگ لگا دی۔

(ایضاً' ۴۶/۱۵۵)

ان دونوں مکاتیب کا سنہ تحریر ۱۱۸۶ھ ہے۔ جس سے حتمی طور پر ان کا سال وفات ۱۱۸۶ھ ہی قرار پایئے گا' تکیہ شاہ پیر محمد لکھنوی میں دفن ہوئے۔ (بشارات' ورق ۱۹۴۔ا' نزہتہ الخواطر ۶/۲۱۶)۔

۱۰۳۔ مولوی غلام محی الدین کا تعلق دکن سے تھا' صاحب بشارات مظہریہ لکھتے ہیں کہ وہ حصول فیض کے لیے دکن سے نکلے تھے نیز حضرت مظہر سے حصول فیض وخرقہ کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کے لیے ارکاٹ جانے کی اجازت چاہی ابھی راستے میں ہی تھے کہ انہیں اپنی والدہ کی وفات کی خبر ملی (ورق ۱۹۸ب) جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے والدین ارکاٹ میں رہتے تھے۔

۱۰۴۔ ملا باب اللہ اپنے عہد کے نام ور عالم تھے' ان کا اصل مسکن منور پور شمس پور ضلع اعظم گڑھ تھا۔ ان کے استاذ مولانا احمد اللہ سندیلوی تھے' انہوں نے شرح سُلم کا حاشیہ لکھا اور محلّہ خواجگی ٹولہ جون پور میں مدرسہ و خانقاہ تعمیر کر کے درس و تدریس کا آغاز کیا سال وفات معلوم نہیں ہے۔ ان کا مدفن مذکور متصل مسجد حکیم عبدالغفور ہے۔ (اقبال احمد: تاریخ شیراز ہند جون پور' مطبوعہ' جون پور' ۱۹۶۳ء' ص ۷۴۴) مولوی غلام یحیٰ بہاری مذکور انہی کے شاگرد تھے۔

۱۰۵۔ بشارات مظہریہ میں مولوی بہڑا یچی نے اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔ (ورق ۱۹۸۔ا)۔

۱۰۶۔ مولوی نعیم اللہ بہڑا یچی نے لکھا ہے کہ حضرت مظہر سے حصولِ فیض کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کے لیے ارکاٹ جا رہے تھے کہ راستے ہی میں انہیں والدہ کے انتقال کی خبر ملی تو وہیں سے ارکاٹ جانے کی بجائے حرمین الشریفین کا رخ کیا (ایضاً' ورق ۱۹۸ب) زیارت حرمین کے بعد انہوں نے مکہ ہی میں طرح اقامت ڈالی تو بہت سے طالبان حق نے ان سے فیض حاصل کیا' انہیں وہاں بہت نیک نامی نصیب ہوئی (ایضاً' ۱۹۸ب) ان کا سال وفات معلوم نہیں ہوسکا' مولوی نعیم اللہ نے لکھا ہے کہ دو سال ہوئے ہیں ان کا انتقال ہو گیا ہے:

دو سال است کہ در آنجا داغ رحلت بر دل مخلصان خود گذاشت (ایضاً' ورق ۱۹۹۔ا)۔

انہوں نے اس سفر پر جاتے ہوئے ایک عریضہ حضرت مظہر کی خدمت میں روانہ کیا تھا' جو یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت میرزا صاحب قبلہ مدظلہ العالی غلام بہ فضل الٰہی تعالیٰ و بہ طفیل حبیب او صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و توجہ آن قبلہ حقیقی بہ دہلی بہ خیریت رسیدہ و غم و الم کہ از مفارقت خدمت عالی روئداد چہ نوسید لیکن آن حالت صبر نمود و بہ موافق ارشاد عالی حاجی جمال الدین را ازین جا بہ بہانہ رخصت نمود اگر چہ مشارٌ الیہ ناخوش شدند و فردا کہ تاریخ پنجم شہر حال است ان شاء اللہ تعالیٰ بہ طرف جے نگر روانہ خواہد شد امید از جناب عالی آن ست کہ در حق غلام در ہر امر معین باشند دست بر غائبان کوتاہ نیست زیادہ بجز قدم بوس چہ عرض نماند (ایضاً، ورق ۱۹۹۔ا)۔

۱۔ رسالہ در خودنوشت حالات نعیم اللہ بہڑا ئچی، قلمی، مخزونہ کتب خانہ انڈیا آفس، لندن، ذیل میں اس اہم رسالے کے بعض مندرجات پیش کیے جا رہے ہیں:

نعیم اللہ بن غلام قطب الدین عرف ملک کالے بن ملک غلام محمد بن ملک آدم......الخ۔

حضرت خواجہ عماد خلجی کی اولاد میں سے تھے جو بہ نیت جہاد مسعود سالار غازی کے ساتھ ہندوستان آئے اور شہید ہو گئے، ان کی اولاد ہندوستان کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئی، یہ خاندان دراصل علوی نسب اور حنفی مشرب تھا لیکن مختلف زمانوں میں اس خاندان کے افراد کو سلاطین کی طرف سے ملک کا خطاب ملا، جس کی وجہ سے یہ ان کے نام کا جز بن گیا۔ اس خاندان کے افراد موروثی طور پر عالم تھے......مولوی نعیم اللہ کی وفات ۱۱۵۳ھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم کا آغاز سات سال کی عمر میں ہوا اور محمد روشن بہڑا ئچی کے حوالے کیا گیا......ایک سال میں قرآن مجید ختم کیا، تحصیل فارسی کے بعد عربی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور ۱۱۷۱ھ میں حاجی فتح علی کے ہمراہ لکھنو چلے گئے تو مولوی خلیل سے جو کہ اجل عالم تھے، صرف و نحو پڑھی، پھر شاہ جہان پور اور بریلی وغیرہ کی سیاحت کی، بریلی میں دو سال قیام کیا جہاں مولوی شہاب الدین سے تحصیل علم کی، پھر مختلف اساتذہ مولوی برکت اللہ آبادی اور مولوی سالم کی خدمت میں رہنے کے بعد واپس چلے گئے، پھر ۱۱۷۷ھ میں لکھنو آ کر تکیہ شاہ محمد عاقل میں قیام کیا، جہاں مولوی محمد، مولوی محبوب، مفتی عبدالرب لکھنوی، شیخ الحدیث حاجی احمد شاگرد شاہ ولی اللہ سے پڑھا اور ۱۱۸۶ھ میں خدا

طلبی کا شوق دامن گیر ہوا' ان ہی ایام میں حضرت مظہر کے خلیفہ اجل شیخ محمد جمیل لکھنو گئے تو مولوی نعیم اللہ نے ان سے ذکر قلبی اور طریقہ مجددیہ کا جذب حاصل کیا اور دہلی آ کر حضرت مظہر کی خدمت میں رہنے لگے' چار دن کے بعد رخصت ہوئے' پھر ۱۱۸۹ھ میں دوبارہ حاضر خدمت ہوئے اور چار سال تک خانقاہ حضرت مظہر میں قیام کیا اور اجازت مطلقہ ملی اور پھر انہوں نے واپس بہرائچ جا کر شادی کی' وہ ۱۲۰۵ھ میں حضرت مظہر کے مزار کی تعمیر کے لیے دہلی گئے پھر ۱۲۰۸ھ میں چوتھی بار دہلی گئے' ایک مرتبہ کامل ایک سال تک پانی پت میں حضرت مظہر کی خدمت میں رہے' وہ چالیس روز تک مولوی ثناء اللہ پانی پتی کی خدمت میں بھی رہے۔

۱۰۸۔ مولوی کرامت اللہ' مولوی نعیم اللہ کے بیٹے تھے ان کے نام کے ساتھ ''نسبت اخوت قبول فرزندی طریقت'' لکھا ہے (معمولات' ص۵ و انفاس الاکابر' ص۲)۔ مولوی بہرائچی کے ایک فرزند غلام احمد باقی بھی تھے (رقعات کرامت سعادت ص۲)
کرامت اللہ کے ساتھ نور محمد کو بھی انہوں نے اپنا بیٹا بتایا ہے (معمولات' ص۵)' مولوی نعیم اللہ کے ایک داماد بشارت اللہ بھی تھے' ان کا ایک بیٹا مولوی ابوالحسن' مولوی نعیم اللہ کے مزار پر متولی تھا (آئینہ اودھ' ص۱۳۵) مولوی نعیم اللہ نے اپنے حلقہ یاران میں سے ایک مولوی بہاء الدین کا بھی ذکر کیا ہے (بشارات' ورق ۱۸۷۔۱) نیز ملاحظہ ہو: مکتوبات بہرائچ مرتبہ نجم الاسلام (تحقیق ۶ ص ۱۷)

۱۰۹۔ مولوی نعیم اللہ کے خلفاء میں سے مولوی محمد احسن متوطن اٹک متصل کلکتہ اور مولوی مراد اللہ فاروقی تھانیسری (ف ۱۲۴۸ھ) بن مولوی قلندر بخش (مذکور خلیفہ حضرت مظہر) قابل ذکر ہیں۔ مولوی مراد اللہ بچپن میں اپنے والد کے ہمراہ حضرت مظہر کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے' ان کی نوعمری میں حضرت مظہر کی شہادت ہوگئی اور تھانیسر پر سکھوں کا قبضہ ہوگیا تو مولوی مراد اللہ' مولوی نعیم اللہ سے منسلک ہو کر ان کے خلیفہ و جانشین بنے' ان کے خلفاء میں سے مولوی غلام رسول کانپوری اور مولوی ابوالحسن نصیر آبادی قابل ذکر ہیں۔
مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے ۱۲۱۸ھ میں وفات پائی (دیباچہ ابوالحسن بر معمولات مظہریہ' ص۲)

ان کا مزار بہڑائچ میں متصل آبادی میں واقع ہے (آئینہ اودھ، ص ۱۳۵)۔
مولوی نعیم اللہ حضرت مظہر کے اولین سوانح نگاروں میں سے ہیں، حضرت مظہر سے متعلق جتنی ثقہ روایات اب تک ہمیں دستیاب ہوئی ہیں وہ انہی کی تصانیف کے ذریعے محفوظ ہیں، اس باب میں ان کی بشارات مظہریہ، معمولات مظہریہ، رسالہ در احوال خود، مجموعہ مکتوبات حضرت مظہر (مطبوعہ مطبع فتح الاخبار، کول)، انفاس الاکابر اور انوار الضمائر (در شرح کلمات حضرت مظہر) و رسالہ شمسیہ مظہریہ قلمی مخزونہ کتابخانہ خانقاہ کاظمیہ کاکوری (برہان، مارچ ۱۹۸۴ء، ص ۱۵۳) کا تعلق حضرت مظہر سے ہے، ان کے علاوہ حاشیہ میر زاہد اور حاشیہ ملا جلال، ان کی تالیفات سے ہیں۔
مکتوبات بہڑائچ مرتبہ ڈاکٹر نجم الاسلام مشمولہ تحقیق (شمارہ ۵۔۱۹۹۲) اس مجموعہ میں سلسلہ مظہریہ سے منسلک افراد کے خطوط ہیں جو خانقاہ بہڑائچ میں محفوظ ہیں۔
مولوی محمد کلیم کے نبیرے مولوی عبدالرحمٰن سلہٹی نے سیف الابرار کے خاتمہ پر اپنے اجداد کے حالات لکھے ہیں اس میں مولوی محمد کلیم کی قیام دہلی کی مدت اٹھارہ سال بتائی ہے، (ص ۷٦)۔
ان کا مسکن مرشد آباد تھا، ان کے اجداد بنگالہ میں آ کر مقیم ہو گئے تھے (ایضاً)۔
مولوی محمد کلیم بنگالی کا نام مقامات مظہری (کتاب حاضر) اور بشارات مظہریہ میں کلیم اللہ لکھا ہوا ہے، جو سہو کتابت معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ معتبر تحریرات میں ان کا نام محمد کلیم ہے، خود ان کے نبیرے مولوی عبدالرحمٰن سلہٹی نے سیف الابرار میں محمد کلیم ہی لکھا ہے (ص ٦٦)، حضرت مظہر کا ایک مکتوب (نمبر ۵۳ مجموعہ خلیق انجم، ص ۱٦۳) میں ان کا نام محمد کلیم ہے اور مکاتیب حضرت مظہر (مجموعہ قریشی) میں بھی کئی مکتوبات میں ان کا ذکر آیا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا خیال ہے کہ یہ مکتوبات مولوی محمد کلیم کے قیام دہلی کے دوران لکھے گئے تھے (لوائح، ص ۱۲۰)۔
مکتوب نمبر ۵۳ میں حضرت مظہر انہیں لکھتے ہیں کہ اس وقت اس علاقہ کے لوگوں کی حالت خراب ہے، اس مکتوب سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مولوی محمد کلیم کے نواب بنگال قاسم علی خان (۱۷٦۰۔۱۷٦۳ء) سے قریبی تعلقات تھے، خود مولوی محمد کلیم کا ایک مکتوب بنام حضرت مظہر، خانقاہ ملا نسیم (اوچ، دیر) میں محفوظ ہے، جسے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے لوائح میں نقل کیا

ہے (ص ۱۲۱)۔

ان کے نبیرے مولوی عبدالرحمٰن سلہٹی بن محمد ادریس بن محمد محمود بن محمد کلیم جو کہ خود ذی علم بزرگ
تھے اور احسن العقائد اور سیف الابرار المسلول علی الفجار (بزبان فارسی رد مولوی نذیر حسین
دہلوی) کے مؤلف بھی ہیں' سیف الابرار کے خاتمہ پر اپنے اجداد کے جو حالات لکھے ہیں' ا
کی تلخیص ذیل میں دی جا رہی ہے: باپ کی طرف سے ان کا نسب حضرت عمر فاروق رضی ال
تعالٰی عنہ سے ملتا ہے' ان کے اجداد میں سے عبدالرحیم پہلے بزرگ ہیں جو مدینہ منورہ سے بغد
میں منتقل ہوئے پھر بغداد سے ہرات چلے گئے' ان کا شغل تعلیم و تعلم تھا' ان کے اجداد میں
عبدالکریم کو ہرات سے نکال دیا گیا' وہ وہاں سے بنگال (ہندوستان) آ کر مقیم ہو گئے' وہا
انہوں نے نکاح کیا' جس سے ایک فرزند محمد صالح تولد ہوئے تو وہ بیوی بچوں کے ساتھ
ہرات گئے' لیکن دوبارہ بنگال آ گئے' محمد صالح کے فرزند ملا محمد رفیع تھے اور ان کے صاجزاد
(صاحب ترجمہ) مولوی محمد کلیم تھے' جو محمد شاہ بادشاہ ہندوستان کے استاد بھی تھے اور ان کے تی
بیٹے تھے' اوّل محمد اسرائیل جو مرشد آباد کے قاضی القضاۃ اور پھر کلکتہ کے قاضی القضاۃ مقر
ہوئے' دوسرے ابوسعید محمد محمود' جن کا نواب و ناظم عاقبت محمود خان سے قریبی تعلق تھا اور تیسر
احمد جو کہ ڈھاکہ میں مفتی تھے (سیف الابرار' مطبوعہ استنبول' ترکی' ۱۹۷۷ء' ص ۶۵۔۶۶)۔

۱۱۳۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کے مرتبہ مجموعہ مکاتیب حضرت مظہر میں چند مرتبہ میر روح الامین
کا ذکر آیا ہے مثلاً میاں روح الامین جیو سمت وطن خود رفتہ (لوائح ۱۴۶)' عریضہ علیحدہ میاں
صاحب بہ سبب حاضر نشدن میاں روح الامین جیو مرسل نہ شد (ایضاً ص ۱۷۴)' روح الامین
عرض تسلیمات دارد (ایضاً ص ۲۰۳)۔

۱۱۴۔ شرح الصدور (بشرح حال الموتی والقبور)' امام جلال الدین سیوطی کی تالیف ہے' کئی مرتبہ
چھپ چکی ہے۔

۱۱۵۔ شرح الصدور' طبع مصر' ۱۹۶۰ء' ص ۸۰ کا جو مطبوعہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہے' اس میں اس روایت
میں سیب دیے جانے کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۱۱۶۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے لکھا ہے کہ حضرت مظہر سے منسلک ہونے سے پہلے شاہ محمد شفیع نے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے استفادہ باطنی کیا تھا:

ایشان اول ذکر این طریقہ در خدمت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گرفتند

(بشارات، ورق ۲۰۱۔۱)

اس لیے ہمارا خیال ہے کہ متن مقاماتِ مظہری میں کسی بزرگ سے شاہ ولی اللہ ہی مراد ہیں۔

۱۱۷۔ حضرت مظہر کے حین حیات ہی مرض فتق میں انتقال ہو گیا تھا اور احاطہ مزار شاہ ولی اللہ، دہلی میں دفن ہوئے، جس کا ذکر خود حضرت مظہر نے کیا ہے (مکتوب نمبر ۳۳ کلمات طیبات، بشارات مظہریہ، ورق ۲۰۱۔۱)۔

لوائح خانقاہ مظہریہ مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان میں متوسلین حضرت مظہر کی آپس میں مکاتبت میں عبدالرسول بن میاں محمد شفیع ساکن قصبہ بٹالہ (پنجاب) کا نام کئی مرتبہ آیا ہے، ممکن ہے عبدالرسول صاحب ترجمہ کے بیٹے ہوں لیکن یہ محض قیاس ہے۔

۱۱۸۔ ہمارے پیش نظر بشاراتِ مظہریہ کا ایک ایسا قلمی نسخہ (برٹش میوزیم) ہے جس پر جا بجا مصنف مقاماتِ مظہری (حضرت غلام علی کے حواشی ہیں، متعلقہ حاشیہ پر انہوں نے لکھا ہے:

محمد حسین و محمد واصل از ٹھٹھہ بہ دہلی آمدند و از حضرت محمد زمان زبیری تا ہژدہ (۱۸) سال استفادہ کردند اشواق و بے خودی ممتد کہ ہمہ شب واجب می نشستند (ورق ۱۸۶۔۱)۔

گویا یہ دونوں ٹھٹھوی طالب حق، پہلے خواجہ محمد زمان زبیری سے منسلک ہوئے تھے۔

۱۱۔ تیرے خنجر ناز نے تنہا مجھے ہی قتل نہیں کیا، اللہ جانتا ہے کہ سارا جہان قتیل ہے۔

۱۲۔ بشارات مظہریہ کے حاشیہ پر ان کا وطن (مسکن) ٹھٹھہ لکھا ہوا ہے ''از ٹھٹھہ بہ دہلی آمدند'' (ورق ۱۸۶۔۱)۔

۱۔ حضرت غلام قادر شاہ بٹالوی بن حضرت شیخ محمد فاضل الدین بٹالوی، بارھویں صدی ہجری کے پنجاب کی نامور شخصیات میں سے تھے، انتقال ۱۱۷۶ھ/۶۲-۱۷۶۲ء میں ہوا، اپنے والد کے جانشین بنے، پنجاب کے نامور حضرات نے ان سے ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا، کئی کتابوں کے مصنف تھے، جن میں سے صفاء المرآت، نہایت الکمال اور رمز العشق زیادہ مشہور ہیں، ان میں مثنوی رمز العشق اردو میں ہے، اور ادب اردو کے قدیم نمونوں میں خاصی اہمیت رکھتی ہے، محمود

شیرانی: پنجاب میں اردو، ص ۳۲۳۔۳۲۸۔ شرائف غوثیہ، قلمی، (ورق ۱۲۹، ب)۔

۱۲۲۔ صوفی محمد میر بھی شیخ محمد عابد سنامی کے خلیفہ تھے دیکھیے:
فصل احوال شیخ سنامی، ص ۳۵۱۔

۱۲۳۔ ایضاً، فصل احوال شیخ سنامی۔

۱۲۴۔ مولوی غلام حسین کے بارے میں حضرت مظہر غلام عسکری خان کو لکھتے ہیں:

مولوی غلام حسین نام ایک فاضل جو اخوان حلقہ اور یاران قدیم میں ہیں، قصبہ تھانہ کے رہنے والے، فاروقی النسب، نجیب اور مہذب، نجیب الدولہ کے ہاں بہ عنوان فضیلت ملازم ہیں، اس سے پہلے انہوں نے اپنی قوم میں شادی کی تھی لیکن ان کے ہاں لڑکا نہیں ہوا اور (بیوی) کی موافقت بھی پسند نہیں آئی بلکہ سکونت وطن سے بھی خوش نہیں۔ فقیر کی صحبت پسند کی اور دہلی میں مستقل قیام کر لیا اور دوسری شادی کا ارادہ کیا...... (مجموعہ خلیق انجم ۸۹/ ۲۱۷)۔

۱۲۵۔ مولوی نعیم اللہ نے ان کا مسکن شہر بردوان بتایا ہے ''در شہر بردوان با جمعیت تمام با طالبان حق بسری برند'' (بشارات، ورق ۱۸۵ ب) بردوان، بنگال میں ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Imperial Gazetteer of India, Oxford, 1909, vol. 1X. pp.89-103

۱۲۶۔ حضرت مظہر اور ان کے درمیان نہایت مخلصانہ تعلقات تھے، انہی کی وجہ سے حضرت مظہر اکثر سنبھل جایا کرتے تھے اور انہی کے مکان پر قیام فرماتے تھے (بشارات، ورق ۲۰۲)۔

۱۲۷۔ نواب ارشاد خان کے فرزند ظفر علی خان بھی حضرت مظہر کے کنار پروردہ تھے، بقول مولوی نعیم اللہ:

ایشان نیز از یاران مجاز آنحضرت اند و کنار پرورده و تعلیم کرده ایشان باین همه نظر التفات نیز بایشان میداشتند (بشارات، ص ۲۰۳)۔

نواب ارشاد خان کی وفات کے بعد سرداران بسولی نے ظفر علی خان سے تعلقات بحال رکھے تھے (مکاتیب مظہر، مجموعہ خلیق انجم، ص ۱۲۵) حضرت مظہر مولوی ثناء اللہ سنبھلی کو لکھتے ہیں: جو کچھ آپ نے برخوردار ظفر علی خان کے بارے میں لکھا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے......اس کی انہا

خوبیوں نے مجھے اپنا شکار کر رکھا ہے، ورنہ مجھ جیسے آزاد انسان کو جسے خود اپنی فکر نہیں کسی دوسرے سے کیا مطلب...... مجھے دنیا میں اس سے زیادہ کوئی عزیز نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی ماں باپ کی جگہ اس کی خبر گیری کرنے والے کی بجائے سب کچھ میں ہی ہوں، وہ میرے ساتھ ارادت، فرزندی و غلامی اور بندگی کے آداب بجالاتا ہے......اس سے کہیے کہ ہر صبح فقیر کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا کرے...... (ایضاً، ص۱۳۲۔۱۳۳) وہ ایسا انمول ہیرا ہے جس کی کوئی قیمت نہیں، فقیر بے وجہ اس کا عاشق نہیں ہے (ایضاً، ص۱۳۵)، حافظ رحمت خان صاحب نے ان کو اپنے ساتھ رکھنے اور روزگار دینے کا وعدہ کیا تھا اس لیے ظفر علی نے پیلی بھیت کا قصد کیا ہے (ایضاً، ص۱۵۳) وہ اپنے اقربا کے ساتھ قضیہ کی وجہ سے شجاع الدولہ کے لشکر میں چلا گیا ہے (مجموعہ قریشی، ص۱۰۵) نیز دیکھیے لوائح، ص۳۳، ۳۴، ۶۷، ۷۰، ۷۲، ۷۴، ۷۹، ۸۴، ۹۳، ۱۰۰، ۱۶۳، ۱۷۶، ۱۸۹، ۲۰۵۔ ان کے نام حضرت مظہر کا ایک مکتوب بھی ہے (مجموعہ خلیق انجم، ص۱۵۱)۔

۱۲۸۔ مولوی نعیم اللہ نے لکھا ہے کہ نواب ارشاد خان شیعہ مذہب رکھتے تھے لیکن بعد میں حضرت مظہر کی صحبت سے سارے خاندان سمیت مذہب اہل سنت سے مشرف ہوئے (بشارات، ورق ۲۰۲ب)۔ نواب ارشاد خان کا خطاب اعتضاد الدولہ تھا، ان کے والد نواب امین الدولہ، شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے تھے (مکتوب حضرت مظہر نمبر ۴۴، مجموعہ خلیق انجم، ص۱۵۳)، امین الدولہ سنبھل کے شیخ زادوں میں سے تھے ان کی ملازمت کا آغاز جہاندار شاہ کی نوکری سے ہوا اور فرخ سیر کے عہد میں یساول مقرر ہوئے، محمد شاہ کے عہد میں میر توزک، پھر منصب چہار ہزاری پھر چھ ہزار ذات، چھ ہزار سوار کا منصب اور امین الدولہ (نام امین الدین) تین لاکھ روپے کی آمدنی کا محل سنبھل میں ملا، ان کا انتقال ۱۷۳۹ء میں ہوا (حاشیہ محمد ایوب قادری بر مآثر الامراء، ۱/۳۵۳ بحوالہ تذکرۃ الامراء)، غلام محمد خان اور کرم علی خان، امین الدولہ کے نبیرے تھے، اس خاندان کے آخری نمائندے نواب عاشق حسین خان (ف۱۹۴۲ء)، رئیس سنبھل تھے (ایضاً ۱/۳۵۳)۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کے تعین (قیاسی) کے مطابق نواب ارشاد خان کا انتقال ۱۳ ربیع الآخر ۱۱۷۶ھ میں ہوا۔ لوائح، ص۳۴)۔

۱۲۹۔ مشکوۃ المصابیح، بہ تحقیق محمد ناصر الدین الالبانی، طبع دمشق، ۱۹۶۱ء، ۲/۳۴۰، نمبر ۳۷۵۶۔

۱۳۰۔ مولوی نعیم اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت مظہر کی شہادت کے بعد ملا نور محمد نے ''بہ کمال بے ظرفی عرق کبر و افغانیت'' دعویٰ کیا کہ مجھے حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت خواجہ نقشبند سے براہ راست فیض پہنچا ہے، درمیان کے واسطے نہیں ہیں، جب یہ خبر عام ہوئی تو حضرت مظہر نے اسے خواب میں تنبیہ کی، تو اس نے مزار حضرت مظہر پر حاضر ہو کر معافی چاہی لیکن شفا باطنی نہ ہو سکی اور اسی حالت میں انتقال ہو گیا (بشارات ورق ۲۰۴۔ا)۔

۱۳۱۔ لوائح خانقاہ مظہریہ میں شامل مکاتیب میں ''ملا نور محمد'' نامی ایک شخصیت کا ذکر کئی مرتبہ آیا ہے (ص ۱۵، ۱۶، ۲۴۲) لیکن حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے مراد یہی صاحب ترجمہ ملا نور محمد قندھاری ہیں یا کوئی دوسری شخصیت ہیں، رقعہ شاہ علی بنام ملا نسیم میں ہے کہ ملا نور محمد کا تپ دق کے مرض میں انتقال ہو گیا ہے (ایضاً، ۲۴۲)۔

۱۳۲۔ اخوند ملا محمد نسیم، حضرت مظہر کے مخصوص خلفاء میں سے تھے۔ مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے حضرت مظہر اور اخوند نسیم مع متوسلین کے مابین مکاتبت کو کتابی صورت میں لوائح خانقاہ مظہریہ کے نام سے حیدرآباد، سندھ سے ۱۹۷۵ء میں شائع کر کے نہ صرف اس خانوادے کو علمی دنیا سے روشناس کروایا ہے بلکہ ایک عظیم الشان علمی ذخیرہ ان کی اس کاوش سے محفوظ ہو گیا ہے، راقم محمد اقبال مجددی، ڈاکٹر صاحب کی نشان دہی پر اخوند ملا محمد نسیم کی خانقاہ واقع موضع اوچ (ریاست دیر، صوبہ سرحد، پاکستان کی زیارت کے لیے جولائی ۱۹۷۷ء کو گیا، وہاں ایک الماری مخطوطات کی اور ایک شوکیس تبرکات سے بھرا ہوا ہے، جس کی معتقدین کو سال میں مقررہ تاریخوں کو زیارت کروائی جاتی ہے، ڈاکٹر صاحب نے نشان دہی فرمائی ہے کہ ان تبرکات میں حضرت میرزا مظہر کا وہ چغہ بھی ہے جس میں ان کی شہادت ہوئی تھی (لوائح، ص ۲) اور سلسلہ مظہریہ کے دو سو ایسے مکتوبات بھی محفوظ ہیں جو اس سلسلے کے متوسلین نے ایک دوسرے کو لکھے تھے، ان میں سے اکثر مکتوبات ایسے ہیں جو اس سے پہلے کبھی شائع نہیں ہوئے تھے گویا خانقاہ حضرت مظہر کے ریکارڈ کا ایک بڑا حصہ ہے جو یہاں محفوظ رہ گیا ہے، اور دہلی کے نشیب و فراز سے دور پرسکون پہاڑوں (اوچ) کے دامن میں اپنی بہار دکھا رہا ہے۔

علم صرف کی ایک قلمی کتاب پر حضرت اخوند محمد نسیم کی یہ تین مہریں ثبت ہیں:
ز لطف عزیز الحکیم۔ برآمد ز باغ محمد نسیم ۱۲۲۲ھ (دو عدد)۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از باغ محمد نسیم۔
ان مواہیر کے عکس ہم نے کتاب حاضر میں شامل کر دیے ہیں۔
ملا نسیم کے نام حضرت مظہر کے سات مکتوبات لوائح میں نقل ہوئے ہیں' (ص ۴۰۔۳۰)۔
ملا نسیم' حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے بھی منسلک رہے ہیں' اوچ کے اس مجموعے میں حضرت مظہر کا ایک مکتوب (بنام قاضی صاحب) ایسا بھی ہے' جس میں ملا نسیم کے لیے سفارش کی گئی ہے کہ وہ آپ کے پاس آ رہے ہیں' انہیں توجہ دیں' (مکتوب نمبر ۱' لوائح)۔ حضرت کے مکتوب نمبر ۵ بنام ملا نسیم میں ہے کہ نجیب خان (نجیب الدولہ) کا لشکر کفار سکھ کے قلع قمع کے لیے آیا تھا۔

۱۳۳۔ بشارات مظہریہ میں ہے: یہ عزیز باوجود دولت اجازت ارشاد ہر سال پشاور (اس وقت اوچ سے قریب ترین مشہور شہر پشاور ہی تھا) سے آتے اور حضرت کی صحبت سے مستفید ہوتے (ورق ۱۸۵)۔ مولوی نعیم اللہ مزید لکھتے ہیں:

دران مملکت (اوچ' دیر) اعتبار مشیخت واشتہار کشف وکرامات بسیار دارد (ایضاً)

اخوند ملا نسیم کا سال وفات ان کے مزار مبارک پر ۱۲۳۱ھ کندہ ہے' اس وقت صاحب زادہ جمیل احمد صاحب سجادہ نشین ہیں۔

۱۳۴۔ مولوی نعیم اللہ بہڑا ئچی نے جوان سے رام پور میں ملے تھے' لکھا ہے کہ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مظہر میری فقاہت کے معترف تھے اور اس باب میں انہیں مجھ پر اعتماد تھا اور مجھے اچھا فقیہ تسلیم کرتے تھے:

حضرت را بر فقاہت من بسیار اعتماد بودہ ہر مسئلہ کہ پرسیدند' چون جواب آن عرض می کردم می فرمودند کہ تو خوب فقیہ ہستی۔ (بشارات' ورق ۱۸۳ھ)۔

۱۳۵۔ ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء تک رام پور میں مقیم تھے اور "تعلیم وتربیت طالبان" میں معروف تھے' سنہ مذکور میں نعیم اللہ بہڑا ئچی کی ان سے ملاقات ہوئی تھی' لکھتے ہیں:

ایشان (ملا عبدالرزاق) نیز از منتہیان طریق واصحاب قدیم آنحضرت اند' حالاً از رام

پورنواب فیض اللہ خان با طالبان حق اشتغال وسکونت دارند' فقیر کاتب بہ تقریبی درسال گزشتہ یعنی ہزار و دوصد و پنج ہجری در پرگنہ رام پور وارد شدہ بود چون شرف التفاتی خدمت شریف ایشان دریافتہ از فقیر بسیار خوش شدند و اوصاف و اخلاق وصحبت ہای عصر آنحضرت یاد فرمودہ (ایضاً ورق ۱۸۳ 'ب)۔

حضرت مظہر کا ایک مکتوب ملا عبدالرزاق کے نام بھی ہے۔ (مجموعہ خلیق انجم ۱۶۱/۵۱) مولوی عبدالرزاق پیلی پھیت میں بھی مقیم رہے ہیں (مکتوب حضرت مظہر نمبر ۴۹' مجموعہ خلیق انجم' ص ۱۵۸)۔

مولوی نعیم اللہ بہڑا یچی ۱۲۰۵ھ میں ان سے ملے تھے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنہ مذکورہ تک بقید حیات تھے' حضرت مظہر کے متوسلین میں سے عبدالرزاق نام کے دو افراد ہیں ایک صاحب ترجمہ ہذا ساکن رام پور اور دوسرے ساکن پشاور جن کا ذکر لوائح خانقاہ مظہریہ میں شامل مکاتیب میں آیا ہے' ایک مکتوب (۲۶۲/۱۹۲) میں ان کے نام کے ساتھ پشاوری بھی تحریر ہے۔

۱۳۶۔ مولوی نعیم اللہ بہڑا یچی نے حضرت مظہر سے منسلک جن تین شخصیتوں کے رام پور یعنی بلاد ولایت روہیلہ میں مقیم اور مصروف ارشاد پایا ان میں ملا عبداللہ کا نام بھی ہے۔ (بشارات' ورق ۱۸۵ ب) گویا ان کا مسکن رام پور تھا۔

۱۳۷۔ ان کا وطن (مسکن) بھی رام پور تھا' مولوی نعیم اللہ بہڑا یچی نے ان سے ۱۲۰۵ھ میں رام پور میں ملاقات کی تھی...... ''درسال گذشتہ از فقیر نیز دررام پور ملاقات کردہ بود'' (بشارات' ۱۸۶۔۱)۔

۱۳۸۔ بشارات مظہریہ میں ہے: از دست ایشان بسیار از مشرکان ہنود بہ نور ایمان رسیدند۔ ایضاً ۱۸۵ ب)۔

۱۳۹۔ مولوی نعیم اللہ رام پور میں ان سے ۱۲۰۵ھ میں ملے تھے اور اس سے پہلے انہوں نے اسی سنہ میں ملا نور محمد قندھاری سے رام پور میں اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے' وہ اس موقع پر دو متوسلین یعنی ملا تیمور اور ملا عبداللہ سے ملاقات کا ذکر کرتے ہیں:

درسال گزشتہ (۱۲۰۵ھ) از فقیر نیز دررام پور ملاقات کردہ بود' احوال ایشان بغایت بلند نقل می کرد کہ این ہر سہ عزیزان در بلاد ولایت روہیلہ بمقام خود ہا شیخ وقت ومقتدی

زمانند خدا ارشاد و ہدایت ایشان تا قیامت جاری دارد (ایضاً ۱۸۶)۔

گویا ملا تیمور کا مسکن بھی رام پور ہی تھا۔

لوائح خانقاہ مظہریہ میں ملا تیمر اور ملا تیمور دونوں طرح سے آتا ہے' ان کے نام عبدالعزیز خان کا ایک خط بھی لوائح میں ہے (نمبر ۶۳' ص ۲۲۳)۔

ملا تیمور خان کے حالات نسمات القدس ۸۸ میں قابل توجہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

اٹھارھویں فصل

آپ کے بعض وہ مکتوبات جو آپ نے اپنے مخلصین کو لکھے

پہلا مکتوب

(خودنوشت حالات حضرت مظہر)

برخوردارتم نے مکرر التماس (۱۰۳) کیا ہے کہ میں اپنا حسب ونسب لکھوں، چوں کہ اس میں زیادہ فائدہ نہیں تھا اس لیے غفلت برتی گئی لیکن چوں کہ اس وقت تمہاری سماجت حد سے گزر گئی ہے، اس لیے مختصر طور پر تحریر کیا جاتا ہے:

حقیقت یہ ہے کہ اس فقیر کے سرمایہ وجود کا آغاز ایک قطرہ آب اور انجام ایک مشت خاک ہے، اس عالم امتحان میں اس خاکسار کا نسب اٹھائیس واسطوں سے بتوسط (حضرت) محمد بن حنفیہ، شیر بیشۂ کبریا علی مرتضٰی علیہ التحیۃ والثناء تک پہنچتا ہے۔

میرے اجداد میں سے امیر کمال الدین طائف سے آٹھویں صدی ہجری میں کسی تقریب سے ترکستان گئے تھے، انہوں نے وہاں کے ایک حاکم کی بیٹی سے جوالوس قاقشالان کا سردار تھا، شادی کر لی اور تقرب حاصل ہوگیا، چوں کہ اس کی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے اس علاقے کی حکومت ان (امیر کمال الدین) کی اولاد سے متعلق ہوگئی۔

ہمایوں بادشاہ نے جب ہندوستان کی مملکت سوری افغانوں سے واپس لی تو وہ اس خاندان کے دو بھائیوں، محبوب خان اور بابا خان کو جو تین واسطوں سے امیر کمال الدین کی اولاد سے تھے، ہمراہ لایا، ان

دونوں کے حالات عہد اکبری کی تواریخ [1] میں ملتے ہیں اور ان بزرگوں کا مادری نسب امیر صاحبقران (تیمور) تک پہنچتا ہے' میرا نسب صرف چار واسطوں سے باباخان پر منتہی ہوتا ہے' خان مذکور (باباخان) نے عہد اکبری میں بغاوت کی تھی' جس کے جرم کی سزا میں میرے والد (مرزا جان) کم منصبی کا شکار رہے' انہوں نے عمر کا بڑا حصہ اورنگ زیب بادشاہ کی خدمت میں گزارا [2] آخر ترک دنیا کی دولت کا اعزاز و افتخار حاصل ہوا اور انہوں نے طریقہ قادریہ کے ایک خلیفہ (شاہ عبدالرحمٰن دہلوی) سے استفادہ کیا اور انہوں نے ۱۱۳۰ ہجری میں وصال فرمایا [3]

میری ولادت ۱۱۱۳ھ [4] کو ہوئی' سولہ سال کی عمر میں یتیم ہو گیا' بیس سال کی عمر میں کمر ہمت باندھ کر دنیا سے کنارہ کش ہوا اور راہ فقر میں سعی شروع کر دی۔

(اس وقت کے) مروجہ علوم میں نے والد کی زندگی میں ہی پڑھ لیے تھے' حاجی محمد افضل سیالکوٹی [5] شاگرد شیخ المحدثین شیخ عبداللہ بن سالم مکی کی خدمت میں کتب حدیث پڑھیں اور حافظ عبدالرسول دہلوی تلمیذ شیخ القراء شیخ عبدالخالق شوقی سے قرآن مجید سند کیا۔

طریقہ نقشبندیہ کا ذکر' خرقہ اور اجازت مطلقہ جناب سید السادات سید نور محمد بدایونی [6] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو دو واسطوں [7] سے حضرت قیوم ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسلک تھے' حاصل کی اور عمر کا ایک حصہ ان کی خدمت میں گزارا' ان کی وفات کے بعد اس طریقہ (نقشبندیہ) کے متعدد مشائخ سے استفادہ کیا۔

آخر حضرت شیخ الشیوخ شیخ محمد عابد سنامی [8] رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا سلسلہ طریقت بھی دو واسطوں [9] سے حضرت مجدد (۱۰۴) رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے' کے آستانہ فیض آشیانہ پر جبہہ سائی کی اور مدت تک ان کی خدمت کر کے طریقہ قادریہ' سہروردیہ اور چشتیہ کا خرقہ اور اجازت حاصل کی۔

اور آج تک جب کہ ۱۱۸۵ ہجری ہے' ان حضرات کے حکم سے طالبان خدا کی تربیت میں مشغول ہوں' خدا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے خاتمہ بالخیر کرے۔

دوسرا مکتوب

طریقہ نقشبندیہ کے متوسلین کے احوال پر اعتراض کا جواب جو انتہائی بلند مقامات کے دعوے کرتے ہیں

مخدوما! تم نے دو شبہات لکھے ہیں: اوّل یہ کہ حضرات سرہند (اولاد و خلفائے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہم) بلند مقامات کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے آثار اولیائے متقدمین کی طرح ظاہر نہیں ہوتے۔ دوم یہ کہ وہ اپنے مریدوں کو شاندار بشارات دیتے ہیں لیکن ان کے حالات ان بشارات پر دلالت نہیں کرتے' اس طرح تو ان کی نہ صرف ان سے برابری بلکہ ان پر فضیلت لازم آتی ہے جو بعید معلوم ہوتی ہے۔

جواب شبہہ اوّل: جاننا چاہیے کہ اگلے بزرگوں نے بھی (مراتب) فنا کی تحقیق کے باوجود اعلیٰ کمالات کا دعویٰ کیا ہے اور اس طبقہ کی کتابیں [۱۰] ان مطالب سے بھری پڑی ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ اس طبقے کی ایک جماعت تو ان اُمور کے اظہار پر مامور ہے اور ایک کو غلبہ سکر کے باعث معذور قرار دیا گیا ہے پس ان کے معاملے میں ان دونوں احتمالات میں سے کوئی ایک سمجھ لینا چاہیے سوائے نبوت کے کوئی کمال بنیادی طور پر ختم نہیں ہوا اور مبداء فیاض سے بخل اور دریغ ممکن نہیں ہے' اس لیے ان بزرگوں کے حق میں حسن ظن سے کیا چیز مانع ہے؟ آخر یہ صلحائے مسلمین میں سے ہیں اور اگر آثار کمال کے ظہور سے استقامت مراد ہے تو یہ فوق کرامت ہے پس اس طریقہ کے قوی اصحاب سے پوری قوت کے ساتھ اس کا اظہار ہوا ہے' ضعفاء پر اعتبار نہیں ہے اور اگر آثار (کمال) سے مراد کرامات اور مکاشفات کا ظہور ہے جسے عوام پسند کرتے ہیں تو یہ مقدمات صوفیہ کے نزدیک نہ تو ولایت کے لیے شرط ہیں اور نہ لازم [۱۱]

یہ مخفی نہیں ہے کہ صحابہ کرام سے جو کہ تمام اُمت مرحومہ میں افضل ہیں ایسے اُمور بہت کم ظاہر ہوئے ہیں چوں کہ اس طریقہ (نقشبندیہ) کے مجاہدات اور ریاضتیں صحابہ کرام اور تابعین کے مطابق اور کتاب و سنت کے اتباع میں ہیں' اس لیے اس طریقہ کے اکابر کا ذوق و وجدان بھی صحابہ کے مطابق ہے [۱۲] فلا تکن من الممترین [۱۳] (پس تم شک کرنے والوں میں نہ ہونا)۔

شبہ دوم کا جواب یہ ہے کہ اہل کمال کے باطنی آثار معلوم کرنا آسان کام نہیں ہے، خاص طور سے اس طریقہ کی نسبت بے کیف معلوم کرنا ہر عمرو زید کے بس کی بات نہیں ہے لیکن جو لوگ صحیح فراست کے مالک ہیں ان سے یہ بات مخفی نہیں رہتی اور آثارِ ظاہری میں جس میں کثرت طاعت و ریاضت اور افراط ذوق و شوق اور تجرید و انقطاع از دنیا شامل ہیں، اہل اخلاص و ریا اور اربابِ حق و باطل سب شریک ہیں اور احیاناً گناہوں کے سرزد ہو جانے سے معصومین کے سوا کوئی محفوظ (۱۰۵) نہیں ہے [۱۴]

سچ تو یہ ہے کہ نبوت کا زمانہ دور ہونے اور قیامت کے قریب ہونے کی وجہ سے ظاہری و باطنی اُمور میں مکمل طور پر ضعف آ گیا ہے لیکن یہ بشارتیں بے حقیقت نہیں ہیں، ایسی بشارات سے مشائخ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرید اس مقام سے قدرے بہرہ ور ہوا ہے نہ یہ کہ مشہور اولیاء کی طرح اس مقام میں اس نے قوت اور رفعت حاصل کر لی ہے جس سے مساوات لازم آئے اگر ایک اچھی استعداد والا طالب عمر کا ایک حصہ اس جدوجہد میں صرف کرے اور ان بزرگوں کی دولت (باطنی استعداد) میں شریک بن جائے تو یہ محالات میں سے نہیں ہے:

فیض روح القدس از باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد [۱۵]

جاننا چاہیے کہ ان حضرات کی نسبت انعکاسی ہے بالکل اسی طرح جیسے آئینہ میں سورج کی روشنی کا انعکاس، پیر کے انوار آئینہ (قلب) مرید پر نقش ہونے کے لیے بہت وقت درکار ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ انعکاس یقین میں بدل جائے اور مرید کمال و تکمیل کے مرتبہ کو پہنچ جائے بعض اوقات مقام کا عکس مرید کے آئینۂ باطن میں پڑنے لگتا ہے اور وہ مقام مرتبہ تحقیق تک نہیں پہنچا ہوتا، اور پیر کشف دقیق اور نظر تحقیق کو کام میں لائے بغیر مرید کو اس مقام کی بشارت دے دیتا ہے اور (پیر سے) جدا ہونے کے بعد وہ نسبت جو بشرط محاذات [۱۶] ظاہر ہوئی تھی چھپ جاتی ہے پس اگر آثار ظاہر نہ ہوں تو بڑی بات ہے، یہ غلطیاں خصوصاً اس دور میں بہت رواج پا گئی ہیں۔ کیوں کہ پیروں میں کشفی نسبت بہت کمیاب ہے اور پھر مریدین بھی ضعف ہمت کے باعث اجازت ارشاد اور بشارات مقام کے لیے بے چین رہتے ہیں [۱۷]

تیسرا مکتوب

صوفیہ کی اصطلاح میں لفظ نسبت کے معنی

تم نے پوچھا تھا کہ صوفیہ کی اصطلاح میں لفظ نسبت کے کیا معنی ہیں؟

جاننا چاہیے کہ عربی لغت میں لفظ نسبت کا مطلب طرفین کا تعلق ہے اور صوفیہ کی اصطلاح [۱۸] میں یہاں وہ تعلق مراد ہے جو خدا اور بندوں کے درمیان ہوتا ہے جسے متکلمین صانع اور مصنوع کے تعلق سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے کوزے کی نسبت کمہار سے ہوتی ہے اور بظاہر کتاب و سنت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اگر صوفیہ وحدت الوجود کے ماننے والے ہیں تو وہ اس نسبت کی تعبیر کثرت میں وحدت کے ظہور سے کرتے ہیں، جیسے موج و حباب کی صورت میں پانی کا ظہور، وہ کہتے ہیں کہ یہ کثرت ہماری حقیقی وحدت پر کبھی حاوی نہیں ہوتی، اس تعبیر کا ماحاصل حق سے خلق کا عینیہ اثبات ہے اور اس کے مفہوم کو تاویلات اور تمثیلات کے ساتھ عقلی و شرعی طور پر پیش کرتے ہیں۔

اگر صوفیہ وحدت الشہود سے تعلق رکھتے ہیں تو اس نسبت کو اصل اور ظل کے تعلق سے ثابت کرتے ہیں، جیسے سورج سے نکلنے والی شعاع کو سورج سے نسبت ہے، یہاں ظل سے مراد تجلی ہے، یعنی مرتبہ ثانیہ میں کسی چیز کا ظاہر ہونا اور یہ (۱۰۶) کثرت ظلی بھی سورج کی حقیقی وحدت کا مقام نہیں ہو سکتی [۱۹] پہلی اور دوسری تعبیر میں اتنا فرق ہے کہ ظل کی کوئی اور حقیقت اپنی اصل سے الگ نہیں ہے، وہی اصل ہے جس نے مرتبۂ ثانی میں ظہور کر کے خود کو ظل ظاہر کیا ہے، لیکن ایک کو دوسرے کے مشابہ خیال کرنا درست نہیں مگر یہ مشابہت موج اور دریا (کی تشبیہ) میں صحیح ہے اس لیے شہودیہ اس تعبیر کے مطابق اثبات غیریت اس طرح کرتے ہیں کہ توحید وجود حقیقی میں خلل واقع نہ ہو اور کتاب و سنت سے یہ بات بآسانی استنباط کی جا سکے۔

پہلی تعریف کے مطابق نسبت کا مفہوم وجودی صوفیہ کی کتابوں [۲۰] سے معلوم کرنا چاہیے۔

شہودی صوفیہ کے نزدیک اس کی تعریف اس طرح ہے کہ حقائق ممکنات علم الٰہی کے مرتبے میں عدم اور وجود سے مرکب ہیں، اس طرح کہ اعدام اضافیہ یعنی عدم العلم جو جہل سے عبارت ہے اور عدم

القدر وغیرہ جسے عجز کہنا چاہیے جن کے علٰیحدہ علٰیحدہ مفہوم ہیں اور ان سے مرتبہ الٰہی کا ثبوت پیدا ہوتا ہے' صفاتِ حقیقیہ کے آئینے جو ان عدمات کے مقابل ہیں اور ان صفات کے عکس ان آئینوں میں منعکس ہوتے ہیں اور یہ مخلوط تعینات عالم کے مبادی ہیں' ان کے نزدیک اعیان ثابتہ فی العلم' اعدام اضافیہ اور صفاتِ حقیقیہ کے پرتو سے مرکب ہیں اور خارج ظلی کے آئینوں میں جو خارج حقیقی کا ظل ہے' آثارِ خارجیہ کا مصدر بن گئے ہیں' بس ان کے نزدیک اعیان خارجیہ وجود ظلی میں موجود ہیں اور خارج ظلی میں متحقق ہیں' جو وجود حقیقی کے تحقق کا موطن ہے اور دنیا میں جو کچھ موجود ہے اور اس کے توابع سب ظلاً یا انعکاساً خدا کی ذات سے مستفاد ہیں کیونکہ وجود حقیقی کے ساتھ خارج حقیقی میں سوائے خدا کے کوئی چیز موجود نہیں' پس یہی توحید ہے۔

چونکہ عدم شر اور نقص کے پیدا ہونے کا مقام ہے اور وجود خیر اور کمال کا مبداء ہے اور دنیا عدم اور وجود دونوں سے مرکب ہے بلکہ عدم اس کا ذاتی اور وجود عاریتی ہے (اور وجود حقی بسیط ہے اور خیر محض اور حسن محض ہے اور عین عالم نہیں ہو سکتا[۱۲]) اس لیے دنیا حسن و قبح کا مجموعہ ہوگی۔ لیکن تمام وجوہ حسن خدا کی ذات سے مستفاد ہیں' برائی کی تمام اقسام عدم کی طرف سے آتی ہیں' جب سالک اپنی استعداد کی قوت سے اور جذب مشائخ سے جو جذبہ الٰہی کا پرتو ہے' سیر علمی کے ذریعہ امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی کی طرف سفر کرتا ہے جو ظلمانی اور نورانی حجابوں کے دور ہو جانے سے عبارت ہے اور حدیث کے مطابق خدا اور خلق کے درمیان حائل ہے' تو اس نسبت محاذات کی برکات جو ظاہر اور مظہر کے درمیان متحقق تھے' وہ ان پردوں کے ہٹ جانے (۱۰۷) سے جو سالک کے تعین کے آئینہ پر شمس حقیقی کے انوار کے منعکس ہونے میں مانع تھے' دور ہو جاتے ہیں' اور انوار کی فراوانی اس آئینہ کو ڈھانپ لیتی ہے' اس حالت کو ''نسبت فنا'' سے تعبیر کرتے ہیں اور فنا کے بعد لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر مقام کے مطابق وہبی وجود عطا ہو' جس سے سالک بشریت کے کارخانے اور شریعت کے احکام کو قائم رکھ سکے' اس کو ''نسبت بقائی'' کہتے ہیں' پس اگر سالک تمام ''ظلمانی اور نورانی'' حجابات دور کر کے ''صفات اور ذات'' کی تجلیات سے گزر کر ''تجلی ذات بحت'' سے مشرف ہو جائے اور زمانہ نبوت باقی ہو تو وہ نبی بن جاتا ہے اور عصمت کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے جہاں شر کے صادر ہونے کا احتمال باقی نہیں رہتا' ورنہ امکان سے وجوب کی طرف جتنی مسافت طے کی ہے اس کے مطابق عدم سے جو شر محض ہے دور ہو جاتا

ہے اور ظلمات عدم انوار کے غلبہ سے مضمحل ہو جاتی ہیں اس لیے سالک مصدر خیر بن جاتا ہے چونکہ احیاناً وقوع شر کا احتمال باقی ہے ولی اور نائب نبی ہو جاتا ہے اور بنی نوع کی تربیت و اصلاح کرتا ہے اس لیے کہا گیا کہ انبیاء معصوم اور اولیاء محفوظ ہیں [۲۲]

ظہور نسبت کے یہی معنی ہیں جو اس قوم (صوفیہ) کی اصطلاح ہے اور مختصراً یہی صوفیہ شہودیہ مجددیہ کا مشرب ہے، رحمہم اللہ

چوتھا مکتوب

حضوری اور حصولی علم کا بیان

مخدوما! آپ کا سوال ہے کہ حصول فنا کے بعد دوامی حضوری لازم ہے (لیکن سالک کو) جناب حق تعالیٰ کی طرف سے کبھی غفلت ہوتی ہے، اس کا سبب کیا ہے؟

جاننا چاہیے کہ اس شبہہ کی بنیاد جس اشتباہ پر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ علم دو قسم [۲۳] کا ہے۔ حضوری اور حصولی، حضوری تو نفس عالم کو لازم ہے یا اس کا عین ہے جیسے علم نفس اپنے اور اپنے عوارض کے بارے میں اور حصولی، عقل و حواس کے توسط سے ذہن کے آئینہ میں معلومات کی صورتوں کا حاصل ہونا ہے اور سالک جو سیر علمی کے ذریعہ امکان کی پستی سے وجود کی بلندی تک پہنچتا ہے تو یہ علم اس کے لیے حضوری ہو جاتا ہے حصولی نہیں رہتا اور جناب الٰہی سے عارف کے علم حضوری کے تعلق کی کیفیت یہ ہے کہ صوفیہ کے نزدیک اشیاء کا وجود ظلی ہے حقیقی نہیں یعنی یہ کثرت جو دکھائی دیتی ہے حضرت وجود حقیقی کا پرتو ہے اور خارج میں وجود واحد کے علاوہ کوئی اور وجود متحقق نہیں ہے، ظلال کا تعدد و تکثر دراصل کثرت شیونات کی وجہ سے ہے اور ظل جب تک اپنی اصل سے غافل ہے اور اپنی ظلیت سے آگاہ نہیں ہے وہ اپنے پندار میں اپنا مستقل وجود سمجھتا ہے اور گفتگو کے دوران (۱۰۸) لفظ ''میں'' سے اس وجود وہمی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور جب صوفیہ کی اصطلاح کے مطابق وہ مسافت (سلوک) طے کر لیتا ہے جو خدا اور مخلوق کے درمیان سے نورانی اور ظلمانی حجاب دور ہونے سے عبارت ہے اور حدیث سے ثابت ہے تو اپنی اصل سے واصل ہو جاتا ہے اور خود کو واصل کے پرتو سے زیادہ نہیں پاتا اور اپنے وجود اور اس کے تابع کو اصل سے مستعار سمجھتا ہے، وہ جان لیتا ہے کہ ظل کی حقیقت علیحدہ کچھ نہیں ہے بلکہ وہی اصل

ہے جس نے مرتبہ ثانی میں تعین ظلی کے ساتھ ظہور کیا ہے' اس پر یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ ''میں'' کا مرجع اور مشارٌ الیہ وہی اصل ہے نہ کہ پرتو اور اس وقت اس کا علم حضوری جو اس تعین ظلی کو لازم تھا' اصل سے متعلق ہو جاتا ہے۔ اوّلاً لفظ ''انا'' کا اشارہ اصل کی طرف راجع ہوتا ہے اور چونکہ یہ اصل کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے اس لیے پھر وہ ''انا'' ظل کی طرف راجع ہو جاتا ہے اور جب یہ حالت مستقل طور پر رہتی ہے تو اسے دائمی حضوری کہتے ہیں اور تحقیق فنا کے بعد اس حضوری کو زوال نہیں ہے اگر کبھی اس کیفیت میں فتور واقع ہو جائے تو وہ ضعف علم العلم میں ہوتا نہ کہ عین علم حضوری میں [۲۴]

جب تک عارف کے حواس باقی ہیں علم حصولی عوام الناس کی طرح باقی رہتا ہے کیونکہ بشری اُمور کا ظہور اس پر موقوف ہے' اس علم کو بارگاہِ خداوندی میں ہرگز بار نہیں کیوں کہ حواس کا اس بارگاہ میں کوئی دخل نہیں۔

اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ (سالک) علم العلم کے مغالطہ کو علم حضوری کا فتور سمجھ کر دوام حضور سے منکر ہو جاتا ہے' حضرت (عمر) فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اصلی واجھز الجیش '' (میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور لشکر کی تیاری بھی کرتا ہوں) یہاں ان دونوں علوم کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ لشکر کی تیاری کا تعلق حصولِ علم سے ہے اور نماز میں حضوری کا ہونا علم حضوری سے متعلق ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنجناب کی نماز بے حضور نہیں ہوسکتی اور جہاد کی تدبیر تصور اسباب کے بغیر ممکن نہیں۔

پس جب تک دونوں طرح کے علم بیک وقت حاصل نہ ہوں (جو دو عبارتوں کا تداخل ہے [۲۵]) یہ دونوں کام ایک ہی وقت میں ایک شخص سے نہیں ہو سکتے' ایسی صورت میں خلیفہ ثانی (حضرت عمر) کے قول کے معنی بھی صحیح نہیں رہتے' فافہم (اس پر غور کرو) والسلام۔

پانچواں مکتوب

ان شبہات کے جوابات جو حضرت مجدد قدس سرہ کے کلام پر کیے گئے ہیں

برخوردار! ان شبہات سے متعلق جو بے وقوفوں کے نزدیک حضرت مجدد الف ثانی قیوم ربانی رضی اللہ تعالیٰ کے مقامات کرامت آیات پر کیے جاتے ہیں' تمہارے سوالات نظر سے گزرے' معلوم ہونا چاہیے کہ ان اعتراضات کی بنیاد جہالت ہے یا حسد' انکار کرنے کی رسم بہت پرانی ہے' اہل تعصب نے

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۹) اور دوسرے اکابر کی تکفیر میں بہت سے رسالے لکھے ہیں اور حضرت مجدد نے دفع دخل کے طور پر اپنے مکاتیب میں ان تمام شبہات کے جوابات دیے ہیں [۲۶] آپ کی اولاد امجاد میں سے حضرت شاہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک مفصل رسالہ [۲۷] لکھا ہے اور حضرت مولوی فرخ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''کشف الغطاء عن وجہ الخطاء'' [۲۸] کے نام سے ایک مختصر رسالہ تالیف کیا ہے' آں جناب کے ایک مخلص مولانا محمد بیگ ترکی ثم المکی نے بھی ایک رسالہ ''عطیۃ الوہاب الفاصلہ بین الخطا والصواب'' [۲۹] کے نام سے لکھا ہے۔ جو بطور سوال و جواب ہے اور محمد برزنجی [۳۰] شاگرد شیخ (ابراہیم) کردی ثم المدنی کے رسالہ کے رد میں مرتب کیا ہے اور عرب کے چاروں مذاہب کے علماء کی مہریں اس پر ثبت کروائی ہیں۔

غیر معروف معارف جب ظاہر ہوتے ہیں تو حسد کا سبب بنتے ہیں اور مادہ حسد ان معارف غیر متعارف کی بنا پر ہے جو آنجناب (حضرت مجدد) سے قرونِ اولیٰ میں شیوع پذیر ہوئے' مشہود بالخیر قرون ثلثہ کے بعد پردہ کموں میں چلا گیا تھا اور آپ (حضرت مجدد) کی طینت مطہرہ کی خصوصیت سے ظاہر ہوا کیوں کہ یہ آنحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طینت مقدسہ کا بقیہ تھا' انصاف کی بات تو یہ ہے کہ پہلے ان مقامات کے قائل (فاعل) کی طرف نظر کی جائے اگر وہ کتاب وسنت کا تابع ہے اور اس کے اکثر اعمال واقوال میزان شریعت پر موزوں ہیں تو اس کے کلام کے متشابہات کی تاویل اس کے کلام کے محکمات کے موافق کی جائے یا اسے ڈھکی چھپی باتوں کے جاننے والے یعنی خدا پر چھوڑ دیا جائے اور اسے معذور سمجھا جائے کیوں کہ اس قوم (صوفیہ) کو بہت سے عذر ہوتے ہیں کبھی ان کی عبادات حال کے غلبہ میں ان کی مرادات کی مساعدت نہیں کرتیں اور کبھی معلومات کشفی میں وہم اور خیال کے مخلوط ہو جانے سے غلطی ہو جاتی ہے اور اس خطا میں وہ ''اجتہادی خطا'' کی طرح معذور ہیں اور کبھی ان کی اصطلاح کی اطلاع بہتر نہیں ہوتی' پس ان اُمور کے پیش نظر اعتراض ترک کرنا لازم ہے' خاص طور پر حضرت مجدد کے کلام کرامت انتظام پر اعتراض کرنا بالکل فضول ہے کیوں کہ ان کے طریقے کی بنیاد اتباع سنت پر ہے اور ان کی تصانیف [۳۱] بھی ایسی ہی نصیحتوں سے بھری ہوئی ہیں' اس فتنہ کے ہیجان کا بڑا سبب توحید وجودی سے انکار اور توحید شہودی کا ماننا ہے [۳۲] کیوں کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے لے کر آپ کے دور مبارک تک لوگوں کے ذہنوں پر وحدت الوجود کا مسئلہ چھایا

ہوا ہے، حضرت مجدد کا توحید وجودی سے انکار کرنا علمائے ظاہر کے انکار کی طرح نہیں ہے[۳۳] بلکہ جس مقام سے وحدت الوجود کے ماننے والے بات کرتے ہیں، آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اسے تسلیم کرتے ہیں[۳۴] (۱۱۰) اتنا ضرور ہے کہ وہ اصلی مقام کو اس سے زیادہ بلند بتاتے ہیں اور غیریت کو جو خدا اور مخلوق کے درمیان ہے اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ وہ وجود حقیقی (جو خارج حقیقی میں متحقق ہے) کی وحدت میں مخل نہ ہو، وحدت الوجود کے ماننے والوں کے خلاف جو خلق اور خالق کے درمیان عینیت ثابت کرتے ہیں، وحدت الوجود اور شہود کا مسئلہ دیگر خطوط میں علیحدہ لکھا گیا ہے، والسلام۔

چھٹا مکتوب

بعض شبہات کا جواب

حمد وصلوٰۃ کے بعد فقیر جان جاناں کی طرف سے مولوی صاحب[۳۵] مہربان سلمہ الرحمٰن مطالعہ فرمائیں، آپ کا ایک طویل التفات نامہ ملا، جس میں حضرت قیوم ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے "مقامات کرامت سمات" پر شبہات کیے گئے ہیں۔

مخدوما! یہ شبہات صرف اس لیے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی کی اصطلاحات کو اچھی طرح سمجھا نہیں گیا، اگر حضرت کے مکتوبات کی تین جلدیں میسر ہوں تو ان کا مطالعہ کریں، اطمیان ہو جائے گا (خاطر جمع ہو جائے گی)، تعمیل ارشاد کے طور پر میں چند باتیں لکھتا ہوں۔

جاننا چاہیے کہ حضرات صوفیہ لفظ وجود کے معنی تین طرح سے کرتے ہیں، ایک وجود بمعنی کون (ہونا) اور حصول یعنی حاصل ہونا جو کہ امر انتزاعی اور معقول ثانوی ہے، دوسرے وجود منبسط جو پہلے معنی کے انتزاع کو متغیر کرنے والا اور صادر اوّل ہے، یہ جو انتزاع معنی اوّل کے منشا اور ظاہر وجود کا، دونوں وجود ذات باری تعالیٰ سے متاخر ہیں اور ذات ان دونوں وجود سے مصدر آثار نہیں ہوسکتی، تیسرا وجود وہ ہے جو اوّل الاوائل اور مبداء المبادی ہے اور اس قوم (صوفیہ) کے خیال میں عین ذات ہے اور ذات اس وجود سے مصدر آثار ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ذاتِ تعالیٰ خود اپنے آثار کا مصدر ہے، جب وجود اور ذات حقیقت میں ایک ہی ہوں تو آثار کے صادر ہونے کو چاہے وجود سے منسوب کرو چاہے ذات سے مطلب ایک ہی ہے، پس یہ اختلاف لفظی ہے، تسلسل کو یہاں کیا دخل ہے،

تسلسل تو اس وقت لازم آتا ہے جب وجودِ حق تعالیٰ کسی دوسرے وجود سے مستفاد ہوتا اور اس وجود سے مصدر آثار ہوتا اس موجود کا بھی ایسا ہی حال ہوتا [۳۷] آپ (حضرت مجدد) کا لفظ وجود کا ئنات خداوندی پر اطلاق کرنا اور حمل بالمواطات [۳۸] سے ایک دوسرے سے بچنا احتیاط کی وجہ سے ہے، کیوں کہ شرع میں یہ اطلاق کہیں وارد نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات توفیقی ہیں۔

تمہارے دو شبہے جو حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حقیقت محمدی پر حقیقت کعبہ کی فضیلت کے بارے میں ہیں وہ مکتوبات کی تیسری جلد [۳۹] سے رفع ہو جائیں گے، ان شبہات کا جواب تو بہت طویل ہوگا [۴۰]

جو کچھ آپ نے (۱۱۱) حضرت غوث الثقلین (شیخ عبدالقادر جیلانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول:

قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ ۔

(میرا پاؤں تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے)

کے بارے میں لکھا ہے: اگر معاصرین سے مخصوص کریں تو آں جناب پر کیا نقصان عائد ہوتا ہے اور ادب کی وجہ سے متقدمین کو مستثنیٰ کرنا لازم ہے کیوں کہ ان میں کچھ حضرت غوث الثقلین کے مشائخ اور اجداد ہیں [۴۱] اس حدیث کے مطابق:

لا یدری اولہ خیر ام آخرہ [۴۲]

(اُمت کے بارے میں ازخود یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ (دین پھیلانے میں) اس کا اوّل بہتر ہے یا آخر)۔

متاخرین مستثنیٰ ہو جاتے ہیں کیوں کہ تقدیم اور تاخیر نسبی امر ہے اور وہ ہر متاخر کا ایک متاخر ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا متاخر ان سے افضل ہو۔ (کمالاتِ نبوت کے علاوہ دیگر کمالات قطعی طور پر ختم نہیں ہوئے) [۴۳] آپ کے التفات نامہ کے مطابق میں حق اور باطل میں فرق کرنے پر مامور تھا اور:

المامور معذور اللّٰھم ارنا الحق حقا وارنا الباطل باطلا ۔

(جو کسی کام پر مامور ہو معذور ہوتا ہے، اے خدا! تُو سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دکھا) والسلام۔

ساتواں مکتوب

حمد وصلوٰۃ کے بعد فقیر جان جاناں کی طرف سے مطالعہ فرمائیں، آپ کا التفات نامہ ملا، جس میں آپ نے دریافت کیا تھا کہ ... اور محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی

اللہ تعالیٰ عنہما میں سے کس کو افضلیت حاصل ہے؟

مخدوما! فضیلت کی دو قسمیں ہیں: جزوی اور کلی، ظاہر ہے کہ آپ کا سوال جزوی فضیلت کے بارے میں نہیں ہے اور فضل کلی قربِ الٰہی کے زیادہ ہونے پر منحصر ہے، اس کا تعلق باطن سے ہے اور عقل کو اس سے کوئی سروکار نہیں مگر مناقب کی کثرت یا قلب سے مطلب کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن افادہ کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور نقل عبارت ہے کتاب وسنت اور قرن اوّل کے اجماع سے، یہ بھی ظاہر ہے کہ دونوں بزرگوں کے وجود مبارک کتاب وسنت اور اجماع کے ورود سے متاخر ہیں اور شرع کے یہ تینوں اصول اس سلسلہ میں خاموش ہیں، کشف میں غلطی کا احتمال ہے اور مخالف پر حجت نہیں اور مریدوں کے اقوال قابل اعتبار نہیں کیوں کہ مریدوں کو اپنے پیروں سے غلو کی حد تک محبت ہوتی ہے، اور ایسا صاحب کشف بھی نظر نہیں آتا، جو ان دونوں حضرات کے کمالات کا احاطہ کر سکے اور ان میں سے کسی ایک کی فضیلت کلی کا قطعی فیصلہ کرے، اس لیے سلامتی کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اس کو علم الٰہی کے سپرد کر دیا جائے اور ایسی فضول باتوں سے اجتناب کیا جائے اور ان دونوں بزرگوں کے فضائل کا قائل ہونا چاہیے، اس باب میں لب کشائی بے ادبی ہے کیوں کہ یہ مسئلہ دینی ضروریات میں سے نہیں ہے کہ اس پر بات کرنا لازم ہو، وہ انتہائی محبت جو ہمیں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے ہے، کے سامنے دم مارنا مناسب نہیں ہے کیوں کہ یہ بات عقل کی حدوں سے گزر گئی ہے[۴۴]:

ہرگز (۱۱۲) در بیش و کم نمی باید زد
از حد بروں قدم نمی باید زد
عالم ہمہ مرات جمال ازلی است
می باید دید و دم نمی باید زد[۴۵]

آٹھواں مکتوب

ان دو مفاہیم کی تطبیق جو حضرت مجدد کے کلام سے معلوم ہوتے ہیں

مخدوما! آپ نے تحریر کیا ہے کہ حقائق ممکنات کے مسئلہ میں حضرت مجدد کا مکشوف یہ ہے کہ واحدیت کے مرتبہ میں جو خانہ علم الٰہی میں کمالاتِ الٰہیہ کی تفصیل سے عبارت ہے، ہر صفت کمال کے

مقابلے میں اس صفت کے عدم اضافی نے ثبوت اور تمائز پیدا کیا ہے' جیسے علم کی صفت کے مقابلہ میں عدم العلم جسے جہل سے تعبیر کیا جاتا ہے'[٤٦] علیٰ ہذا القیاس۔

وہ متمائز کرنے والے اعدام آئینوں کے مقابلے کی وجہ سے ان صفات کے انوار یا پرتو بن گئے ہیں اور تعینات عالم کے مبادی اور ممکنات کے حقائق بن گئے ہیں' یہ اعدام ان حقائق کے مواد کی جگہ ہیں اور ان میں عکوس اور ظلال صور حالہ کی جگہ ہیں' اسی وجہ سے ممکنات کے اعیان خارجیہ ان حقائق کے مرکز پر مصدر آثار ہوئے ہیں' وجود اور عدم دونوں قبول کرتے ہیں' اسی وجہ سے خیر اور شر کے مصادر ہوتے ہیں' حضرت مجدد کا مکشوف یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام والصلوٰۃ کی تعینات کی مبادی صفات ہیں' یہی ظلال مذکورہ کے اصول ہیں اور وجود وجوبی رکھتے ہیں اس لیے چاہیے کہ ان حضرات کے حقائق میں عدم داخل نہ ہو حالانکہ یہ حضرات بھی ممکنات میں سے ہیں اور آپ کی تحقیق کے مطابق ممکن کی حقیقت بے خلط عدم نہیں ہوتی تو پھر تطبیق کی وجہ کیا ہے؟[٤٧]

مخدوما! چونکہ علم الٰہی میں وجودات صفاتِ مقدسہ اور عدام متمائزہ کے درمیان مقابلہ اور محاذات مقرر ہیں اس لیے جس طرح اعدام آئینہ صفات ہو گئے ہیں' صفات بھی ان اعدام کے آئینہ ہو گئے ہیں لیکن یہاں معاملہ الٹا ہے کہ صفات مادے کی جگہ اور اعدام صور حالہ کی بجائے ہیں' اس صورت میں جہت عدم حقیقت اور جہت وجود قوی ثابت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور ان سے شر کا صدور نہیں ہوتا لیکن ان کا خارجی وجود عدم اور وجود دونوں کو قبول کرتا ہے امکان کا ثبوت دینے کے لیے ان حضرات کے حقائق میں عدم کا اتنا دخل کافی ہے' والسلام۔

نواں مکتوب

اس قول کی توضیح کہ جب تک صوفی خود کو کافر فرنگ سے بدتر نہ سمجھے' کافر فرنگ سے بدتر ہے

آپ نے پوچھا تھا کہ ایک بزرگ[٤٨] کا قول ہے [(١١٣)] کہ جب تک ایک صوفی خود کو کافر فرنگ سے بدتر نہ سمجھے' کافر فرنگ سے بدتر ہے' یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے؟ کیوں کہ صوفی مومن ہے اور کبھی وہ عالم اور متقی بھی ہوتا ہے' صحو اور افاقہ کی حالت میں اپنے اوصاف اور اعراض کا علم بھی رکھتا ہے' ایک ہی نوع کے افراد میں ایک کی دوسرے پر فضیلت کا انحصار انہی اوصاف اور اعراض پر ہے نہ کہ

ذات اور حقیقت پر اس لیے اس علم کے باوجود کہ کافر فرنگ کفر و معاصی سے متصف ہے اور اس علم کے باوجود کہ صوفی ایمان اور فضائل سے بہرہ ور ہے کس طرح خود کو اس سے بدتر سمجھ سکتا ہے؟ اور اگر تکلفاً ایسا کرتا ہے تو وہ ان فضائل کو اس کے رذائل سے بُرا سمجھتا ہے۔

اس عقیدے کی خرابی شرعاً و عقلاً ظاہر ہے۔

مخدوما! ہمارے مجددی حضرات کے مذہب میں حقائق ممکنات، اعدام اضافیہ اور صفات حقیقیہ کے ظلال سے مرکب ہیں [۴۹] یعنی اعدام نے علم الٰہی میں اسماء و صفات کے تقابل کی وجہ سے علم الٰہی میں ثبوت پیدا کر دیا ہے اور اسماء و صفات کے انوار کے آئینے بن کر تعینات عالم کے مبادی ہو گئے ہیں اور خارج ظلی میں کہ ظل خارج حقیقی ہے، خدا کی قدرت سے وجودِ ظلی میں موجود ہیں، اس ترکیب کی وجہ سے آثار خیر و شر کے مصدر ہوتے ہیں عدم ذاتی کی وجہ سے کسب شر کرتے ہیں اور وجود ظلی کی وجہ سے کسب خیر، یہ پوشیدہ بات نہیں ہے کہ عالم حسن میں جب کوئی شخص سورج کی روشنی سے لبریز آئینہ کو دیکھے پہلی مرتبہ اسی روشن کو دیکھتا ہے نہ کہ آئینہ کو، کیوں کہ آئینہ تو انوار کی کرنوں سے مستور ہو گیا ہے اور ذات پر نگاہ کرے گا تو اس تعین مراتی کو دیکھے گا نہ کہ انوار کو، کیوں کہ اس کی نظر ظاہر پر نہیں ہے پس صوفی کی نظر نیک و بد اشیاء کے ظاہر پر ان مظاہر کے وجود کے سبب جو اس میں ظاہر ہیں اور مصدر خیر و شر ہوئے ہیں، پڑتی ہے، اس وجود کی وجہ سے جو اس میں ظاہر ہونے والا ہے، خیر ہوا ہے اور جب خود دیکھتا ہے تو اس کی نظر اپنے عدم ذاتی کی جہت پر پڑتی ہے، جو منشاء شر ہے، خود کو خیر و کمال سے مطلقاً عاری پائے گا، اور وہ خیر و کمال جو اس نے وجود سے عاریتاً حاصل کیے ہیں ان میں اپنا پن پائے گا، اس لیے ضرورا خود کو کافر فرنگ اور دوسری اشیاء بد سے کمتر سمجھے گا۔

یہاں معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کے کہنے والے کا مطلب یہ ہے کہ ایک کامل صوفی کبھی اپنی طرف خیر و کمال کو منسوب نہیں کرتا، بلکہ انہیں مستعار سمجھتا ہے، فنائے تام اور مشہود صحیح کے حاصل ہونے کے معنی بھی یہی ہیں، اگر صوفی کی نظر اپنی جہت وجود [(۱۱۴)] اور اپنے مستعار انوار پر پڑتی ہے اور اس کی جہت مراتیب جو کہ عدم ہے مستور ہو جاتی ہے تو پھر وہ ''انا الشمس'' کا دعویٰ کر دیتا ہے۔ اور حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کے ''انا الحق'' کہنے کا یہی راز ہے۔ اگر چہ وہ اسے دیکھنے سے معذور تھے لیکن دیکھنے میں خطا کی، اور سکر کے غلبہ کی وجہ سے جہت عدم اور جہت وجود میں تمیز نہ کر سکے [۵۰] اور اس راستے کے

بہت سے سالکوں سے ایسی غلطی ہو جاتی ہے' سوائے اس شخص کے جسے خدا اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برکت سے محفوظ رکھے۔

دسواں مکتوب

اس شبہ کا ازالہ کہ ''ایک ولی جو شدید مرض میں مبتلا ہوئے لیکن اس مرض سے شفا کے لیے دعا نہیں کی' جب کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا دفع مرض کے لیے دعا کرنے سے ولی کے صبر کی پیغمبر کے صبر پر افضلیت لازم آتی ہے

آپ نے لکھا تھا کہ ایک بزرگ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح ایک بڑی بلا میں گرفتار ہوئے اور ایک بزرگ ان کی عیادت کے لیے گئے تو پوچھا کہ کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ حال تو ظاہر ہے لیکن ابھی تک میں نے رب انی مسنی الضر [51] (اے خدا! مجھے تکلیف نے گھیر لیا ہے) نہیں کہا یعنی حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح نہ تنگ آیا اور نہ ہی امان اور پناہ مانگی' ایسی صورت میں اس بزرگ کا مقام صبر حضرت ایوب کے مقام صبر سے بلند معلوم ہوتا ہے' چوں کہ مقام صبر بہت ارفع ہے' اس لیے اس ولی کی حضرت ایوب علیہ السلام پر فضیلت لازم آتی ہے (لیکن یہ بات اجماع کے خلاف ہے [52]) اس لیے اس شبہہ کا حل لازم ہے۔

جواب: مخدوما! بظاہر یہ شبہہ وارد ہوتا ہے' لیکن اگر غور کریں تو اس میں شبہہ کی گنجائش نہیں ہے' حضرت ایوب علیہ السلام نے تو کہا تھا:

رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین [53]

(اے خدا! مجھے مصیبت نے گھیر لیا ہے اور تو سب سے زیادہ رحیم ہے)

نیز یہ بھی کہا تھا:

انی مسنی الشیطان ینصب وعذاب [54]

(اے خدا! شیطان نے مجھے مصیبت وایذا میں مبتلا کیا ہے)

بظاہر یہ آیات بے صبری اور بے تابی کی دلیل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جو مخفی اور دلوں کو جاننے والا ہے' فرماتا ہے:

انا وجدناہ صابرًا نعم العبد انہ اواب [55]

(ہم نے اسے صابر اور اپنے بندوں میں اچھا پایا وہ بے شک ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا ہے)

اس لیے معلوم ہو کہ ان کی یہ بے صبری بھی صبر کا ایک لطیفہ ہے' ورنہ اللہ تعالیٰ ان کی بے صبری کے باوجود ان کے صبر کا اقرار نہ کرتا' اس کا راز یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا نفس شریف مدت دراز تک مختلف مصائب مثلاً مال اور اولاد کی ہلاکت' مرض کی شدت' فقر اور لوگوں کی ان سے (اور ان کے ساتھیوں سے [56]) نفرت وحقارت پر صابر رہا [57] اور جب نزولِ رحمت کا وقت قریب آ گیا تو انہیں یہ محسوس ہوا کہ ان مصائب کا حل آہ وزاری پر منحصر ہے' اس وقت بے صبری کا اظہار ادب ہے تو آپ مقام صبر سے ترقی کر کے مقامِ رضا میں پہنچے جو کہ قرب کے تمام مقامات پر فوقیت رکھتا ہے اور بے صبری کی عار پر صبر کیا اور آہ وزاری کرنے لگے' اس ادب کے صلہ (۱۱۵) میں "نعم العبد" [58] بنے اور "انہ اواب" [59] (وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا ہے) کے منصب کا خلعت ملا کیوں کہ اواب مشتق ہے' اوب سے جس کا مطلب ہے "رجوع" یعنی اتنے سال کے صبر کی وجہ سے آپ نے اپنے نفس کی خواہش کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ خدا کی رضا کی طرف رجوع کیا (کہ اظہار بے صبری اس وقت منظور تھا [60]) الحمد للہ خدا نے ان کے صبر کی داد دی اور ظاہری بے صبری کے باوجود ان کے باطن کے حال کو پیش نظر رکھ کر ان کے صبر کا اثبات کیا اور فرمایا:

انا وجدناہ صابرًا نعم العبد انہ اواب ۔

(ہم نے اُسے صبر کرنے والوں اور اچھے بندوں میں پایا' بے شک وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا ہے)

اور جو کچھ حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فص ایوبی میں فرماتے ہیں کہ غیر سے شکوہ کرنے سے اپنے نفس کو باز رکھنے کا نام صبر ہے تو حضرت ایوب نے کسی غیر سے شکوہ نہیں کیا' اپنا حال خدا کے حضور پیش کیا اس لیے صبر ترک نہیں کیا [61] اس شبہہ کا جواب ابھی مکمل نہیں ہوا' جب اس ولی نے خدا سے آہ وزاری نہیں کی اور دم نہیں مارا تو اس ولی کے صبر کی فضیلت اس نبی کے صبر پر ہنوز باقی ہے' یہاں مقصود یہ ہے کہ ولی کو نبی پر فوقیت نہ ہو' اس بے چارے ولی نے جو کمالات نبوت کے مذاق سے اور حقیقت عبودیت اور کمال مقام رضا کی خبر نہیں رکھتا' جو کچھ اس نے سکر کے غلبے میں کہا ہے وہ اس سے معذور ہے [62] والسلام۔

گیارھواں مکتوب

ذکر جہر اور ذکر خفی کا بیان [۶۳]

حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح رہے کہ بعض حنفی فقہاء نے ذکر جہر کے انکار میں غلو کیا ہے اور اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے [۶۴] اور کچھ محدثین نے ثابت کیا ہے کہ ذکر جہر کی شرعی حیثیت ہے اور ذکر جہر کو ذکر خفی پر فضیلت دی ہے [۶۵] (دراصل) دونوں فریق افراط وتفریط کے شکار ہیں اور انصاف سے نہیں کہتے' یہ مقام تحقیق طلب اور محاکمہ چاہتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ لفظ ذکر کا مطلب ہے: یاد کرنا' اس کی تین قسمیں ہیں: اوّل ذکر لسانی' اس میں قلب کے آگاہ ہونے کی ضرورت نہیں' یہ بات اعتبار سے ساقط اور غفلت کی اقسام میں سے ہے [۶۶] دوسرے ذکر قلبی [۶۷] ہے جس میں زباں حرکت نہ کرے' صوفیہ کی اصطلاح میں یہ ذکر خفی ہے' صوفیہ کے مراقبات کی بنیاد اسی پر ہے' اور تمام سلاسِل تصوف کا یہی معمول ہے' اس کی دو وجوہ ہیں' کبھی ذات بحت کا حضور مراد ہے جو صفت کے ملاحظہ کے بغیر ہے اور کبھی اس کی صفات کے ملاحظہ سے' یہ دونوں وجوہ اس آیت سے ماخوذ ہیں:

واذکر ربك فی نفسك تضرعًا وخفیه ودون الجهر من القول بالغدو والآصال [۶۸]

(اور صبح وشام اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور ڈر سے آواز نکالے بغیر یاد کرو)

دوسرے مذکور کی حضوری چاہتا ہے' اس کی نعمتوں اور بخششوں کے منسوبات کو ملاحظہ کر کے موثر پُر اثر کے استدلال کا یہ طریق ہے' شرع کی زبان میں اسے فکر سے تعبیر کرتے ہیں جو یقین کے زیادہ ہونے کے لیے مفید ہے اور کتاب وسنت اس کے فوائد سے بھری پڑی ہے [۶۹]

ذکر کی تیسری قسم ذکر لسانی ہے جو ذکر قلبی کے ساتھ کیا جائے (۱۱۶) ذکر کی تمام اقسام میں یہ سب سے مکمل قسم ہے [۷۰] اس کی بھی دو اقسام ہیں' ایک یہ کہ ذاکر ذکر میں اسماع نفس پر اکتفا کرے اور اسی کو شرع کی زبان میں ذکر خفی کہتے ہیں [۷۱] جو اس آیت سے ماخوذ ہے:

ادعوا ربکم تضرعًا وخفية انه لا یحب المعتدین [۷۲]

(اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کرو' بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں)

دوسرا ذکر وہ ہے جو دوسروں کو بھی سنائی دے اسے شرع میں جہر کہتے ہیں اور خاص موقعوں پر بعض مصلحتوں کی وجہ سے جہر کو خفی پر افضلیت ہے لیکن مطلق افضل نہیں ہے' جیسا کہ ''صلوٰۃ جہریہ'' میں اذان اور قرأت جہر سے پڑھنا کیوں کہ اس کا مقصد سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنا اور غافلوں کو تنبیہ کرنا ہے [۷۳]

ذکر خفی میں یہ حکمت ہے کہ نفس عمل سمع اور ریا سے پیدا ہونے والے فساد سے محفوظ رہتا ہے' جو قبول عمل میں مانع ہے' ذکر خفی کی ذکر جہر پر فضیلت کتاب و سنت سے ثابت ہے [۷۴] بلکہ اس حدیث کے مطابق تو ذکر جہر سے منع کیا گیا ہے: [۷۵]

انکم لا تدعون اصم ولا غائبًا [۷۶]

(بے شک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے)

مخصوص کیفیات کے ساتھ ذکر جہر اور مراقبات اطوار معمولہ [۷۷] کے ساتھ جو دور آخر میں رواج پا گئے ہیں' کتاب و سنت سے ماخوذ نہیں ہیں بلکہ حضرات مشائخ نے الہام اور اعلام کے طور پر اخذ کیے ہیں' ورنہ شرع اس باب میں خاموش ہے' یہ دائرہ اباحت میں داخل ہے اور اس میں فائدہ یقینی [۷۸] ہے اور انکار کرنا ضروری نہیں اور ظاہر ہے کہ جو کتاب و سنت سے ثابت ہو وہ اس سے بہتر ہے جو کتاب و سنت میں نہیں اگرچہ وہ کسی وجہ سے بھی مباح اور مفید ہو۔

شداد بن اوس کی روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہر سے کلمہ طیبہ کے ذکر کی جو تعلیم دی وہ اوسط درجے کا جہر تھا نہ کہ مروجہ جہر' جیسا کہ اس حدیث کے شروع میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا' اس کے بعد ذکر کی تعلیم بھی جو مکمل اخفا کی طرف اشارہ کرتی ہے [۷۹] گفتگو جہر کے جواز یا عدم جواز کی نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کی فضیلت میں ہے [۸۰] ذکر جہر کو مطلقاً ذکر خفی پر فضیلت دینا نصوص سے انکار کرنے کے مرادف ہے اور ذکر جہر کی تمام اقسام کا انکار کرنا بھی ایسا ہی ہے' بعض مواقع پر جہر کی شرعی حیثیت موجود ہے ذکر خفی میں مراقبات معمولہ کا مسنون ہونا ثابت ہے اور اس ذکر جہر کی مشروعیت جو متاخرین میں رائج ہے' فضول ہے' چہ جائے کہ اس کی فضیلت بیان کی جائے [۸۱] اور دونوں فریقوں میں جو لوگ مجادلہ کرتے ہیں وہ کسی طرح قابل قبول اور لائق التفات نہیں اور افراط و تفریط تو بہت بُری ہے۔

اعتدال ہی اچھا ہے' بہتر کلام وہ ہے جو مختصر اور مدلل ہو۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ والزم متابعة المصطفیٰ علیه التحیة والثناء ۔

(سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کو اپنے لیے لازم کیا)

بارھواں مکتوب

سماع کے باب میں

مخدوما! سماع کے مسئلہ میں (۱۱۷) ائمہ فقہا اور حضرات صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سخت اختلاف ہے [۸۲] پہلا فرقہ فساد کے دروازے کو بند کرنے کی مصلحت سے کہتا ہے کہ سماع قطعی حرام ہے' دوسرا فرقہ غلبہ ذوق کے تقاضے سے اسے مطلقاً حلال بتاتا ہے۔

لیکن انصاف یہ ہے کہ سماع دو قسم کا ہے' ایک یہ کوئی شخص جو فتنہ کا باعث نہ بنے موزوں کلام کو موزوں آواز میں محذور شرعی کی مداخلت کے بغیر گائے اور سننے والوں کو باطن میں اس سے کوئی فساد پیدا ہونے کی بجائے ان کے دل میں خوشی یا حزن پیدا ہو' سماع کی یہ قسم البتہ مباح ہے' کیوں کہ یہ مرکب ہے دو مباح چیزوں یعنی کلام موزوں اور آواز موزون سے......تو پھر یہ کس طرح غیر مباح ہوا' نیز قرن اوّل میں شرعی تقریبات مثلاً نکاح اور ولادت کے مواقع پر اکابر کا معمول رہا ہے اور اُمت کے اتقیاء و علماء نے کبھی کبھی ایسا کیا ہے' جیسا کہ حدیث کی کتابوں سے ظاہر ہے لیکن ان بزرگوں سے یہ عمل اتفاقاً ہوا ہے' انہوں نے اس کا کبھی التزام نہیں کیا [۸۳]

دوسری قسم وہ ہے جسے ''غالی متاخرین'' نے رواج دے کر انتہا کو پہنچا دیا ہے اور بہت سے غیر شرعی اُمور کو ان میں شامل کر دیا ہے [۸۴] اس قسم کے سماع میں جس قدر غیر مباح اُمور شامل ہوں گے یہ اسی قدر حرام ہو گا' اور محرمات کے مباح ہونے کا اعتقاد متفقہ طور پر کفر تک پہنچ جائے گا [۸۵]

ارباب کمال میں سے اگر ایک جماعت ''سماع مباح'' سے رغبت نہیں رکھتی تو یہ ان کے ذوق کی بات ہے نہ کہ شرعی احکام کی مثلاً شراب پینے والا میٹھی چیز پسند نہیں کرتا اور افیون کھانے والا نمکین چیز سے رغبت نہیں رکھتا' حالاں کہ ان میں سے ایک دوسرے کی نقل کو حرام نہیں کہتا' اسی طرح سلسلہ چشتیہ کے حضرات [۸۶] کی نسبت کا نشہ شراب کے نشے کی طرح ہے وہ سکوت کی بجائے شور و نغمات سے لطف

اندوز ہوتے ہیں۔

طریقہ نقشبندیہ کے بزرگوں کی نسبت افیون کے نشے کی طرح ہے' یہ شور اور ہنگامے کی بجائے سکوت سے محظوظ ہوتے ہیں پس اس اختلاف کی وجہ ذوق طبع ہے نہ کہ دین وشرع' تمام طریقوں کے اکابر دین وملت کے تابع ہیں نہ کہ حرص وہوا کے نیز غیر مباح سے اجتناب کرنے کے سلسلہ میں سب متفق ہیں اور دونوں سلسلوں کے جہلا قابل اعتماد نہیں[1] افراط وتفریط ممنوع ہے۔

اس مسئلے کی تفصیل کے لیے امام حجۃ الاسلام غزالی [88] اور شیخ الشیوخ سہروردی [89] وغیرہ جیسے محققین کی کتابیں دیکھنی چاہئیں۔

خدا کا شکر ہے کہ بندہ سماع غیر مباح سے تائب اور سماع مباح کو ترک کر چکا ہے' اباحت وغیر اباحت کے عقیدہ میں کتاب وسنت کا تابع ہے [(۱۱۸)] ذوق و وجدان کے متعلق اس سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے' اس سلسلہ کی کتابوں سے ظاہر ہے کہ صحیح احوال اور بلند مقامات کے بزرگوں نے سماع مباح میں اپنی جانیں دی ہیں [90] اور جو علمائے صوفیہ کے مذاق سے واقف' عقل سلیم اور اچھا ذوق رکھتا ہے وہ اس تحریر کی قدر جانتا ہے [91] پس بہترین کلام وہی ہے جو مختصر اور مدلل ہو' والسلام۔

تیرھواں مکتوب

مسئلہ جبر واختیار

مخدوما! جبر واختیار کے مسئلہ میں علماء نے بہت کچھ کہا ہے [92] لیکن دل کو ابھی تک تسلی نہیں ہوئی چونکہ بعض دینی مقدمات کو سمجھنے کے لیے عقل کافی نہیں ہے' ورنہ بندوں کی اصلاح کے لیے وحی کے نزول کی ضرورت نہ ہوتی۔

جاننا چاہیے کہ مستقل اختیار اور جبر محض کا دعویٰ کتاب وسنت سے انکار کو لازم کرتا ہے کیوں کہ بندوں کے اعیان کی طرح ان کے اعمال بھی قرآن (نص جلی) کے مطابق خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں' پھر مکمل اختیار کہاں ہوا؟ اور مجبور انسان سے مواخذہ کرنا محض ظلم ہے اور عقل وشرع کے مطابق اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ظلم ممکن نہیں' پھر جبر محض کس لیے؟ یہ ظاہر ہے کہ ہمارے افعال حرکات کی طرح مرتعش نہیں ہوتے' بلکہ علم' ارادہ اور قوت کے ساتھ چلتے ہیں پس یہی اختیار کا حصہ اور فعل اختیاری کا مطلب ہے

لیکن ان تینوں قوتوں کا ظاہر ہونا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ پھر جب بھی خدا چاہتا ہے انہیں دیتا ہے اور یہی حصہ جبر اور فعل اضطراری کا مطلب ہے چونکہ اختیار تام اور جبر محض متحقق نہیں ہوا اس لیے یہ امر متوسط ہے' جیسا کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب سے ظاہر ہے جو انہوں نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تھا کہ:

لا جبر و لا تفویض و لکن امر بین امرین ۔

(انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ تمام اختیار اسے دیا گیا ہے بلکہ معاملہ دونوں کے درمیان ہے)

اور شرع میں اس امر متوسط کو لفظ کسب سے تعبیر کرتے ہیں اور فعل عباد کے علاوہ اس لفظ کا اطلاق کہیں اور نہیں کیا جاتا پس معلوم ہوا کہ ہمارے افعال جبر و اختیار کا مجموعہ ہیں اور اسی اختیار ضعیف پر تکلیف کا انحصار ہے پس بندوں کے اسی اختیار ضعیف کے باعث ہی رحمت کو غضب پر سبقت دی ہے حالانکہ صفاتِ الٰہیہ میں کوئی صفت دوسری صفت پر سبقت نہیں رکھتی' جب خدا کے افعال ہمیشہ علم' ارادہ اور قدرت کی وجہ سے ہیں اور افعال عباد میں ان تین صفات کی مسبوقیت کی وجہ سے ایک طرح افعال خداوندی سے مشابہت رکھتے ہیں اور حرکات اضطراری جو مجبور محض ہیں مناسبت نہیں رکھتیں اگر محاسب ان افعال کی طرف توجہ کرے تو یہ (۱۱۹) انصاف کے منافی نہیں ہے [۸۳]

طریقہ صوفیہ کے مطابق حصہ اختیار کو اس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک ذرّات کائنات میں سے ہر ذرہ میں اپنے تمام کمالات کے ساتھ خدا کا وجود ہے' یہ ظہور جزوی نہیں' بلکہ ہر ذرہ میں کُل کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ خدا کا وجود بسیط حقیقی ہے' اس کے حصے نہیں ہو سکتے' اس لیے کہتے ہیں:

کل شی فیہ کل شی ۔

(ہر چیز میں ہر چیز ہے)

چونکہ اختیار بھی صفات و شانِ خدا میں سے ایک صفت اور ایک شان ہے پس یہ لازم ہوا کہ مظاہر کائنات کے ہر مظہر میں خصوصاً انسان میں جو منصب خلافت سے مشرف ہے کچھ حصہ اختیار کا بھی متحقق ہو' اگرچہ وہ ضعیف ہے' تکلیف اور امر و نہی کی بنیاد اسی پر ہے' سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور خیر الوریٰ پر درود و سلام۔

چودھواں مکتوب

آئین کفار ہند کا بیان

آپ نے پوچھا تھا کیا کفار ہند بھی مشرکین عرب کی طرح بے اصل دین رکھتے ہیں یا اس کی کوئی مل تھی (جو بعد میں) منسوخ ہوگئی اور ان کے پیشروؤں کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیے؟ [94]

تحقیق و انصاف کے ساتھ اجمالاً [95] لکھا جاتا ہے' جاننا چاہیے کہ اہل ہند کی قدیم کتابوں [96] سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ نوع انسانی کی پیدائش کے آغاز میں رحمت الٰہی نے ان کی دنیا اور اقبت کی اصلاح کے لیے ''بید'' [97] نامی ایک کتاب برہما [98] نام کے ایک فرشتے کے ذریعے بھیجی ھی' جو دنیا کی ایجاد کا وسیلہ ہے' یہ کتاب چار دفتروں پر مشتمل ہے اور احکام امر و نہی اور ماضی و مستقبل کی بریں اس میں درج ہیں' اس کے مجتہدوں نے اس میں سے مذاہب نکالے ہیں اور اصول عقائد کی بنیاد س پر رکھی ہے۔ اور اسے ''دھرم شاستر'' کا نام دیا ہے یعنی فن ایمانیات جو علم کلام ہی ہے' نوع انسانی کو رفرقوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کتاب سے چار مسلک نکالے ہیں' ہر فرقہ کے لیے ایک مسلک مقرر کیا ہے اور فروعی اعمال کی بنیاد اس پر رکھی ہے' اسے انہوں نے ''کرم شاستر'' کا نام دیا ہے یعنی فن عملیات' سے ہم علم فقہ کہتے ہیں چونکہ وہ نسخ احکام کے منکر ہیں [99] اور ہر دور اور زمانے کے اہل دانش کی بیتوں کے مطابق تبدیلی لازم ہے۔

دنیا کی طویل عمر کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصے کا نام ''جگ'' [100] رکھا ہے اور ہر جگ ے لیے چاروں دفتروں سے طریقہ عمل اخذ کیا ہے' ان کے متاخرین نے اس میں جو تصرفات کیے ہیں ساقط الاعتبار ہیں' ان کے تمام فرقے توحید باری تعالیٰ پر اتفاق رکھتے ہیں [101] اور دنیا کو مخلوق جانتے ' دنیا کے فنا ہونے' نیک و بد اعمال کی جزا' حشر اور حساب کا اقرار بھی کرتے ہیں اور ان لوگوں کو علوم لی و نقلی' ریاضات' مجاہدات' تحقیق معارف [120] اور مکاشفات پر یدطولیٰ حاصل ہے (ان کے کتب نے اب تک محفوظ ہیں اور ان لوگوں میں بت کی رسم الوہیت میں شرک کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس حقیقت دوسری ہے [102] ان کے عقلا نے انسانی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ تحصیل م دوسرا حصول معاش اور اولاد' تیسرا اعمال کی صحبت اور نفس کی اصلاح اور چوتھا ترک و تجرید میں جو

کہ انسانی کمال کی انتہا ہے اور نجات کبریٰ جسے مباہکت کہتے ہیں' اسی پر موقوف [103] ہے' اس دین کے قواعد وضوابط میں مکمل نظم ونسق ہے پس معلوم ہوا کہ یہ مقبول (پسندیدہ) [104] دین تھا جواب منسوخ ہو گیا اور شرع میں سوائے یہود ونصاریٰ کے دین کے منسوخ ہونے کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں حالانکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے دین منسوخ ہوئے اور بہت سے پیدا اور ختم نہیں ہوئے' [105]

جاننا چاہیے کہ آیت کریمہ کے مطابق:

وان من امة الا خلا فيها نذير [106]

(اور ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی خوف خدا دلانے والا ہوا ہے)

دوسری آیت میں ہے:

ولكل امة رسول [107]

(اور ہر اُمت میں ایک رسول ہوا ہے)

بعثت کے (بارے میں) دیگر آیات بھی ہیں' ممالک ہند میں انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے گئے ہیں' جن کے احوال ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور ان کے (باقی) آثار سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مرتبہ کمال وتکمیل تک پہنچ گئے تھے اور رحمت عامہ نے اس وسیع مملکت کے انسانی معاملات کو فراموش نہیں کیا [108] مشہور ہے [109] کہ خاتم الرسل ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے گئے اور ہر قوم پر صرف اپنے پیغمبر کی اطاعت واجب تھی نہ کہ دوسری قوم کے نبی کی۔

ہمارے پیغمبر ﷺ کے ظہور کے بعد جو خاتم المرسلین اور تمام بنی نوع انسان کے لیے نبی ہیں کا مذہب مشرق ومغرب کے تمام ادیان کو منسوخ کرنے والا ہے' اور جب تک دنیا قائم ہے کسی کو آپ ﷺ کی نافرمانی کی مجال نہیں' پس آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے آج تک ایک ہزار ایک سو اسّی سال [110] گزرے جس نے اسے قبول نہ کیا وہ کافر ہے لیکن (ظہور اسلام سے) پہلے کے لوگ نہیں اور شرع اس آیت کے حکم کے مطابق:

منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك [111]

(سابقہ رسولوں میں سے) کسی کے حالات تم سے بیان کیے اور کسی کے حالات بیان نہیں کیے)

اکثر انبیاء کے احوال کے بیان میں شرع خاموش ہے' اس لیے ہندوستان کے انبیاء کے حق میں

خاموشی ہی بہتر ہے نہ تو ہمارے لیے ان کی پیروی کرنے والوں کے کفر و ہلاکت کا یقین لازم ہے اور نہ ہی ان کی نجات کا یقین ہمارے لیے واجب ہے، صرف حسن ظن رکھنا چاہیے [۱۱۲] بشرطیکہ تعصب نہ ہو، اسی طرح اہل فارس کے حق میں بلکہ ہر ملک والوں کے لیے جو آنحضرت ﷺ سے پہلے گزرے ہیں اور جن کے بارے میں شرع خاموش ہے، ان کے احکام و آثار معتدل مسلک کے مناسب و موافق ہیں، اسی قسم کا عقیدہ رکھنا بہتر ہے، کسی کو قطعی دلیل کے بغیر کافر کہنا آسان نہیں سمجھنا چاہیے اور ان کی بت پرستی [۱۱۳] کی حقیقت (۱۲۱) یہ ہے کہ بعض فرشتے جو اللہ کے حکم سے اسی عالم کون و فساد میں تصرف رکھتے ہیں یا بعض کاملوں کی روحیں جو اجسام سے ترک تعلق کے بعد بھی اس دنیا میں تصرف رکھتی ہیں یا بعض زندہ افراد جو ان کے خیال کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام کی طرح زندۂ جاوید ہیں، ان کے بت بنا کر ان کی طرف متوجہ رہتے ہیں، اس توجہ کے سبب کچھ مدت کے بعد صاحب صورت سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں اسی کی بنیاد پر دنیا و عاقبت کے تعلق سے اپنی حاجتیں پوری کر لیتے ہیں، یہ عمل ذکر رابطہ سے مشابہت رکھتا ہے جو مسلمان صوفیہ کا معمول ہے کہ اپنے پیر کی صورت کا تصور کرتے ہیں اور اس سے فیض یاب ہوتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے شیخ کا بت نہیں بناتے لیکن اس کا کفار عرب کے عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ وہ تو بتوں کو اپنی ذات سے مؤثر اور متصرف کہتے ہیں اور اللہ کے تصرف کا ''الٰہ'' نہیں سمجھتے تھے اور انہیں زمین کا خدا جانتے تھے اور خدا تعالیٰ کو آسمان کا جو (الوہیت میں) [۱۱۴] شرک ہے۔

ہندوؤں کا سجدہ، سجدہ تحیت ہے نہ کہ عبودیت کیوں کہ ان کے مذہب میں ماں، باپ، پیر اور استاد کو سلام کی بجائے یہی سجدہ کیا جاتا ہے اور اسے ''ڈنڈوت'' کہتے ہیں تناسخ [۱۱۵] پر اعتقاد رکھنے سے کفر لازم نہیں آتا [۱۱۶] والسلام۔

پندرھواں مکتوب

رفع سبابہ کا بیان

آپ نے لکھا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوبات میں سے ایک مکتوب [۱۱۷] میں رفع سبابہ سے منع فرمایا ہے لیکن آپ حضرت مجدد سے اتنی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور

فع سبابہ کو جائز رکھتے ہیں حالانکہ محبت کرنے والے پر محبوب کی اتباع لازم ہے۔

مخدوما! اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کی پیروی اپنے بندوں پر فرض کی ہے' چنانچہ فرماتا ہے:

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرًا ان يكون لهم الخيرة من امرهم [۱۱۸]

(اور کسی مسلمان مرد اور عورت کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ اور رسول حکم فرمائیں تو وہ اپنے معاملہ میں اپنا اختیار استعمال کریں)

اور حضرت رسول علیہ السلام فرماتے ہیں:

لا يؤمن احدكم حتىٰ يكون هواه تبعًا لما جئت به [۱۱۹]

(تم میں سے کوئی شخص ایمان نہیں لاتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہو)

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب کامل ہیں' اپنے طریقہ کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھی ہے اور علماء نے رفع سبابہ کے حق میں صحیح احادیث و فقہ حنفیہ کی روایات پر مشتمل رسائل [۱۲۰] تصنیف کیے ہیں' یہاں تک کہ حضرت شاہ یحییٰ [۱۲۱] رحمۃ اللہ علیہ فرزند اصغر حضرت مجدد نے اس موضوع پر ایک رسالہ [۱۲۲] لکھا ہے اور (انہیں) ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملی جس سے رفع سبابہ کی نفی ہوتی ہو' حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا رفع سبابہ ترک کرنا اجتہاد کی بنا پر ہے اور وہ سنت جو نسخ نہ ہوئی ہو (۱۲۲) مجتہد کے اجتہاد سے زیادہ مقدم ہے' سنت سے انگلی اُٹھائے جانے کا ثبوت مل جانے کے بعد بھی اس وجہ سے ترک کرنا کہ حضرت مجدد نے ترک کیا تھا' معقول بات نہیں ہے' خود حضرت مجدد ترک سنت میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے اور حضرت مجدد حنفی مذہب رکھتے تھے [۱۲۳] حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

اذا ثبت الحديث فهو مذهبي واتركوا قولي بقول رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

(جب حدیث ثابت ہو جائے تو میرا مذہب وہی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی موجودگی میں میرا قول چھوڑ دو)

اس لیے امید ہے کہ حضرت مجدد اس امر اجتہادی کو ترک کرنے اور صحیح احادیث سے اخذ کرنے پر

ناراض نہیں ہوں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مجدد کو اپنے وسیع علم کے باوجود یہ معلوم نہیں تھا کہ رفع سبابہ کا ثبوت ملتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ آپ کے زمانہ مبارک تک ہندوستان میں وہ کتابیں اور رسائل [۱۲۵] مشہور نہیں ہوئے تھے' اس لیے آپ کی نظر مبارک سے نہیں گزرے' آپ نے ترک کر دیا' ورنہ آپ رفع سبابہ ہرگز ترک نہ کرتے کیونکہ آپ اس اُمت کے اکابر میں سے سب سے زیادہ متبع سنت تھے اور اگر یہ کہا جائے کہ کشف کے ذریعے آنحضرت علیہ التحیۃ کی رضامندی نہ پا کر آپ نے اسے ترک کر دیا' تو ہم کہتے ہیں کہ کشف طریقت کے معاملات میں تو معتبر ہو سکتا ہے لیکن احکام شریعت کے لیے حجت نہیں ہے نیز اس خط میں آپ نے کشف کا کوئی دعویٰ نہیں کیا [۱۲۶] یہ جزوی مخالفت حضرت مجدد کے قاعدہ کلی یعنی اتباع سنت کی ترغیب میں ہے اور عمدہ نتائج کی حامل ہو گی' [۱۲۷] والسلام۔

سولھواں مکتوب

حدیث کے مطابق عمل کرنا

آپ نے حدیث کے مطابق عمل کرنے اور ایک مسلک سے دوسرے مسلک میں منتقل ہونے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

مخدوما! حدیث پر عمل کرنے کے سلسلے میں شیخ محمد حیات [۱۲۸] محدث مدنی رحمۃ اللہ علیہ [۱۲۹] نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کی تلخیص فارسی میں لکھی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

(اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمان بردار ہو جاؤ' اللہ تمہیں دوست رکھے گا)

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ [۱۳۰]

(تم میں سے کوئی شخص مؤمن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہیں ہوتی)

یہ صحیح حدیث ہے' ابوالقاسم بن اسمٰعیل بن فضل اصفہانی نے کتاب الحجہ [۱۳۱] میں اس کی روایت کی

ہے اور روضۃ العلماء [۱۳۲] میں درج ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اترکوا قولی بخبر رسول اللہ ﷺ وقول الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم [۱۳۳]

(جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث مل جائے تو میرا قول چھوڑ دو اور اسی طرح صحابہ کا قول بھی)

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے:

اذا صح الحدیث فھو مذھبی [۱۳۴]

(جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے)

پس اگر کسی کو فن حدیث میں مہارت ہو اور ناسخ از منسوخ اور قوی اور ضعیف کے فرق کو پہچانتا ہو وہ اگر حدیث ثابت پر عمل کرے تو وہ امام صاحب کے مذہب سے خارج نہیں ہو جاتا کیوں کہ امام صاحب کا یہ قول ''اذا ثبت الحدیث فھو مذھبی'' اس سلسلے میں متحقق ہے اور اگر اطلاع (۱۲۲) کے باوجود کوئی حدیث صحیح پر عمل نہ کرے تو اس نے امام صاحب کے اس قول:

اترکوا قولی بخبر رسول۔

(جب حدیث مل جائے تو میرا قول ترک کر دو)

کی مخالفت کی اور یہ مخفی نہیں ہے کہ اس اُمت کا کوئی عالم بھی تمام احادیث کا احاطہ نہیں کر سکا چنانچہ امام صاحب کا یہ قول کہ آنحضرت ﷺ کے قول کے مقابلہ میں میرا قول ترک کر دو' اس امر کا ثبوت ہے کہ امام صاحب تک بھی تمام حدیثیں نہیں پہنچی تھیں بلکہ ان میں سے بعض رہ گئیں اور کیوں نہ رہ جاتیں کہ خلفائے راشدین جیسے اُمت میں سب سے بڑے علماء سے بھی جو ہر وقت آپ ﷺ کی صحبت میں رہتے تھے' بعض حدیثیں فوت ہو گئیں۔

اس بات کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو فن حدیث سے واقف ہو' ظاہر ہے کہ اُمت کے افراد پر پیغمبر کا اتباع واجب ہے لیکن ائمہ میں سے کسی کا اتباع واجب نہیں اور اہل اُمت کو اختیار ہے کہ وہ جس مجتہد کا مذہب چاہیں اختیار کریں اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنے سے حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب سے خارج ہو جاتا ہے اگر اس کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل ہو تو وہ لائے [۱۳۵]

البتہ ان مشہور مذاہب میں سے ایک مسلک سے دوسرے مسلک میں منتقل ہونا تفصیل کا محتاج

ہے۔

امام سیوطی نے (اس موضوع پر) رسالہ "جزیل المواہب فی انتقال المذاہب" [۱۳۶] تالیف کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونا جائز ہے، امام رافعی نے اس کی تائید کی ہے، اور امام نووی نے بھی اس کا اتباع کیا ہے اور روضۃ [۱۳۷] میں لکھتے ہیں کہ مذاہب کی تدوین کے بعد کیا یہ جائز ہے کہ مقلد ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہو جائے؟

ہم کہتے ہیں کہ مقلد پر لازم ہے کہ دونوں مذہب کے مجتہدوں کے مطابق طلب علم کرے اور جب اسے یقین ہو جائے کہ دوسرا اگروہ زیادہ عالم ہے تو وہ جائز ہے بلکہ واجب ہے اگر اسے اختیار بھی دے دیں تو بھی جائز ہے، انتہا۔

مقلد کی بھی کئی حالتیں ہیں، عقل کا تحصر بھی چار چیزوں سے خالی نہیں کیوں کہ مقلد عامی ہے یا عالم، ان دونوں کے انتقال مذہب کی وجہ دینی ہے یا دنیاوی اس لیے اگر جاہل ہے اور فقہ سے واقف ہے اور اپنے مذہب کے بارے میں سوائے نام کے کچھ نہیں جانتا اور صرف مال و جاہ کے لیے مذہب بدلتا ہے تو یہ اس کی گھٹیا حرکت ہے نیز اس کی تبدیلی مذہب محض خلل ہے اگر وہ عالم اور فقیہ ہے اور دنیا کے لیے مذہب تبدیل کرتا ہے تو یہ زیادہ سخت ہے گویا کہ وہ مذاہب کے ساتھ مذاق کرتا ہے، صرف دنیا کی غرض کے لیے یہ ناجائز ہے۔

اگر اپنے مذہب میں وہ فقیہ ہے اور انتقال مذہب کا سبب دینی ہے اور دوسرے مذہب کو اس کے نزدیک قوی دلائل کے ساتھ ترجیح حاصل ہے تو اس پر انتقال واجب اور ایک روایت کے مطابق جائز ہے اور اگر وہ فقہ سے واقف نہیں ہے اور اپنے مذہب میں تفقہ کے باوجود جاہل رہا اور دوسرے مذہب (۱۳۸) کو اپنے لیے زیادہ آسان اور جلد سمجھ میں آنے والا خیال کیا اور دوسرے مذہب میں فقیہ کی حیثیت حاصل کرنے کی اُمید رکھتا ہے تو ایسے شخص کے لیے بھی انتقال واجب ہے کیوں کہ مذہب میں تفقہ جہالت سے بہتر ہے کیوں کہ کسی ایک مذہب میں مرتبہ تفقہ حاصل کرنا تمام مذاہب کے جہل سے بہتر ہے، غالباً جاہل کی عبادت صحیح نہیں ہوتی اور اگر انتقال کا کوئی دینی یا دنیاوی مقصد نہیں ہے بلکہ محض عمل کی وجہ سے ہے تو عام کے لیے بھی جائز ہے لیکن فقیہ کے لیے ممنوع ہے کیوں کہ اس نے ایک

مدت میں اس مذہب کا فقہ حاصل کیا ہے اور اگر اس نے دوسرے مذہب کو اختیار کیا تو اس مذہب کا فقہ حاصل کرنے کے لیے اسے پھر ایک عمر درکار ہے اور عمل جو اصل مقصد ہے، نہیں ہو سکے گا پس اس کا مذہب تبدیل نہ کرنا ہی سب سے بہتر ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی غیر حنفی، مذہب میں آئے تو جائز ہے اور حنفی مذہب کا دوسرے میں جائے تو یہ ناجائز ہے، یہ محض تعصب ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ حقیقت میں تو سب امام برابر ہیں اور اگر حنفی مذہب یا کسی دوسرے مذہب کی تقدیم کے بارے میں کوئی آیت یا حدیث وارد ہوتی تو اس مذہب کی تقلید اُمت کے ہر فرد پر واجب ہوتی اور دوسرے مذہب کی تقلید ناجائز ہوتی یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔

صاحب جامع الفتویٰ [۱۳۸] نے جو کہ حنفی مذہب ہیں، کہا ہے کہ مرد یا عورت کا مذہب شافعی سے مذہب حنفی میں جانا جائز ہے لیکن یہ انتقال تمام مسائل میں ہونا چاہیے نہ کہ صرف چند مسائل میں، ماضی اور حال کے بہت سے لوگوں نے مسلک تبدیل کیا ہے اگر یہ ناجائز ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے [۱۳۹] جو کوئی اس کے خلاف کہے اس کا قول بے دلیل، ناقابل قبول اور نامعقول ہے، ہدایت کی پیروی کرنے والے پر سلامتی ہو۔

سترھواں مکتوب

صحابہ کرام کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ

آپ نے لکھا تھا کہ امیر معاویہ بن ابی سفیان اموی صحابی اور ان کے معاونین و تابعین عفی اللہ عنہم و رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ مذہب اہل سنت کے علماء صحابہ کے آپس کے اختلافات کی حسن ظن کی بناء پر تاویل کرتے ہیں جو خیر القرون کے لیے لازم ہے اگر قابل تاویل نہ ہو تو جناب الٰہی کے سپرد کرتے ہیں۔ اور طعن و تشنیع کو ممنوع جانتے ہیں کیونکہ تینوں زمانوں کے علماء، محدثین اور مجتہدین قرب زمان کی وجہ سے ان کے حالات سے پوری طرح واقف تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین کی خطا کا اقرار کرنے کے باوجود اس جماعت پر طعن [۱۴۰] نہیں کرتے اگر لشکر شام اور کوفہ کے درمیان چند روز کے

لیے جنگ اور طعن ہوئی بھی ہو تو وہ محض شدت تعصب کی بنا پر تھی' نہ اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کو (۱۲۵) کافر سمجھتے تھے [۱۴۱] اس تعصب کا ذکر معتبر کتب میں موجود ہے' اس فتنہ کی ابتداء امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے ہوئی۔

سب سے زیادہ سلامتی کا طریقہ یہی ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ تنازعہ کے وقت وہاں صحابہ کے تین گروہ بن گئے تھے' ایک فرقہ خلیفہ برحق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہو گیا' دوسرا امیر شام کے ساتھ اور تیسرا غیر جانب دار (توقف کر گیا) رہا [۱۴۲]

اس میں شک نہیں کہ اس زمانے کے محدثوں اور مجتہدوں نے ان تینوں فرقوں کے اصحاب سے اخذ حدیث میں مساوی وثوق سے کام لیا ہے اگر ان تینوں فرقوں میں سے کسی ایک کو کافر اور فاسق سمجھتے تو اس فرقے کی روایات کو قبول نہ کرتے اور اپنے اجتہاد و استنباط کی بنیاد اس فرقے پر نہ رکھتے اور اگر اس پر طعن کریں تو ملت کا دین اسلام برہم ہو جائے [۱۴۳] اس لیے ان پر طعن کرنے سے زبان کو روکنا چاہیے' س لیے کہ دینی حکمت اسی میں ہے [۱۴۴] اور صحبت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت اس کے علاوہ ہے اور اگر مخالفین یہ کہیں کہ آنحضرت ﷺ کے قریبی اصحاب کا احترام زیادہ لازم ہے تو یہ بھی قبول ہے لیکن اہل قرابت کی طرف سے ان کے مخالفین کی واضح تکفیر ثابت نہیں ہے [۱۴۵] جو وحشت و نفرت نازعہ کے لیے لازم ہے' اسی طرح خیر القرون والوں سے ایسی غلطی کا سرزد ہونا بہت بعید ہے اور اس ں گھن کا پہلو نمایاں ہے اگرچہ وہ خطاء' خطاء اجتہادی [۱۴۶] کیوں نہ ہو کیوں کہ آنحضرت ﷺ کے رباء کی محبت تمام افراد اُمت پر واجب ہے اور اگر استکراہ درمیان نہ ہو تو آنحضرت ﷺ کے اقرباء کی یت میں رضامندی لازم آتی ہے' اس سلسلے میں زیادہ بحث مناسب نہیں ہے اس مقام پر مکمل افسوس ے ساتھ خاموشی ہی مناسب ہے [۱۴۷]

چونکہ شیعہ فرقہ نے مسلک اعتدال سے انحراف کر لیا ہے اور بے اصل روایات پر اعتماد کرتے ہیں ان پاک نفسوں کو اپنے خبیث نفوس کے مطابق خیال کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ صحابہ کرام کی تکفیر کرنے ے [۱۴۸] جو تواتر حدیث کے مبداء اور کتاب و سنت کے ناقل ہیں اور نہیں سمجھتے کہ ایسا پیغمبر ﷺ) جس پر خدا نے نبوت ختم کر دی اور اسے تمام انسانوں کا سردار بنایا اور اس کے دین کو تمام وں کا ناسخ (منسوخ کرنے والا) بنا کر قیامت تک باقی رکھا اور جس کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی

ہے:

وما ارسلنٰك الا رحمة للعالمین [۱۴۹]

(ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا)

وہ جماعت جو عہد نبوت میں آپ ﷺ کی صحبت میں رہی اور جس نے آپ ﷺ کی تادم حیات جان و مال کے خرچ اور خدمت کرنے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد ترویج شریعت میں کسی قسم کا دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا' کیا وہ حضرت پیغمبر (ﷺ) کی دستگیری سے کفر کے بھنور سے بھی نہ نکل سکے اور ساحل نجات تک نہ پہنچ سکے؟ طرفہ یہ ہے کہ لوگ خدا اور رسول کے بارے میں عجیب حسن ظن رکھتے ہیں اگر خدانہ خواستہ ایسا ہی ہو [۱۴۶] جیسا کہ وہ سابقین کے بارے میں گمان کرتے ہیں تو ایسے خدا سے بعد میں آنے والوں کو رحمت کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اور ایسے پیغمبر سے شفاعت کی کیسے اُمید رکھی جا سکتی ہے؟

سابق پیغمبروں اور ان کی اُمتوں کے احوال پوشیدہ نہیں ہیں اور اس قوم کے اولیا کے حالات بھی چھپے ہوئے نہیں ہیں' ہرگز سننے یا دیکھنے میں نہیں آیا کہ ان بزرگوں میں سے کسی کے انتقال کے بعد اس کے تمام مخلصین مرتد اور منکر ہو گئے ہوں اور اس کی آل و اولاد سے عداوت کی ہو' ایسی صورت میں پیغمبر کی بعثت سے جس کا مقصد قوم کی اصلاح ہوتا ہے' کیا فائدہ؟ اس حساب سے تو خیر القرون' شرالقرون بن گیا اور خیر الامم' شرالامم ہو گئے' [۱۵۰] خدا انصاف نصیب کرے' والسلام۔

اٹھارھواں مکتوب

عقیدۂ اہل سنت و جماعت کا اجمالی بیان

بعد حمد و صلوٰۃ' آپ نے لکھا تھا کہ صحابہ اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں جو شیعہ سنی اختلاف ہے اس سے دل کو اطمینان نہیں ملتا' ملت کے اعتقاد کی بنیاد حدیث پر ہے اور حدیث میں جھوٹ اور سچ دونوں ہیں مگر متواتر احادیث کہ جن سے استفادہ یقین دلاتا ہے' بہت کم ملتی ہیں۔ اس لیے اطمینان حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

مخدوما! یہ مسئلہ ضروریاتِ دین اور ارکانِ اسلام میں سے نہیں ہے' توحید باری تعالیٰ اور نبوت کی

تصدیق نجات کے لیے کافی ہے' ایمان مجمل [۱۵۱] نجات دلانے والا اور کلمہ طیبہ کی تصدیق اور اقرار (لسانی) کرنے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور یہی کافی ہے' صحابہ اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں مجمل حسن ظن رکھنا چاہیے چونکہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ حسن خدمت اور قرب قرابت رہا تھا اس لیے ان سے محبت لازم ہے۔ بس یہی کافی ہے۔

ان حضرات کے تفصیلی حالات کے لیے تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ ہیجان اور فتنہ کا موجب ہے [۱۵۲] کیوں کہ عصمت کا منصب اہل سنت کے مذہب میں حضرات انبیاء علیہم التحیۃ والثناء کے لیے مخصوص ہے' ان کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ عقیدہ رکھنا ناجائز ہے' چاہے وہ صدیقین اور اولیاء ہی کیوں نہ ہوں' ان میں کبھی مخالفت ہوتی ہے لیکن جلد ہی دور ہو جاتی ہے اور حد درجہ صاف باطن ہونے کے باعث تصفیہ ہو جاتا ہے لیکن یہ نفوسِ خبیثہ ان اکابر کو اپنے جیسا قیاس کرتے ہیں' ان کی آپس کی عداوت و کینہ کو مستقل ثابت کرتے ہیں' اس کی فروعات تلاش کر کے رائی کا پہاڑ بناتے ہیں' جو ساقط الاعتبار ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس طبقے کا انکار کرنے کا (۱۲۷) مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک کی تاثیر سے انکار کیا جائے اور پیغمبر کے دنیا میں بھیجے جانے کے فائدے سے انکار کیا جائے' ایک روز میں (ا)س مسئلہ پر غور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے التجا کر رہا تھا کہ ان شکوک کے مہلکات سے مجھے نجات کا (ر)استہ مل جائے تو میرے باطن پر یہ "عبارت" وارد ہوئی:

قل آمنت باللہ کما ھو عند نفسہ وبرسول اللہ کما ھو عند ربہ وبآلہ واصحابہ کما ھو عند نبیھم ۔

(تو کہہ کہ میں اللہ پر ایمان لایا' جیسے کہ وہ اپنے نزدیک ہے' اور رسول اللہ پر جیسے کہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل اور اصحاب پر جیسے کہ وہ اپنے نبی کی بارگاہ میں ہیں)

ظاہر بات ہے کہ یہ مطالب عالی تمام اختلافات سے برتر ہیں' یہ امر خدا کے سپرد کر دینا چاہیے' یہ (نف)س الامر [۱۵۳] کا مرتبہ ہے' اس مقام پر کوئی فرقہ دم مارنے کی مجال نہیں رکھتا: [۱۵۴]

فالحمد للہ علی نوالہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہٖ ۔

(خدا کا شکر ہے اس کی نعمتوں پر اور اس کے رسول اور آل پر صلوٰۃ)

انیسواں مکتوب

اس حدیث کے بیان میں کہ بارہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے

آپ نے لکھا تھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میرے بعد قریش [155] سے بارہ خلفاء ہوں گے" [156] اہل سنت کے نزدیک ان بارہ خلفاء میں سے چار تو وہ ہیں جنہوں نے خلافت خاصہ حاصل کی اور آٹھ وہ ہیں جنہوں نے خلافت پر تسلط کیا اور کفار کے ساتھ جہاد اور کلمہ حق کی تبلیغ کی [157] اور شیعہ بارہ اماموں سلام اللہ علیہم کو کہتے ہیں [158] آپ کے خیال میں کون حق بجانب ہے؟

مخدوما! اہل سنت حق بجانب معلوم ہوتے ہیں، واضح ہو کہ لفظ خلافت عمومیت کا حامل ہے، خلافت ظاہری بھی ہو سکتی ہے اور باطنی بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء کے لیے ظاہری و باطنی دونوں طرح کی خلافت لازم ہے [159] خلیفہ وہ ہوتا ہے جو امر خلافت کو چلائے ظاہری خلافت کا چلنا قدرت و استطاعت پر موقوف ہے یعنی نفاذ حکم کے لیے خزانہ اور فوج لازم ہے، ظاہر ہے کہ چاروں خلفاء کے بعد جنہوں نے تیس سال [160] حکومت کی اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے چھ ماہ تک کی، ان کے بعد ائمۂ اطہار میں سے کوئی کسی وقت بھی اس امر پر قادر نہ ہوا اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کی تعبیر کہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے اس بات کی دلیل ہے [161] ...... اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کی بجائے اہل بیت یا بنی ہاشم فرماتے، اس لیے دونوں مذاہب میں اس طرح اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ دین کی ترویج جو اسباب ظاہر پر موقوف ہے (اور قالب اسلام کی بجائے ہے جو ان کے دم سے ہوئی اور دین کے باطن کی تقویت کہ اسلام کی حقیقت اس قالب کی روح کی بجائے ہے [162]) جو حضرات ائمہ علیہم السلام کے نفوسِ قدسیہ کی وجہ سے ہوئی۔

چنانچہ صوفیہ اہل سنت بارہ اماموں کی قطبیت تسلیم کرنے میں متفق ہیں [163] چاروں خلفاء اور حضرت امام حسن رضوان اللہ علیہم میں یہ دونوں (۱۲۸) خصائص جمع تھے۔

امیر شام (امیر معاویہ) اور حضرت امام حسن سلام اللہ علیہ کے درمیان صلح کے بعد سے لے کر حضرت امام مہدی صاحب الزمان سے بھی باطنی خلافت کا تعلق ہے نیز صاحب الزمان کی ذات سے

بھی ظاہری و باطنی خلافت متحقق ہے [164] اور دوسرے خلفاء میں بسلسلہ ظاہری خلافت' مجھے بارہ کے عدد کے تعین میں تکلف ہے' [165] والسلام۔

بیسواں مکتوب

حضرت عائشہ کی حضرت امیرالمؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملال کی توجیہ

آپ نے لکھا تھا کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض تھیں [166] اس کے بعد جنگ جمل [167] کے واقعہ کو چھوڑ کر جس کے دوسرے اسباب تھے' ناراضی ثابت ہوتی ہے' جو اشکال سے خالی نہیں کیوں کہ یہ بات حضرت عائشہ سے بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ حضرت علی سے انحراف کریں [168] حالانکہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ زہرا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ عزیز تھے [169]

مخدوما! بعض اوقات تنازعہ میں دونوں طرف کے افراد معذور ہوتے ہیں کیوں کہ دونوں حق پر ہوتے ہیں' چنانچہ یہی بات یہاں بھی ہے' یہ مخفی نہ رہے کہ ''قضیہ افک'' [170] میں جب حضرت علی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اضطراب کا احساس ہوا تو انہوں نے غلبہ محبت اور مصلحت وقت کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسکین و تسلی کے لیے ایسے الفاظ کہے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل حضرت عائشہ سے پھر جائے' جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بات سنی تو بہت پریشان ہوئیں [171] اور کیوں نہ ہوتیں' ایسے وقت میں ایسی باتوں سے محب اپنے محبوب کی نظروں سے گر جاتا ہے' ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اذیت کی اور کوئی بات نہیں ہوتی' اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ سے انحراف ''غیرت محبت'' اور بشری تقاضے کی وجہ سے ہے' جس کے بغیر چارہ نہیں یہ (انحراف) کسی دوسری وجہ سے نہیں تھا' جب تک محبت باقی ہے وحشت بھی باقی ہے' حضرت علی نے یہ باتیں کسی عداوت کی وجہ سے نہیں کہی تھیں' محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے بلکہ یہ باتیں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے باعث تھیں اور ان سے گریز نہیں کیا جا سکتا تھا' اس لیے دونوں حق بجانب اور دونوں معذور ہیں بلکہ دونوں کو اجر ملے گا کیوں کہ دونوں کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے [172]

چنانچہ حضرت خیر النساء فاطمہ علیہا التحیۃ والثناء (۱۲۹) کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراضی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے [۱۷۴] یہاں دو شبہات پیدا ہوتے ہیں' اوّل یہ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ترک دنیا کرنے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے معقول جواب سننے کے باوجود ناراض کیوں ہوئیں [۱۷۴] دوسرے یہ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسی معمولی بات میں آنحضرت ﷺ کی اولاد کی مصلحتاً رعایت کیوں نہ کی؟ [۱۷۵] اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں وراثت کے مال سے بڑھکر کوئی مال حلال نہیں ہے' اس کی طلب ترکِ دنیا اور تقویٰ کے منافی نہیں ہے' بلکہ متقی حلال مال کی زیادہ قدر جانتا ہے اور جب تک بشریت باقی ہے' ضروریات سے کنارہ کش نہیں رہ سکتا اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار اس حدیث (پر مبنی تھا):

نحن معاشر الانبیاء لا نورث [۱۷۶]

(ہم گروہ انبیاء ہیں' ہمارا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا)

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث حضرت نبی معصوم ﷺ کی زبان مبارک سے سنی ہو گی [۱۷۷] اس لیے ان کے حق میں یہ نص قطعی ہے اور ایسے اُمور میں مصلحت جائز نہیں ہے' اس جواب سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تسلی اس وجہ سے نہیں ہوئی ہو گی کہ ورثہ کا یہ ثبوت توریت سے ثابت ہوتا ہے اور یہ حدیث اس وقت تک اتنی مشہور نہیں ہوئی ہو گی کہ حضرت فاطمہ کے لیے حجت بنتی [۱۷۸] یا (یہ ناراضی) نازک مزاجی کے باعث ہے جو صاحب زادگی کی وجہ سے لازم ہے [۱۷۹] **لا تبدیل لخلق اللّٰہ** (مخلوق خدا کے لیے کوئی تبدیلی نہیں) کے مصداق کوئی کمال خصوصیات مزاج کو تبدیل نہیں کر سکتا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شدید غصہ دم واپسیں تک زائل نہ ہوا اور آپ کا ملک الموت کے منہ پر طمانچہ مارنے کا قصہ مشہور ہے [۱۸۰]

اس لیے ایسی صورت میں دونوں معذور ہیں اور دونوں طرف حق ثابت ہوتا ہے' اہل سنت کے لیے طرفین کے حق میں حسن ظن رکھنا اور دونوں کو اچھا خیال کرنا واجب ہے' [۱۸۱] **والسلام علٰی من اتبع الھدیٰ۔**

اکیسواں مکتوب

سنت سنیہ کے اتباع کا التزام اور مرتبہ حضور و آ گاہی و جمعیت کے حصول کا بیان

مخدوما! آپ نے جو کچھ اس زمانے کے ان ضعیف الاعتقاد طالبوں کے بارے میں لکھا ہے' جو درویشوں سے صرف کشف و کرامت کے طالب ہوتے ہیں اور قرنِ اوّل سے ان کو کوئی مناسبت نہیں ہوتی' معلوم ہوا۔

جاننا چاہیے کہ ان نادان لوگوں کو جو دوسرے مشائخ کی بھی رغبت رکھتے ہوں مرید کرنا کیا ضروری [182] ہے؟ اور عقلمند مخلصین میں سے جو کوئی امر مذکورہ کا التماس کرے (طلب کرامت) تو اس کی تسلی اس طرح کرنی چاہیے کہ خدا حکیم حقیقی ہے' اس آیت کریمہ کے مطابق:

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ [183]

(اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا)

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور رضا کی بنیاد جو کہ تمام طریقوں کے صوفیہ کا مقصود اصلی ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع [130] پر رکھی ہے' خدا نے اس طبیب حاذق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بعض اُمور اور منہیات کے ساتھ جو بالکل دوا اور پرہیز کی مثل ہے' اس دنیا میں اُمت کی اصلاح کے لیے بھیجا' جو کہ غفلت اور معصیت میں مبتلا تھی' جس کسی نے یہ نسخہ استعمال کیا' اس نے صحت و شفا پائی اور اگر کسی نے اس کا اس کا انکار کیا تو گویا اس نے خود کو ضائع و تلف کر لیا' یہ نسخہ صورت بھی رکھتا ہے اور حقیقت بھی اس کی صورت تو عام مسلمانوں کے لیے ہے تا کہ اعتقادات کی درستی کے بعد کتاب و سنت کے مطابق اپنے عقائد درست کرلیں' امر و نہی کا بجالانا اعضاء کا استعمال کرنا ہے' ان اعمال کی جزا حسی نعمتیں ہیں' نجات بس اسی میں ہے۔

اس نسخہ کی حقیقت خواص کا حصہ ہے اور وہ ہے مذکورہ صورت کے مطابق ریاضات و مجاہدات کے ذریعے قلب کی جلا اور نفس کا تزکیہ ہے' جس کا حاصل تجلیات اور مکاشفات کا ظہور ہے صورت سے مراد ایمان اور اسلام ہے اور حقیقت سے مراد احسان ہے [184] جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ [۱۸۵]

(تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تُو اسے دیکھ رہا ہے)

بے حقیقت صورت اس دوا کی طرح ہے جو ظاہری جلد کے امراض کے لیے ہو مثلاً ورم جو مالش اور لیپ کرنے سے ٹھیک ہو جاتے ہیں اور جو بے فائدہ نہیں ہیں لیکن حقیقت کا بغیر رعایت صورت ہونا غیر مفید ہے، وہ حقیقت نہیں بلکہ استدراج [۱۸۶] اور مکر الٰہی ہے "اعاذنا اللّٰہ منھا" (ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)۔

حقیقت تنقیہ کی طرح ہے کہ جس پر مواد فاسدہ کا نکلنا موقوف ہوتا ہے تاکہ مرض کے اعادہ کا احتمال نہ رہے، اس مرض سے کامل شفا اس وقت تک نہیں ملتی جب تک ان دونوں کو نہ ملایا جائے، بیان ہٰذا سے یہ بات معلوم کرنی چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کے علاج سے صحابہ کرام پر صحت و شفا کے کیا آثار ظاہر ہوئے؟

مخفی نہیں ہے کہ خدا کی محبت کے غلبے اور خود کو اس کی اتباع و رضا جوئی رسول خدا ﷺ، اطاعت میں لذت اور گناہوں سے توبہ کرنے کے بغیر کچھ ظاہر نہیں ہوا، ان آثار کے ظاہر ہونے سے دائمی حضوری قلب اور تہذیب نفس کا ظہور ہوا جو آنحضرت ﷺ کی صحبت کی برکت اور شریعت کے صحیح استعمال سے ظاہر ہوئی تھی، اور دورِ آخر کے ذوق وشوق سے متعلق کچھ نہیں کہا۔

صورت وحقیقت کو مکمل طور پر حاصل کرنے کے باوجود کہ اس سے زیادہ حاصل کرنے کا تصور ممکن نہیں، اکثر اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ اس صورت کو محفوظ رکھا جائے، جو کہ حقیقت کی محافظ ہے، جس کا فائدہ خواص وعوام دونوں کو پہنچتا ہے۔

ان حضرات نے کشف وکرامت کی طرف کوئی التفات نہیں کیا اور انہوں نے ان اُمور کو کمال کے لوازم و شرائط نہیں سمجھا، اس لیے جو مریض (طالب) کامل صحت یعنی نسبت محمدیہ چاہتا ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ اتباعِ سنت کو تمام ریاضات و مجاہدات سے بہتر سمجھے [۱۸۷] اور جو انوار و برکات اس سے ظاہر ہوں انہیں (۱۳۱) تمام فیوضات سے افضل جانے اور عام مشہور اذواق و مواجید کی جمعیت باطن اور دوام حضور کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں اور جس عزیز کی صحبت سے یہ اُمور حاصل ہوں اس کو حضرت رسول خدا ﷺ کا نائب خیال کرتے ہوئے اس کی خدمت کو لازم جانے اور اس راہ کا میوہ کھا کر فریفتہ

نہ ہوں اگرچہ وہ لذیذ ہی کیوں نہ ہو [188]

بائیسواں مکتوب

بنام شاہ ابوالفتح [189] طریقہ مجددیہ کے چند درجات کا بیان

مدت کے بعد مخدوم زادہ گرامی کا التفات نامہ سامی ملا' جس نے تازہ جان بخشی اور نسبت اخلاص کی تجدید وتقویت کا باعث ہوا' آپ نے سلوک کے آغاز وانجام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے' ہم نے مطالعہ کیا' وہ اطوار وآثار جو آپ میں ظاہر ہو رہے ہیں ان سے بہت سی اُمیدیں ہیں' خصوصاً ان حاصل شدہ اُمور کو جاننا جو اکثر لوگوں کے غرور کا سبب بنتے ہیں۔ قدر وقیمت جاننا' طلب خدا میں ہم جیسے نامراد فقیروں سے مراد چاہنا بھیک کے لیے دست دراز کرنا' وحدت الوجود کے سمندر کے طوفان سے کنارے پر آنا' ہمارے حضرات جن کی ریاضات اتباع سنت اور جو شریعت کے حقائق کے اسرار جاننے والے ہیں کی نسبت کی آرزو رکھنا طہارت' طلب اور علو ہمت کی دلیل ہے بارك الله في بركاتكم واعلى درجاتكم (اللہ تعالیٰ تمہاری برکات میں اضافہ اور تمہارے درجات بلند کرے)۔

مخدوما! آپ نے حضرت والد ماجد اور میاں ہمت خان صاحب کے افادات کے ثمرات یعنی اردات غریبہ' احوالِ عجیبہ' استیلاء غیب اور ظہور وحدت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سب لطیفۂ قلب کے آثار ہیں یہ مقام تسکین ہے' اس لطیفہ کی انتہا یہ ہے کہ یہ تنگنائے امکان سے باہر آ جاتا ہے اور مقدمہ جوب کی وسعت میں آ کر دائرہ ظلال اسماء وصفات کی سیر کرتا ہے جو تعینات عالم کے مبادی ہیں اور ل خاص میں جو تعین امر کا مبداء ہے فانی ہو جاتا ہے اور اسی ظل سے بقا حاصل ہو جاتی ہے' اس قوم طبقہ صوفیہ) کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے فنائے قلب' اور ولایت صغریٰ جو اولیا کی ولایت ہے ر ولایت ظلی سے جو محل سکر ہے' وحدت وجود کے معارف پیدا ہوتے ہیں۔ قلب کے ضمن میں اس نام پر نفس کو فنا کی ہم رنگی حاصل ہوتی ہے' اس ولایت کے حصول کا اثر خدا کی ایسی دائمی حضوری ہے ں میں کبھی غفلت نہیں آتی' کسی اور سے تعلق باقی نہیں رہتا' اس مقام سے اوپر ایک اور مقام ہے جس ں سالک کی سیر اس ظلال کے اصول میں ہوتی ہے جس کا نام اسماء وصفات ہے [190] اور معاملہ لطیفہ ں سے متعلق ہو جاتا ہے' جو عام خلق سے ہے جیسا کہ سابقہ مقام میں قلب اور چاروں لطائف سے

پڑا تھا جو کہ عالم امر ہیں، جن کا عروج مرکز ظلال تک ہے (۱۳۲) یہاں نفس کو حقیقت فنا حاصل ہو جاتی ہے اور نفس امارہ نفس مطمئنہ میں بدل جاتا ہے اور مخالف دشمن، موافق دوست بن جاتا ہے اور پھر دعوت و ارشاد کا حق مل جاتا ہے، یہ مقام بعد الجمع کی انتہا ہے، اس لیے یہاں تمیز صحیح حاصل کر کے وحدت شہودی کا راز جو کہ خلق سے غیرت حق کی خبر دیتا ہے، معلوم ہو جاتا ہے، اس مقام پر پہنچ کر ان چیزوں کی طرف راغب ہوتا ہے جنہیں خدا پسند کرتا ہے اور ان سے گریز کرتا ہے جن سے خدا ناراض ہوتا ہے۔

یہاں تک کہ کلفت درمیان سے جاتی رہتی ہے اور عمل بر شریعت اس کی طبیعت کا خاصا بن جاتا ہے، کتاب وسنت پر اعتقاد و عمل بلا تامل ہونے لگتا ہے اور (سالک) محتاط ہو جاتا ہے، اس مقام کو فنائے نفس اور ولایت کبریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو انبیاء کی ولایت ہے اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کی برکت سے اُمت کے خاص حضرات کو یہ مقام حاصل ہے۔

یہاں سالک کو اسماء وصفات کے کمالات کی سیر ہوتی ہے جو ''اسم ھو الظاھر'' سے متعلق ہیں، اس ولایت سے اوپر ملائکہ کی ولایت ہے جسے ولایت علیا کہتے ہیں، یہاں ''کمالات ھو الباطن'' کی سیر ہوتی ہے، اس ولایت کے حاصل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ تجلی ذات کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے، اس سے بلند تر نبوت اور رسالت کے کمالات ہیں، اس مقام پر حضرت ذات باری تعالیٰ سے اسماء وصفات کے الگ ہونے کے عدم جواز کے باوجود تجلی مجرد ذات عارف پر ظاہر ہو جاتی ہے اور یہاں پر چاروں عناصر سے جو لطیفہ نفس کے اصول ہیں واسطہ پڑتا ہے یعنی ولایت علیا میں خاک کے سوا باقی تین عناصر سے اور کمالات نبوت میں صرف خاک سے، چونکہ ذات عالیہ کے اعتبارات وشیونات بہت زیادہ ہیں اور ان کمالات سے بھی بالاتر مقامات ثابت ہیں جو اپنے اپنے مقام پر مذکور ہیں، اس راستے میں سب سے مشکل کام فناءِ قلب اور فناءِ نفس حاصل کرنا ہے۔ اور دیگر تمام مراتب کا دارومدار انہیں دو قسم کے فنا پر ہے۔ مذکورہ مقامات میں سے ہر مقام میں عروج و زوال اور فنا و بقاء ہے، ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ حضرات مجددیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تحقیقات کے مطابق اور اکابر متقدمین کے مذاق کے مناسب ہے [۱۹۱] لیکن دوسرے مشائخ اس سلسلے میں احتمال رکھتے ہیں جو سالکوں کے لیے ذوق کا باعث ہوتے ہیں، اس طرح جذبہ کو سلوک پر تقدم حاصل ہے، ہر چند شیخ کے نفس مفید کی تاثیر کو مرید کے باطن میں پورا دخل حاصل ہے لیکن مفید قسم کی استعداد ہونا بھی شرط ہے۔

آپ سے ملاقات کی بہت آرزو ہے' خدا ہماری اور آپ کی بخشش کرے' والسلام۔

(عریضہ شاہ ابوالفتح)

شاہ ابوالفتح (مکتوب الیہ ہذا) کے مکتوب کی چند سطریں جن میں بعض اشغال چشتیہ کے فوائد مندرج ہیں' ایک شغل کے بارے میں فرماتے ہیں (۱۳۳) کہ اس شغل میں کثرتِ مشق کے باعث سینہ کی گہرائی سے شہد کی مکھی کی مانند نہایت بسیط آواز محسوس ہوئی جو ہر روز بڑھتی ہی جاتی تھی یہاں تک کہ وہ قلب صنوبری کی حرکت پر جو ''ذوالابتداء والانتہا'' میں ثابت ہے' غالب آ گئی' اسم جلالہ کا حمل درست طور پر اس کی گرفت میں آ گیا' آواز مزید بسیط ہو گئی چنانچہ قلب کے شروع سے لے کر اس طرف جہاں روح کا مقام ہے یک لخت ایک مستطیل آواز پیدا ہوئی' اس نے سارے سینہ کو اپنی گرفت میں لے لیا' اس آواز نے کچھ عرصہ بعد اس قدر غلبہ کیا کہ سارے بدن میں سرایت کر گئی حتیٰ کہ توجہ کے وقت ایک بال بھی اس سے خالی نہیں رہتا اور اس قدر مغلوب کر دیتی ہے کہ جبلی اعمال میں بھی توجہ رکھنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے اور غیر کا تصور جاتا رہتا ہے اور حضرت ذات کی سیر دیر تک اعیان موجودات میں مشہود ہوتی ہے جب اس حالت سے قدرے افاقہ ہوتا ہے تو عجیب حالات اور انوکھے مکاشفات ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ اگر اس حالت میں کسی کی قبر پر توجہ کرے تو صاحب قبر کا حال منکشف ہو جاتا ہے اور اگر مستقبل کے حالات کے بارے میں جستجو کرے تو بلاکم و کاست معلوم کر لیتا ہے اگر کسی ایسے آدمی کی طرف توجہ کرے جو صاحب استعداد ہو تو وہ اپنے دل میں تاثرات حرارت محسوس کرتا ہے' اس سے پہلے روح کا ذکر قدرے منتشر تھا' اب وہ بھی اس آواز کے ساتھ مل گیا ہے' اب ذکر قلب اور روح میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے:

مرج البحرین یلتقیان [۱۹۲]

(اس نے دو سمندر بہائے جو دیکھنے میں ملے ہوئے معلوم ہوئے)

تیئسواں مکتوب

مسئلہ توحید وجودی کا بیان

برخوردار تمہاری التماس پر وحدت وجود کا مسئلہ لکھا ہے۔

جاننا چاہیے کہ کتاب مراتب ستہ [۱۹۳] کی شرح [۱۹۴] میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے علم قدیم میں کلی

وجزوی حقائق جانتا ہے' کسی چیز کے علم سے اس شے کا وجود علم میں لازم آتا ہے' اس لیے چاہیے کہ تمام موجود اشیا علم ازلی میں موجود ہوں' یہی وجہ ہے کہ اس بات کے قائل ہیں کہ ''ہر چیز کا وجود علم میں ثابت ہے''۔ اس مرتبہ علم میں جس کا نام صوفیہ کی اصطلاح میں باطن وجود ہے' وجودات اشیاء کو زمانے کے اعتبار سے تقدیم و تاخیر حاصل نہیں' اس کے خلاف وجود خارجی میں تقدیم و تاخیر بدیہی ہے۔ کیونکہ وجود علمی وجود خارجی سے الگ شے ہے اور چاہیے کہ اس سے مقدم رہے' جیسا کہ اصل کو فرع پر اور ظل والی چیز کو ظل پر تقدم حاصل ہوتا ہے' وجود علمی سے خارجی اشیاء کے وجود میں آنے کی کیفیت یہ ہے کہ جب خدا چاہتا ہے کہ کسی ایسی صورت کو صور علمیہ سے وجود میں لائے جسے وجود منبسط کہتے ہیں اور جسے صوفیہ کی اصطلاح میں ظاہری وجود کہا جاتا ہے اور اس صورت کے آثار مطلوبہ کو اس صورت سے (۱۳۴) ظاہر کرے تو اس صورت اور اس وجود کے نور کے درمیان ایسا رشتہ پیدا کر دیتا ہے جو ذہن میں تو معلوم ہوتا ہے لیکن از روئے کیفیت معلوم نہیں ہوتا' وجود منبسط کا آئینہ اس صورت کے عکس سے منقش کرتا ہے' وہ اس طرح کہ نقش اطلاق وجود برہم نہ ہو:

وللّٰہ المثل الاعلٰی [۱۹۵]

(اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے)

جیسا کہ دیکھنے والے کا عکس آئینہ کے سامنے آ کر آئینہ میں پیدا ہوتا ہے اور اس سے آئینہ کا نور زائل نہیں ہوتا اور عقل (سلیم) رکھنے والا غور کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ صورت مرئیہ جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں یعنی شکل' رنگ اور مرائیت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہاں پر نہ دخول ہے اور نہ ارتسام اگرچہ بظاہر اور عوام کی سمجھ کے مطابق صورت مرئیہ اور صفت مرئیہ یکساں ہیں' جو مرأت ہوتا ہے۔ درحقیقت صورت اور مرات آئینہ میں سے ہر ایک' ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں' تحدب آئینہ صورت سے ظاہر ہوتا ہے' مولانا جامی مراتب ستہ میں فرماتے ہیں کہ اگر وجود کو مرأت سمجھیں تو اس میں بظاہر صور علمیہ کے آثار و احکام پائے جاتے ہیں (نہ کہ وہ صور بہ نفسہا): [۱۹۶]

لان الاعیان الثابتۃ فی العلم ما شمت رائحۃ الوجود فی الخارج [۱۹۷]

(اس لیے کہ اعیان ثابتہ جو حضرت علم میں ہیں انہوں نے خارج میں وجود کی بو تک نہیں سونگھی)

اگر صور علمیہ کو مرأت قرار دیں تو اس میں سماء وصفات کی تجلیات اور حضرت وجود کے شیونات ہیں نہ کہ وجود بعینہٖ [۱۹۸] چنانچہ مرأت کوئی خزانہ علم کی طرح ہے جو منقوش صفحے کی مانند ہے اور وہ منبسط صیقل شدہ آئینہ کی جگہ اس کے مقابل ہے' اس صفحہ میں سے نہ کوئی نقش باہر آتا ہے اور نہ کوئی صورت مرأت وجود میں آتی ہے کیوں کہ مرتبہ علم سے صورت علمیہ کے خروج سے جہالت لازم آتی ہے اور مرأت وجود میں دخول صورت سے قیام حادث قدیم ہوتا ہے اور یہ دونوں محال ہیں' اس لیے باطن وجود اور ظاہر وجود کے درمیان طرفین کے آثار و احکام کے عکس میں سے ایک طلسم ہے جو صوفیہ کی اصطلاح میں وہم اور ائرہ امکان کہلاتا ہے کیوں کہ اس میں پانچ مشہور تنزلات میں سے تین تنزلات امکانیہ پائے جاتے ب [۱۹۹] یعنی تنزل روحی' مثالی اور جسدی چنانچہ مرتبہ علم واجبی میں دو تنزل وجوبی ہیں یعنی وحدت و حدیت جو عبارت ہیں مرتبہ علم میں خدا کے شیونات [۲۰۰] صفحات کو اجمالاً اور تفصیلاً ملاحظہ کرنے سے بھتے ہیں کہ خارج میں وجود واحد کے علاوہ کسی شے کی تحقیق اور اس کا ثبوت نہیں اور کثرت مرئیہ مرتبہ م میں موجود ہے' حکمت بالغہ نے اس (مرتبہ) وہم کو تقویت [۲۰۱] دی ہے اور اس پر آثار ابدی کی بنیاد ا ہے' نہ کہ اس وہم پر جو رفع وہم کے بعد اُٹھ جاتا ہے' اس مرتبہ پر اطلاق وہم سے اس قوم کی مراد یہ ہ کہ اس کثرت کی کوئی اور حقیقت نہیں' تمام وجود واحد اس مرأت (۱۳۵) وجود منبسط میں تجلیات ثرت میں تجلی کر گیا ہے اور تجلیات کی کثرت کا منشا تکثر شیونات ہے' جو حضرت وجود میں موجود ہیں اور بہ علم میں منکشف ہوتے ہیں' جیسے بیج سے کوئی پودا اُگتا ہے' اس طرح حقائق ممکنات بن جاتے ہیں حقائق کا عکس جب مرأت وجود میں منبسط ہوا تو عالم کہلایا چونکہ اشیاء کے وہمی وجود کی اور کوئی حقیقت ں بلکہ وہ وجود علمی کا عکس ہے اور نفس الامر میں تمام وجودِ علمی کے ساتھ موجود ہے' مرتبہ علم سے نہیں ہیں' جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے اور علم صفاتِ الٰہیہ میں سے ایک صفت ہے اور وجودی صوفیہ کے نزدیک صفت عین ذات ہے اس لیے اس تقریر کے مطابق اشیا کا وجود عین وجود حق ہے' چنانچہ حضرت شیخ اکبر (ابن عربی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ان شئت قلت حق (وان شئت قلت خلق [۲۰۲])

(اگر تم چاہو تو اسے (ہستی۔کون) حق کہو اور اگر تم چاہو تو خلق کہو)

ثابت ہوا کہ خارج میں وجود واحد کے سوا کچھ نہیں' یہی وحدت الوجود کے معنی ہیں اور یہی ان

حضرات کا مکشوف اور مشہود ہے [۲۰۳]

چوبیسواں مکتوب [۲۰۴]

حضرت شیخ عبدالاحد نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کے نام

جو قیوم ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ سے منسلک ہونے سے مخصوص ہے۔

اس کا مختصر بیان اس طرح ہے کہ انسان دس اجزا سے مرکب ہے [۲۰۵] جسے لطائف عشرہ کا نام دیا گیا ہے' ان میں سے پانچ عالم خلق سے ہیں اور وہ نفس اور عناصر اربعہ ہیں' اور پانچ عالم امر سے ہیں یعنی وہ عالم جو جسمانی اوصاف اور لوازم سے پاک اور مبرا ہے اور وہ قلب' روح' سر' خفی اور اخفی ہے' حق تعالیٰ نے انسانی ہیکل تخلیق کرنے کے بعد جو کہ عالم خلق کے اجزا سے مرتب اور مرکب ہوا ہے' عالم امر کے خمسہ سے ہر ایک کو جو عرش کے اوپر لامکانی سے موصوف ہے' انسانی جسم میں مناسب مقام پر رکھ کر تعلق بخشا تا کہ انسان خلق اور امر کا جامع ہو جائے اور اسم صغیر کا مستحق ہو جائے۔

اس لیے پہلے اس لطیفہ میں مشغول کرتے ہیں جو بائیں پستان کے نیچے گوشت کے لوتھڑے کے نیچے ہے جسے قلب صنوبری [۲۰۶] کہتے ہیں اور اس شغل کا طریقہ یہ ہے کہ سالک کو قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہونا چاہیے' اسے اس لوتھڑے کو حجرہ کی طرح سمجھنا چاہیے' جس سے اس لطیفے کا تعلق ہے اور اسم مبارک ''اللہ'' اس پر جاری ہوتا ہے' اس وقت وہ سانس کو زیر ناف روکے او زبان کو تالو سے لگائے اور تمام حواس کو یک سو کر کے قلب صنوبری کی طرف توجہ کرے [۱۲۶] اور اسم مذکور کو ''بیچونی'' اور ''بچگونی'' [۲۰۷] کی صفت سے ملحوظ رکھے' صرف صورت قلب اور نفس اللہ کا تصور کرے اور کوئی صفت مثلاً سمیع' بصیر' حاضر اور ناظر کا تصور نہ کرے اور سانس کو اس وقت تک روکے جب تک حضور میں خلل اور فتور نہ آ جائے' اس طریقے پر ہمیشہ عمل کرے' جس سے بیٹھتے اُٹھتے' کھاتے پیتے' بولتے یا سوتے وقت اس کا تصور باقی رہے اگر اس (عمل) کی نگاہ داشت میں پوری کوشش کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حرارت' گرمی' شوق اور ذوق حاصل ہو جاتا ہے' اس کے آثار و انوار مرتب ہونے لگتے ہیں' قلبی نور کا زرد رنگ مقرر کیا گیا ہے' اس عمل میں فنا اور غیبت حاصل ہوتی ہے اور اس غیبت کے دوران

اس پر اس کی استعداد کے مطابق کچھ کشف بھی ہوتا ہے' اس لطیفے کی کشائش کا کمال یہ ہے کہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے فعل میں فنا ہو جاتا ہے اور پھر اسی فعل سے باقی رہتا ہے پس اس وقت سالک خود کو مسلوب الفعل اور بے کار محسوس کرتا ہے اور اپنے تمام افعال کو حق تعالیٰ کے افعال تصور کرتا ہے' اس کا معلوم اور مشہود فقط حق جل وعلا رہ جاتا ہے اور ''ماسوا'' کے علاوہ سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے اور یہ فراموشی کسی کو تو مدت دراز تک اور کسی کو تمام عمر رہتی ہے' یہاں تک کہ اگر اسے یاد دلانے کی کوشش کی جائے تو بھی اسے یاد نہیں آتا' سالک اس وقت دائرہ ولایت میں داخل ہوتا ہے' اس مرتبے کو تجلی فعلی اور فنائے قلب کہتے ہیں [۲۰۸] اس لطیفے کی ولایت حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے' جو بھی ''آدمی المشرب'' ہوتا ہے اسے اسی لطیفہ کے ذریعے وصال ایزدی میسر آتا ہے' اس کی سیر تمام لطائف پر نہیں ہوگی مگر مرشد کامل کی ہمت وکشش سے (تمام لطائف کی سیر ممکن ہے)۔

اس کے بعد لطیفۂ روح کا شغل کیا جاتا ہے یہ وہ مقام ہے جس کا تعلق دائیں پستان کے نیچے ہے' یہ لطیفہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جل شانہ کی صفات میں سے فنا و بقا سے مشرف ہوتا ہے' اس سیر میں سالک اپنی صفات کو اپنے سے مسلوب پاتا ہے' اور اسے حق تعالیٰ سے منسوب کرتا ہے' خواہ سمع خواہ بصر اور تمام صفات کو اس طرح سمجھتا ہے کہ خود حق تعالیٰ ہی سنتا اور دیکھتا ہے اور اس کی اپنی نہ کوئی سمع ہے نہ بصر' اس حالت کے حصول کو تجلی صفات سے تعبیر کرتے ہیں [۲۰۹] اس لطیفے کا نور سرخ ہے' اس لطیفے کی ولایت حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے' اس لیے جو بھی ابراہیمی المشرب ہوگا وہ لطیفہ قلب طے کرنے کے بعد وصال خداوندی حاصل کرے گا۔

اس کے بعد لطیفہ سر [۲۱۰] کا شغل ہوتا ہے جس کا تعلق سینہ اور قلب کے وسط سے ہے [(۱۳۷)] اس لطیفے کو شیونات ذاتیہ کی تجلیات سے فنا و بقا حاصل ہوتی ہے [۲۱۱] اس لطیفے کا نور سفید ہے' اس لطیفے کی ولایت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور موسی المشرب سابقہ لطائف طے کرنے کے بعد واصل بحق ہوگا۔

پھر لطیفہ خفی کا شغل کیا جاتا ہے' جس کا تعلق روح اور وسط سینہ کے مابین سے ہے' اس لطیفے کی فنا صفات سلبیہ میں ہے' اس لطیفے کا سیاہ نور متعین کیا گیا ہے' اس لطیفے کی ولایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے' اس لطیفے کا سالک جو عیسوی مشرب ہوگا وہ سابقہ درجات طے کرنے کے بعد اس لطیفہ

کے ذریعے بارگاہِ الٰہی میں پہنچتا ہے۔

من بعد لطیفہ اخفی کا شغل ہوتا ہے جس کا تعلق وسط سینہ سے ہے' اس لطیفے کی فنا مرتبہ برزخیہ میں مرتبہ تنزیہ اور مرتبہ احدیث مجردہ میں ہے' اس لطیفہ کے نور کو ''نور سبز'' فرمایا ہے' اس لطیفہ کی ولایت حضرت افضل المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ افضل الصلوٰۃ اتمھا واکملھا کے زیر قدم ہے جو بھی محمدی المشرب ہوگا' اسی لطیفہ کے وسیلہ سے بارگاہ قدس وتعالیٰ میں واصل ہوتا ہے' سابقہ مراتب طے کرنے کے بعد لطیفہ قلب کو ظلال صفات کی تجلی سے حصہ ملتا ہے اور دائرۂ ظلال ولایت صغریٰ جو کہ اولیا کی ولایت ہے' کی سیر ہوتی ہے اور لطیفہ نفس تجلی صفات سے بہرہ ور ہے' دائرہ صفات ولایت کبریٰ جو کہ انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے' کی سیر ہوتی ہے۔

عناصر اربعہ میں سے تین عنصروں کو سوائے خاک کے تجلی صفات کے باعتبار ''اسم الباطن'' سے حصہ ملتا ہے چنانچہ نفس کو اسم الظاہر کے اعتبار سے تجلی صفات سے حصہ حاصل ہے۔

اس دائرہ ولایت علیا کی سیر ولایت ملائکہ کی سیر ہے اور عنصر خاک تجلی ذات سے بہرہ ور ہے' کیوں کہ یہ کمالاتِ نبوت ہیں۔

کمال لطائف عشرہ کے حصول اور فنا کے بعد تجلی وجدانی ہیئت پر پڑتی ہے' جب لطائف خمسہ عالم امر سے فارغ ہو جاتے ہیں اور معاملہ لطائف عالم خلق سے متعلق ہو جاتا ہے اور وہ نفس اور عناصر اربعہ ہیں پہلے نفس مطمئنہ حاصل ہوتا ہے پھر رضا سے مشرف ہوتا ہے اور پھر اسلام حقیقی حاصل کرتا ہے' اس کے بعد عناصر اربعہ کے اصولوں کی سیر ہوتی ہے' اس کے بعد کمالاتِ نبوت' قرآن کے حروف مقطعات کا کشف' متشابہات وکمالات رسالت اور کمالات اولوالعزم حاصل ہوتے ہیں (۱۳۸)

جاننا چاہیے کہ فناء لطائف حاصل کرنے کے لیے نفی واثبات کا ذکر کرنا چاہیے' اس طرح کہ سابقہ طریقہ کے مطابق سانس روک کر لفظ ''لا'' کو ناف سے کھینچ کر دماغ تک جو کہ لطیفہ نفس کا مقام ہے پہنچاتے ہیں اور ''الٰہ'' کو دائیں طرف لا کر ''الا اللہ'' کی ضرب قلب پر ایسے طریقے سے لگاتے ہیں کہ اس کا گزر لطائف پر ہوتا ہے جو سینے میں موجود ہوتے ہیں' اسے ''بازگشت'' کہتے ہیں' جب ایک ہی سانس میں ذکر کی تعداد اکیس ہو جائے تو ہر روز اتنا ہی کرے یہاں تک کہ ایک ہزار مرتبہ روزانہ ضرب لگائے لیکن اسے مقررہ شرائط کے مطابق کیا جائے' پھر فنا کا پھل مل جائے گا: [۲۱۴]

دادیم ترا از گنج مقصود نشان　　ما گر نرسیدیم تو شاید برسی[۲۱۳]

راقم فقیر (شاہ غلام علی) عفی عنہ کہتا ہے کہ اس طریقے کے متاخرین نے سالکوں کی عدم فرصت کے باعث حرکت ذکر کے القا کے بعد لطائف عشرہ میں جو ترکیب میں سات ہیں' لطیفۂ نفس کی تہذیب کے بعد لطیفۂ قلب کی تہذیب اختیار کی ہے کیونکہ ان دونوں لطیفوں کی سیر کے ضمن میں عالم امر کے لطائف اربعہ کو بھی فنا و بقا' عروج اور صعود اپنے اصول سے حاصل ہوتی ہے اور بتدریج اپنے کمال کو پہنچتے ہیں' اسم ذات کے ذکر میں سانس روکنا حضرت ایشاں (میرزا مظہر) اور آپ کے اصحاب سے نہیں سنا حرکت قلبی بھی چنداں لازم نہیں' مقصود تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے' اس (مکتوب) میں چونکہ بہت فوائد تھے' اس لیے تبرکاً نقل کیا گیا ہے:[۲۱۴]

فالحمد لله كما يحب ربنا ويرضى وصلى الله علىٰ سيدنا محمد وعلىٰ آله واصحابه وبارك وسلم ۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ تاریخ اکبری از عارف قندھاری، اکبر نامہ اور آئین اکبری میں ان مہمات کی تفصیل موجود ہے نیز دیگر کتب کے حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: ضمیمہ "اجداد حضرت مظہر"۔

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ضمیمہ دوم "اجداد حضرت مظہر" و فصل چہارم درنسب و ولادت حضرت مظہر (کتاب ہذا)۔

۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فصل ذکر نسب و ولادت حضرت مظہر۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ ملاحظہ ہو: فصل حضرت مظہر کا حاجی محمد افضل سے استفادہ (کتاب حاضر)

۶۔ ملاحظہ ہو: فصل پنجم، حضرت مظہر کا حضرت سید نور محمد سے استفادہ۔

۷۔ یعنی حضرت خواجہ سیف الدین و حضرت خواجہ محمد معصوم۔

۸۔ دیکھیے فصل ہشتم، حضرت مظہر کا شیخ محمد عابد سنامی سے استفادہ۔

۹۔ یعنی حضرت شیخ عبدالاحد ملقب بہ شاہ گل، متخلص بہ وحدت اور حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی

۱۰۔ حضرات نقشبندیہ کی بنیادی کتب خاص طور سے حضرات سرہند کے مجموعہ ہای مکاتیب ال[...] بشارات و مکاشفات سے مملو ہیں خود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا مستقل رسال[ہ] مکاشفات غیبیہ موجود ہے نیز اکابر نقشبندی مشائخ کی تصانیف میں بھی مکاشفات پائے جا[تے] ہیں۔

۱۱۔ تفصیل کے لیے اسی فصل میں مکتوب نمبر ۲۱ ملاحظہ کریں۔

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ القرآن (آل عمران ۳/۶۰)۔

۱۴۔ عصمت صرف انبیائے کرام کا خاصہ ہے، عصمت انبیاء پر علماء نے مستقل رسائل لکھے ہیں، حضرت مجدد فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام جو کہ گناہوں سے معصوم و پاک ہیں اور ان حضرات سے گناہ کے صادر ہونے کا امکان بھی سلب کر لیا گیا ہے۔ (مکتوب ۲/۴۴)

۱۔ ترجمہ: فیض روح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) اگر پھر مدد کرے تو بعد والے بھی وہ کر دکھائیں جو حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا۔

۔ یعنی پیر کی موجودگی شرط ہے۔

۔ ملاحظہ ہو: مقدمہ کتاب ہذا ''صوفیہ کی حالت''

۔ رشحات میں ہے:

گاہی نسبت گویند و ازان طریقہ و کیفیت مخصوصہ و معہودہ این طائفہ علیہ خواہند و گاہی صفت غالب و ملکہ نفس کشی ارادہ کنند و گاہی بار گویند گرانی و نسبتی خواہند (ص ۱۱۶)۔

احمد طاہری عراقی نے رسالہ قدسیہ کے تعلیقات میں اس اصطلاح پر بحث کرتے ہوئے صوفیہ کے اقوال یک جا کر دیے ہیں (ملاحظہ ہو: قدسیہ مؤلف حضرت خواجہ محمد پارسا مرتبہ احمد طاہری عراقی، تہران ۱۹۷۵ء) (ص ۱۱۸۔۱۲۰)۔

کلمات طیبات میں شامل اس مکتوب کے الفاظ یہاں اس طرح درج ہوئے ہیں:

این کثرت وجودات ظلی مخل وحدت وجود حقیقی اصل نمی تواند شد، ص ۱۵۔

وجودی صوفیہ نے اپنی کتب میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے، حضرت شیخ ابن عربی کا مستقل رسالہ ''نسب الخرق'' موجود ہے، جو انہوں نے دمشق میں ۶۳۳ھ میں تصنیف کیا (مقالہ محمد تقی دانش پژوہ: ''خرقہ ہزار میخی'' شامل 'Wisdom of Persia' تہران ۱۹۷۱ء، ص ۱۴۹۔ نیز ملاحظہ ہو: اصطلاحات صوفیہ از عبد الرزاق کاشانی، اصطلاحات صوفیہ از فخر الدین عراقی، لطائف اشرفی (فصل اصطلاحات صوفیہ)۔

کلمات طیبات، (ص ۱۵) میں یہ فقرہ موجود ہے ''وجود حق بسیط و خیر و حسن محض است و عین عالم

نمی تواند شد'' جو مقامات مظہری کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے۔

۲۲۔ شہودی صوفیہ نے اس باب میں جو بحثیں کی ہیں ان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

پارسا، خواجہ: رسالہ قدسیہ مرتبہ احمد طاہری عراقی، مطبوعہ تہران و مرتبہ ملک محمد اقبال، مطبوعہ راولپنڈی۔

ایضاً: تحقیقات (فصل اصطلاحات صوفیہ)، فقیر اللہ علوی شکارپوری: مکتوبات نمبر ۱/۹۔۱۰، ۱/۲، ۲/۷، ۳، ۷/۲۹۷، ۶/۶۵۔

مجدد الف ثانی، حضرت: مکتوبات ۱/۱۶۷۔

ولی اللہ، شاہ: شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل، مطبوعہ مطبع احمدی، فصل ہفتم، ص ۶۸۔

فقیر اللہ علوی شکارپوری: مکتوبات ۱/۴، ثناء اللہ پانی پتی، قاضی: ارشاد الطالبین، ص ۱۲۔

شاہ غلام علی دہلوی: ایضاح الطریقہ، ۶۱۔

۲۳۔ صوفیہ کرام نے علم کو اصطلاح کے طور پر بیان کرتے ہوئے اس کی کئی اقسام بتائی ہیں، چند حوالے ملاحظہ ہوں:

کلاباذی، ابوبکر محمد: التعرف لمذہب اہل التصوف، قاہرہ ۱۹۶۰ء، ص ۸۶۔۸۹۔

انصاری، خواجہ عبداللہ ہروی: منازل السائرین مرتبہ روان فرہادی، کابل ۱۳۵۵ش، ص ۱۳۰، ۳۹۴، ۳۹۵۔

سہروردی: مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ (ترجمہ فارسی) نولکشور، باب دوم بیان علوم، ص ۳۴۔۵۳۔

قشیری، امام ابوالقاسم: رسالہ قشیریہ شرح از خواجہ گیسو دراز، دکن ۱۳۶۱ھ، ص ۳۷۱۔

ہجویری، علی بن عثمان، گنج بخش لاہوری: کشف المحجوب، ص ۱۹۔

فقیر اللہ علوی شکارپوری: مکتوبات ۷/۷۶۔

۲۴۔ مفتی محمد باقر نے کنز الہدایات میں مکتوبات اور رسائل حضرت مجدد اور مکتوبات معصومیہ کے ملخص مندرجات کی روشنی میں ان اُمور پر بحث کی ہے۔ (کنز الہدایات، مطبوعہ امرتسر، ۸۲۔۹۵)۔
نیز نجم الغنی رام پوری نے علم حضوری و حصولی کے تحت مختلف اقوال صوفیہ یک جا کر دیے

ہیں، ملاحظہ ہو: تذکرۃ السلوک، مراد آباد ۱۳۱۸ھ، ص ۷۹۔۸۰۔

۲۵۔ کلمات طیبات، ص ۱۷ میں منقول اس مکتوب میں یہ جملہ "کہ تداخل عبادتین ست" مقامات مظہری میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔

۲۶۔ امام ربانی مجدد الف ثانی: مکتوبات، جلد اول مکتوب نمبر ۲۰۹، جلد سوم مکتوب نمبر ۸۸، ۹۲، ۱۲۱۔

۲۷۔ شیخ محمد یحییٰ کے اس رسالے کا نام رد شبہات ہے جس کا ایک خطی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے (فہرست مخطوطات فارسی رضا لائبریری ص ۱۴۷)۔

۲۸۔ یہ رسالہ ہم نے کئی نسخوں کی مدد سے ایڈٹ کیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہوا۔

۲۹۔ عطیۃ الوہاب ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء میں تالیف ہوا، علیحدہ کتابی صورت میں اور پھر مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے عربی ترجمہ شیخ محمد مراد (دفتر سوم) کے حاشیہ پر دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔

۳۰۔ برزنجی نے اس سلسلے کے رد میں کئی کتابیں لکھی تھیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: احوال و آثار خویشگی، ص ۱۵۹۔۱۶۱۔

۳۱۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصانیف میں سے مکتوبات، اثبات النبوت، رد روافض، رسالہ تہلیلیہ، مبداء و معاد، معارف لدنیہ اور چہل حدیث دریافت ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔

۳۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: وحدت الوجود تالیف ملا عبد العلی بحر العلوم ترجمہ و حواشی مولانا زید ابو الحسن فاروقی دہلی، ۱۹۷۱ء و مقدمہ کتاب حاضر۔

۳۳۔ ایضاً۔

۳۴۔ ایضاً۔

۳۵۔ "مولوی صاحب مہربان سلمہ الرحمٰن" سے حضرت مظہر کے خلیفہ اجل حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مراد ہیں، حضرت مظہر کے مکتوبات کا جو مجموعہ جناب عبد الرزاق قریشی مرحوم نے شائع کیا تھا، اس میں اکثر مکاتیب میں انہیں اسی طرح مخاطب کیا گیا ہے، حالات کے لیے ملاحظہ ہو باب "خلفائے حضرت مظہر" (کتاب حاضر)۔

۳۶۔ اکثر معترضین کے رسائل سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انہوں نے آپ کی اصطلاحات تصوف کو کما حقہ نہیں سمجھا، حضرت مجدد کے نبیرہ مولانا محمد فرخ مجددی نے اصطلاحات صوفیہ پر ایک ضخیم

کتاب لکھی تھی جو اس کمی کو پورا کرتی ہے' ملاحظہ ہو ہدیہ مجددیہ مؤلف مولانا وکیل احمد سکندر پوری۔

۳۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فصل ہذا کے حواشی نمبر ۱۹۳ تا ۲۰۳۔

۳۸۔ ایک شے کے لیے دوسری شے کا حکم یا اس حکم کا منشاء اگر یہ ثبوت الفاظ (ذو) یا (لہ) یا (فی) کے ذریعہ ہو تو حمل اشتقاقی ہے اور اگر یہ ثبوت بلاواسطہ ہو تو حمل مواطاۃ ہے۔ (دستور العلماء ۲/ ۵۷' مصطلحات علوم وفنون عربیہ' ص ۱۳۸)۔

۳۹۔ مجدد الف ثانی' حضرت: مکتوبات ۳/ ۱۲۴۔

ایضاً: مبداء ومعاد نمبر ۴۸' بدرالدین سرہندی: حضرات القدس ۲/ ۱۲۶۔

شاہ غلام علی دہلوی: رسائل سبعہ سیارہ' ص ۵۰۔

محمد امین بدخشی: المفاضلہ بین الانسان والکعبہ (بسال ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء) قلمی' مخزونہ کتب خانہ اسلامیہ کالج' پشاور۔

۴۰۔ اس موضوع پر ہم نے احوال وآثار عبداللہ خویشگی میں مفصل بحث کی ہے' ملاحظہ ہو: ص ۱۵۰۔ ۱۵۳۔

۴۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فصل ہذا مکتوب نمبر ۷۔

۴۲۔ ترمذی (کتاب الامثال' باب ۶' نمبر ۲۸۶۹) ۵/ ۱۵۲)۔

۴۳۔ کلمات طیبات' ص ۱۹ میں منقول اس مکتوب کا یہ فقرہ ''وکمالی غیر از کمالات نبوت بالاصالۃ ختم نہ شدہ است'' مقامات مظہری (مطبوعہ نسخہ) میں نقل ہونے سے رہ گیا ہے۔

۴۴۔ صوفیہ کرام نے ائمہ صوفیہ کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے منع کیا ہے' مشائخ کے اکثر تذکروں میں اس قسم کے اثرات ملتے ہیں' لیکن ہر جگہ تفضیل کی نفی کی گئی ہے' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرھما کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کا قیاس معتقدین کے مابین اس وقت پیدا ہوا ہوگا جب حضرت مجدد کے مکتوبات میں بعض ایسے نکات قارئین کی نظر سے گزرے جن میں آپ نے حضرت شیخ کے بارے میں اظہار خیال فرمایا ہے' مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم کا قول ہے:

قدمی هذه علٰی رقبة کل ولی اللّٰه ۔

(میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس کی توضیح یوں کی ہے کہ ''جاننا چاہیے کہ یہ حکم صرف اس وقت کے اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے' اولیائے متقدمین و متاخرین اس حکم سے خارج ہیں (مکتوبات ۱/۱۹۳) غور کریں تو اس توضیح سے کسی طرح بھی بے ادبی کا پہلو نمایاں نہیں ہوتا حضرت مجدد الف ثانی کے علاوہ یہی رائے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بھی ہے (دیباچہ شرح فتوح الغیب) نیز شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام نے بھی ایسا ہی لکھا ہے (سیرت غوث اعظم' ص۱۰۰۔۱۰۲)۔ حضرت مجدد نے کئی مقامات پر آپ کے فضائل و مناسب تحریر کیے ہیں' لکھا ہے ائمہ اثنا عشر کے بعد مقام قطبیت حضرت غوث اعظم کو عطا ہوا اور تا این دم تمام واصلین کو انہی کے ذریعے فیض پہنچتا ہے اور شیخ مجدد آپ کے نائب ہیں (مکتوبات ۳/۱۲۳) حضرت مجدد الف ثانی اپنے یوم وصال تک حضرت غوث الثقلین کا احترام اسی طرح کرتے رہے' انتہائی ضعف اور مرض میں آپ عالم رؤیا میں ملے اور فرمایا کہ میرے اس شعر:

افلت شموس ......الخ اور ہمارے قول قدمی هذه......الخ

کی شرح لکھوان شاء اللہ صحت ہو جائے گی (بدرالدین سرہندی: وصال احمدی' ص۱۲۔۱۳) مزید تفصیل کے لیے حضرت مظہر کے معاصر بزرگ شاہ فقیر اللہ علوی شکار پوری کا طویل مکتوب ملاحظہ ہو۔ (مکتوبات ۴۹/۲۰۲۔۲۲۱)۔

(ترجمہ:) کمی اور بیشی کی طرف ہرگز توجہ نہیں دینی چاہیے اور حد سے باہر قدم نہیں رکھنا چاہیے' تمام کائنات جمال ازلی کا آئینہ ہے' اسے دیکھنا چاہیے اور دم مارنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں: ''باوجود اس تمیز بے چونی اور وسعت بے کیفی کے اس کے اسماء وصفات خانہ علم واجبی میں تفصیل اور تمائیز پیدا کر کے منعکس ہوئے ہر اسم اور صفت متمیزہ کا مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور نقیض ہے عدم میں علم کا مقابل عدم علم ہے' جس کو جہل کہتے ہیں' اور قدرت کا عدم قدرت ہے جس کو عجز کہتے ہیں' یہی کیفیت تمام صفات کی ہے ان مقابلات عدمیہ نے بھی واجبی میں تفصیل اور تمیز پیدا کی ہے اور وہ اپنے مقابل اسماء وصفات کے لیے

آئینے بنے' اسماء وصفات واجبی کا ان پر عکس پڑا' اس فقیر کے نزدیک عدمی آئینوں پر جو عکس پڑا ہے وہ حقائق ممکنات ہے''۔ (مکتوبات ۳/۱۲۲ رسالہ وحدت الوجود' حواشی مولانا زید)۔

۴۷۔ وحدت الوجود اور شہود میں انطباق ثابت کرنے کا سلسلہ حضرت مظہر کے زمانے میں خاصا زوروں پر تھا جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں وضاحت کی ہے کہ دونوں مکاتب فکر اس کشفی اختلاف کو خلاف کا رنگ دے کر ایک دوسرے کی تکفیر کرنے پر اتر آئے تھے' حضرت مظہر کے قریب العہد عارف حضرت شیخ محمد مراد تنگ کشمیری (ف ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء) نے اس تکفیر کی شورش سے متاثر ہو کر ایک کتاب ''صلح الفریقین فی منع تکفیر موحدین'' تالیف کی تھی (ر۔ک بہ مقالہ راقم در نور اسلام اولیائے نقشبند نمبر ۱۹۷۹ء' ص ۷۹۔۸۳) حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی اس میدان میں آ کر دونوں نظریات کو منطبق کرنے کی کوشش کی' حضرت مظہر اس انطباق کو تسلیم نہیں کرتے تھے چنانچہ انہوں نے مولانا غلام یحیٰ بہاری سے فرمائش کی وہ اس موضوع پر ایک رسالہ لکھیں انہوں نے کلمات الحق کے نام سے انطباق کی نفی میں ایک رسالہ لکھا' اسی طرح حضرت مظہر کی فرمائش پر رسالہ مظہر النور لکھا گیا' اول الذکر رسالہ کے رد میں حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی نے ضخیم رسالہ دمغ الباطل کے نام سے تالیف کر ڈالا جس میں حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہ انطباق کی پرزور تائید کی' گویا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ دونوں فریق اس نظریہ کے معاملہ میں (علاوہ علماء مذکورہ) افراط وتفریط کا شکار ہو گئے تھے' یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے جانشینوں نے اپنی خانقاہوں میں اس مسئلہ پر بحث کی ممانعت کر دی تھی' خانوادہ مجددیہ کے عالم افراد ابھی تک اپنے اسلاف کے نظریہ کے مطابق اسے لفظی اختلاف نہیں سمجھتے بلکہ واضح قسم کا کشفی اختلاف ثابت کرتے ہیں' ملاحظہ ہو: زید ابوالحسن فاروقی: رسالہ وحدت الوجود از علامہ بحر العلوم۔ بحث خاتمہ' ص ۱۳۰۔۱۳۶' نیز تحقیقی بحث کے لیے دیکھیے' مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی ۴۶/ ۱۵۸۔۱۹۵۔

۴۸۔ یہ قول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے' ایک روز آپ کی محفل میں ایک صالح شخص برہان پور سے آیا اور سوال کیا کہ شیخ محمد فضل اللہ نے دریافت کیا ہے کہ آپ نے اپنے مکتوب (۱/۱۱) میں لکھا ہے کہ میرا مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرتبہ سے بلند ہے؟ اس کے جواب میں حضرت مجدد نے کہا کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جمیع فضائل کے باوجود خلفاء ثلاثہ پر

فضیلت نہیں دیتا تو اپنے کو ان سے افضل کیوں کر لکھ سکتا ہوں؟ بلکہ معرفت حق اس شخص پر حرام ہے جو خود کو کافر فرنگ سے بہتر سمجھتا ہو:

''معرفت خدائے بر آنکس حرام کہ خودرا از کافر فرنگ بہتر داند'' (حضرات القدس ۲/ ۸۸)۔

۴۹۔ کتاب ہذا کے حواشی میں مختلف مقامات پر ان حقائق کی تفصیلات درج ہیں نیز مولانا محمد باقر لاہوری نے اس باب میں حضرت مجدد الف ثانی کے معارف بیان کیے ہیں (کنز الہدایات' آخری حصہ)۔

۵۰۔ شیخ منصور حلاج کے مکاشفات کو صوفیہ نے بحث کا موضوع بنایا ہے' مستقل کتابیں اور مسائل تصوف پر عمومی مبحث کے دوران ''شیخ حلاج'' کا ذکر مکرر آیا ہے۔

احوال و مراجع کے لیے دیکھیے' بروکلمان: تاریخ الادب العربی ترجمہ سید یعقوب بکر۔ قاہرہ ۱۹۷۷ء' ۴/ ۶۶۔۶۹۔

۵۱۔ القرآن (الانبیاء) ۲۱/ ۸۳۔

۵۲۔ قوسین میں دیا گیا جملہ مقامات مظہری میں نہیں ہے جب کہ کلمات طیبات (ص ۲۱) میں شامل اس مکتوب میں موجود ہے۔

۵۳۔ القرآن (الانبیاء) ۲۱/ ۸۳۔

۵۴۔ القرآن' ۳۸/ ۴۱۔

۵۵۔ القرآن ۳۸/ ۴۴۔

۵۶۔ قوسین میں درج فقرہ مقامات مظہری میں منقول اس مکتوب میں نہیں ہے جب کہ کلمات طیبات' ص ۲۲ میں پایا جاتا ہے۔

۵۷۔ قصص الانبیاء کے موضوع پر تالیف ہونے والی کتب میں حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے درج ہے' ہمارے پیش نظر امام ثعلبی کی کتاب العرائس (مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ' ص ۸۶۔۹۳) ہے۔

۵۸۔ اس مقام کی تشریح اسی مکتوب کے حواشی میں ملاحظہ کریں۔

۵۹۔ ایضاً۔

۶۰۔ قوسین میں منقول فقرہ مقامات مظہری میں نہیں ہے بلکہ کلمات طیبات میں مندرج اس مکتوب سے لیا گیا ہے' ص۲۲۔

۶۱۔ حضرت محی الدین ابن عربی کے اس قول کی تفصیل کے لیے دیکھیے: فصوص الحکم شرح ملا جامی (فص حکمۃ غیبیۃ فی کلمۃ ایوبیۃ) مطبوعہ فیروز پور' ۱۹۰۷ء' ص۳۶۴۔

۶۲۔ کسی ولی کا نبی کے مرتبے کو پہنچنا تو درکنار ولی کی ولایت نبی کی انتہائی اتباع پر مبنی ہے' اس باب میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں خوب دلائل سے بحث کی ہے' ایک مقام ملاحظہ ہو:

> حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں ان کا سر ہمیشہ اس پیغمبر کے نیچے رہتا ہے جو تمام پیغمبروں سے کم درجے کا ہے۔ (مکتوبات ۱/ ۲۴۸)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

سلمی' عبدالرحمٰن: طبقات الصوفیہ مرتبہ نورالدین شربیہ' مصر ۱۹۵۳ء' ص۳۲-۴۳' ۴۴' ۴۷' ۵۹' ۶۶' ۹۴' ۱۰۴' ۱۰۶' ۱۱۳' ببعد (اشاریہ اصطلاحات' ص۵۵۸)۔

انصاری' عبداللہ' خواجہ' ہروی: طبقات الصوفیہ مرتبہ حبیبی' کابل' ۱۳۴۱ش' ص۳' ۱۴' ۶۴ (اشاریہ اصطلاحات' ص۷۰۸)۔ فقیر اللہ علوی شکارپوری: قطب الارشاد' کوئٹہ ۱۳۹۷ھ' ص۱۰۵-۱۰۶ (فائدہ' فضل الولی علی النبی)۔

سجادی' سید جعفر: فرہنگ لغات و اصطلاحات و تعبیرات عرفانی' تہران' ۱۳۵۴ش' ص۲۹۷-۲۹۸۔

۶۳۔ حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی' خلیفہ حضرت غلام محی الدین قصوری' خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی' خلیفہ حضرت مظہر نے اس مکتوب کی ایک نہایت عمدہ شرح لکھی ہے جو "القول القوی فی ذکر الخفی والجلی" کے نام سے مطبع محمدی لاہوری سے ۱۳۰۱ھ میں چھپی تھی' اس کے آخر میں اس وقت کے جید علماء کی تصدیقی تقریظیں موجود ہیں (یعنی مولوی غلام مرتضٰی بیربلوی' محمد محبوب عالم' مولوی غلام دستگیری قصوری' خلیفہ حمید الدین قاضی لاہور' مولوی عبداللہ ٹونکی' مولوی نور احمد لاہوری'

مولوی عبدالعزیز بن مولوی غلام محی الدین بگیوالہ، شیخ احمد دریکالی، غلام رسول چووی)۔ ہم نے حواشی میں اس شرح سے استفادہ کیا ہے۔

۶۴۔ کئی حنفی فقہاء نے اس مسئلے پر اظہار خیال کیا ہے، قاضی خان نے اپنے فتاویٰ (باب غسل میت) میں لکھا ہے کہ ذکر بالجہر مکروہ ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے ذکر بالجہر مؤلفہ مولانا غلام رسول سعیدی، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۱۶۳۔

۶۵۔ ذکر جہر کی ذکر خفی پر فضیلت کے سلسلے میں صوفیہ نے کئی رسائل لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہو:
محمد عالم صدیقی علوی: لمحات من نفحات القدس، تاش کند، ۱۳۲۷ھ، ص ۱-۲۴ (مقصد اوّل)

۶۶۔ شارح مکتوب ہذا نے المرقات شرح المشکوٰۃ کے حوالے سے لکھا ہے:
وما الذکر باللسان والقلب لاہ فھو قلیل الجدوی، ص ۳۔

۶۷۔ ذکر قلبی کی تین قسمیں ہیں، دو کا ذکر متن میں ہے، تیسری قسم وہ ہے جب "وقت امتثال امر حق تعالیٰ وتجنب از نہی وسبحانہ" (ایضاً، ص ۳)۔

۶۸۔ القرآن (الاعراف) ۷/۲۰۵۔

۶۹۔ امام بیہقی کے حوالے سے شارح نے اس کی وضاحت کی ہے (ایضاً، ص ۳-۴)۔

۷۰۔ ذکر کی اس قسم کے کامل ترین ہونے سے سابق الذکر قسم پر جو فکری ذکر سے متعلق ہے، تفوق لازم نہیں آتا کیوں کہ "فکر معرفت حق" سے عبارت ہے اور اکملیت "عبادت تامہ" کے حصول سے متعلق ہے۔ (ایضاً، ص ۴)۔

۷۱۔ تفسیر مدارک اور تفسیر روئی میں اس قسم کی واضح تشریح کی گئی ہے۔ (ایضاً، ص ۴)۔

۷۲۔ القرآن (الاعراف) ۷/۵۵۔

۷۳۔ فتح القدیر میں اس کی توضیحات ملاحظہ ہوں۔

۷۴۔ شارح مکتوب ہذا نے اس نکتے کی وضاحت کے لیے مدارک، جلالین، ملا علی قاری (بسلسلہ شرح حدیث) اور امام نووی کے حوالے دیے ہیں، (ص ۵)۔

۷۵۔ یعنی یک ضربی، دوضربی، تین ضربی، چارضربی اور نفی واثبات وغیرہ (ایضاً، ص ۵)۔

۷۶۔ بخاری (مغازی ۳۸)، مسلم (ذکر ۴۴)، دارمی (وتر ۲۶)، ترمذی (دعوات ۵۷)۔ المعجم المفہرس

۳/۴۱۵۔
بخاری و مسلم میں اس حدیث میں ''لا'' کی بجائے ''لیس'' ہے لیکن اشعۃ اللمعات (۲/۱۷۸) میں ''لا'' ہی ہے۔

۷۷۔ یعنی مراقبہ حضور و معیت، مراقبہ اقربیت و محبت عامہ وغیرہ (شرح مکتوب ہذا، ص ۵)۔

۷۸۔ مثلاً دنیا سے سرد دلی، اللہ تعالیٰ کے شوق کا ظہور، وجدان لذت در بدن..... (ایضاً)۔

۷۹۔ اس مضمون کی حدیث معروف کتب حدیث میں ملتی ہے لیکن دروازہ بند کرنے کا ذکر کسی روایت میں ہمیں نہیں مل سکا۔

۸۰۔ یہ بات صرف زبان کو حرکت میں لائے بغیر قلب اور حضور قلب کے ساتھ ذکر لسانی سے متعلق ہے۔ (شرح مکتوب ہذا، ص ۶)

۸۱۔ شارح مکتوب ہذا نے امام مالک، امام احمد بن حنبل، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کی اسناد کی روشنی میں اس کی تشریح کی ہے، ص (۶۔۷)۔
نیز حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ذکر جہر سے منع فرماتے ہوئے اسے بدعت قرار دیا ہے۔ (مکتوبات ۱/۲۳۱)۔
ذکر کے بارے میں مختلف روایات کو مولانا غلام رسول سعیدی نے اپنے رسالہ ذکر بالجہر، طبع ہزارہ، ۱۹۷۱ء میں یک جا کر دیا ہے۔

۸۲۔ مسئلہ سماع میں فقہا و صوفیہ کے اختلاف پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، چند نام ملاحظہ ہوں:
(i) ابن جوزی: رسالہ السماع والرقص۔
(ii) ابن جوزی: تلبیس ابلیس، طبع بیروت، ص ۲۲۲۔۲۵۹۔
(iii) قرع الاسماع باختلاف احوال المشائخ واقوالہم فی السماع۔ یہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا رسالہ ہے جو اخبار الاخیار کے حاشیہ (ص ۵۱۔۷۶) پر چھپ چکا ہے۔
(iv) عبدالغنی نابلسی: ایضاح الدلالات فی جواز سماع لآلات۔

۸۳۔ ایضاً۔

۸۴۔ سماع کی شرائط کو رفتہ رفتہ نظر انداز کیا جانے لگا یہاں تک کہ سماع کی روح ختم ہو گئی، حضرت مظہر

کے معاصر چشتی بزرگ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (ف ۱۱۴۲ھ) نے اپنے دور کے سماع کو مجموعہ ''ہائے ہوئے سماع'' قرار دیا ہے' اس لیے انہوں نے اسے کم کرنے کی تلقین کی ہے' ملاحظہ ہو: نظامی' خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت' ص ۳۰۶' ۴۱۷' ۴۱۹۔

۸۵۔ حضرت مجدد الف ثانی نے سماع پر تنقید کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: ''نماز کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے صوفیہ کی کثیر جماعت نے اپنی قلبی بے چینی کا علاج سماع ونغمہ اور وجد وتواجد میں تلاش کیا ہے اس لیے رقص وسرود کو انہوں نے اپنا مسلک بنا لیا ہے' (مکتوبات ۱/۲۶۱) سماع ورقص فی الحقیقت لہو ولعب میں داخل ہے......اس زمانے کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر رقص وسرود کو اپنا دین بنا لیا ہے' اور اسی کو طاعت وعبادت سمجھ لیا ہے۔ (ایضاً ۳/۳۴)۔

۸۔ چشتی صوفیہ میں سے حضرت خواجہ گیسودراز (ف ۸۲۵ھ) نے سماع پر تحقیقی اور وجدانی بحث کی ہے جس سے اس ذوق کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے' ملاحظہ ہو:
(ترجمہ وشرح آداب المریدین معروف بہ خاتمہ' ص ۲۰۔۴۷)۔

۸۔ تفصیل کے لیے فصل ہذا' مکتوب ۱۲ کے حواشی ملاحظہ کریں۔

۸۔ امام غزالی نے احیاء علوم الدین (۲/۲۳۶۔۲۶۹) مطبوعہ مصر اور کیمیای سعادت' ص ۱۷۱ میں سماع پر مفصل بحث کی ہے۔

/۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں سماع پر بحث کی ہے' ملاحظہ ہو: عوارف (حاشیہ احیاء علوم الدین ۲/۲۲۲) اور فارسی ترجمہ عوارف (مصباح الہدایہ' مطبوعہ نولکشور ۱۸۷۵ء' ص ۱۴۱)۔ نیز شیخ ابو نجیب سہروردی نے بھی آداب المریدین میں مسئلہ سماع پر گفتگو کی ہے۔ دیکھیے ترجمہ وشرح آداب المریدین معروف بہ خاتمہ' ص ۲۰۔۴۷۔

۔ ذوق سماع کی عملی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مجالس العشاق از سلطان حسین اور نغمہ عشاق از محمد نور اللہ اعظم پوری۔ وغیرہ۔

علماء وصوفیہ نے سماع پر بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور تصوف کی ہر معتبر کتاب میں اس موضوع پر اظہار کیا گیا ہے' ان مختصر حواشی میں ان کا احاطہ ممکن نہیں ہے سابقہ حواشی میں محولہ

کتب کے علاوہ پہلی نظر میں یہ مآخذ ذہن میں آتے ہیں:
کشف المحجوب (باب احکام سماع)، رسالہ قشیریہ، معروف کتب سلسلہ چشتیہ، شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی (ف ۴۱۸ھ) کا ''رسالہ السماع'' (ر۔ک۔ مقدمہ طبقات الصوفیہ سلمی، ص ۴۰) رسالہ سماع از قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ مولانا فخرالدین زرادی کا رسالہ اصول السماع، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۱ھ۔ جلال الدین ھمائی مرحوم نے ''سماع'' پر علماء و صوفیہ کے مختلف اقوال نہایت خوش اسلوبی سے مصباح الہدایہ کے حواشی میں یکجا کر دیے ہیں۔ ملاحظہ ہو:
مصباح الہدایہ، طبع تہران ۱۳۳۲خ، ص ۱۷۹۔۱۸۶۔

۹۲۔ اس موضوع پر مختلف آراء کے لیے ملاحظہ ہو:
محمد شرف الدین یالتقایا: ''جبریہ'' مقالہ مشہور اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۷/ ۱۰۱۔۱۰۲۔
Montgomery Watt: جہم بن صفوان۔ ایضاً ۷/ ۵۵۸۔۵۵۹۔
ایضاً۔ جہمیہ۔ ایضاً، ۷/ ۵۵۹۔۵۶۰۔
محمد ابوزہرہ: حیات امام احمد بن حنبل، اردو ترجمہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء۔
نجم الغنی رام پوری: تذکرۃ السلوک، ص ۸۴۔

۹۳۔ قضا و قدر کے مباحث کے دوران حضرت مجدد الف ثانی نے اس موضوع پر بعض نکات بیان کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو: مکتوبات ۱/ ۲۸۹، ۲/ ۶۷ وغیرہ۔

۹۴۔ مذہبی میانہ روی اور رواداری کے نام پر تحقیق کرنے والوں نے حضرت مظہر کے اس مکتوب پر خوب حاشیے چڑھائے ہیں، ہم نے کتاب ہذا کے مقدمہ میں ان اُمور پر بحث کی ہے۔

۹۵۔ جدید دور میں ہندومت پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
Radhakrishnan: "Hinduism", Cultural History of India.
Ed. by Basham, Oxford, 1975, pp. 60-82.

۹۶۔ اہل ہند کی قدیم مذہبی کتابوں کی تفصیل اور تلخیص عقائد کے لیے دیکھیے، البیرونی کی کتاب الہند جلد اوّل، ص ۱۶۳۔۱۷۸ (اردو ترجمہ) و انگریزی ترجمہ زخاؤ۔ نیز اس موضوع پر کئی کتابیں انگریزی میں ملتی ہیں، دیکھیے:

Radhakrishnan: The Philosophy of Upanisads, London, 1935.

۹۷۔ ابوریحان البیرونی کی تحقیقات کے مطابق ہندو ''بید'' کو اللہ کا کلام کہتے ہیں جو برہما کے منہ سے نکلا ہے......بیذ (بید) کے معنی ہیں: اس چیز کو جان لینا جو معلوم نہ ہو (کتاب الہند ۱/۱۶۳)۔

۹۸۔ برہما کا ذکر کئی مقامات پر کتاب الہند اور دوسری مستند کتابوں میں آیا ہے۔

۹۹۔ البیرونی کے بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اگرچہ نسخ احکام کے قائل نہ بھی ہوں وہ اس تنسیخ کو خلافِ عقل نہیں سمجھتے تھے (کتاب الہند ۱/۱۳۶)۔

۱۰۰۔ کتاب الہند میں ہے: دب (دیو) کے سال سے ایک ہزار دو سو سال ایک جگ ہے جس کا نام ''تش'' ہے، اس کا دوگونہ دواپر ہے، سہ گونہ تریت اور چارگونہ کریت ہے ان سب کا مجموعہ بارہ ہزار سال یہی چتر جگ یعنی چار جگ ہے۔ (۸۶/۲) جگوں کے خواص اور تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب الہند، جلد دوم، ص ۸۱، ۸۶۔۱۰۲۔

۱۰۱۔ البیرونی نے ہندوؤں کی مختلف کتابوں سے اللہ تعالیٰ کی نسبت ان کے اعتقادات کے بارے میں پورا باب مرتب کیا ہے، دیکھیے: کتاب الہند ۱/۲۴۔۳۰، جزا و سزا کا بیان باب ششم، ص ۶۶ جلد اوّل میں ہے۔

۱۰۲۔ قوسین میں مرقوم عبارت مقامات مظہری میں منقول اس مکتوب میں نہیں ہے بلکہ کلمات طیبات، ص ۲۶ سے لی گئی ہے۔

۱۰۳۔ نجات کے بارے میں ہندوؤں کے بیانات کو البیرونی نے یکجا کیا ہے (کتاب الہند ۱/ ۷۸ بہ بعد)۔

۱۰۴۔ مقامات مظہری مطبوعہ مجتبائی، ص ۱۰۰ میں یہاں ''معلوم شد کہ دین ہر نبی بودہ است'' ہے لیکن پیش نظر متن مطبوعہ مطبع احمدی دہلی میں مرتبی کی بجائے ''مرضی'' ہے۔

۱۰۵۔ فرید مان یوحنا نے مقامات کے اس جملہ کو بشارات مظہریہ سے مختلف بتایا ہے، ان کے پیش نظر مقامات کا نسخہ مطبوعہ مجتبائی (ص ۱۰۰) ہے، لیکن ہمارے پیش نظر نسخہ مقامات مطبوعہ مطبع احمدی میں یہ عبارت بہت واضح ہے۔ یعنی ''مرضی بود''۔ دیکھیے:

Yohnan Friedmann: Medieval Muslim Views of Indian

Religions, J. A. O. S. vol, 95, No. 2, P. 219, note no. 50.

۱۰۶۔ القرآن (فاطر) ۲۴/۳۵۔

۱۰۷۔ ایضاً: (یونس) ۱۰/ ۴۷)۔

۱۰۸۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس باب میں اپنا یہ مکاشفہ بیان کیا ہے۔

زمین ہند میں بھی جو اس معاملہ (بعثت) سے دور دکھائی دیتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں اگر ان شہروں کو کوئی متعین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے ....لیکن ان پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ (مکتوبات ۱/ ۲۵۹)۔

۱۰۹۔ قوسین کے الفاظ کلمات طیبات' ص ۲۷ سے منقول ہیں۔

۱۱۰۔ ان الفاظ سے حضرت مظہر کے اس مکتوب کا سال تحریر ۱۱۸۰ھ متعین ہوتا ہے۔

۱۱۱۔ القرآن (المؤمن) ۴۰۔ ۷۸۔

۱۱۲۔ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

زمین ہند میں گاؤں اور شہروں کی تباہی کے بہت آثار پائے جاتے ہیں، یہ لوگ اگرچہ ہلاک ہو گئے.....(پیغمبروں کی تکذیب کے باعث) لیکن وہ دعوت کا کلمہ ہم عصروں کے درمیان باقی رہا (مکتوب ۱/ ۲۵۹)......اگر ہند میں انبیاء مبعوث نہ ہوئے ہوں اور ان کی زبان میں ان کو دعوت بھی نہ کی ہو تو پھر ان کا حکم بھی شاہق جبل کا حکم ہوگا کہ باوجود سرکشی اور دعویٰ الوہیت کے دوزخ میں نہ جائیں گے اور ہمیشہ کے عذاب میں نہ رہیں گے اس بات کو بھی نہ تو عقل سلیم پسند کرتی ہے اور نہ کشف صحیح اس کی شہادت دیتا ہے کیوں کہ ہم ان میں سے بعض سرکش مردودوں کو جہنم کے وسط میں دیکھتے ہیں۔ (ایضاً)

۱۱۳۔ البیرونی نے ہندوؤں کی بت پرستی کے دلچسپ حقائق بیان کیے ہیں، ملاحظہ ہو: کتاب الہند ۱/ ۱۴۲۔۱۶۲۔

۱۱۴۔ کلمات طیبات' ص ۲۷ اضافی لفظ۔

۱۱۵۔ تناسخ، یعنی روح کا قالب بدلنا' ایک جسم سے دوسرے جسم میں بلاتخلل زمان در آنا' اس تعلق اور ذاتی تعشق کی بنا پر جو روح اور جسم میں ایک دوسرے کے لیے ودیعت ہے' ہندو نظریہ کے مطابق جو نفس ناقص رہ جاتے ہیں' وہ تو ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہو جاتے ہیں لیکن جو نفوس کامل ہو جاتے ہیں اور ان کے تمام کمالات قوت سے فعل میں آ جاتے ہیں اس کے بعد دیگر ابدان میں جانے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ علائق جسمانیہ سے چھٹکارا پا کر عالم قدس میں جا ملتے ہیں' جو نفوس تکمیل نہیں کر پاتے وہ بدن انسانی سے دوسرے انسانی بدن میں بقیہ کمال کی تحصیل کے لیے منتقل ہو جاتے ہیں' یہ انتقال انسانی' حیوان اور نباتات کی جانب بھی ہوتا ہے (دستور العلماء ۱/۳۵۴' مصطلحات علوم وفنون عربیہ' ص ۱۰۳-۱۰۴)۔

۱۱۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمہ کتاب ہذا' بعنوان ''حضرت مظہر اور ہندومت'' یہاں حضرت مظہر کی مراد یہ ہے کہ صرف تناسخ پر اعتقاد رکھنے سے ہی ہندوؤں کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ ان کے کفر کے بارے میں دیگر دلائل بھی قابل توجہ ہیں' حضرت مجدد الف ثانی' تناسخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> یہ بات (تناسخ) کفر ہے' ان چیزوں کا انکار ہے جو دین سے بہ تواتر ثابت ہیں' جب بالآخر تمام نفوس اپنی حد کمال کو پہنچ جاتے ہیں تو دوزخ کس کے لیے ہے اور سزا کسے ملے گی؟ یہ دوزخ اور آخرت کے عذاب کا انکار...... یہ عقیدہ فلاسفہ کے عقیدہ سے بھی بدتر ہے کیوں کہ وہ تناسخ کا رد کرتے ہیں......اس فقیر کے نزدیک روح کے منتقل ہونے کا قول تناسخ کے قول سے بھی گرا ہوا ہے......روح کے منتقل ہونے میں پہلے جسم کی موت اور دوسرے جسم کی زندگی ہے' تو پہلے بدن کو برزخ کے احکام کے حصول سے چارہ نہیں ہوگا اور قبر کے عذاب وثواب سے مفر نہ ہوگا اور دوسرے بدن کو جب دوسری زندگی کا اثبات کرتے ہیں تو اس کے حق میں حشر دنیا میں ہی ثابت ہو گیا......افسوس ہزار افسوس کہ اس قسم کے جھوٹے لوگ اپنے آپ کو شیخی کی مسند کے لائق سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں (مکتوبات ۲/ ۵۸)' ملخصاً۔

۱۔ مجدد الف ثانی' حضرت: مکتوبات ۱/۳۱۲۔

۱۱۸۔ القرآن (الاحزاب) ۳۳/۳۶۔

۱۱۹۔ اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ از شیخ عبدالحق ۱/۱۴۱۔

۱۲۰۔ علماء نے رفع سبابہ کے اثبات اور نفی میں بہت سے رسائل لکھے ہیں چند نام ملاحظہ ہوں:

(۱) علی قاری ملا: تزیین العبارۃ فی تحسین الاشارۃ (قلمی نسخہ بانکی پور نمبر ۱۶۲۲)۔

(۲) برزنجی سید: الاغارۃ المصیبۃ علیٰ مانعی الاشارہ بالمسبحہ۔

(۳) رسالہ شیخ ابن عابدین (علامہ شامی) مطبوعہ۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے معاصر بزرگ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی رفع سبابہ کے اثبات میں اپنی تالیفات میں بحث کی ہے ملاحظہ ہو: شرح سفر السعادۃ فارسی ص ۸۱ اردو ترجمہ ص ۷۱۔۷۲ اور شرح مشکوٰۃ حضرت مظہر کے معاصر عالم و عارف حضرت شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری (ف ۱۱۹۵ھ) نے اثبات رفع سبابہ میں ایک نہایت جامع مکتوب تحریر کیا ہے۔ (مکتوبات ۳/۳۔۳۸)۔

۱۲۱۔ حضرت شیخ محمد یحییٰ (۱۰۲۷۔۱۰۹۸ھ/ ۱۶۱۸۔۱۶۸۶ء) نے اپنے برادران بزرگ سے تحصیل علم کی اور حضرت شیخ عبدالحق دہلوی کے بھی تلمیذ رشید تھے حدیث کی سند شیخ محدث سے ہی لی تھی (روضۃ القیومیہ ۱/۳۱۱)۔ ارشاد سلوک کے علاوہ درس و تدریس سے گہرا لگاؤ تھا مدرسہ سرہند کی روح و رواں تھے۔ (حضرات القدس ۲/۲۹۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: زبدۃ المقامات ص ۳۲۴ عمدۃ المقامات ص ۲۴۲۔ انساب الانجاب ص ۱۰۵۔ ہدیۃ احمدیہ ص ۸۶۔

۱۲۲۔ رسالہ حضرت محمد یحییٰ در اثبات رفع سبابہ کا ذکر تذکرہ نویسوں نے نہیں کیا مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے عربی مترجم شیخ محمد مراد مکی نے اس رسالہ اور رسالہ شیخ محمد سعید کے بارے میں لکھا ہے کہ ہمارے مشائخ نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن ہماری نظر سے نہیں گزرے (عربی ترجمہ ۱/۳۱۲)، شیخ محسن ترہتی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ شاہ محمد یحییٰ نے اس رسالہ میں اپنے والد اور برادر بزرگ سے اختلاف کیا ہے۔ (الیانع الجنی ص ۶۷، نزہۃ الخواطر ۵/۴۳۵) حضرت شاہ سراج احمد مجددی رام پوری (ف ۱۲۳۰ھ) نے شرح ترمذی میں اس سے استفادہ کیا ہے (بحوالہ رسالہ نفی رفع سبابہ از مولانا محمد حسن جان (ف ۱۳۶۵ھ) قلمی بخط مصنف در کتابخانہ

مولانا محمد ہاشم جان مرحوم ٹنڈو سائیں داد سندھ) جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شاہ محمد یحییٰ کا رسالہ رفع سبابہ رام پور میں خاندان حضرت مجدد الف ثانی کے افراد کے پاس موجود ہوگا۔

مجددی حضرات کے مابین مسئلہ رفع سبابہ میں علمی اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے لے کر مولانا محمد حسن جان مذکور تک اس موضوع پر ان حضرات نے رسائل لکھے ہیں، سب سے پہلے حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد نے رفع سبابہ کی نفی میں ایک رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی میں لکھا جس کا ذکر خود حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا ہے (مکتوبات ۱/۳۱۲) نیز زبدۃ المقامات، ص ۳۱۰، حضرات القدس ۲/ ۲۳۵، روضۃ القیومیہ ۱/ ۲۸۸ میں بھی اس رسالہ کا ذکر ہے۔

پھر حضرت شاہ محمد یحییٰ نے اس رسالہ کے جواب میں اثبات رفع سبابہ کے موضوع پر رسالہ مذکورہ لکھا (الیانع الجنی، ص ۶۷) اس کے بعد شاہ محمد فرخ بن حضرت خواجہ محمد سعید نے نفی رفع سبابہ میں ایک رسالہ لکھا (الیانع الجنی، ص ۶۷) مولانا سراج احمد مجددی نے شرح ترمذی میں وضاحت کی ہے کی حضرت شاہ محمد فرخ کا رسالہ بھی حضرت شاہ یحییٰ کے جواب میں تالیف ہوا ہے (بحوالہ رسالہ مذکورہ مولانا محمد حسن جان، ورق ۳۸۔ا) اس کے بعد اس خانوادہ کے مشہور مصنف اور عظیم فارسی شاعر حضرت شیخ عبدالاحد وحدت معروف بہ شاہ گل (ف ۱۱۲۶ھ) نے "منع رفع سبابہ" پر ایک رسالہ تالیف کیا (عمدۃ المقامات، ص ۲۴۶)۔ اس خاندان کا آخری رسالہ حضرت خواجہ محمد حسن جان مرحوم کا ہے جو انہوں نے میر علی نواز شکارپوری (ف ۱۹۲۰ء) کے رسالہ بشارہ لاہل الاشارہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۲۳ھ (در رد مکتوب حضرت مجدد ۱/۳۱۲) کے جواب میں ایک ضخیم اور تقطیع کلاں میں رسالہ لکھا جس کے ڈیڑھ سو صفحات ہیں (سال تالیف ۱۳۳۲ھ) یہ رسالہ بخط مصنف مولانا محمد ہاشم جان مرحوم کے کتب خانہ ٹنڈو سائیں داد سندھ میں موجود ہے۔

یہ وضاحت کرنا لازم ہے کہ اس عظیم خانوادہ کا یہ آپس کا اختلاف محض فقہی و علمی تھا، مخالفت کا رنگ اس میں مطلق نہیں ہے۔

۱۱۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات سے آپ کا حنفی المسلک ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۱۲۴۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مکتوب نمبر ۱۶ کے حواشی (فصل ہذا)۔

۱۲۵۔ اسلامی ہندوستان میں علم حدیث کی تفصیلات کے لیے دیکھیے:

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی مؤلفہ خلیق احمد نظامی (مقدمہ) اور

M. Ishaq: India's Contribution to the study of Hadith Literature, Dacca, 1955.

۱۲۶۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سرمو خلاف شرع امر سے بھی بہت نفرت کرتے تھے' ایک مکتوب میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ وہ کشف جو شریعت کے خلاف ہو مردود ہے:

''کشف ہر چہ مخالف شریعت است مردود است'' (مکتوبات ۱/۴۳)۔

۱۲۷۔ چونکہ حضرت مجدد الف ثانی غایت درجہ تابع سنت بزرگ تھے چونکہ اس وقت آپ کو اثبات رفع سبابہ میں واضح دلائل نہیں مل سکے' اس لیے آپ کمال احتیاط کے طور پر بعض اوقات رفع سبابہ فرمایا کرتے تھے' معاصر ماخذ زبدۃ المقامات میں ہے:

در بعضی نوافل احتیاطاً واحتمالاً سنت ادا فرمودہ اند (ص ۲۰۹)۔

۱۲۸۔ شیخ محمد حیات سندھی ثم مدنی بن ملا بھلاریہ (ف ۱۱۶۳ھ) عالم' محدث اور نامور علماء کے استاذ تھے' کئی کتابوں کے مصنف تھے جن کے نام تذکروں میں ملتے ہیں' ان میں ''تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام'' اور ''الایقاف علیٰ سبب الاختلاف'' اس مکتوب کے موضوع سے متعلق ہیں' شیخ سندھی کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

سبحۃ المرجان' ص ۹۵۔۹۶' مآثر الکرام' ص ۱۴۴۔۱۴۷' الیانع الجنی' ص ۳۴' اتحاف النبلا' ص ۴۰۳۔۴۰۴' نزہۃ الخواطر ۶/۲۰۲' معجم المؤلفین ۹/۲۷۵' تذکرہ علمائے ہند' ص ۴۳۷ مقالات الشعراء ص ۳۵۶۔ مگریو' رفیق احمد: شیخ محمد حیات سندی' حیدرآباد' سندھ۔

India's Conrtibution to the study of Hadith Literature, p.239.

۱۲۹۔ اس رسالہ کا نام ''تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام'' ہے۔ اس کا خطی نسخہ کتب خانہ مدرسہ محمدیہ' جامع مسجد بمبئی میں موجود ہے' اس کے ناشر و مترجم نے لکھا ہے کہ وہ مجموعہ جواہر الاصول کے ساتھ مجلد ہے لیکن کتب خانہ کی فہرست میں اس مجموعہ کے تحت وضاحت

نہیں کی گئی' جواہر الاصول کا نمبر ۲۲۵ ہے (فہرست مدرسہ محمدیہ' ص ۸۶)' محمد عبدالجلیل سامرودی نے تحفۃ الانام کے اسی نسخہ کو مع اُردو ترجمہ' سامرود (سورت ضلع گجرات) سے ۱۳۵۷ھ میں شائع کر دیا تھا' شیخ سندھی کا اس موضوع پر ایک اور رسالہ الایقاب علیٰ سبب الاختلاف بھی اسی اشاعت کے ساتھ بطور ضمیمہ چھپا ہے نیز اس رسالہ کو مکتبہ سلفیہ لاہور نے ۱۹۵۹ء میں محمد حسین بٹالوی کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا تھا۔

۱۳۔ اشعۃ اللمعات ۱/۱۴۱ میں بھی یہ حدیث پائی جاتی ہے۔

۱۲۔ کتاب الحجۃ فی بیان المحجۃ مؤلفہ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن فضل اصفہانی تیمی (ف ۵۳۵ھ) حاجی خلیفہ: سُلم الوصول ۱/۳۲۶

۱۳۔ روضۃ العلماء' ابی علی حسین بن یحییٰ بخاری حنفی کی تالیف ہے۔ (ملاحظہ ہو: کشف الظنون ۱/۹۲۸' بروکلمان ۴/۸۳ (عربی ترجمہ از سید یعقوب بکر)' روضۃ العلماء کا ایک خطی نسخہ' کتب خانہ سندھ یونیورسٹی' حیدرآباد' سندھ میں موجود ہے (تعلیقات عبدالرشید نعمانی بر ''دراسات اللبیب'' ص ۱۶۰ حاشیہ)۔ مقامات مظہری کی گیارھویں فصل میں ہے: حضرت مظہر فرماتے تھے: ''ہم نے اپنے اوقات اور اعمال سنت حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور روایت فقہ کے مطابق درست کر لیے ہیں جو کوئی ہمیں خلافِ شرع عمل کرتے دیکھے اس پر وہ ہمیں منع کرے'' (ص ۳۱۸)۔

۱۴۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے اس قول پر کئی اصحاب نے بحث کی ہے' ملاحظہ ہو:
دراسات اللبیب تالیف ملا معین سندھی مرتبہ عبدالرشید نعمانی' حیدرآباد' سندھ' ۱۹۵۷ء' ص ۱۶۰۔

۱۴۔ شامی علامہ (ابن عابدین): ردالمحتار علی الدرالمختار' طبع ترکی' ۱۳۰۷ھ' جلد اوّل' ص ۶۳۔

۱۵۔ یہی سوال حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی خدمت میں بطور استفتاء بھیجا گیا تھا' جس کے جواب میں آپ نے مستقل رسالہ ''الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذھبی'' تالیف کیا اس رسالے کا ماحاصل یہ ہے کہ حضرت مظہر کی عمل حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو اس کا اہل ہو' اسے عمل کی اجازت بلکہ ضرورت ہے (ص ۱۶) یعنی صرف مجتہد فی المذہب ہی قول امام کو ترک کر سکتا ہے (ص ۲۰) تفصیل کے لیے دیکھیے رسالہ مذکورہ مطبوعہ لاہور ۱۳۲۵ھ...... ان امور پر

حضرت مظہر کے معاصر حضرت شاہ ولی اللہ نے تفصیلی بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو:
کشاف ترجمہ انصاف از مولانا محمد احسن نانوتوی۔ دہلی، ۱۹۰۹ء۔

۱۳۶۔ جزیل المواہب کے کسی خطی یا مطبوعہ نسخے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے البتہ حاجی خلیفہ نے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔ (کشف الظنون، طبع یالتقایا، ۱/۵۹۰) جہاں اس کا نام قدرے مختلف ہے یعنی "جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب"۔

۱۳۷۔ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتیین، امام یحییٰ بن شرف بن مری النووی الدمشقی الشافعی (ف ۶۷۷ھ) کی فقہ شافعی پر مشہور کتاب ہے۔ ر۔ک معجم المؤمنین ۱۳/۲۰۲۔۲۰۳۔ معجم المطبوعات، ص ۱۸۷۸۔ ہدیۃ العارفین ۲/۵۲۴۔۵۲۵)۔

۱۳۸۔ اسے عام طور پر جامع الفتاویٰ کہا جاتا ہے، یہ امام ناصرالدین ابی القاسم محمد بن یوسف سمرقندی حنفی متوفی ۵۵۶ھ کی تصنیف ہے۔ (ملاحظہ ہو کشف الظنون ۱/ ۵۶۵، مفید المفتی، ص ۲۸)۔

۱۳۹۔ امام شعرانی نے المیز ان میں اور شاہ ولی اللہ نے الانصاف میں ان اُمور پر مفصل بحث کی ہے، جس سے اس مکتوب کی اصل روح کا پتا چل جاتا ہے۔

۱۴۰۔ صحابہ کرام پر طعن کے باطل ہونے کے سلسلے میں بہترین دلائل حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے سیف المسلول میں دیئے ہیں، ص ۲۷۲۔۴۸۷)۔

۱۴۱۔ اس نزاع نے حضرت امیر معاویہ کے ایمان پر کوئی اثر نہیں ڈالا، بلکہ یہ جنگ ان کی ایک اجتہادی خطا تھی، دلائل و براہین کے لیے ملاحظہ ہو: السیف المسلول، ص ۳۷۵۔۳۷۶۔

۱۴۲۔ شاہ معین الدین ندوی نے مستند کتب تاریخ کے حوالے سے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو: تاریخ اسلام، طبع دارالمصنفین ۱۹۲۶ء، جلد اوّل، ص ۳۲۳۔۳۴۱۔

۱۴۳۔ حضرت مجدد الف ثانی وضاحت فرماتے ہیں:

> کم وبیش آدھے صحابہ کرام ان کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہیں، پس اگر حضرت امیر (علی) کے ساتھ لڑائی کرنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے جو ان کی تبلیغ کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے (مکتوبات ۱/۲۵۱) مکتوبات معصومیہ ۲/۳۶/۶۰/۶۸۔

۱۴۴۔ صحابہ کے مابین جو تنازعات ہوئے ہیں انہیں نیک محمل پر محمول کرنا چاہیے‘ تعصب سے دور رہنا چاہیے کیوں کہ وہ تاویل اور اجتہاد پر مبنی تھے‘ یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ (مکتوبات حضرت مجدد ا/۲۵۱)۔

۱۴۵۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس باب میں اہل سنت کے عقائد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> حضرت علی کے خلاف لڑنے والے خطا پر تھے اور حق حضرت علی کی طرف تھا لیکن چونکہ یہ خطا‘ خطائے اجتہادی تھی اس لیے ملامت سے دور ہے اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے ......حضرت علی کی خلافت کے زمانے میں حضرت معاویہ خلافت کے حق دار نہیں تھے......(مکتوبات ا/۲۵۱)۔

۱۴۶۔ خطائے اجتہادی سے مراد یہ ہے کہ ایک عالم صالح و متقی اپنی پوری کوشش حق بات کی تلاش میں صرف کر دیتا ہے لیکن اس کی رسائی حق تک نہیں ہوتی بلکہ وہ غلط نتیجے تک پہنچتا ہے۔

۱۴۷۔ حدیث میں آیا ہے:

> میرے اصحاب کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ...... جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو زبان کو روکو...... میرے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو اپنے تیر کا نشانہ نہ بناؤ۔ (مکتوبات حضرت مجدد ا/۲۵۱)

۱۴۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے‘ شاہ عبدالعزیز: تحفہ اثنا عشریہ‘ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: السیف المسلول۔

۱۴۹۔ القرآن (الانبیاء) ۲۱۔۱۰۷۔

۱۵۰۔ ان موضوعات کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

(۱) مجدد الف ثانی‘ حضرت: رد روافض‘ مطبوعہ‘ مکتوبات ا/۲۴۲‘ ۲۰۷۔

(۲) شاہ ولی اللہ محدث: ازالۃ الخفاء‘ مطبوعہ۔

(۳) شاہ عبدالعزیز محدث: تحفہ اثنا عشریہ‘ مطبوعہ۔

(۴) ایضاً: فضائل صحابہ مرتبہ محمد ایوب قادری‘ لاہور۔

(۵) قاضی ثناء اللہ پانی پتی: السیف المسلول‘ مطبوعہ۔

۱۵۱۔ یعنی اجمالی طور پر یہ ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نبی اکرم ﷺ لائے ہیں وہ

برحق ہے۔

۱۵۲۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ دینی عقائد پر دنیا کے کسی علم اور نظریات کو ترجیح حاصل نہیں ہے' یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مروجہ اکثر کتب تاریخ بنی عباس کے عہد میں لکھی گئیں ان میں متضاد واقعات بہ کثرت سے شامل کر دیے گئے کہ ''تاریخ اسلام'' محض جنگ اور جدل اور قتل و غارت کی داستان بن کر رہ گئی' اس لیے ان کے مطالعہ سے ہیجان پیدا ہونا فطری امر ہے۔

۱۵۳۔ ملاحظہ ہو: ضمیمہ فرہنگ اصطلاحات تصوف۔ (کتاب ہذا)

۱۵۴۔ تفصیل کے لیے سابقہ مکتوب کے حواشی ملاحظہ کریں۔

۱۵۵۔ امام سیوطی نے مستند کتب حدیث کی روشنی میں خلافت کے قریش سے تعلق کے بارے میں مفصل بحث کی ہے۔ (تاریخ الخلفاء' ص ۱۴۔۱۵' عربی' مطبوعہ نور محمد کراچی' ۱۹۵۹ء)۔

۱۵۶۔ امام سیوطی نے ہی احادیث حسن کی بنیاد پر خلفاء قریش کی تعداد بارہ متعین کی ہے (ایضاً' ص ۱۵۔۱۶)۔

۱۵۷۔ تاریخ الخلفاء میں بارہ خلفاء کی تفصیل بھی دی ہے' (ص ۱۶)۔

۱۵۸۔ خلافت امامیہ کی مفصل بحث قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے السیف المسلول میں لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو: ترجمہ از محمد رفیق اثری مطبوعہ ملتان ۱۹۷۹ء' ص ۱۹۷۔۲۷۰' مقالہ سوم۔

۱۵۹۔ تفصیل اگلے حواشی میں آ رہی ہے۔

۱۶۰۔ امام سیوطی نے اس مدت خلافت کی احادیث حسن سے وضاحت کی ہے۔ (تاریخ الخلفاء' ص ۱۵)۔

۱۶۱۔ اس باب میں امام سیوطی کے دلائل کا حوالہ سابقہ حواشی میں ملاحظہ کریں۔
اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ''دوام العیش فی الائمۃ من قریش'' کے نام سے اس موضوع پر مستقل رسالہ تالیف کیا ہے۔ مطبوعہ بصورت عکس' لاہور' ۱۹۸۰ء۔

۱۶۲۔ قوسین میں مندرج فقرہ کلمات طیبات (ص ۳۳) بین منقول اس مکتوب سے لیا گیا ہے کیونکہ یہ مقامات مظہری میں موجود نہیں ہے۔

۱۶۳۔ صوفیہ کرام میں سے حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری (ف ۸۲۲ھ/ ۱۴۲۰ء) نے ائمہ کرام کی قطبیت

کے اثبات میں سب سے زیادہ قوی دلائل دیے ہیں' ملاحظہ ہو: فصل الخطاب' مطبوعہ تاشقند' ۱۳۳۱ھ' ص۴۲۷' ۴۷۴' ۴۹۵۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا بھی ائمہ کرام کی قطبیت پر ایک مکتوب ملتا ہے۔ (مکتوبات ۳/۱۳۲)

۱۶۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے مستند کتب کے حوالے سے امام مہدی کے بارے میں حقائق کی عقدہ کشائی کی ہے' ملاحظہ ہو: السیف المسلول' ص۵۳۴۔۵۳۸۔

۱۷۔ تفصیل کے لیے اس مکتوب پر سابقہ حواشی ملاحظہ کریں۔

۱۸۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے ایک بلند پایہ تحقیقی کتاب سیرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) تالیف کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ص۱۳۳۔۱۳۷۔

۱۹۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور خون حضرت عثمان کا بدلہ لینے کے لیے جنگ جمل ہوئی تھی' یہ واقعہ ۳۶ھ/ ۶۵۶ء میں پیش آیا (ایضاً' ص۱۲۸ بہ بعد)۔

۲۰۔ تفصیل بعد کے حواشی میں ملاحظہ ہو۔

۲۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے کتب حدیث کے حوالے سے لکھا ہے:

''ایک شخص نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ...... آنحضرت ﷺ کو سب سے محبوب کون تھا؟ بولیں ''فاطمہ'' پھر عرض کی: مردوں میں؟ فرمایا: ان کے شوہر بہت نماز گزار اور بہت روزہ دار تھے''۔ (سیرت عائشہ' ص۱۳۸)

۲۲۔ ''افک'' کا لفظی مطلب ہے: تہمت لگانا' اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی وہ تہمت ہے جسے منافقین کی بدولت شہرت ملی' قاعدہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کو جب کوئی سفر درپیش ہوتا تھا تو ازواجِ مطہرات میں سے ایک ہم رکاب ہوتیں' سفر مریسیع (نزدنجد) میں حضرت عائشہ ہمراہ تھیں' سفر پر جاتے وقت انہوں نے اپنی بہن اسما کا ایک ہار عاریۃً لے کر پہن لیا' ایک جگہ قافلہ نے پڑاؤ کیا تو حضرت عائشہ رفع حاجت کے لیے گئیں تو ہار گلے سے گر گیا' نوعمری اور سفر کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہ کسی کو اطلاع دیے بغیر ہار ڈھونڈنے چلی گئیں' جب ہار لے کر لوٹیں تو قافلہ جا چکا تھا' مجبوراً حضرت عائشہ وہیں رک گئیں اور بعد میں آنے

والے حفاظتی دستے کے ہمراہ آئیں تو منافقین نے اسے کئی رنگ دیئے' اچھی خاصی شورش برپا ہو گئی' حضور ﷺ نے تحقیق فرمائی تو حضرت عائشہ بے قصور ثابت ہوئیں (سیرت عائشہ ملخصاً' ص ۷۳۔۸۵)۔

۱۷۱۔ حضور ﷺ نے اس عالم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب فرمایا تو حضرت علی نے عرض کیا: ''دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں (یعنی اگر لوگوں کے کہنے کی پروا ہو تو طلاق دے دیجئے) اور خادمہ سے پوچھ لیجیے وہ سچ سچ بتا دے گی'' (سید سلیمان ندوی: سیرت عائشہ' ص ۷۸)۔

۱۷۲۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق بعض کور باطنوں نے حضرت عائشہ کی جنگ جمل میں شرکت کو واقعہ افک کی وجہ قرار دیا ہے لیکن اس جنگ کے ایک ایک واقعہ کی تفصیل ہمارے سامنے ہے' جو اس کی تردید کرتی ہے' حضرت عائشہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اختلاف کو بنو امیہ نے اپنے مقاصد کے لیے ہوا دی تھی' مستند قدیم کتب تاریخ میں ہے کہ جنگ کے بعد دونوں نے مجمع عام میں اس جنگ کو غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے ایک دوسرے کے مناقب بیان کیے (ایضاً' ص ۱۳۵۔۱۳۸) جنگ کے خاتمہ پر حضرت علی کا حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا واقعہ بھی قدیم کتب تاریخ سے ثابت ہے (تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی ۱/۳۲۳)۔

۱۷۳۔ مکتوب کے اس حصے کا تعلق فدک کے اس واقعہ سے ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کو ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا' ان میں سے ۱۸ حصے اپنے لیے مخصوص کیے' وہاں سے واپس آ کر آپ ﷺ نے تبلیغ کے لیے وہاں محیصہ بن مسعود انصاری کو بھیجا اہل فدک نے صلح کر لی اور نصف زمین معاہدہ میں دینے کا وعدہ کیا' آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا' اس وقت سے یہ زمین آپ کے لیے مخصوص ہو گئی' آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ و حضرت عباس' حضرت ابوبکر کی خدمت میں آئے اور خیبر و فدک کی زمینوں میں آنحضرت ﷺ کا جو حصہ تھا اس کا بحیثیت وارث مطالبہ کیا' اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہو گا' جو کچھ ہم چھوڑیں گے وہ صدقہ ہو گا''۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے کہا کہ آنحضرت ﷺ جس طرح کرتے تھے میں اسی

طرح کروں گا' حضرت فاطمہ یہ سن کر کبیدہ خاطر واپس چلی گئیں اور جب تک زندہ رہیں حضرت ابوبکر سے کلام نہیں کیا (صحیح بخاری' کتاب الفرائض بحوالہ صدیق اکبر مؤلفہ سعید احمد اکبر آبادی ص ۴۰۹۔۴۱۰ ملخصاً)۔

۱۷۴۔ مسند امام احمد بن حنبل میں واضح روایت موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی زبان سے حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سننے کے بعد حضرت فاطمہ نے کہا: ''تو پھر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو سنا ہے آپ اس کو زیادہ جانتے ہیں'' (صدیق اکبر مؤلفہ سعید احمد اکبر آبادی' ص ۴۱۵) ملخصاً۔

۱۷۵۔ مسند مذکورہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے فدک کو سابقہ حالت پر قرار دینے کے بعد فرمایا: ''جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار مجھ کو اس سے زیادہ عزیز ہیں کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کروں''۔ مزید فرمایا: میں نے سنا ہے کہ نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود میں ان سب کی سرپرستی کروں گا جن کی سرپرستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اور ان سب پر خرچ کروں گا جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرچ کرتے تھے۔ (ایضاً' ص ۴۱۳)۔

۱۷۶۔ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف' مسلم (۲/۹۱) اور مسند حنبل ۲/۴۶۳) میں ان الفاظ میں مروی ہے: لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔

۱۷۷۔ ملاحظہ ہو اس فصل کا حاشیہ نمبر ۱۷۴۔

۱۷۸۔ اوّل تو خود حضرت ابوبکر کا کسی حدیث کو روایت کرنا اس کی صحت کی سب سے بڑی دلیل ہے اور پھر اس کی روایت میں حضرت ابوبکر تنہا نہیں تھے بلکہ ازواج مطہرات' حضرت علی' حضرت عباس' حضرت عثمان' حضرت عمر فاروق' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' طلحہ بن عبداللہ' حضرت زبیر بن عوام' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ یہ سب حدیث کی صحت کے گواہ تھے (صدیق اکبر' ص ۴۱۵) اس لیے حضرت فاطمہ کا اس حدیث کی صحت سے انکار کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۱۷۹۔ ملاحظہ ہو سابقہ حواشی۔

۱۸۰۔ اشعۃ اللمعات ۴/۲۵۲۔۲۵۳ (کتاب الفتن باب بداء الخلق وذکر الانبیاء)۔

۱۸۱۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے تعلقات کو مخالفین نے اس رنگ سے ہوا دے کر حقائق کو مسخ کر دیا ہے۔

فدک کی حیثیت حضرت عمر فاروق کے عہد مبارک میں بھی وہی رہی جو حضرت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے میں تھی (مسند امام احمد بن حنبل بحوالہ صدیق اکبر، ص ۴۱۲) ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت علی کے عہد میں بھی فدک مسلمانوں کے لیے صدقہ ہی تھا۔ (صدیق اکبر۔ ص ۴۱۹)

۱۸۲۔ حضرت مجدد الف ثانی نے لکھا ہے: ''خوارق کے ظہور پر نظر رکھنا کوتاہ نظری اور استعداد تقلیدی کے کم ہونے کی علامت ہے۔ (مکتوبات ۱/۱۰۷) خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں ہے۔ (ایضاً، ۲/۹۲)۔

۱۸۳۔ القرآن (آل عمران) ۳/۳۱۔

۱۸۴۔ اتباع کے درجات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: مکتوبات حضرت مجدد ۲/۵۴۔

۱۸۵۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری لابن حجر ۱/۱۱۴ (باب ۳۷)۔

۱۸۶۔ استدراج کا لفظ یہاں مقامات مظہری میں نہیں ہے بلکہ کلمات طیبات، ص ۳۵ میں منقول اس مکتوب میں موجود ہے، استدراج بمعنی مکر (فرہنگ معارف اسلامی) استدراج کی وضاحت کے لیے دیکھیے، مکتوبات حضرت مجدد ۲/۹۲، دستور العلماء ۱/۸۶۔

۱۸۷۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اتباع سنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

یہی وجہ ہے کہ احکام شرعی میں سے ایک حکم کا بجالانا نفسانی خواہشوں کو دور کرنے کے لیے ان ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو خود کیے جائیں کئی درجہ بہتر ہے..... (مکتوبات ۱/۵۲)

۱۸۸۔ صوفیہ کے تمام سلاسل کی بنیاد اتباع سنت پر ہے اور انہوں نے اپنی تصانیف میں اسے حصول قرب کا سب سے اہم ذریعہ قرار دیا ہے۔ حضرت مظہر کا تعلق جس سلسلہ سے ہے یعنی نقشبندیہ طریقہ میں اتباع سنت پر بہت زور دیا گیا ہے، حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

اب اس کے سوا اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ حضور ﷺ کی سنتوں میں سے کوئی سنت

زندہ کی جائے (مکتوبات ۱/ ۳۷) سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزند اور دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ سنت سنیہ کی تابعداری کی جائے (۲/۲۳'۱۹) مزید تفصیل ان مکتوبات میں ملاحظہ ہو: ۱/ ۷۸'۲/۲۷'۱۹/۲۳'۵۴'۳/۴۱ وغیرہ

حضرت خواجہ محمد معصوم نے بھی اپنے مکتوبات میں اتباعِ سنت پر بہت زور دیا ہے' مولانا محمد صدیق کو لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو ایک متروکہ سنت کو زندہ کرے اسے سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔ (مکتوبات معصومیہ ۱/ ۲۲۸' حسنات الحرمین کا مقدمہ)۔

۱۸۔ شاہ ابوالفتح کے نام حضرت مظہر کے اس کے علاوہ بھی مکتوبات ملتے ہیں دیکھیے کلمات طیبات مکتوب نمبر ۴۳۔۴۴' معمولات مظہریہ میں مکتوب نمبر ۴۳ اور ڈاکٹر خلیق انجم نے مکتوب نمبر ۴۴ انہیں کے نام درج کیے ہیں (ص ۱۵۳) نیز لوائح خانقاہ مظہریہ میں شامل مکتوبات میں کئی مقامات پر ان کا نام آیا ہے' ملاحظہ ہو: ص ۷۵'۱۶۶'۱۶۷'۱۷۰'۱۸۳'۱۹۲'۱۹۳۔

۱۹۔ لطائف کی مزید تفصیل حضرت مظہر کے مکتوب نمبر ۲۴ فصل ہذا میں ملاحظہ کریں۔ مکتوب نمبر ۹ بھی قابل توجہ ہے۔

۱۔ حضرات مجددیہ کے بیانات کی تفصیل مولانا محمد باقر لاہوری نے کنز الہدایات میں دی ہے اور مولانا زید ابوالحسن فاروقی نے مناہج السیر ومدارج الخیر میں بطریق احسن ان مقامات کو سمجھانے کی سعی کی ہے۔

۱۔ القرآن (الرحمٰن) ۵۵/۱۹۔

۱۔ (رسالہ) مراتب ستہ' مولانا جامی سے منسوب ہے۔ اسی مکتوب میں خود حضرت مظہر نے اس رسالہ کو حضرت جامی کی تصنیف بتایا ہے لیکن اس کے جتنے خطی نسخے راقم کی نظر سے گزرے ہیں' کسی کے متن میں بھی مولف کا نام درج نہیں ہے' اسی قسم کے مطالب مولانا کی معروف تصنیف نقد النصوص میں پائے جاتے ہیں ممکن ہے کسی نے بعد میں یک جا کر کے مراتب ستہ نام دے دیا ہو...... جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے رسائل نقشبندیہ کا جو مجموعہ ''ملفوظات'' کے نام سے حیدرآباد سے ۱۹۵۹ء میں طبع کرایا تھا' میں یہ رسالہ بھی شامل ہے۔

۔ مراتب ستہ کی شرح کے کسی خطی نسخے کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے۔

۱۹۵۔ القرآن (النحل) ۱۶/۶۰۔

۱۹۶۔ قوسین میں درج فقرہ مقامات مظہری میں ہے لیکن کلمات طیبات ص ۳۸ میں منقول اس خط میں موجود نہیں۔

۱۹۷۔ اگر وجود حق سبحانہ وتعالیٰ مرات اعتبار کنی ظاہر در وی احکام و آثار اعیان است نہ اعیان فانما ما شئت رایحۃ الوجود...... (مراتب ستہ قلمی، ورق ۱۸۰ ب)

۱۹۸۔ اگر اعیان را مرات اعتبار کنی ظاہر در وی اسماء وصفات وشیون وتجلیات وجود است نہ وجود من حیث۔ (ایضاً)

۱۹۹۔ ایضاً۔

۲۰۰۔ ''شیونات'' جمع الجمع کا صیغہ ہے اس کا مفرد ''شان'' ہے اور شیون اس کی جمع ہے، شان کے معنی حال اور امر کے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی شیونات اس کی ذات کی فرع ہیں اور اس کی صفات شیونات پر متفرق ہیں اور اس کے اسماء جیسے خالق اور رازق صفات پر متفرع ہیں اور اس کے افعال اسماء پر متفرع ہیں اور تمام موجودات افعال کے نتائج اور ان پر متفرع ہیں (معارف لدنیہ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، رسالہ وحدت الوجود از بحر العلوم حواشی مولانا زید ابوالحسن، مطبوعہ دہلی، ۱۹۷۱ء، ص ۲۹۔۳۰)۔

صفات اور شیونات میں بڑا فرق ہے جو کہ بجز اولیائے محمدی المشرب کے بعض افراد کے کسی پر ظاہر نہیں ہوتے (مکتوبات حضرت مجدد ۱/ ۲۸۷)۔

۲۰۱۔ مقامات مظہری میں یہاں ''اتفاقی دادہ'' ہے جو بے معنی ہے لیکن کلمات طیبات، ص ۳۸ میں ''اتفاقی دادہ'' ہے، جو درست ہے۔

۲۰۲۔ قوسین میں منقول فقرہ کلمات طیبات، ص ۳۹ سے ماخوذ ہے، شیخ اکبر نے فص ہودیہ (شرح فصوص از جامی، ص ۳۳۰) میں ایک مقام پر فرمایا ہے:

واذا كان الحق وقاية للعبد بوجه والعبد وقاية للحق بوجه للحق فقل في الكون ما شئت ان شئت قلت هو الخلق وان شئت قلت هو الحق وان

شئت قلت هو الحق الخلق وان شئت قلت لا حق من كل وجه......وان شئت قلت الحيرة فى ذالك ۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم چاہو تو اسے (کون۔ہستی) خلق کہو (بہ اعتبار ظاہر) اور اگر چاہو تو اسے حق کہو (خلق میں ظہور حق کے پیش نظر)۔

۲۰۳۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دو ایسے متضاد کشفی نظریات ہیں جن پر صوفیہ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مولانا زید ابوالحسن فاروقی نے ملا عبدالعلی بحر العلوم کے رسالہ وحدۃ الوجود کے حواشی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات اور رسائل میں سے وہ تمام عبارات ملخصاً نقل کر دی ہیں جن کا تعلق وحدت الشہود سے ہے' اس طرح ان دونوں مکاتب فکر کا تقابلی مطالعہ آسان ہو گیا ہے' تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

جامی' نورالدین عبدالرحمٰن: رسالہ مراتب ستہ' قلمی۔

محمد بن فضل اللہ برہانپوری: تحفہ مرسلہ' قلمی۔

محمد عزالدین مغربی: جام جہاں نما' طبع حیدرآباد دکن ۱۳۱۳ھ' ابراہیم شطاری: شرح جام جہاں نما (باسم آئینہ حقائق نما بفرمائش شیخ محب اللہ آبادی)' طبع مطبع ابوالعلائیہ' حیدرآباد' دکن ۱۳۱۳ھ۔

جلال الدین تھانیسری: ارشاد الطالبین' مرتبہ مولانا نوراحمد امرتسری' طبع امرتسر۔

محب اللہ الہ آبادی: رسالہ تسویہ اور رسالہ ہذا کی مختلف شروح۔

شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری: مکتوبات نمبر ۲' ۴' ۶' ۳۳' ۴۶' ۴' ۶۳۔

امداد علی قلندر: انوار محمد' حیدرآباد دکن ۱۳۱۹ھ۔

یحییٰ بہاری' کلمات الحق (دونوں نظریات کے انطباق کی نفی میں) بفرمائش حضرت مظہر' ر۔ک۔ فصل ۱۷' حاشیہ نمبر ۹۹۔

شاہ رفیع الدین: دمغ الباطل (رد رسالہ مولانا یحییٰ بہاری مذکور) مرتبہ عبدالحمید سواتی' مطبوعہ گوجرانوالہ' ۱۹۷۶ء۔

شاہ ولی اللہ: مکتوب مدنی' ترجمہ محمد حنیف ندوی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۱۹۶۵ء۔ (متن شامل دمغ الباطل' طبع مذکورہ)۔

۲۰۴۔ متن کتاب میں اس مکتوب کا کوئی نمبر درج نہیں ہے نیز مکاتیب حضرت مظہر پر کام کرنے والوں کی نظر سے بھی یہ مکتوب اوجھل رہا ہے۔

۲۰۵۔ انسانی لطائف پر صوفیہ نے بہت کچھ لکھا ہے' خصوصاً نقشبندی مشائخ نے تصوف کے اس مسئلے کے لیے نمایاں تحریری سرمایہ چھوڑا ہے' اس موضوع پر سب سے زیادہ دقیق علمی مباحث حضرت شاہ فقیر اللہ علوی کے مکتوبات میں ملتے ہیں' ملاحظہ ہو: مکتوبات شاہ فقیر اللہ ۴۲/ ۱۴۹' ۵۲/ ۲۴۳' ۵۳/ ۲۴۶۔ ۲۴۹' ۲/ ۷/ ۲۹۷۔

نیز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مستقل کتاب الطاف القدس مطبوعہ۔ اور شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل' فصل ششم' مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی ۲/ ۸۴' کنز الہدایات' ص ۱۵ ملاحظہ کریں۔

۲۰۶۔ اصطلاح قلب کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فرہنگ اصطلاحات تصوف' ضمیمہ چہارم' کتاب ہذا' حضرت خواجہ محمد پارسا فرماتے ہیں:

چون نسبتی میاں او و میان این قطعہ لحم صنوبری ہست پس توجہ بدین لحم صنوبری باید نمود...... الخ (تحقیقات' ص ۳۶۲)۔

۲۰۷۔ حضرت مجدد الف ثانی نے لکھا ہے:

عالم امر کا رخ بے چونی اور اس کی توجہ بے چگونگی کی طرف ہے۔ مکتوبات ۱/ ۳۴۔

محمد باقر لاہوری: کنز الہدایات' ص ۱۳۔

محمد معصوم سرہندی: مکتوبات معصومیہ ۲/ ۱۱۳' ۱۱۴۔

جامی نور الدین عبدالرحمٰن: (رسالہ) طریقہ خواجگان مرتبہ عبدالحی حبیبی' کابل ۱۳۴۳ ش' ص ۱۳۔

و مرتبہ مولانا نور احمد امرتسری' ضمیمہ کنز الہدایات' امرتسر ۱۳۳۵ھ۔

۲۰۸۔ حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی نے اسے منازل وصول میں سے پہلی منزل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

چندان مداومت بہ ذکر قلبی نمایند کہ حضور ملک دل شود و صفت لازمہ او گردد و انقطاع تام

دل را از ماسوای حاصل شود ونسیان ما دون او تعالیٰ نماید بحدے کہ اگر بتکلف ماسوای بہ یاد او نہد یادش نیاید این حالت معبر فنائے قلبی است و منزل اول ست از منازل وصول۔ (مکتوبات معصومیہ ۳/۱۰)

نیز حضرت مجدد الف ثانی نے فنا و بقا کی بحث میں اس منزل کا ذکر فرمایا ہے۔ (مکتوبات ۱/۸۲)

۲۰۹۔ مجدد الف ثانی، حضرت: مکتوبات ۱/۱۹۶۔

۲۱۰۔ محمد پارسا، خواجہ: تحقیقات، ص ۳۶۳۔

۲۱۱۔ حضرت مجدد الف ثانی وضاحت فرماتے ہیں:

جس راستے کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں، وہ کل سات قدم ہے جس طرح انسان کے سات لطیفے ہیں...... تیسرے قدم میں تجلیات ذاتیہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ (مکتوبات ۱/۵۸، ۳/۷۵)

۲۱۲۔ حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی نے دو مفصل مکتوبات میں ان لطائف و اشغال کے طریقے بیان کیے ہیں، ملاحظہ ہو: مکتوبات معصومیہ ۲/۱۱۳، ۱۱۴۔

نیز مولانا محمد باقر لاہوری نے کنز الہدایات (ص ۱۳۔۱۴) میں ان مکتوبات کی بنیاد پر قابل توجہ اُمور سے بحث کی ہے، کنز الہدایات پر مولانا نور احمد امرتسری کے حواشی بھی رہنما کا کام دے رہے ہیں۔

چونکہ یہ مکتوب حضرت شیخ عبدالاحد وحدت معروف بہ شاہ گل (ف ۱۱۲۶ھ) بن حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی کے مریدین کے نام ہے اور انہیں ''لطائف'' سے خاص تعلق تھا، اس لیے حضرت وحدت کے اس موضوع پر رسائل بھی ملاحظہ کریں:

(۱) ''رسالہ در بیان لطائف خمسہ واصول آنہا'' مشمولہ رسالہ در حالات شیخ محمد عابد، قلمی۔

(۲) رسالہ ''لطائف'' مشمولہ بیاض مرزا بیدل قلمی برٹش میوزیم نمبر add.16802۔

۲۱۳۔ (ترجمہ:) ہم نے گنج مقصود کی نشان دہی کر دی، ہم اگر اس تک نہیں پہنچ سکے تو شاید اسے پالے۔

۲۱۴۔ اس موضوع پر مؤلف کتاب حضرت شاہ غلام علی کا مستقل رسالہ موجود ہے، جس میں انہوں نے اپنے دلائل دیے ہیں، ملاحظہ ہو: ملفوظات شریفہ، مقدمہ (ص ۴۱)۔

☆☆☆☆☆

ضمیمۂ اوّل

حالات حضرت شاہ غلام علی دہلوی

مؤلف مقاماتِ مظہری

نوشتہ

مولانا شاہ عبدالغنی مجددی

تحقیق و تعلیق

محمد اقبال مجددی

حضرت شاہ عبدالغنی مجددی

(ضمیمہ ہذا کے مؤلف' مشہور عالم' محدث اور شیخ طریقت حضرت شاہ عبدالغنی بن حضرت شاہ ابوسعید مجددی رحمۃ اللہ علیہما کی ولادت شب شنبہ ۲۵ شعبان ۱۲۳۴ھ/ ۱۹ جون ۱۸۱۹ء کو دلی میں ہوئی ''مظاہر حلیم'' تاریخی نام ہے اور سہ شنبہ ۷ محرم ۱۲۹۶ھ/ ۳۱ دسمبر ۱۸۷۸ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی' حفظ قرآن مجید کے بعد ظاہری علوم مولانا حبیب اللہ ملتانی[1] سے اور باطنی فیض اپنے والد سے پایا' ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۳ء میں اپنے والد کے ساتھ حج کے لیے گئے' حرمین الشریفین میں شیخ محمد عابد سندھی (ف ۱۲۵۷ھ) اور شیخ اسمٰعیل رومی سے حدیث کی سند حاصل کی اور پھر دلی آ کر حضرت شاہ محمد اسحاق سے حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں' والد کی وفات (۱۲۵۰ھ) کے بعد آپ نے اپنے برادر عزیز حضرت شاہ احمد سعید اور مرزا عبدالغفور خورجوی[2] سے راہِ سلوک آخر تک طے کیا' اوائل ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں آپ نے حضرت شاہ احمد سعید کے ہمراہ حرمین الشریفین کی طرف ہجرت کی اور وہیں مقیم ہو کر درس حدیث میں مشغول ہو گئے جہاں دور دراز سے اہل فضل و کمال آپ کے حلقہ میں آ کر شامل ہونے لگے' آپ کو بہت مقبولی ہوئی اور ''مسند وقت'' کہلائے' علماء نے آپ کی اسناد حدیث کو کتابی شکل میں جمع کیا چنانچہ ''الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی'' کے نام سے شیخ محسنی ترہتی نے اور مولانا عبدالستار صدیقی مہاجر مکہ نے ''المورد الہنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی'' عربی میں تالیف کیں۔

حضرت شاہ عبدالغنی کی تصانیف یہ ہیں:

انجاح الحاجہ حاشیہ سنن ابن ماجہ' تبریز المکنونات فی تخریج احادیث المکتوبات (حضرت مجدد الف ثانی)' تحفہ تیموریہ' شفاء السائل' اردو ترجمہ نصاب الاحتساب' ''القول السنی فی الذب عن الشیخ عبدالغنی'' (جواب رد شفاء السائل) از مولانا زید ابوالحسن فاروقی' قلمی اور مکتوبات جامع حافظ محمد یعقوب مجددی

(۱) حالات لیے ضمیمہ ہذا کا حاشیہ نمبر ۱۵۷ ملاحظہ ہو۔

(۲) تفصیلی حالات ضمیمہ ہذا میں دیکھیے۔

اور ضمیمہ ہذا (در حالات حضرت شاہ غلام علی دہلوی)' مقاماتِ مظہری کے اوّلین ناشر عبدالرحمٰن خان (مالک مطبع احمدی دہلی) ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں جب کہ یہ کتاب زیر طبع تھی حضرت شاہ عبدالغنی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ضمیمہ ہذا لکھنے کی درخواست کی گویا ۱۲۶۹ھ میں یہ ضمیمہ تالیف ہوا' یہ ضمیمہ زیادہ تر حضرت شاہ رؤف احمد رافت کی تالیف جواہر علویہ کا خلاصہ ہی ہے لیکن بعض مقامات پر قابل قدر اضافات بھی پائے جاتے ہیں' جن کی نشاندی ہم نے حواشی میں کر دی ہے' تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقاماتِ خیر: ص۷۴-۸۱' مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ' ص۶۵ - ذکر السعیدین' ۳۲-۳۵-

محمد اقبال مجددی

☆☆☆☆☆

هو الغنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ در حالات حضرت شاہ غلام علی دہلوی

(۱۳۹) حمد و صلوٰۃ کے بعد خود بینی اور خود پسندی میں گرفتار درویش دلریش عبدالغنی مجددی [۱] عرض کرتا ہے کہ ان دنوں [۲] معدن الغیرت والایمان برادر طریقت عبدالرحمٰن خان [۳] کی حسن سعی سے یہ رسالہ [۴] در حالات و مقامات حضرت شمس الدین حبیب اللہ جناب میرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ چھپ رہا ہے، جس کے مؤلف حضرت قطب فلک الارشاد غوث الاقطاب والاوتاد مظہر کمالات خفی و جلی مرشدنا شاہ عبداللہ المشتہر بہ شاہ غلام علی [۵] رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اخفائے احوال اور انکسار جوان کے مزاج شریف میں بہت زیادہ تھا، انہوں نے حضرت شہید (مظہر) کے دیگر خلفاء کا تو ذکر کیا ہے لیکن اپنا حال لکھنا بہت ضروری تھا، تحریر نہیں فرمایا ہے اور یہ امر بڑا عجیب ہوگا کہ ایسے عظیم الشان خلیفہ کا ذکر اس رسالہ میں نہ ہو، لہٰذا میں نے ان کا مختصر حال شریف مع خلفاء اپنے چچا شاہ رؤف احمد مرحوم [۶] کی تالیف جواہر علویہ [۷] سے منتخب کر کے اور جو معلومات میرے علم میں ہیں مختصراً لکھ دیا ہے اور شاہ صاحب (غلام علی) کی تالیف (رسالہ مذکورہ) بھی ایک گہرے سمندر کا قطرہ ہے:

گر آن جملہ را سعدی انشا کند مگر دفتری دیگر املا کند

یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ (حضرت شاہ غلام علی دہلوی) کا ارشاد آپ کی زندگی میں ہی اس حد تک (پھیل گیا) تھا کہ گزشتہ مشائخ میں سے چند ایک کا اگر ہو تو بعید نہیں۔

آپ کی زندگی میں ہی آپ کے خلفاء اقصائے روم اور شام سے حد چین تک اور پھر مشرق سے مغرب تک پہنچ چکے تھے [۸] یہ سچ ہے کہ:

مشک (۱۴۰) آنست کہ خود ببوید نہ آنکہ عطار بگوید [۹]

استخارہ مسنونہ کے بعد میں نے (ایسا) خواب دیکھا جو اس (ضمیمہ ہذا) کی تحریر پر حسن دال تھا پس اسے (لکھنا) شروع کر دیا۔ وھو المستعان۔

فصل

ذکر ولادت شریف (حضرت شاہ غلام علی دہلوی)

آپ کی ولادت شریف ۱۱۵۸ھ ہجری[10] کو قصبہ بٹالہ ضلع پنجاب میں ہوئی' آپ کی تاریخ ولادت ''مظہر جود''[11] سے برآمد ہوتی ہے' آپ کا نسب شریف حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے' آپ کے والد بزرگوار شاہ عبداللطیف[12] صاحب مرتاض ومجاہدہ تھے' وہ ابلے ہوئے کریلے کھاتے اور صحرا میں جا کر ذکر جہر کرتے تھے' ان کے پیر شاہ ناصرالدین قادری[13] تھے' شاہ عبداللطیف اور ان کے پیر کا مزار حضرت دہلی میں جیش پورہ عقب عیدگاہ محمد شاہی میں واقعہ ہے[14] انہیں چشتی اور شطاری نسبت کا بھی کچھ حصہ ملا تھا' وہ چالیس روز تک مطلق نہیں سوئے اور رات کو بہت کم کھاتے تھے۔ غرور نفس (کے خطرہ سے) وہ روزے کی نیت بھی نہیں کرتے تھے۔

آپ (حضرت شاہ صاحب) کی ولادت سے پہلے انہوں نے خواب میں حضرت اسد اللہ الغالب (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دکھا کہ فرماتے ہیں: اپنے بیٹے کا نام میرے نام پر رکھنا (چنانچہ) آپ کی ولادت کے بعد علی نام رکھا گیا۔ جب آپ سن تمیز کو پہنچے کو خود کو ادباً غلام علی کہلوایا۔

آپ کی والدہ شریفہ نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جو فرماتے تھے کہ اپنے بیٹے کا نام عبدالقادر رکھنا' راقم (شاہ عبدالغنی) کہتا ہے کہ شاید وہ بزرگ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہوں گے' آپ (حضرت شاہ صاحب) کے چچا نے جو ایک بزرگ تھے اور جنہوں نے ایک ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا' حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے آپ کا نام عبداللہ رکھا[15]

آپ کے والد نے اپنے پیر سے آپ کو بیعت کروانے کے لیے جو کہ خضر علیہ السلام کے صحبت یافتہ تھے' آپ کو وطن (بٹالہ) سے (دہلی) طلب کیا لیکن قضائے الٰہی سے وہ بزرگ (مرشد والد) اسی رات جس شب آپ (دہلی) پہنچے یعنی گیارہ رجب[16] کو انہوں نے انتقال فرمایا' آپ کے والد ماجد فرمانے لگے: میں نے تو تمہیں (ان سے) بیعت کے لیے طلب کیا تھا لیکن خدا کی مرضی یہ نہیں تھی اب تم جہاں اپنا فائدہ دیکھو وہیں اخذ طریقہ کرو' ان دنوں دہلی میں جو حضرات متعین تھے آپ نے ان کی صحبت اختیار کی ان میں حضرت ضیاء اللہ اور شاہ عبدالعدل یہ دونوں حضرت خواجہ محمد زبیر کے خلیفہ تھے اور

خواجہ میر درد بن خواجہ ناصر' مولوی فخر الدین' شاہ نانو اور شاہ غلام سادات چشتی [17] اور دیگر اعزہ کی صحبت میں رہے۔

۱۱۸۰ھ میں [18] جب کہ آپ کی عمر بائیس سال تھی آپ حضرت شہید (میرزا مظہر) کی خانقاہ شریفہ میں پہنچے' یہ (شعر) آپ کے حسب حال ہے:

از برای سجدہ عشق آستانی یافتم
سر زمینی بود منظور آسمانی یافتم

(۱۴۱) بیعت کے لیے درخواست کی' فرمانے لگے: جہاں ذوق وشوق پاؤ وہاں بیعت کرو' یہاں تو بغیر نمک کے پتھر چاٹنا ہوگا' آپ نے عرض کی: مجھے یہی منظور ہے' حضرت نے فرمایا: تو مبارک ہو' پس آپ کو بیعت کر لیا [19] آپ نے اپنے احوال میں خود لکھا ہے کہ مجھے جب علم حدیث اور تفسیر سے مناسب پیدا ہوگئی تو میں نے حضرت شہید کے ہاتھ پر سلسلہ قادریہ میں بیعت کی لیکن طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں تلقین فرماتے [20]

پندرہ سال تک آپ کے ذکر و مراقبہ کے حلقہ میں شرکت کا شرف حاصل کیا' اس کے بعد مجھے آپ نے اجازت مطلقہ سے نوازا' مجھے اس ارادت کے شروع میں فکر تھی کہ وہ شغل جو میں نے طریقہ نقشبندیہ میں کیا ہے حضرت غوث الاعظم کی اس میں رضامندی ہے یا نہیں؟ میں نے (خواب میں) دیکھا کہ حضرت غوث الثقلین ایک مکان میں تشریف فرما ہوئے ہیں' اس کے جوار میں ایک دوسرے مکان میں حضرت شاہ نقشبند بھی تشریف فرما ہیں' میں نے حضرت شاہ نقشبند کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو فرمانے لگے: خدا کی مرضی یہی ہے' جاؤ اس میں کوئی مضائقہ نہیں [21]

ابتداء میں مجھے معاش کی بہت تنگی تھی جو کچھ تھا وہ بھی چھوڑ کر توکل اختیار کر لیا' ایک پرانا بوری بستر اور اینٹ کا سرہانہ بنا لیا' ایک مرتبہ شدت ضعف سے میں نے ایک حجرہ میں (داخل ہو کر دروازہ) بند کر لیا کہ یہی میری قبر ہے' اس ذات پاک نے کسی کے ہاتھ فتوح بھیجی [22]

اب پچاس سال سے میں اسی گوشہ قناعت میں بیٹھا ہوں۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے دروازہ بند کر لیا کہ اگر میں مروں گا تو اسی حجرہ میں' آخر اللہ کی مدد ایک شخص آیا اور کہا کہ دروازہ کھولیں' آپ نے نہ کھولا' اس نے پھر کہا: مجھے آپ سے کچھ کام ہے'

کھولو' آپ نے پھر بھی نہ کھولا وہ کچھ روپے (بذریعہ) شگاف اندر پھینک کر چلا گیا' پس اسی دن سے فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

اس کے بعد صدہا علماء وصلحاء (دور و دراز) کے ممالک سے آپ کی خدمت میں آنے لگے' ان میں سے بعض تو آنحضرت سرور ﷺ کے خواب میں حکم دینے سے خدمت میں پہنچے مثلاً مولانا خالد رومی' شیخ احمد کردی اور سید اسمٰعیل مدنی اور بعض نے بزرگوں کے تشویق دلانے سے بیعت کی مثلاً مولانا جان محمد [۲۳] اور بعض نے آپ کو خواب میں دیکھ کر۔

ان میں سے کم وبیش دو سو تو آپ کی خانقاہ شریف میں رہتے تھے' جن کی آپ بطریق احسن کفالت کرتے تھے' اس کمال (فضل) کے باوجود (طبیعت میں) انکسار حد سے زیادہ تھا۔

ایک روز فرمانے لگے کہ ایک کتا میرے گھر آیا تو آپ نے فرمایا کہ الٰہی! میں کون ہوں کہ تیرے دوستوں کا وسیلہ بنوں تو اس مخلوق کے صدقے مجھ پر رحم فرما اور اسی طرح اگر کوئی طلب (حق) کے لیے آتا ہے تو میں اسے تقرب کے لیے وسیلہ بناتا ہوں۔

آپ کا عمل اکثر (۱۴۲) حدیث شریف کے مطابق ہوتا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث کے فرزندوں میں سے کسی سے علم حدیث کی سند [۲۴] لی تھی اور اپنے مرشد سے بھی (حدیث کی سند حاصل کی تھی) قرآن مجید حفظ تھا لیکن لوگ اس بات سے آگاہ نہیں تھے' آپ بہت کم سوتے تھے اگر تہجد کے وقت لوگوں کو خوابِ غفلت میں پاتے تو انہیں بیدار کرتے تھے اور خود تہجد کی نماز پڑھتے اور پھر مراقبہ اور تلاوت کلام اللہ شریف میں مشغول ہو جاتے اور روزانہ دس سیپارے پڑھتے مگر ضعف کی حالت میں کم کر دیتے تھے۔

صبح کی نماز اوّل وقت میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے اشراق تک حلقہ و مراقبہ ہوتا' لوگوں کی کثرت کے سبب حلقہ ایک سے زیادہ مرتبہ کرتے' پہلے لوگ چلے جاتے اور ان کی جگہ دوسرے بیٹھتے' اس کے بعد طالبوں کو حدیث اور تفسیر کا درس دیتے' جو کوئی بھی آپ سے ملاقات کے لیے آتا اسے تھوڑا وقت دے کر رخصت کر دیتے اور معذرت کرتے کہ فقیر ان دنوں فکر گور میں مصروف ہے اور اسے مٹھائی تحفہ بھی دیتے۔

ایک مرتبہ نواب محمد میر خان [۲۵] جو کہ حضرت غوث الاعظم کی اولاد اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ

اللہ علیہما کی اولاد میں سے تھے اور آپ اسی بزرگی کی وجہ سے ان کی بہت عزت کرتے تھے' وہ آ کر تھوڑی دیر بیٹھتے تو آپ عذر فرما کر رخصت کر دیتے' غلبہ محبت کی وجہ سے ان کا دل اُٹھنے کو نہ چاہتا تو آپ اپنے خادم سے فرماتے کہ مکان کی چابیاں لا کر نواب صاحب کی نذر کر دو کیوں کہ وہ تو اُٹھتے نہیں ہم مکان ان کی نذر کر کے خود ہی چلے جاتے ہیں (یہ سن کر وہ) فی الفور اُٹھ جاتے۔

زوال کے قریب تھوڑا سا کھانا کھاتے' امراء کے گھروں کا مکلّف کھانا جو آپ کے لیے اکثر آتا تھا' خود بھی نہ کھاتے بلکہ اسے طالبوں کے لیے بھی مکروہ خیال فرماتے مگر اپنے ہمسایوں اور اس شہر میں اگر کوئی نو وارد ہوتا تو ان میں تقسیم کر دیتے اور کبھی دیگوں کو کھلا چھوڑ دیتے کہ جو چاہے کھانا لے جائے البتہ اگر کوئی نقد رقم بھیجتا اور اس پر کوئی شبہہ نہ ہوتا تو سال گزرنے سے پہلے اس میں سے چالیسواں حصہ نکال لیتے جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بشرط وجود نصاب زکوٰۃ جائز ہے کیوں کہ فرض کا صدقہ نفلی صدقہ سے زیادہ ثواب کا موجب ہے' پھر اپنے پیروں خصوصاً حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز کے لیے حلوا وغیرہ تیار کروا کر فقراء میں تقسیم کرتے' اور اپنے والد کی نیاز بھی دیتے۔

وہ قرض بھی ادا کرتے جو خانقاہ کے فقراء پر خرچ ہوتا' جو کوئی بھی حاجت مند آتا اسے (۱۴۳) رقم دے دیتے اور کبھی کوئی شخص بغیر اطلاع کے بھی لے جاتا تو (اسے لیتے ہوئے) دیکھنے کے باوجود آپ اپنا منہ دوسری طرف کر لیتے (بطور چشم پوشی)۔

بعض لوگ آپ کی کتابیں (چرا کر) لے جاتے اور وہی بیچنے کے لیے آپ کے پاس لے آتے تو آپ اس کتاب کی تعریف فرماتے اور اس کی قیمت دے دیتے اگر اشارتاً کوئی کہتا کہ حضرت یہ کتاب تو آپ ہی کے کتب خانے کی ہے اور اس پر مہر (علامت) بھی موجود ہے تو ناراض ہو کر منع فرماتے اور کہتے کہ صاحب ایک کاتب کئی کتابیں لکھتا ہے۔

آمدم برسر مطلب آپ (دوپہر کا) کھانا کھا کر قیلولہ فرماتے اور پھر دینی کتب مثلاً نفحات [۲۶] (الانس) اور آداب المریدین [۲۷] وغیرہما کا مطالعہ اور ضروری تحریرات میں مشغول ہو جاتے' نماز ادا کرنے کے بعد تفسیر و حدیث کا درس دیتے' عصر کی نماز پڑھتے اور پھر حدیث اور تصوف کی کتابیں پڑھاتے مثلاً مکتوبات امام ربانی' عوارف (المعارف) اور رسالہ قشیریہ' اسی طرح شام تک حلقہ ذکر اور توجہ میں مشغول رہتے' شام کی نماز کے بعد خاص مریدوں کو توجہ دیتے' کھانا کھا کر عشا کی نماز پڑھتے' رات

اکثر بیٹھ کر ذکر اور مراقبہ میں گزار دیتے اگر نیند کا زیادہ غلبہ ہوتا تو مصلے پر ہی دائیں کروٹ لیٹ جاتے' کبھی چارپائی پر بھی سوتے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کبھی آپ نے پاؤں بھی دراز کیے ہوں' اکثر احتیاط کے طور پر اس حالت میں جو حضرت سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے اور اولیاء کرام مثلاً حضرت غوث الاعظم سے ثابت ہے مراقبہ میں بیٹھتے اور غایت درجہ حیا کی وجہ سے پاؤں بہت کم پھیلاتے تھے یہاں تک کہ وفات بھی اسی حالت میں ہوئی [۲۸] فتوح (نذر و نیاز) فقراء میں تقسیم کر دیتے' خود موٹا (کھردرا۔کھدرنما) لباس پہننے کی عادت تھی [۲۹] اگر کوئی نفیس لباس بھیجتا تو اسے بیچ کر کئی کپڑے خریدتے اور انہیں صدقہ میں دے دیتے اور اسی طرح دوسری چیزوں کے بارے میں بھی کرتے یہ نسبت ایک کے اگر زیادہ لوگ پہن لیں تو بہتر ہے اور اکثر حضرت سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی یہی عادت مبارک تھی کہ موٹا لباس زیب تن فرماتے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک موٹی اور تہ بند شریف بوسیدہ تھا نیز فرمایا کہ اسی لباس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس نے پرواز فرمائی۔

آپ (حضرت شاہ غلام علی) اعلیٰ درجے کے سخی تھے' یہ (سخاوت) خفیہ طور پر کرنا بہت پسند تھا' حلقہ کے وقت بھی لوگوں کو دیتے تھے' آنجناب پر حیا اس قدر غالب تھی کہ لوگوں کی شکل دیکھنا تو درکنار کبھی اپنی شکل بھی آئینہ میں نہیں دیکھی تھی۔

آپ مؤمنوں پر اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ اکثر رات کو (ان کے حق میں) دعا کرتے تھے' حکیم قدرت اللہ خان جو کہ آپ کا ہمسایہ تھا اور اکثر آپ کی غیبت میں [۱۴۴] اپنا وقت صرف کرتا تھا ایک مرتبہ کسی وجہ سے قید ہو گیا' آپ نے اس کی رہائی کے لیے کون سی کوشش نہیں فرمائی۔

دنیا کا ذکر آپ کی مجلس شریف میں نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی امراء یا فقراء کا ذکر ہوتا' گویا یہ سفیان ثوری [۳۰] کی مجلس تھی اگر کوئی غیبت کرتا تو فرماتے: واقعی بُرائی مجھ میں ہی ہے' کسی نے شاہ عالم [۳۱] بادشاہ کی بُرائی (غیبت) بیان کی' آپ روزے سے تھے' فرمایا: افسوس کہ روزہ جاتا رہا' کسی نے عرض کی حضرت آپ نے کسی کی غیبت تو نہیں کی' فرمایا: صاحب اگرچہ میں نے ایسا نہیں کیا لیکن میں نے سنا کہ غیبت کرنے والا اور سننے والا برابر ہوتے ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر آپ کا شیوہ شریف تھا' بادشاہ کا سخت احتساب کرتے تھے اور اس

باب میں آپ کو کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا تھا' وہ مکتوب جس میں آپ نے اکبر شاہ[۳۲] (ثانی) پر احتساب کیا ہے وہ آپ کے (مجموعہ) مکتوبات[۳۳] شریف میں موجود ہے۔

سید اسمٰعیل مدنی[۳۴] آں سرور ﷺ کے حکم سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے آپ ہی کے حکم کے مطابق جامع مسجد (دہلی) میں موجود آثارِ نبویہ (ﷺ) کی (زیارت کے لیے) گئے اور واپس آ کر کہا کہ اگر چہ وہاں حضرت رسالت ﷺ کی برکات محسوس ہوتی ہیں لیکن وہاں کفر کی ظلمت بھی موجود ہے' اس کی تحقیق کروائی گئی تو وہاں بعض اکابر کی تصاویر کی موجودگی کا علم ہوا' آپ نے اس سلسلے میں بادشاہ کو لکھا تو وہ تصویریں وہاں سے باہر نکالی گئیں[۳۵]

بندیل کھنڈ کا رئیس' نواب شمشیر بہادر[۳۵] ایک مرتبہ انگریزی ٹوپی پہنے آپ کی خدمت میں آیا' آپ طیش میں آ گئے اور اسے منع کرنے لگے' اس نے عرض کی کہ اگر یہی احتساب ہے تو پھر نہیں آؤں گا' آپ نے فرمایا: خدا تمہیں ہمارے ہاں نہ لائے' وہ مغلوب الغضب ہو کر اُٹھا اور صفہ دالان کی سیڑھیوں تک گیا ہو گا کہ اپنا کلاہ خادم کو دے کر پھر حاضر خدمت ہوا اور بیعت کی[۳۷] بعض کو آپ نرمی سے منع فرما دیتے کیوں کہ احتساب پہلے پہل سہل ہونا چاہیے۔

میر اکبر علی کہتے ہیں کہ میرے چچا نے داڑھی نہیں رکھی ہوئی تھی' وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے دیکھا اور نرمی سے فرمایا کہ عجب ہے کہ میر صاحب کی داڑھی نہیں ہے' پھر خندہ پیشانی سے فرمایا کہ (اسلام میں) جو کچھ ہے وہ آپ ہی کے خاندان سے ہے' ہم تو آپ کے گماشتے ہیں' الغرض وہ چلا گیا اور پھر کبھی داڑھی نہ منڈوائی۔

آپ کا ترک و تجرید اس مرتبہ کا تھا کہ بادشاہ وقت اور دوسرے امراء یہ تمنا کرتے رہے کہ وہ آپ کی خانقاہ کے خرچ کے لیے کچھ معین کریں لیکن آپ کی زبان پر اکثر یہی قطعہ رہتا:[۳۸]

خاک نشینی است سلیمانیم | نیک بود افسر سلطانیم
ہست چہل سال کہ می پوشمش | کہنہ نشد خلعت عریانیم[۳۹]

نواب امیر خان[۴۰] والئی ٹونک (۱۴۵) و سرونج نے بھی یہی آرزو کی تو آپ نے شاہ رؤف احمد صاحب سے یہ لکھنے کے لیے فرمایا:

ما آبروی فقر و قناعت نمی بریم | با میر خان بگوی کہ روزی مقدر است[۴۱]

آپ اکثر فرماتے تھے کہ ہماری جاگیر تو اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں:

وفی السماء رزقکم وما توعدون [۴۲]

(اور آسمان میں تمہارے لیے رزق ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے)

اللہ تعالیٰ آپ کی تمام دینی و دنیاوی مہمات سرانجام دیتا تھا' آپ فرماتے ہیں کہ خانقاہ کے اخراجات غیب سے پورے ہو جاتے تھے' اس کے لیے ان چار چیزوں کا ہونا لازم ہے: شکستہ ہاتھ' شکستہ پاؤں' صحیح دین اور درست یقین۔

آخری عمر میں آپ کو ضعف بہت زیادہ ہو گیا تھا لیکن جب یہ شعر پڑھتے تھے اسی شدید ضعف میں ہی اُٹھ کر بیٹھ جاتے اور پوری قوت سے (طالبوں پر) توجہ کرتے' شعر حافظ:

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہرگہ کہ یاد روی تو کردم جواں شدم [۴۳]

آپ کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشق کا مرتبہ حاصل تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لیتے بے تاب ہو جاتے۔

ایک مرتبہ خادم قدم شریف سے پانی کا تبرک لایا اور کہا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ پر سایہ ہے' یہ بات سنتے ہی آپ بے تاب ہو گئے اور اس خادم کی پیشانی پر بوسہ دیا' فرمایا کہ میری ہستی ہی کیا ہے کہ مجھ پر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ مبارک ہو؟ اور اس خادم پر بہت نوازش فرمائی۔

مرضِ موت کے وقت ترمذی شریف آپ کے سینہ مبارک پر تھی اگر حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی عمل کا پتا چلتا تو اس کے مطابق عمل کرتے' بکری کے شانے کا گوشت منگواتے اور اسے پکاتے کیوں کہ وہ مسنون ہے' آپ کو قرآن شریف کا نہایت ذوق تھا' اوابین اور تہجد کی نماز میں میرے (مؤلف ضمیمہ ہذا) والد (حضرت شاہ ابوسعید مجددی) سے ختم قرآن مجید سنتے اور کبھی غلبۂ شوق سے زیادہ سنتے اور بے تاب ہو کر فرماتے: بس کرو مجھ میں (بے تاب ہونے کی) زیادہ طاقت نہیں ہے اور اگر درد انگیز اشعار سنتے تھے جس سے آپ کو وجد آ جاتا تھا لیکن چونکہ استقامت کا پہاڑ تھے اس لیے ضبط کر لیتے۔

ابوالحسن نوری محو رقص تھے اور سید الطائفہ جنید بیٹھے تھے' نوری نے فرمایا:

انما یستجیب الذین یسمعون [۴۴]

(مانتے تو وہی ہیں جو سنتے ہیں)

حضرت جنید نے کہا:

وتری الجبال تحسبها جامدۃ وھی تمر مر السحاب [۴۵]

(اور تو پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرے گا کہ وہ منجمد ہیں لیکن وہ چلتے ہوں گے بادلوں کی طرح)

حضرت جنید نہایت مستقیم تھے۔

راقم (شاہ عبدالغنی مجددی) کہتا ہے کہ طریقہ مجددیہ میں کبھی نسبت چشتیہ کا بھی ظہور ہوتا ہے جو کہ حضرت مجدد (قدس سرہ) کے والد ماجد سے وراثتاً تھی [۴۶]

نیز کمال تمکن کے باوجود کبھی اچانک حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حالت ذوق وشوق منقول ہے:

خوبی و شکل و شمائل حرکات و سکنات
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری [۴۷]

سبحان اللہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی:

ع ہرچہ استاذ ازل (۱۴۶) گفت بگوی گونم [۴۸]

آپ کی طبیعت اس قدر نازک تھی کہ اگر کوئی دور تمباکو کا دھواں چھوڑتا (حقہ پیتا) تو آپ ناراض ہو جاتے اور مکان کو دھونی دیتے، فرماتے کہ افغانوں نے ہماری مسجد کو ہلاس دانی [۴۹] بنادیا ہے۔

میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے آپ کے مکان شریف سے اچانک خود بخود خوش بو آنے لگتی تھی، اس وقت آپ دوسروں کو باہر بھیج دیتے کیوں کہ اس وقت حضرت رسالت صلوات اللہ علیہ وسلم اور دیگر پیروں کی روح کا ظہور ہوتا تھا۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت خواجہ نقشبند اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہما کی صورتیں دیکھی ہیں۔

ایک مرتبہ میرا ایک پہلو شل ہوگیا تو میں نے حضرت مجدد قدس سرہ کی روح سے مدد چاہی اسی وقت آپ کی صورت شریف کو میں نے ہوا میں معلق دیکھا تو ساری بیماری سلب ہوگئی۔

فرماتے ہیں کہ حلقہ اکابر چشتیہ جو کہ ذوقِ محبت میں سرشار ہیں اور سماع وسرود ان کے دلوں میں رنگ رنگ کے شوق پیدا کرتا اور چہرہ یار سے پردہ ہٹاتا ہے اور ہمارے سلسلۂ نقشبندیہ کا حلقہ بھی بادۂ ذوقِ محبت سے سرشار ہے لیکن اس کے متوسلین کے قلوب کو حدیث اور درود اذواق بخشتے ہیں۔ ع

آن اشانند مرغ چمن پر زاب

اسی طرح جب اسم مبارک زبان پر آتا تو آہ آہ کہتے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھاتے اور پھر دونوں ہاتھ کشادہ کرتے اور ملاتے کہ گویا کسی کو آغوش میں لیتے ہیں اور مولوی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر پڑھتے۔

موسیا آداب داناں دیگر اند — سوختہ جان وروانان دیگر اند

☆☆☆☆☆

فصل

ملفوظات [52] حضرت شاہ غلام علی دہلوی

آپ فرماتے ہیں: (لفظ) فقیر میں ''ف'' سے مراد فاقہ' 'قاف'' سے قناعت' ''ی'' سے یادالٰہی اور ''رے'' سے ریاضت ہے۔ جو انہیں بجالائے تو اسے ''ف'' سے فضل خدا' ''قاف'' سے قربِ مولیٰ' ''ی'' سے یاری اور ''رے'' سے رحمت حاصل ہوتی ہے نہیں تو ''ف'' سے فضیحت' ''قاف'' سے قہر' ''ی'' سے یاس اور ''رے'' سے رسوائی ملتی ہے [53]

فرماتے ہیں کہ ذوق وشوق اور کشف وکرامات کا طالب' خدا کا طالب نہیں ہوتا [54] راقم (شاہ عبدالغنی مجددی) کہتا ہے بقول حافظ:

شرم ما باد ازین خرقہ آلودہ خود
گر بدین فضل وکرم نام کرامات بریم [55]

(مجھے اس لیے آلودہ خرقہ پر شرم آتی ہے۔ اگر اس فضل وکرم کو کرامات کا نام دیں)

یہ بھی حافظ ہی کا شعر ہے:

با خرابات نشینان ز کرامات ملاف
ہر سخن جای [56] و ہر نکتہ مکانی دارد

(دیرنشینوں کے سامنے کرامات بیان نہیں کرنی چاہئیں کیوں کہ ہر بات اور ہر نکتہ کا ایک موقع ہوتا ہے)

فرماتے ہیں کہ کمالات میں عریانی وصل ہوتی ہے اور اس مقام میں سالک کے نصیب میں ناامیدی اور محرومی کے سوا کچھ نہیں ہوتا' ہر چند وصول ہوتا ہے لیکن حصول نہیں ہوتا۔

فرماتے ہیں کہ طالب کو عبادات کی کیفیات پر الگ الگ دھیان دینا چاہیے کہ نماز سے کیا کیفیت

پیدا ہوتی ہے' تلاوت سے کس نسبت کا ظہور ہوتا ہے' درس حدیث اور زبانی شغل تہلیل (۱۴۷) سے کیا ذوق حاصل ہوتا ہے' یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ مشکوک لقمہ سے ظلمت میں کتنا اضافہ ہوا' اسی طرح دوسرے گناہوں [۵۷] (کا بھی خیال رکھو)۔

فرماتے ہیں کہ ولایت میں خطرات مضر ہوتے ہیں لیکن کمالاتِ نبوت میں مضر نہیں' امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اجهز الجيش وانا فى الصلوٰة ۔

(نماز کے دوران لشکر کی تیاری بھی کرتا ہوں)

آفتاب کا مشاہدہ خطرات قلب میں مانع نہیں ہوتا [۵۸]

فرماتے ہیں کہ کھانے میں ایک تو رضائے نفس ہے دوسرے حق نفس' رضائے نفس کی غذا بہت لطیف اور حق نفس یہ ہے کہ فرائض وسنن کی ادائیگی کے لیے بقدر توانائی کھانا کھایا جائے [۵۹]

فرماتے ہیں کہ طریقہ نقشبندیہ چار چیزوں سے عبارت ہے یعنی بے خطرگی' دوام حضور' جذبات اور واردات [۶۰]

فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمیع کمالات کے کا جامع تھے' ان کمالات کا ظہور مختلف زمانوں میں افراد اُمت کی استعداد کے مطابق ہوتا رہتا ہے' وہ کمالات جن کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن فیض مخزن سے ہوا یعنی بھوکا رہنا' جہاد اور عبادت کرنے کا فیض صحابہ کرام میں جلوہ گر ہوا' وہ کمالات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کے کمالات یعنی استغراق' بے خودی' ذوق' شوق' آہ' نعرہ اور اسرار توحید حضرت بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے اولیائے اُمت تک پہنچے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفۂ نفس کے کمالات جو نسب باطن میں اضمحلال واستہلاک سے عبارت ہیں' حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ کے زمانے سے اکابر نقشبندیہ پر ہویدا ہوئے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم شریف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال حضرت مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے زمانے سے مکشوف ہوا [۶۱]

فرماتے ہیں کہ جس طرح طلب حلال مؤمنوں پر فرض ہے اسی طرح ترک حلال بھی عارفوں پر فرض ہے [۶۲] راقم کہتا ہے کہ صدقہ کا عمل عزیمت پر ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جو خواہشات کا طالب ہو وہ خدا کا بندہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اے عزیز! جب تک تو کسی

پیر کے خیال میں سے تو اس چیز کا [illegible] [14]

فرماتے ہیں کہ خصوصیت [illegible] سے پہلے معرفت ہے [15]

فرماتے ہیں کہ [illegible] آخرت کی نیت [illegible] مولی کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے [16]

[illegible]

[illegible] عشق [illegible] [illegible]

عاشقاں [illegible] وحدت [illegible] [17]

فرماتے ہیں کہ دعا کے وقت اور [illegible] فائض ہوتے ہیں (تعیین) اجابت (دعا) کے آثار کی برکات کا فرق کرنا مشکل ہوتا ہے بعض کا خیال ہے کہ اگر دونوں ہاتھ بوجھل محسوس ہوں تو یہ قبولیت دعا کی علامت ہے میں (حضرت شاہ غلام علی) کہتا ہوں کہ اگر (دعا کے بعد) انشراح صدر حاصل ہو جائے تو یہ قبولیت کی نشانی ہے [17]

فرماتے ہیں کہ بیعت تین قسم کی ہوتی ہے [148] اول برائے توسل پیران کبار دوم گناہوں سے توبہ اور سوم (باطنی) نسبت حاصل کرنے کے لیے [18]

فرماتے ہیں کہ لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں: نامرد، مرد، جوان مرد اور فرد۔ ان میں سے دنیا کے طالب نامرد طالب آخرت مرد طالب آخرت وصولی جوان مرد اور طالب مولیٰ فرد ہوتے ہیں [19]

فرماتے ہیں کہ خطرہ بھی چار قسم کا ہے: شیطانی، نفسانی، ملکی اور حقانی، ان میں (خطرہ) شیطانی بائیں طرف سے، نفسانی اوپر سے یعنی دماغ سے، ملکی دائیں طرف سے اور حقانی فوق الفوق سے آتا ہے [20]

فرماتے ہیں کہ نبوت کے سوا تمام وہ کمالات جو ایک انسان میں ممکن ہو سکتے ہیں، کا ظہور حضرت مجدد (قدس سرہ) میں ہوا [21]

رباعی

ہر لطافت کہ نہاں بود پس پردہ غیب

ہمہ در صورت خوب تو عیاں ساختہ اند

ہر چہ بر صفحہ اندیشہ کشد کلک خیال

شکل مطبوع تو زیبا تر ازاں ساختہ اند [22]

فرماتے ہیں کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اویسی ہونا چاہے تو..... نماز عشاء کے بعد اپنے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر کہے:

یا رسول اللہ بایعتک علی خمس شھادۃ ان لا الہ الا اللہ و اقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ و صوم رمضان وحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا۔

(یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں پانچ چیزوں پر آپ سے بیعت کرتا ہوں (۱) کلمہ (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوۃ دینا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) بشرط استطاعت حج)

چند دنوں میں وہ یہ عمل کرے اگر وہ کسی بزرگ کا اویسی بننا چاہے تو وہ خلوت میں بیٹھ کر وہ کات..... اس کے لیے پڑھے اور اس بزرگ کی روح کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔

فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے مجھے ایسا ادراک عطا کیا ہے کہ میرا بدن قلب کا حکم رکھتا ہے چاروں طرف سے جو لوگ آتے ہیں مجھے ان کی نسبت معلوم ہو جاتی ہے [43]

فرماتے ہیں کہ تین کتابیں بے نظیر ہیں: قرآن شریف، صحیح بخاری اور مثنوی مولوی روم [44]

فرماتے ہیں کہ اولیاء تین قسم کے ہوتے ہیں: ارباب شغل، ارباب ادراک اور ارباب ..... [45]

فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد قدس سرہ جیسے کمالات شاید ہی کسی نے حاصل کیے ہوں اگر حضرت قدس سرہ خود اولیاء پر توجہ فرمائیں تو وہ شاہراہ شہود پر آ جائیں۔

فرماتے ہیں کہ سعدی شیرازی سہروردی طریقہ میں عقل مند آدمی تھے انہوں نے دو ہی نکتوں میں ..... تصوف بیان کر دیا ہے۔

مرا پیر دانائی مرشد شہاب | دو اندرز فرمود بر روی آب
یکی آنکہ برخویش خود بین مباش | دگر آنکہ بر غیر بد بین مباش [46]

فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہم سے ملاقات (بیعت) رکھتا ہے (اسے چاہیے کہ) وہ ہم جیسا لباس پہنے اور ہم جیسے اطوار اختیار کرے۔

رباعی

یا مرو با یار ازرق پیرہن | یا بکش بر خانماں انگشت نیل
یا مکن با پیلبانان دوستی | یا بنا کن خانہ در خورد پیل [47]

فرماتے ہیں کہ بعض مؤمنوں کی روح ملک الموت قبض کرتا ہے (۱۴۹) لیکن خاصاں کی ارواح میں فرشتے کو اختیار نہیں ہوتا:

در کوی تو عاشقاں چناں جان بدہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز[۷۸]

راقم (شاہ عبدالغنی) کہتا ہے کہ شاید:

اللّٰه یتوفی الانفس حین موتها[۷۹]
(اللہ جانوں کو فوت کرتا ہے جب ان کی موت کا وقت ہو)

اور

قل یتوفکم ملك الموت [۸۰]
(تم فرماؤ کہ تمہیں موت کا فرشتہ موت دیتا ہے)

کا اشارہ اسی طرف ہو واللہ اعلم۔

فرماتے ہیں کہ درویشوں کی معاش وہی ہے جسے شیخ ابن یمین کبروی [۸۱] نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

نان جوین و خرقہ پشمین و آب شور
سیپارہ کلام و حدیث پیمبری
ہم نسخہ دو چار ز علمی کہ نافع است
در دین نہ لغو بو علی و ژاژ عنصری
تاریک کلبہ کہ پی روشنی آن
بے ہودہ منتی نبرد شمع خاوری
با یک دو آشنا کہ نیرزد بہ نیم جو
در پیش چشم ہمت شاں ملک سنجری
این آن سعادت است کہ حسرت برد براں
جویائے تخت فقیر و ملک سکندری[۸۲]

نیز مولانا جمالی کے یہ اشعار بھی پڑھا کرتے تھے:

رباعی

لنگکی زیر لنگکی بالا — نی غم دزدنی غم کالا
کز ک بوریا و پوستکی — دلکی پر ز درد دوستکی
این قدر بس بود جمالی را — عاشق رند لاابالی را[83]

راقم کہتا ہے کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار بھی آپ کے حسب حال ہیں:

دو یار زیرک و از باجرہ کہن دومنی
فراغتی و کتابی و گوشہ چمنی
من این مقام بہ دنیا و آخرت ندہم
اگرچہ در پیم افتند ہر دم انجمنی
ہر آنکہ کنج قناعت بہ گنج دنیا داد
فروخت یوسف مصری بہ کمترین ثمنی[84]

فرماتے ہیں کہ نورانی عقل وہ ہوتی ہے جو بلا واسطہ مقصود پر دلالت کرے اور ظلمانی وہ ہے جو مرشد کے راہ دکھانے پر راہ راست پر آئے۔

فرماتے ہیں کہ طالب کو چاہیے کہ ایک لحہ بھی یاد مطلوب سے غافل نہ رہے:

این شربت عاشقی ست خسرو — بے خون جگر چشید نتوان[85]

فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ اور یہی اصل گناہان کفر ہے:

اہل دنیا کافران مطلق اند
روز و شب در بق بق و در زق زق اند[86]

فرماتے ہیں کہ عین زوال اس بات کا نام ہے کہ سالک "انا" نہ کہہ سکے چنانچہ خواجہ احرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: انا الحق کہنا آسان ہے لیکن انا کو زائل کرنا مشکل ہے[87]

(حکیم) سنائی کے اس شعر کے یہ معنی آپ نے بیان فرمائے:

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفران حرف چہ ایمان
بہرچہ از یار دور افتی چہ زشت آن نقش چہ زیبا

(یعنی ہر وہ چیز جو تجھے دوست سے دور کر دے اس میں کفر و ایمان کا امتیاز نہیں، ہر وہ بات جو تجھے محبوب کے وصال سے روک دے اس میں اچھائی اور برائی کا امتیاز نہیں)

سالک کا دل ابتداء میں نوافل پر آمادہ نہیں ہوتا بلکہ فرائض و سنن مؤکدہ پر اکتفا کرتا ہے [88]

فرماتے ہیں کہ طریقۂ مجددیہ میں چار نسبتیں ہیں یعنی نسبت نقشبندی، قادری، چشتی اور سہروردی لیکن ان پر پہلی نسبت (نقشبندیہ) غالب ہے [89]

فرماتے ہیں کہ طریقت میں کفر یہ ہے کہ امتیاز اٹھ جائے [(150)] اور ذات حق کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئے منصور حلاج کہتے ہیں

کفرت بدین اللہ والکفر واجب لدی وعند المسلمین قبیح [90]

فرماتے ہیں کہ جو مخدوم بننا چاہے وہ مرشد کی خدمت کرے۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد [91]

(جس نے خدمت کی وہ مخدوم ہو گیا)

فرماتے ہیں کہ اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن اس سے پہلے شاہ جہاں آباد کی جامع مسجد کے [illegible] پانی پی کر کلام مجید کے دس سیپارے پڑھتا اور دس ہزار مرتبہ ذکر نفی و اثبات کرتا، میری باطنی نسبت اس قدر قوی تھی کہ ساری مسجد نور سے بھر جاتی اور اسی طرح میں جس کوچہ سے گزرتا (وہ بھی منور ہو جاتا) اگر میں کسی کے مزار پر جاتا تو اس کی نسبت پست ہو جاتی (لیکن) میں بھی خود کو پست کر دیتا اور اس بزرگ (صاحب مزار) کی تواضع کرتا [92]

فرماتے ہیں

ز ناتوانی خود این قدر خبر دارم
کہ از رفتن نتوانم کہ دیدہ بر دارم [93]

☆☆☆☆☆

فصل

آپ کے مکاشفات اور الہامات[۹۴]

آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں بے تابی (کے عالم میں) میں نے (سر پر) خاک ڈال لی چونکہ یہ امر شرع میں اچھا نہیں ہے اس لیے (میرے باطن میں) ظلمت پیدا ہو گئی (اسی اثنا میں) میں نے خواب میں میر روح اللہ[۹۵] کو جو کہ حضرت شہید (میرزا مظہر) کے مخلص تھے، دیکھا کہ کہتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے انتظار میں تشریف فرما ہیں۔ میں نہایت شوق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معانقہ فرمایا معانقہ تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی شکل شریف میں رہے اس کے بعد میر میر کلاں[۹۶] رحمۃ اللہ علیہ کی شکل اختیار کر لی۔

ایک روز میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر ہی سو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور منع فرمایا اور (اس فعل کی) مذمت بیان فرمائی۔

ایک بار خواب میں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

من رانی فقد رای الحق[۹۷]

(جس نے مجھے (خواب میں) دیکھا اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا)

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی حدیث ہے؟ فرمایا: ہاں!

(میرا معمول تھا) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک پر ہمیشہ تسبیح و تحمید پڑھا کرتا تھا لیکن ایک مرتبہ مجھ سے یہ عمل نہ ہو سکا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی شکل میں جو شمائل ترمذی میں مذکور ہے، تشریف لائے اور شکایت فرمائی۔

ایک مرتبہ مجھ پر دوزخ کی آگ کے خوف کا شدید غلبہ ہوا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جو ہم سے محبت رکھتا ہے وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔

ایک بار میں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی تو فرمایا کہ تیرا نام عبداللہ اور عبدالمہیمن ہے۔

ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ میرے چہرے کا گوشت دو انگلیوں کے برابر حضرت سلطان المشائخ [۹۸] کے چہرہ مبارک کا سا ہو گیا ہے جو بدنما معلوم نہیں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضرت سلطان المشائخ کا پیراہن لایا اور کہا کہ وہ تیرے پیر ہیں میں نے جواب دیا کہ میرے پیر تو میرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ہیں' اس نے چند مرتبہ یہی تکرار کی' آخر کہا کہ سلطان المشائخ آپ کے پیر صحبت ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مجدد قدس سرہ تشریف لائے (۱۵۱) اور فرمایا کہ تو میرا خلیفہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ نقشبند [۹۹] تشریف لائے اور میرے پیراہن میں داخل ہو گئے۔

ایک روز ایک بزرگ آئے اور میرے پاس بیٹھ گئے' میں نے نام پوچھا تو فرمایا کہ ''بہاء الدین''۔

ایک بار ایک شخص ایک خلعت لایا اور کہا کہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو عنایت کیا ہے' مولانا خالد [۱۰۰] نے عرض کی کہ یہ خلعت قطبیت ہوگا' آپ فرماتے ہیں کہ میں نے انکسار کے طور پر اس مقام کا نام نہ لیا۔

ایک روز میں حضرت خواجہ باقی باللہ [۱۰۱] رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گیا اور توجہ کی درخواست کی' حضرت مزار سے باہر آئے توجہ فرمائی' دوپہر کا وقت تھا اس لیے میں جلدی اُٹھ کھڑا ہوا پھر حسرت ہی رہی کہ جلدی کیوں کی؟ (اس توجہ کی ایسی) کیفیت تھی جو بیان سے باہر ہے۔

ایک روز حضرت خواجہ قطب الدین [۱۰۲] رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گیا میں نے کہا: ''شیء للہ شیء للہ'' (اللہ کے لیے کچھ دیجیے' اللہ کے لیے کچھ دیجیے) میں نے پانی سے بھرا ہوا ایک حوض دیکھا جس کے کنارے سے پانی باہر آ رہا تھا (اس وقت) القا ہوا کہ تیرا سینہ نسبت مجددیہ سے پر ہے اس میں مزید گنجائش نہیں ہے۔

ایک روز میں سلطان المشائخ کے مزار پر گیا میں نے توجہ کی درخواست کی' فرمایا: تمہیں کمالات احمدی حاصل ہیں' میں نے عرض کی: اپنی نسبت بھی عطا کریں' انہوں نے توجہ فرمائی تو میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ میری طرح ہو گیا ہے اور میرا چہرہ ان کی مانند' میں اس سے بہت محظوظ ہوا۔

ایک مرتبہ میں حضرت خواجہ محمد زبیر [۱۰۳] رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر حاضر ہوا حضرت خواجہ تشریف لائے اور

فرمایا کہ عبادت کثرت سے کیا کرو اس راہ (طریقت) میں عبادت کرنی چاہیے تاکہ در تصرف کھل جائے' میں نے عرض کی کہ آپ کا مرتبہ کس طرح حاصل ہوسکتا ہے؟ فرمایا: (صرف) کثرت عبادت سے'

ایک بار میرا مکان معطر ہو گیا' اوپر نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر پر (ایک) معطر اور منور روح جلوہ نما ہے اور اس کے گرد آفتاب کی سی شعاعیں ہیں' میں حیران ہوا کہ یہ کیا (ماجرا) ہے؟ پھر خیال آیا کہ یہ آں سرور ﷺ کی روح مبارک ہے یا حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی روح ہے۔

ایک مرتبہ اہل خانقاہ کے درمیان لفظی نزاع ہوا' حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا کہ جو کوئی جھگڑا کرے اسے خانقاہ سے نکال دو۔

ایک مرتبہ میرے مکان میں سیدۃ النساء [۱۵۱] رضی اللہ عنہا تشریف لائیں فرمایا کہ میں تمہارے لیے زندہ ہوں۔

ایک مرتبہ میں نے مشکوک کھانا کھالیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت شہید (مرزا مظہر) نے الٹی کی ہے اور فرمایا کہ ہر جگہ کا کھانا نہیں کھانا چاہیے۔

ایک مرتبہ الہام ہوا کہ منصب قیومیت تمہیں عطا کیا گیا ہے۔

ایک روز الہام ہوا کہ تجھ سے ایک نیا طریقہ جاری ہوگا۔

ایک روز میں نے اپنے مکان کی کشادگی کے لیے عرض کی تو الہام ہوا کہ تو اہل وعیال نہیں رکھتا پھر کیا ضرورت ہے؟

ایک روز میں نے ہمسائے کا مکان طلب کیا تو الہام ہوا کہ تم نے ہمسائے کو کیوں تکلیف پہنچائی اور اسے مکان سے باہر نکالا۔

ایک روز میں حرمین الشریفین کی زیارت [۱۵۲] کا قصد کر کے نیم قد اُٹھا تو یہ الہام ہوا کہ تیرا یہیں رہنا بہتر ہے۔

ایک روز میں نے کہا: ''یا شیخ عبد القادر شیئًا للّٰہ'' تو الہام ہوا کہ کہو ''یا ارحم الراحمین شیئًا للّٰہ''۔

ایک روز الہام ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ نے اپنے خلفاء دکن بھیجے تھے تم اپنے خلفاء کابل اور

بندہ را بھیجو، اللہ تعالیٰ کا کلام صوت اور لحن سے مبرا ہے، میں نے تین بار سنا ایک مرتبہ مدرسہ میں، دو مرتبہ سنتی مکان میں جس میں کہ ان دنوں مقیم ہوں یعنی خانقاہ شریف۔

ایک رات میں نے کہا: "یا رسول اللہ" آواز آئی "لبیک یا عبد صالح"۔

☆☆☆☆☆

فصل

آپ کی چند کرامات

سالکان راہِ الٰہی اور طالبانِ فیض نامتناہی سے مخفی نہیں ہے کہ خدا کی محبت اور اتباع سید انبیاء علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جیسی کوئی کرامت اور خرق عادت نہیں ہے اور یہ دونوں امر آپ کے وجود با جود میں بدرجہ کمال پائے جاتے تھے سب سے بڑی کرامت اور سب سے افضل خرق عادت تو طالبوں کے باطنوں پر تصرف اور ان کے سینوں میں حضرت سبحانہ کے فیض و برکات کا القاء کرنا ہے اور یہ امور آپ سے اس قدر ظہور پذیر ہوئے کہ ان کی تحریر کے لیے دفاتر درکار ہیں۔

ہزاروں ارادت مندوں کے دل ذاکر کیے اور سینکڑوں جذبات و واردات الٰہیہ کو پہنچے اور بہت سے لوگوں کو مقامات و حالات عالیہ پر فائز کیا لیکن کائنات میں تصرف اور غیب کی خبریں نفس امر کے مطابق الہام ہوئیں اور آپ کی دعا سے حل مشکلات اور حاجت برآری کے اس قدر واقعات ہوئے کہ لوگوں کے اکثر کام آپ کی دعا سے ہوئے اور بہت سے عقدے حل ہوئے اور جیسا فرمایا ایسا بار بار ہوا حقیقت میں اس کے مصداق ہے۔

مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

آپ کا کلام کرامت نظام سراسر الہام خوارق اولیاء اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزہ کا پرتو (تھا) بہت سے لوگ خواب میں آپ کا دیدار کر کے شرف یاب ہوئے اور طریقہ اخذ کیا۔ اور عالی مقامات پر پہنچ کر اپنے وطنوں کو روانہ ہوئے طالبوں کی کثرت کے باوجود ہر ایک کو توجہ سے ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچاتے اور ایک حال سے دوسرے حال میں پہنچاتے توجہ کی قوت سے برسوں کا کام تھوڑے دنوں میں کر دیتے اکثر فاسق و فاجر آپ کی توجہ شریف سے تائب ہو کر راہ راست پر آئے اور کئی لفاظ

آپ کی معمولی سی توجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

کرامت

ایک محبوب شکل اور مرغوب صورت ہندو لڑکا برہمن زادہ آپ کی مجلس شریف میں آیا' تمام اہل محفل کی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں۔ آپ نے اس پر نظر عنایت (۱۵۴) ڈالی اسی وقت اس نے زنار کفر اتار کر خلعت ایمان پہنا اور فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور حسن کو نور اسلام سے جلا دے کر اُٹھا:

بنشین بہ گدایاں در دوست کہ ہر کس
بنشست باین طائفہ شاہی شد بر خاست [۱۵۷]

کرامت

مولوی کرامت اللہ [۱۵۸] جو کہ آپ کے خادم تھے ایک روز ان کے پہلو میں شدید درد ہوا آپ نے اپنا دست مبارک وہاں رکھ کر ہمت فرمائی تو اسی وقت (درد) رفع ہو گیا۔

کرامت

ایک مرتبہ چلتی ہوئی کشتی پر توجہ کی تو وہ رک گئی۔

کرامت

میاں احمد یار [۱۵۹] جو کہ آپ کے اجل اصحاب میں سے تھے' کہتے ہیں کہ میں تجارت کے لیے گیا ہوا تھا' اثنائے راہ میں صحرا میں میں نے دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہیں اور گاڑی (بہل) کے قریب کھڑے ہیں' فرمایا کہ گاڑی کو تیز کرو اور دوڑاؤ اور اس قافلہ سے جدا ہو جاؤ کیوں کہ ڈاکو آ گئے ہیں اور اس قافلے کو لوٹنا چاہتے ہیں' یہ کہہ کر آپ غائب ہو گئے' میں نے گاڑی کو دوڑایا اور قافلہ سے جدا ہو گیا' قضائے الٰہی سے سارا قافلہ ڈاکوؤں نے غارت کر دیا اور میں بخیر و خوبی منزل مقصود پر پہنچ گیا۔

کرامت

میاں زلف شاہ جو کہ آپ کے مخلصوں میں سے تھے' کہتے ہیں: جب میں اوائل حال میں آپ کی خدمت میں آیا تو صحرا میں راستہ کھو بیٹھا اچانک ایک بزرگ نمودار ہوئے اور مجھے راستہ دکھایا' میں نے

کہا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: تم جس کے پاس بیعت ہونے کے لیے جا رہے ہو میں وہی ہوں' دو مرتبہ میرے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا۔

کرامت

نیز میاں احمد یار سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں آپ کے ہمراہ ایک صالحہ جو کہ آپ کی مریدتھی' کے ہاں تعزیت کے لیے گیا' کیوں کہ اس کی بڑی لڑکی فوت ہوگئی تھی' آپ نے اس ضعیفہ (بڑھیا) سے خطاب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس دختر کے نعم البدل لڑکا عطا کرے گا' اس عمر رسیدہ عورت نے گستاخانہ کہا کہ حضرت اب تو میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا ہے' ظاہر ہے کہ ان حالات میں اولاد پیداا ہونا عقل کے خلاف ہے' آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ قادر ہے' اس کے بعد آپ اور میں اس کے گھر سے باہر آ گئے اور ایک مسجد میں جو اس بوڑھی کے گھر کے سامنے ہی تھی آپ تشریف لے گئے' وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اس عورت کے ہاں پیدائش فرزند کی دعا کی اس کے بعد مجھ سے فرمایا کہ میں نے اس کی اولاد کے لیے جناب الٰہی میں عرض کی ہے [۱۵۴] قبولیت دعا کا اثر ظاہر ہوگا (اور) ان شاء اللہ اس کے ہاں فرزند ہی تولد ہوگا' اس کے بعد آپ کے فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سے لڑکا عنایت فرمایا اور جوان ہوا' الحمد للہ علیٰ ذلک۔

کرامت

ایک عورت آئی اور ایک بیمار کی شفاء کے لیے عرض کی آپ نے اسے دسترخوان سے تبرک دیا جو ن اور کباب تھا' جب وہ گھر آئی تو وہ حلوہ میں تبدیل ہو چکا تھا (جس سے) معلوم ہوا کہ بیمار کا وقت ل آ پہنچا ہے چنانچہ اسی طرح واقعہ ہوا۔

کرامت: میر اکبر علی [۱۱۱] صاحب جو کہ آپ کے مخلص نیازمندوں میں سے ہیں' انہوں نے پنے عزیزوں کی ایک عورت کی بیماری کے بارے میں عرض کی' چونکہ انہوں نے بار بار سوال کیا تھا' آپ ے فرمایا: اکبر علی اس کی زندگی پندرہ روز سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی اور تقدیر الٰہی سے وہ پندرھویں روز ت پا گئی لیکن بیماری کے دنوں میں میر صاحب موصوف (اکبر علی) اس عورت کو توجہ دیتے رہے جب پ اس عورت کے جنازہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ اکبر علی شاید تم اسے توجہ دیتے رہے ہو اسی لیے

ی میں برکات معلوم ہوتی ہیں۔

کرامت

آپ کی خانقاہ کے قریب ایک رافضی کا مکان تھا آپ کی خانقاہ کی تنگی کے لیے اس مکان کی ضرورت تھی وہ عورت جس کی ملکیت میں وہ مکان تھا آپ نے اس سے مکان کی خواہش کی اس عورت نے انکار کر دیا آخر ایک بار آپ نے حکیم شریف خان کو جو کہ دہلی کے معززین میں سے تھے اس عورت کو سمجھانے کے لیے بھیجا کہ اگر تمہیں اس کی فروخت میں کچھ عار ہے تو ہم اس کی قیمت خفیہ طور پر بھیج دیتے ہیں تم اسے بطور نذر پیش کر دو اس بد بخت نے جو اہل اللہ سے عداوت رکھتی تھی حکیم موصوف کا قول قبول نہ کیا بلکہ اس نے آپ کے بارے میں بیہودہ بکا کیونکہ بزرگوں کو گالیاں (سب وشتم) اس فرقہ ملعونہ کی عادت ہے' حکیم صاحب وہاں سے چلے آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حال بیان کیا آپ نے چہرہ مبارک آسمان کی طرف کر کے عرض کی کہ صاحب اس کا کلام (آپ نے) سن لیا ہے اب میں اس وقت تک اس کا مکان نہیں لوں گا جب تک وہ خود آکر التجا نہ کرے۔ تقدیر الٰہی سے اس کے خاندان پر (پے درپے) موت وارد ہوئی ابھی ایک بچہ باقی تھا جب وہ بھی بیمار پڑ گیا تو وہ پھر سمجھ گئی کہ یہ میرے اس برے عمل کا نتیجہ ہے وہ اس بچہ کو لائی اور اس مکان کی بھی پیش کش کی۔

کرامت

حکیم رکن الدین کو بادشاہ سے وزارت کا منصب حاصل ہوا تو آپ نے حکیم سے ایک عزیز کی سفارش کی تو اس نے اس امر پر توجہ نہ کی جس سے آپ کو ملال ہوا' وہ چند روز کے بعد معزول کر دیا گیا پھر وہ کبھی اس منصب پر فائز نہ ہو سکا۔

کرامت

آپ دہلی کے صوبہ (دار) شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ سے ناراض ہوئے تو وہ بھی معزول ہو گیا۔

(۱۵۵) کرامت' ایک بار آپ کے چند خلفاء بہت دور سے آئے' وہ راستے ہی میں کہنے لگے' کہ حضرت کا معمول ہے کہ قدم بوسی کے وقت آپ تبرک عنایت کرتے تھے' ایک نے کہا کہ مجھے اس مرتبہ مصلیٰ کی خواہش ہے' دوسرے نے کہا کہ میں کلاہ چاہتا ہوں' تیسرے نے بھی کسی چیز کی طلب (کا خیال

کیا) جب وہ حضور پرنور میں پہنچے تو ہر ایک کو اس کی تمنا کے مطابق عنایت کیا اور اس قسم کے اکثر واقعات آپ سے ظہور پذیر ہوئے' بارہا آپ کا کلام دلی تمناؤں کے مطابق ہوتا۔

کرامت

ایک روز حکیم نامدار خان کی عیادت کے لیے گئے' حکیم مذکور نزع کی حالت میں تھے' ان کی آنکھیں بند اور بے ہوش پڑے تھے' ان کے اقربا نے آپ سے سلب مرض کے لیے درخواست کی۔ آپ ایک لحہ متوجہ رہے پھر انہیں فی الفور ہوش آ گیا۔ اور آنکھیں کھول دیں آپ سے بہت سی باتیں کیں' جونہی آپ نے ان کے گھر سے قدم باہر نکالا اسی وقت جان دے دی۔

کرامت

ایک شخص بخارا سے براہ دیار کابل ہندوستان آ رہا تھا کہ دریائے اٹک عبور کرتے وقت اس کا اونٹ مع سامان تجارت پانی میں غرق ہو گیا' اس نے کہا: اگر میرا اونٹ مع اسباب زندہ باہر آ جائے تو بس آپ کی نیاز دوں گا' اللہ سبحانہ کے حکم سے وہ دریا سے باہر آ گیا' جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو واقعہ خدمت میں عرض کیا' تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے نیاز دے دی ہے؟ اس نے کہا: ہاں دے دی۔

کرامت

میاں احمد یار صاحب کے چچا کو رقم لینے (کے جرم میں) بادشاہ نے گرفتار کر لیا' میاں احمد یار آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے' آنجناب نے فرمایا کہ تم چند لوگ جمع ہو کر قلعہ میں جاؤ اور اسے رہا کر کے لے آؤ' میاں موصوف نے کہا کہ قلعہ کے دروازے پر توچوکی اور سپاہیوں کے پلٹن حفاظت کے لیے متعین ہے اس لیے ہم کیسے لا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمہیں اس سے کیا مطلب؟ تم میرے کہنے سے جاؤ' وہ گئے' دروازے کے نگہبانوں اور سپاہیوں کی پلٹن میں سے کسی نے انہیں نہ دیکھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور کہاں جا رہے ہیں؟ آخر اسے قید خانہ سے زندہ لے آئے کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔

کرامت

مولوی فضل امام[112] کا لڑکا بہت علیل تھا' انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہیں

اور اسے کچھ پلایا ہے جب صبح ہوئی تو اسے شفا ہوگئی' وہ آپ کی خدمت میں بطور نیاز رقم لائے تو فرمایا کہ یہ ہماری رات کی عنایت کا شکرانہ ہے؟

کرامت: ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرا لڑکا دو ماہ سے گم ہے' آپ توجہ فرمائیں کہ وہ آ جائے' فرمایا کہ تیرا لڑکا تو تیرے گھر میں ہے' وہ دل میں حیران ہوا (۱۵۶) کہ میں تو ابھی گھر سے آ رہا ہوں لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ وہ گھر میں ہے وہ آپ کے فرمانے کے مطابق گھر گیا اور دیکھا کہ لڑکا واقعی گھر میں بیٹھا ہوا ہے۔

کرامت

ایک عورت آپ کے پاس آئی اور عرض کی کہ میرا لڑکا فوج میں نوکر تھا اس کی نوکری جاتی رہی' اس نے تمام لباس ترک کر کے لنگوٹی پہن لی ہے اور دین و شریعت سے ہٹ کر ملنگ ہو گیا ہے اور بھنگ پیتا ہے' آپ نے فرمایا کہ بیٹھو! وہ بیٹھ گئی' جس سے اس کے تمام لطائف ذکر جاری ہو گئے' اس کے بعد اس کے لڑکے کے حال پر توجہ کی وہ فرقہ ملامتیہ چھوڑ کر راہ راست پر آ گیا۔

کرامت

غریب اللہ سقہ جو کہ آپ کی ہمسائیگی میں سکونت پذیر تھا ایک روز بیماری کی شدت سے نزع کی حالت ہو گئی' رات کے آخری حصہ میں اس کے رشتہ دار آپ کو اس کے پاس لے گئے' آپ نے توجہ فرمائی اسے عنایت الٰہی سے صحت کامل نصیب ہوئی۔

کرامت

مولوی کرامت اللہ صاحب فرماتے ہیں: ان ایام میں جبکہ میں آپ کے پاس تھا میں نے بہت سے عجائبات کا مشاہدہ کیا' ایک مرتبہ فجر کی نماز کے بعد جو کہ مراقبہ اور ذکر کا وقت تھا میں بغل میں کتاب دبائے پڑھنے کے ارادے سے جا رہا تھا' آپ کی نظر شریف مجھ پر پڑ گئی' ناراض ہو کر فرمایا: بیٹھ اور (ذکر میں) مشغول ہو جا' میں چونکہ گستاخ تھا بولا کہ میں تو اس لیے آیا تھا کہ کچھ بغیر محنت کے مل جائے ورنہ محنت کرنے سے تو ہر جگہ مل ہی جاتا ہے فرمایا: میں تمہیں بحق بہاء الدین بغیر محنت کے ہی دوں' بیٹھ جاؤ' اسی وقت توجہ دی میرے ہوش جاتے رہے کہ گویا میرا دل سینہ سے نکل گیا ہے' مدت کے بعد مجھے ہوش

آیا' حضرت حلقہ سے فارغ ہو چکے اور مجھ پر دھوپ آ گئی تھی اور آپ کے خاص اصحاب مثلاً شاہ ابوسعید صاحب حاضر تھے' میں شرمندہ ہوا فرمایا کہ کیا ہوا تھا' میں نے عرض کی: نیند کا غلبہ ہو گیا تھا' آپ تبسم فرمانے لگے۔

☆☆☆☆☆

فصل

آپ کی وفات کا حال [۱۱۳]

آپ کو ہمیشہ شہادت کی آرزو تھی، لیکن فرماتے تھے کہ حضرت پیرومرشد قدس سرہ کی شہادت سے لوگوں پر کس قدر مصائب نازل ہوئے تین سال تک بہت بڑا قحط مسلط رہا جس میں ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں اور لوگوں نے ایک دوسرے کو جو قتل کیا وہ حیطہ تحریر سے باہر اور کسی پر مخفی نہیں ہے، اس لیے میں اپنی شہادت سے ڈرتا ہوں، راقم (شاہ عبدالغنی) کہتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے:

لزوال الدنیا اھون عند اللّٰہ من قتل نفس مومن۔

او کما قال صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم [۱۱۴]

(تحقیق دنیا کا زائل ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مومن کے قتل سے زیادہ ہلکا ہے)

جمل، صفین، حرہ اور کربلا کی کئی سو سالہ جنگیں اور پھر بنی امیہ اور بنی ہاشم کے مابین لڑائیوں کا بڑا سبب [۱۵۷] امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہی تھا۔

حضرت شاہ غلام علی کو آخر (عمر) میں بواسیر اور خارش کے امراض لاحق ہو گئے تھے، ان ایام میں میرے والد (شاہ ابوسعید) بلدہ لکھنو میں تھے، اس تھوڑی مدت میں آپ نے بہت سے خطوط انہیں لکھے تقدیر یہی تھی کہ میرے بعد میرے قائم مقام وہی ہوں [۱۱۵] ان شاء اللہ اپنے والد علیہ الرحمۃ کے ذکر میں ایک دو مکتوب نقل کروں گا غرض انہوں نے سراسیمگی کے عالم میں اپنے اہل وعیال کو لکھنو ہی میں چھوڑا اور آپ کی خدمت میں پہنچ گئے، جب وہ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ میری آرزو تو یہ تھی کہ تم سے ملتے وقت میں بہت روؤں لیکن نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ مجھ میں رونے کی طاقت نہیں رہی اور ان کے حال پر بہت عنایت فرمائی۔

آپ کی دائمی عادت یہ تھی کہ مشکوک مرض کے وقت وصیت نامہ تحریر فرماتے اور زبانی بھی تاکید

کرتے کہ دوام ذکر، شغل نسبت، اخلاقِ حسنہ، مل کر رہنا، قضائے الٰہی پر چون و چرا کیے بغیر (رضا) ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ طریقہ اتحاد، فقر و قناعت، تسلیم و رضا اور توکل سے بافراغت رہنا:

ومن اصدق من اللّٰہ حدیثا [۱۱۶]

(اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے)

نیز فرماتے تھے کہ میرا جنازہ آثار شریف نبویہ (ﷺ) جو کہ جامع مسجد (دہلی) میں ہیں، لے جائیں اور حضرت رسول خدا ﷺ سے میری شفاعت کے لیے عرض کریں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ نماز (جنازہ) جامع مسجد میں پڑھی گئی، آثارِ شریفہ کے پاس لے گئے، وہ تبرکات جو آپ کے پاس تھے ان کے بارے میں فرمایا کہ انہیں تربت کے سرہانے چھوٹے گنبد میں رکھیں۔

فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ میرے جنازے کے آگے فاتحہ، کلمہ طیبہ اور دیگر آیاتِ شریفہ کا پڑھنا بے ادبی ہے (اس لیے) یہ دو اشعار پڑھے جائیں:

مفلسا نیم آمدہ در کوی تو　　شئی لِلّٰہ از جمال روی تو

دست بکشا جانب زنبیل ما　　آفریں بر دست و بر پہلوی تو [۱۱۷]

میں بھی یہی کہتا ہوں کہ میرے جنازے پر یہی اشعار پڑھے جائیں نیز دو عربی اشعار بھی خوش الحانی سے پڑھیں:

و فدت علی الکریم بغیر زاد　　من الحسنات و القلب السلیم

فحمل الزاد اقبح کل شئی　　اذا کان الوفود علی الکریم [۱۱۸]

شنبہ کے دن مولوی کرامت اللہ صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب کو جلد بلاؤ یعنی شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کو (طلب فرمایا) بہت دقت کے ساتھ اپنا یہ مفہوم ادا کر سکے، مولوی صاحب جلدی گئے اور میرے والد صاحب کو بلا لائے جب وہ دروازے میں داخل ہوئے تو ان کی طرف توجہ فرمائی اور اسی حال میں ۲۲ صفر بعد اشراق ہیئت احتباء [۱۱۹] (۱۵۸) میں ۱۲۴۰ ہجری کو عین مشاہدہ حق کے استغراق میں اس دار پر ملال سے انتقال فرمایا۔

اس وحشت انگیز خبر کو سن کر ہزارہا لوگ جمع ہو گئے اور نماز (جنازہ) جامع مسجد جا کر پڑھی اس نماز کی امامت حضرت شاہ ابوسعید صاحب نے کی، خانقاہ شریف میں حضرت شہید (میرزا مظہر) کے دائیں

جانب دفن کیا گیا' اب اس احاطہ میں تین [۱۲۰] مرقد ہیں۔

کیونکہ حضرت شاہ ابوسعید علیہ الرحمۃ جب حج بیت اللہ سے واپس آ رہے تھے تو ٹونک میں آ کر ان کا انتقال ہو گیا' ان کا جنازہ بھی وہاں سے لا کر آپ کے پہلو میں دفن کیا گیا' اس وقت ان کا مزار درمیان میں واقع ہے۔ رحمۃ اللہ علیہم۔

آپ (حضرت شاہ غلام علی) کی تاریخ وفات ''نور اللہ مضجعہ'' (۱۲۴۰ھ) اور اس مصراع فارسی (سے برآمد ہوتی ہے):

''جاں بحق ثانی داد'' (۱۲۴۰ھ)

نیز شاہ رؤف احمد صاحب نے (اس موقع پر) نہایت زیبا رباعی کہی ہے:

چوں جناب شاہ عبداللہ قیوم زمان
زاین جہان فرمود رحلت سوئے جناب کریم
سال او با حال او جستم چوا ے رافت ز دل
گفت ''فی روح وریحان و جنات النعیم''
(۱۲۴۰ھ)

☆☆☆☆☆

فصل

آپ کے چند خلفاء کا تذکرہ

(مولانا شاہ ابوسعید مجددی)

جامع کمالات رب حمید حافظ الشرع والقرآن المجید مرشدنا ومولانا حضرت شاہ ابوسعید [۱۲۱] بن حضرت صفی القدر بن حضرت عزیز القدر بن حضرت محمد عیسیٰ بن حضرت سیف الدین بن حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہم کی ولادت شریف دوم ذی قعد ۱۱۹۶ ہجری کو بلدہ مصطفیٰ آباد عرف رام پور میں ہوئی۔

ابتدائی عمر سے ہی ان کا حال صلاح ماثورہ پر رہا' فرماتے ہیں کہ اوائل عمر میں اتفاقاً میاں ضیاء النبی [۱۲۲] صاحب جو کہ میرے اقارب میں سے تھے' کے ساتھ بلدہ لکھنو سے گزر ہوا' میں ایک مکان میں فروکش تھا' نماز کے لیے مسجد آتے جاتے وقت راستے میں ایک درویش بھی (ملتا) تھا' وہ اکثر ننگا رہتا' لیکن میرے آنے جانے کے وقت وہ ستر ڈھانپ لیتا تھا کسی نے پوچھا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے؟ کہ تو جب بھی انہیں (شاہ ابوسعید) کو دیکھتا ہے ستر ڈھانپ لیتا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ وقت بھی آئے گا جب انہیں ایک ایسا منصب حاصل ہوگا کہ وہ اپنے اقارب کے مرجع بنیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا اس نے کہا۔

دس سال [۱۲۳] کی عمر میں تقریباً (سارا) قرآن مجید حفظ کرلیا' اس کے بعد قاری نسیم علیہ الرحمۃ سے تجوید سیکھی اور قرآن خوانی کے حسن ترتیل میں قاریوں کے لیے رونق افزا ہوئے' جو کوئی بھی آپ سے قرآن سنتا محو ہو جاتا۔

فرماتے ہیں کہ مجھے قرآن اچھا پڑھنے کے سلسلے میں اپنے اوپر اعتماد نہیں تھا' آخر بعض عربوں نے حرم محترم میں مجھ سے قرآن سنا اور تعریف کی [۱۵۹] کیوں کہ مجھے اہل عجم کی تحسین پر مطلق اعتماد نہیں تھا۔
الغرض قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد علوم عقلیہ ونقلیہ میں بہرہ حاصل کیا' اکثر درسی کتب مفتی

شرف الدین [۱۲۴] اور بعض (کتب) شاہ ولی اللہ محدث کے فرزند حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث [۱۲۵] سے پڑھیں۔ فرماتے ہیں کہ قاضی (مبارک) شرح مسلم انہی سے پڑھی ہے' نیز صحیح مسلم کی سند بھی انہی سے لی اور اپنے مرشد (حضرت شاہ غلام علی)' اپنے ماموں حضرت سراج احمد [۱۲۶] بن حضرت محمد مرشد [۱۲۷] اور حضرت شاہ عبدالعزیز [۱۲۸] سے بھی علم حدیث پڑھا۔

تحصیل علم کے دوران ہی خدا طلبی کی ارادت پیدا ہوگئی' پہلے اپنے والد ماجد ہی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا' وہ اپنے آباء و اجداد کے طریقہ پر عامل تھے' ان پر ترکِ دنیا اور قطع تعلق کا غلبہ تھا' یہاں تک کہ نواب نصر اللہ خاں [۱۲۹] نے آرزو کی کہ بخشی گیری کا عہدہ قبول کر لیں لیکن قبول نہ کیا اور اپنے اشغال و اوراد میں ہمیشہ مصروف رہے' انہیں علم حدیث کا بھی ذوق تھا' فاسق اور فاجر لوگوں سے ہمیشہ روگردانی کرتے تھے' ان (حضرت شاہ صفی القدر [۱۳۰]) کی وفات دوشنبہ ۲۹ شعبان ۱۲۳۶ ہجری کو بلدۂ لکھنو میں ہوئی ان کی تاریخ وفات ''فاز رضوان المودود'' ہے۔ سید احمد [۱۳۱] صاحب اور مولوی اسمٰعیل [۱۳۲] شہید اور دوسرے عزیزوں نے خود ان کی تجہیز و تکفین کی' راستے میں کسی نے چھپر (عریش) جلا رکھا تھا ان کی نعش شریف کو آگ کے اوپر سے لے کر گزر گئے کسی کو گزند نہ پہنچی۔

الغرض آتش شوق مشتعل تھی' اپنے والد کی صحبت اور ان کی اجازت سے حضرت شاہ درگاہی [۱۳۳] کی خدمت میں پہنچا' جو کہ دو واسطوں سے حضرت خواجہ محمد زبیر [۱۳۴] قدس اللہ سرہ سے بیعت تھے' انہیں انتہائی استغراق حاصل تھا صرف نماز کے وقت لوگ انہیں آگاہ کرتے (تو ہوش آتا) اور ان میں اس قدر گرمی تھی کہ اگر ایک وقت لوگوں پر توجہ کریں تو وہ بے ہوش ہو جائیں۔

ایک بار نماز کی حالت میں شوقِ الٰہی سے ان کا بدن حرکت میں آیا تو سب سے پہلے امام' تمام مقتدی اور پھر سارے محلے پر وجد طاری ہو گیا اور وہ (سب) رقص کرنے لگے۔

حضرت شاہ درگاہی مادر زاد ولی تھے' تخت ہزارہ ضلع پنجاب میں ۱۱۶۲ ہجری [۱۳۵] کو پیدا ہوئے' ان کی تاریخ ولادت ''معدن فیض حق'' [۱۳۶] سے برآمد ہوتی ہے۔

انہیں بچپن میں یہ جذبہ میسر آیا تھا اور وطن سے نکل کر صحرا میں گشت کرتے رہے' جب سن تمیز کو پہنچے تو قدرے افاقہ حاصل ہوا تو کسی سے قرآن شریف کے ایک جز کا چوتھا حصہ پڑھا اور نماز صحیح کی پھر مغلوب الحال ہو گئے اور درختوں کے پتوں پر قناعت کرنے لگے مگر نماز کے وقت (۱۶۰) انہیں افاقہ ہو

جاتا' پھر بے ہوش ہو جاتے' آخر بلدہ بدایوں کے صحرا میں سلطان التاکین[۱۳۷] کے مزار پر پہنچے

طریقہ قادریہ میں حافظ جمال اللہ[۱۳۸] رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے' امراء سے ملاقات نہیں کرتے تھے اگر سوتے وقت کوئی ان کی چادر میں روپیہ باندھ جاتا تو انہیں نجاست کی بو آتی' پھر جا کر اسے دریا میں اس طریقہ سے ڈال دیتے تھے کہ اسے ہاتھ نہ لگے۔

کرامت

ان کے ایک مخلص کو شیر کا سامنا کرنا پڑا' اس نے انہیں یاد کیا انہوں نے شیر کو طمانچہ مار کر بھگا دیا۔

کرامت

نواب احمد یار خان[۱۳۹] کی بیوی بانجھ تھی انہوں نے دعا کی تو تقریباً بیس لڑکے پیدا ہوئے۔

کرامت

ایک مرتبہ ایک بنیا آیا اور قدموں پر گر پڑا' اس نے کہا: میں نے خود دیکھا ہے کہ جب مکان کا دروازہ گرا تو انہوں (شاہ درگاہی) نے اسے اٹھا کر دوسری طرف کر دیا جس سے میں بچ گیا۔

کرامت

ایک شخص سے کہا کہ تیرا مکان جل جائے' چنانچہ وہ جل گیا۔

حضرت شاہ درگاہی کی تاریخ وفات ''مات قطب الوری عن امر اللہ''[۱۴۰] (سے برآمد ہوتی ہے)

ان کا مزار بلدۂ رام پور میں واقعہ ہے[۱۴۱]

الغرض شاہ مذکور ان کے حال پر بہت عنایت کرتے تھے اور چند ہی دنوں میں اجازت و خلافت دے دی ان میں کمال درجے کی شورش پیدا ہوگئی اور بہت سے مرید جمع ہو گئے اور حلقہ میں بے ہوشی اور وجد بہت ہوتا' آہیں اور بلند نعرے پیدا ہوتے چونکہ مجددی نسبت میں یہ اُمور ممنوع ہیں اور اس نسبت کو رقص سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام کی اتباع میں کمال افسردگی و آسودگی میں عمر بسر کرتے ہیں ان کا سماع قرآن' نماز ان کا حضور اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کا شیوہ ہے' حضرت شہید (میرزا مظہر) علیہ الرحمۃ اسی نہج کے تھے نیز انہوں (شاہ ابو سعید) نے حضرت (شاہ غلام علی) کو رام پور میں

دیکھا تھا جب کہ دہلی میں شاہ نظام الدین [142] کی صوبہ داری تھی اور آپ شاہ نظام الدین سے ناراض ہو کر دہلی سے رام پور چلے گئے تھے [143]

حضرت شاہ ابوسعید آپ کے پاس دہلی پہنچے ان ایام میں دہلی اہل علم وصلاح سے بھری ہوئی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند شاہ عبدالعزیز' رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر علیہم الرحمۃ بھی زندہ تھے اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی زندہ تھے' انہوں نے خدا طلبی کے سلسلہ میں ایک مکتوب بھی قاضی صاحب کو لکھا جس کا انہوں نے بہت تعظیم سے جواب دیا اور یہی مشورہ دیا کہ حضرت شاہ غلام علی سے بہتر کوئی نہیں ہے تو شاہ صاحب آپ کی خدمت میں پہنچے (161) اور مقبول درگاہ ہوئے ان دنوں حضرت شاہ درگاہی بھی زندہ تھے۔

فرماتے ہیں کہ اگر حضرت شاہ غلام علی جیسا مرشد نہ ملتا تو مجھے پہلے مرشد کی طرف سے بہت خوف تھا' لیکن حضرت نے میری اس طرح حمایت کی کہ مجھے کوئی ضرر نہ پہنچا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ اگر طالب کسی دوسرے کے پاس اپنی ہدایت محسوس کرے تو پہلے مرشد کا انکار کیے بغیر دوسرے کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔

ان (شاہ ابوسعید) میں اپنے پہلے پیر (شاہ درگاہی) کی محبت راسخ تھی چنانچہ ایک شخص نے حضرت شاہ غلام علی کی مجلس میں حضرت شاہ ابوسعید کی موجودگی میں شاہ درگاہی کی اس خیال سے غیبت کی کہ وہ شاہ درگاہی کے منکر ہو کر اس مجلس میں آ گئے ہیں' انہیں اس بات پر غصہ آیا اور اسے طمانچہ دے مارا' آپ بھی اس پر ناراض ہوئے کہ تو ہمارے طریقہ کے بزرگوں کی غیبت کرتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ پہلے تو شاہ درگاہی کو مجھ سے کدورت تھی لیکن جب میں آخری بار (قریب وفات شاہ درگاہی) رام پور گیا تو وہ زائل ہو چکی تھی' فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

فرماتے ہیں کہ بعض دوستوں کی استدعا پر میں (شاہ ابوسعید) نے راہِ سلوک پر ایک رسالہ [144] لکھا اور حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں لے گیا' آپ نے اس کی بہت تعریف کی اور رسالے کے آخر میں چند سطور رسالے کی تعریف میں لکھیں' جو اس رسالے کے آخر میں درج ہیں [145] وہ رسالہ ان دنوں طریقہ مظہریہ مجددیہ کا گویا دستور العمل ہے' ہر ملک میں جہاں بھی اس طریقہ کا فیض یافتہ پہنچا ہے اس کے پاس یہ رسالہ موجود ہے' مکہ معظمہ میں بعض بزرگوں نے اس رسالے کا عربی ترجمہ [146] کیا ہے

اور عرب میں یہی مروج ہے اور یہ بھی غالب گمان ہے کہ بلدہ روم میں اس کا ترکی ترجمہ [۱۴۷] بھی ہو چکا ہے۔

کرامت

میاں عظیم اللہ صاحب سے منقول ہے کہ میں نواب محمد امیر خان [۱۴۸] کے ہاں نوکر تھا کہ انہوں نے کسی شخص کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا (لیکن) اتفاق سے میں گھر میں نہیں تھا' اور نہ ہی گھر آنے کے بعد میرے گھر والوں نے مجھے اطلاع دی' آپ نے دوسرے کو بھیجا میں حاضر ہوا تو غصے سے فرمایا کہ میں نے تمہیں طلب کیا تھا تم کیوں نہیں آئے؟ اگر تمہارا نواب طلب کرتا تو چلا جاتا' میں نے عذر کیا کہ مجھے ہرگز اطلاع نہیں ملی کہ آپ نے مجھے طلب فرمایا ہے' الغرض اس دن سے مجھے روزانہ حاضری کا حکم ہوا اور توجہات میں بڑے عجائب و غرائب کا مشاہدہ کیا' جب تک رات کو نچلے مقام کے وصول کا مجھے یقین نہ ہو جاتا مقام فوق کی کبھی توجہ نہ دیتے' جب مجھے یقیناً ''وصول'' حاصل ہو جاتا تو صبح دوسرے مقام کی توجہ دیتے' یہ دائمی عمل تھا اگر نوکری پر جانے سے گھر میں ہی دیر ہو جاتی اور میں گھر سے (اس ارادے سے) نکلتا کہ جلدی [(۱۶۴)] نوکری پر چلا جاؤں اور آج ان کی خدمت میں نہ جاؤں لیکن جب میں اس جگہ پہنچتا جہاں سے یہ راستہ خانقاہ کو جاتا ہے تو وہاں محسوس ہوتا کہ کوئی مجھے کھینچ رہا ہے اور میں چار و ناچار آپ کی خدمت میں پہنچ جاتا اور یہ آپ کا بڑا تصرف تھا۔

کرامت

ایک مرتبہ رام پور سے سنبھل جا رہے تھے' پہلی منزل میں دریا کے کنارے پہنچے تو نماز عشاء کا وقت دریا میں ہی آ گیا لیکن ملاح نہیں تھا' آپ سوار تھے' کشتی کا مالک مشرک تھا' آپ نے فرمایا کہ کشتی دریا میں ڈال دو' اس نے آپ کی ہیبت سے اسے دریا میں ڈال دیا' اللہ کی عنایت سے دریا میں سے صحیح و سالم گزر گئے' وہ مشرک آپ کی یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

کرامت

مرزا طہماس نے قلعہ میں (آپ کی) دعوت کی' بہت سے شہزادے جمع ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے کسی بزرگ کی کرامت نہیں دیکھی' آپ نے نعرہ مارا تو سب گر پڑے اور معتقد ہو گئے۔

کرامت

حکیم فرخ حسین نے جو کہ حضرت شاہ غلام علی کے مصاحبوں میں سے تھا' آپ کی شان کے خلاف بات کی' انہیں بہت غصہ آیا' فرمایا کہ اس کی سزا تمہیں ملے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اس پر تہمت لگی اور وہ خفیہ طور پر فرار ہو گیا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کا ایک قدیم مرید شیخ احمد بخش دہلی میں آپ کے مزار کی زیارت کے لیے حاضر ہوا' اسے خواب میں فرمایا کہ وہ نیک نامی کا کاغذ جو تم نے فرنگی سے لیا ہے وہ تمہاری گٹھڑی میں ہے اسے پھاڑ ڈالو کیوں کہ یہ اسلام کے لیے مناسب نہیں' شیخ مذکور نے کہا کہ مجھے ہرگز یاد نہیں تھا کہ وہ سند میرے ہمراہ ہے' جب تلاش کی تو وہ سند وہیں سے برآمد ہوئی جس کی نشان دہی حضرت نے کی تھی' میں نے اسے اسی وقت پھاڑ دیا اور کافروں کی محبت میرے دل سے نکل گئی' فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

کرامت

میاں محمد اصغر صاحب سے منقول ہے کہ میری نماز تہجد بعض اوقات فوت ہو جاتی تھی' ایک بار میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی تو فرمایا کہ یہ ہمارے خادم سے کہہ دو کہ تہجد کے وقت (تمہارے بارے میں) مجھے یاد کروا دیا کرے' میں تمہیں اُٹھا دیا کروں گا' میں تو صرف اتنا ہی ذمہ لے سکتا ہوں باقی تمہارے اختیار میں ہے' وہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا کہ گویا کوئی مجھے اُٹھا دیتا تھا۔

کرامت

سفر حجاز مقدس کے سلسلے میں جب آپ بلدہ سورت میں پہنچے وہاں ایک مسجد میں بوعلی خان نام کا ایک امیر جو کہ زمرہ فقراء میں داخل تھا اور تہ بند باندھے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا جب اس نے آپ (کے آنے کی) خبر سنی تو اس نے مسجد میں آنا بند کر دیا' کچھ عرصے کے بعد وہ نہایت نیازمندی سے حاضر خدمت ہوا اور سو روپے نذر کیا' مجھے (راقم شاہ عبدالغنی) اور حضرت کو اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی کو بیعت کروایا اور جس سے لوگوں کو تعجب ہوا کہ اس شخص نے تو کمال انحراف سے مسجد میں آنا ہی ترک کر دیا تھا لیکن (اب اسے) کیا ہوا ہے کہ نذر (۱۶۳) پیش کر رہا ہے بلکہ وہ آپ کے راسخ الاعتقاد مخلصوں میں سے ہو گیا۔

کرامت

جب ہم بمبئی پہنچے تو جہاز کا کرایہ ادا کیا' بعض دوسرے لوگ بھی آپ کی صحبت غنیمت جانتے ہوئے اسی جہاز پر سوار ہو گئے' آپ نے فرمایا کہ اس جہاز پر بیٹھنا مصلحت کے مطابق معلوم نہیں ہوتا' اس لیے کرایہ واپس لے لیا' کیوں کہ اس قسم کا وعدہ ملاح سے پہلے ہی کر لیا گیا تھا' آخر آپ دوسرے جہاز میں سوار ہوئے' پہلا جہاز حج کے بعد وہاں پہنچا اور دوسرا جہاز حج کے موقع پر...... اور حاجیوں کا پہلا جہاز ایک سال تک راہ میں ہی رکا رہا۔

جب آپ (شاہ غلام علی) کو آخری مرض (مرض الموت) لاحق ہوا تو میرے حضرت والد (شاہ ابوسعید) لکھنو میں تھے' ان کی طلبی کے لیے آپ نے انہیں مسلسل خطوط لکھے' مقصد یہ تھا کہ ان کو اپنا جانشین بنائیں' ان میں سے ایک مکتوب (یہاں) نقل کیا جا رہا ہے اور دوسرا مختصر مکتوب جو آپ نے طریقہ کے فوائد پر لکھا پر لکھا ہے طالبوں کے فائدے کے لیے ضمناً یہاں درج کروں گا' آپ کے دوسرے مکتوبات جو (صرف) آپ (شاہ ابوسعید) ہی کے نام ہیں انہیں جمع کرنا پوری کتاب کا مقتضی ہے۔

مکتوب اوّل

بخدمت شریف صاحبزادہ عالی نسب والا حسب حضرت شاہ ابوسعید صاحب سلمکم ربکم السلام علیکم رحمۃ اللہ' ان ایام میں مجھے خارش' ضعف اور شدتِ تنفس کے امراض لاحق ہیں' اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہیں ہی' اس کے علاوہ کمر کا درد بھی ایسا ظاہر ہوا ہے کہ بیٹھ کر نماز ادا کرنا محال ہے' حضرت شاہ رفیع الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ان دونوں اشخاص کا آپ کے پاس یکے بعد دیگرے ہونا لازم ہے' پس ان دنوں امراض کی شدت حد سے بڑھ چکی ہے کہ بیٹھنے کی طاقت نہیں رہی اور ستہ ضروریہ (کی ادائیگی میں) بائی سستی آ گئی ہے اس لیے اس وقت تمہارا آنا بہت مناسب ہے' بہت جلد آ جائیں۔

مولوی بشارت صاحب اپنے اہل خانہ کی بیمارداری کے لیے رخصت لے گئے ہیں' ان کے آنے کا نہیں' اس سے پیشتر تمہاری طلب کے لیے میں متواتر خطوط مع تبرکات جدیدہ روانہ کر چکا ہوں۔ تعجب کہ تم یہاں آنے کا قصد نہیں کر رہے' ظاہراً مجھے اب صحبت ملنا محال ہے اور افسوس ہے کہ تم نے اس

قدر دیر کردی ہے: ع

خوبان درین معاملہ تاخیر می کنند [۱۴۹]

میں دیکھتا ہوں کہ اس خاندان عالی شان کے مقامات کا آخری منصب تمہیں سے متعلق ہے' اس سے پہلے بھی میں نے پہلی بیماری کے دوران دیکھا تھا کہ تم میری چارپائی پر بیٹھے ہو اور قیومیت تمہیں عطا ہوئی ہے' ان عجیب و غریب توجہات کے لیے تمہارے سوا کوئی نہیں ہے' اس خط کے ملتے ہی تم اکیلے یہاں چلے آؤ اور برخوردار احمد سعید کو [(۱٦۴)] وہاں اپنی جگہ پر چھوڑ آؤ اور دعائے حسن خاتمہ' درود و استغفار' ختم کلمہ طیبہ و قرآن مجید' ختم پیران کبار' لقائے جان فزا' اور اتباع حبیب مصطفیٰ (ﷺ) میں مدد فرمائیں' والسلام۔

مکتوب ثانی

بعد حمد و صلوٰۃ معلوم ہونا چاہیے کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے طریقہ علیہ میں مقامات و اصطلاحات مقرر ہیں اور ہر درجہ میں جو کیفیات و حالات و انوار و اسرار پیش آتے ہیں ان (اصطلاحات) کو جانے بغیر طریقہ اختیار کرنا بے کار ہے' عمر کیوں ضائع کی جائے اگر توبہ سے رضا تک مقامات عشرہ باطن میں نہ ہو تو اس طریقہ کا کیا فائدہ؟ لطائف عالم امر کی سیر میں کیفیات بہت ہوتی ہیں' لطیفہ قلبی کی سیر میں مریض احدیت صرفہ کے بعد مراقبہ معیت دیکھتا ہے' جس سے بے خودی' استغراق' قطع تعلقات اور قطع آرزو حاصل ہوتا ہے' لطیفہ نفس کی سیر میں مراقبۂ اقربیت اور محبت معمول ہے' جس سے استہلاک و اضمحلال اور فنائے انا وغیرہ حاصل ہوتی ہے' لطائف عالم خلق کی سیر میں عنصر خاک کے سوا عناصر ثلاثہ کا فیض ملتا ہے اور (مانند) تجلیات اسمی الباطن' ملاء اعلیٰ علیہم السلام اور لطیفہ قالبیہ کی تہذیب حاصل ہوتی ہے' کمالات ثلاثہ میں بیرنگی اور نسبت باطن کی لطافت (پیدا ہوتی ہے)۔ حقائق سبعہ میں وسعت انوار' بداہت' حضرات انبیاء علیہم السلام کی زیارت اور محبت ذاتیہ کے اذواق کا حصول ثابت ہے: ع

تا یار کرا خواہد میلش بکہ باشد

(محبوب کس کو چاہتا ہے اور اس کی طبیعت کس طرف مائل ہے)

نہ سلطان خریدار ہر بندہ ایست
نہ در زیر ہر ژندہ زندہ ایست [۱۵۰]

اس طریقہ کا سالک اگر اس قسم کے علوم و معارف کا ادراک کر سکے تو مبارک ہے ورنہ (اس نے) غرور اور خودی کا کسب کیا ہے، پس اس کے لیے ہلاکت ہے۔

جس کی صحبت سے اس قسم کے حالات (مذکورہ) حاصل ہوں وہ بہتر ہے ورنہ طریقہ بدنام ہے۔ اس قسم کے لوگوں سے مشائخ کو ندامت آتی ہے۔ یہ عجیب مرید ہیں جو طریقہ کو بدنام کرتے اور خود کو پیر کہلواتے ہیں:

هداهم الله سبحانه الى رضائه واشتياق لقائه آمين ۔
(اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا اور ملاقات کے شوق کی ہدایت فرمائے)

الحمد للہ حضرت مولوی بشارت اللہ [۱۵۱] صاحب اور حضرت حافظ ابوسعید صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ نے اشاعت طریقہ میں ان مقامات سے مناسبت پیدا کر لی ہے نیز اللہ تعالیٰ دوسرے عزیزوں کو بھی استقامت، اتباع سنت، محبت مشائخ، ترک اور گوشہ نشینی، غیر سے نا اُمیدی اور خدا سبحانہ وتعالیٰ سے اُمید کی توفیق عطا فرمائے، ان کو میرے تمام دوستوں کو اور مجھ خاک افتادہ اور عمر برباد کیے ہوئے بوڑھے کو یہ حالات عطا فرمائے۔

(۱۶۵)
میں بڑی ندامت سے یہ لکھ رہا ہوں کہ مرشدوں کے اجازت ناموں کی تحریر میں ہر دو لفظ لکھیں، (اسی لیے) میں کہتا ہوں کہ ان کا ہاتھ جو میرے ہاتھ سے بہتر ہے (وہ) میرا ہی ہاتھ ہے، ان کی بیعت کرنا میری ہی بیعت ہے جو سعادت اور نجات کا قوی ترین ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ (اس صورت میں) مبارک کرے کہ اگر وہ (مرشد و طالب) اہل دنیا سے روگردانی اور درِ حق پر، شکستہ پا ہو کر وعدہ کریم مطلق حل سلطانہ صدق (دل) سے بیٹھے، وہ میرے طریقے کے ارکان ہیں اور میری سالہا سال کی توجہ کا حاصل ہے:

اللّٰهم وفقني واياهم لمرضاتك ومرضات حبيبك صلى الله عليه وآله وسلم واجعل اخرتنا خيرا من الاولى ۔ آمين ۔ آمين ۔ آمين ۔

(اے اللہ مجھے اور انہیں اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کی توفیق عطا فرما اور ہماری

آخرت کو پہلے سے بہتر بنا' آمین آمین آمین)

دونوں مکاتیب کی عبارت یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

الغرض حضرت شاہ ابوسعید آپ کے حکم سے آپ کے جانشین بنے' تقریباً [۱۵۲] نو سال تک طالبوں کو ہدایت فرماتے رہے' تلخی وسختی' فقر و فاقہ جو کہ اس طریقہ انیقہ کا مرغوب شیوہ ہے' کا خوب لطف اُٹھایا' جس کا بیان تفصیل طلب ہے۔

جب ۱۲۴۹ھ میں انہوں نے حرمین الشریفین کا عزم کیا تو اہل دہلی کو اس سے بہت رنج ہوا' اپنے صاحبزادے حضرت شاہ احمد سعید [۱۵۳] سلمہ اللہ تعالیٰ کو اپنا قائم مقام بنایا' ہر شہر والے ان کی تشریف آوری کو غنیمت جانتے اور بسر وچشم حاضر ہوتے' (سفر حرمین الشریفین کے دوران) ماہ رمضان شریف بمبئی میں ہی آیا اور وہیں تراویح میں آپ نے پورا قرآن شریف ختم کیا' شوال میں جہاز پر سوار ہوئے ذی الحج کی ابتداء میں آپ جدہ پہنچ گئے۔

اس وقت کے شیخ الحرم مولانا محمد جان علیہ الرحمۃ والغفر ان جن کا ذکر ان (شاہ ابوسعید) کے خلفاء میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا' ان کے استقبال کے لیے آئے' ماہ مذکور کی دو یا تین تاریخ کو بلدہ حرام (مکہ معظمہ) میں داخل ہوئے' اہل حرمین (جن میں) قاضی' مفتی' امراء اور علماء (بھی شامل ہیں) نہایت تعظیم سے پیش آئے۔

شیخ عبداللہ السراج' شیخ عمر مفتی شافعیہ' مفتی سید عبداللہ' میر غنی حنفی' ان کے چچا شیخ یٰسین حنفی اور شیخ محمد عابد سندھی [۱۵۴] اور دوسرے عزیز ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔

اسی ماہ مبارک اور بلدہ حرام میں انہیں اسہال اور بخار کا مرض لاحق ہوا' عین مرض اور بے ہوشی کے عالم میں مدینہ منورہ (کی زیارت) کے شوق کا حد سے زیادہ غلبہ ہو گیا' جب افاقہ ہوا تو مدینہ منورہ کا عزم کیا' ربیع الاوّل کے مولد شریف کے دنوں میں آپ وہیں تھے' کسی نے خواب میں دیکھا کہ گویا آنحضرت ﷺ مع صحابہ کرام آپ کے مکان کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں اور یہ کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا باقی سب پیادہ ہیں (۱۶۶) اور حضرت عمر گھوڑے پر سوار...... کسی نے اس کی تعبیر یہ کی کہ شاید امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو یہ امتیاز اس لیے دیا گیا آپ (شاہ ابوسعید) ان کی اولاد میں سے ہیں۔

آپ کے طالبوں کے حلقے میں اس قدر (ہجوم ہوتا) کہ مکان بھر جاتا' شیخ الحرم نے دعوت دی اور کہا کہ یہ دعوت جناب آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ہے۔

مدینہ منورہ میں آپ کی بیماری میں اس قدر کمی آ گئی تھی کہ تقریباً آدھا کوس پیدل چل سکتے تھے' زیارت حرمین الشریفین سے فراغت کے بعد اپنے وطن کی طرف رجوع کیا' مرض روز بروز بڑھتا گیا' رمضان کا پہلا روزہ رکھا کہ اگر نقصان نہ ہوا تو باقی سارے روزے رکھیں گے' اس روز سے شدت (مرض) بڑھ گئی تو فدیہ کا حکم دیا' فرماتے ہیں کہ اگرچہ مریض اور مسافر کے لیے فدیہ لازم نہیں لیکن طبیعت چاہتی ہے کہ فدیہ دیا جائے۔

بائیس رمضان کو بلدہ ٹونک میں داخل ہوئے' نواب وزیرالدولہ [۱۵۵] نے بہت عظیم وتکریم کی' عید کے دن سے سکرات موت کا آغاز ہوا' اس نالائق (راقم شاہ عبدالغنی) کو وصیت دلپذیر فرمائی کہ اتباع سنت لازم ہے اور اہل دنیا سے اجتناب کرنا' فرمایا کہ اگر اہل دنیا کے در پر جاؤ گے تو ذلیل وخوار ہو گے' نہیں تو وہ کتوں کی طرح تیرے دروازے پر لوٹیں گے۔

نیز فرمایا کہ وہ اشغال اور اوراد جو مجھے ملے ہیں میں تمہیں بلکہ عبدالغنی [۱۵۶] کو بھی ان کی اجازت دیتا ہوں' دریافت فرمایا کہ اب کون سی نماز کا وقت ہے؟ مولوی حبیب اللہ [۱۵۷] صاحب نے عرض کی کہ حضرت آپ جو نماز بھی چاہیں پڑھ سکتے ہیں فرمایا کہ آج کی ساری رات میں نے نماز میں بسر کی ہے' ظہر کی نماز کے بعد حافظ کو حکم دیا کہ وہ تین بار سورۂ یٰسین کی قراءت کرے' تیسری مرتبہ سن کر فرمایا: بس کرو اب وقت کم ہے' فرمایا: آج نواب ہمارے گھر نہ آئے' اس سے پہلے کوئی اہل دنیا آیا تھا' فرماتے ہیں کہ امراء کی آمدورفت سے ظلمت پیدا ہوتی ہے۔

ظہر اور عصر کے درمیان عیدالفطر کے دن بروز شنبہ انتقال کیا (اس کے بعد) نواب (وزیرالدولہ) اور اہل شہر حاضر ہوئے' مولوی حبیب اللہ صاحب اور دیگر اہل قافلہ غسل کے متکفل ہوئے' شہر کے قاضی مولوی خلیل الرحمٰن [۱۵۸] نے نماز جنازہ کی امامت کی' آپ کا تابوت شریف دہلی منتقل کیا گیا' چالیس روز کے بعد نعش مبارک صندوق سے نکال کر لحد میں رکھی گئی' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی غسل دیا گیا ہے' کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی' وہ روئی جو (نعش مبارک کے) نیچے تھی بہت خوش بو دے رہی تھی' جسے لوگ بطور تبرک لے گئے' حضرت شاہ غلام علی کی تربت کے قریب دفن کیا گیا' لوگوں نے وفات کی بہت سی

تاریخیں کہیں، ان میں سے ایک عربی اور دوسری فارسی کی نقل کی جاتی ہیں:

ینور اللہ مضجعہ (۱۲۵۰ھ)

مولوی خلیل احمد[159] صاحب نے فارسی تاریخ اس طرح کہی:

امام و مرشد ما شاہ بو سعید سعید
بروز عید چو شد واصل جناب خدا (۱۶۷)
دل شکستہ مغموم گفت تاریخش
''ستون محکم دین نبی قبادہ زبا''[160]

(۱۲۵۰ھ)

حضرت شاہ احمد سعید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ (شاہ ابوسعید) کے فرزند اکبر ہیں، ان کی ولادت ۱۲۱۷ھ میں ہوئی، تاریخ ولادت ''مظہر یزدان'' (سے برآمد ہوتی ہے) اپنے والد ماجد کی تربیت سے قرآن شریعت حفظ کیا، عقلی علوم مولوی فضل امام[161] اور مفتی شرف الدین[162] وغیرہما سے پڑھے۔

حدیث شریف حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ مثلاً رشید الدین خان[163] وغیرہ سے پڑھی، طریقہ مجددیہ کا سلوک حضرت شاہ غلام علی اور اپنے والد سے حاصل کیا، اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے، لوگوں کو ظاہری و باطنی علم سے بہرہ ور کیا۔

حضرت (شاہ غلام علی) نے اپنے رسالہ[164] میں ان (شاہ احمد سعید) کا حال اس طرح لکھا ہے:
''حضرت ابوسعید کے فرزند احمد سعید علم و عمل اور حفظ قرآن مجید اور نسبت شریفہ کے احوال میں اپنے والد ماجد کے قریب ہیں''[165] انتہیٰ کلام الشریف۔

نیز حضرت (شاہ غلام علی) اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ تم چاروں کو سلامت رکھے، محبت کے روابط قربت سے بہتر ہیں، حضرت ابوسعید اسعدہم اللہ سبحانہ، احمد سعید جعلہ اللہ تعالیٰ محموداً، رؤف احمد راف اللہ بہ اور بشارت اللہ جعلہ اللہ مبشر القبول لہ اللہ تعالیٰ ان چار بزرگوں کی عمر میں برکت عطا کرے اور انہیں طریقہ کی ترویج کا موجب بنائے، اور ان کی امثال زیادہ کرے، آمین[166] انتہا۔

حضرت شاہ احمد سعید حضرتین (شاہ غلام علی و شاہ ابوسعید) کی وفات کے بعد ان کے قائم مقام ہوئے' اور طالبان حق ہندوستان (سے) خراسان (تک) ان کی خدمت میں آئے' اپنے حوصلوں کے مطابق فوائد حاصل کیے' ان کے خلفاء قندھار اور غزنی میں بہت شہرت یافتہ [۱۶۷] ہیں' سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ و جعل اخرتہ خیر من اولاہ۔

کاتب [۱۶۸] (شاہ عبدالغنی) ان (شاہ ابوسعید) کا دوسرا لڑکا ہے [۱۶۹]

حافظ عبدالمغنی

حضرت شاہ ابوسعید کے تیسرے صاحبزادے ہیں' فقہ و حدیث سے مناسبت پیدا کر کے اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہیں۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ان کی تاریخ ولادت ''ضیاء الرحمٰن'' [۱۷۰] (سے برآمد ہوتی ہے)۔

(حضرت شاہ ابوسعید کے چند خلفاء کے حالات)

مولوی محمد شریف

رام پور میں تحصیل علم کر کے خدمت میں حاضر ہوئے' ان کے حال پر بہت عنایت فرمائی' سلوک کے مقامات طے کر کے خلافت حاصل کی اور رخصت ہوئے' ضلع پنجاب اور کشمیر میں بہت مشہور ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ان سے فوائد حاصل کیے' ہوشیار پور میں فوت ہوئے' ان کا تابوت سرہند منتقل کیا گیا' حضرت خواجہ محمد معصوم کے روضہ کے قریب دفن (۱۶۸) کیے گئے [۱۷۱]

ملا خدا بردی ترکستانی

حضرت شاہ غلام علی کے حین حیات' شاہ ابوسعید سے لکھنو میں تعلیم سلوک حاصل کی' ان سے بلغار [۱۷۲] وغیرہ کے لوگوں نے بہت فوائد حاصل کیے [۱۷۳]

ملا علاء الدین

حضرت شاہ ابوسعید سے تعلیم طریقہ حاصل کی اور پشاور چلے گئے' وہاں کے حاکم کو ان سے اخلاص پیدا ہو گیا' لیکن (انہوں نے) اس کی طرف توجہ نہ کی' لوگوں کو ان سے بہت فوائد حاصل ہوئے [۱۷۴]

شاہ سعد اللہ صاحب

حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں پہنچ کر سلوک شروع کیا اس کے بعد شاہ ابوسعید سے توجہات لیں پھر اجازت وخلافت لے کر حرمین الشریفین چلے گئے' وہاں سے شرف اندوز ہو کر حیدر آباد دکن میں مقیم ہو گئے [۱۷۵] ارشاد میں کامل تھے وہاں (دکن) کا ہر چھوٹا بڑا اخلاص سے پیش آیا' ان کی خانقاہ میں ایک سو پچاس طلبہ وظیفہ خوار ہیں' حضرتین (شاہ غلام علی وشاہ ابوسعید) کا عرس بڑے تکلف سے کرتے ہیں' دنیا سے قطع تعلق اور سخاوت بے حد کرتے ہیں [۱۷۶]

ملا عبدالکریم ترکستانی

حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں آئے' نسبت حاصل کی اس کے بعد شاہ ابوسعید سے توجہات لیں' اجازت لے کر رخصت ہوئے' شہر سبز میں ان کا طریقہ خوب رائج ہے۔ ہزارہا طلبہ ان کے حلقہ بگوش ہوئے' عظیم خانقاہ' دیہات (زمین متعلق بہ خانقاہ) اور لنگر خانہ بھی ہے' شہر کا والی (امیر) ان کا بہت مخلص ہے [۱۷۷]

ملا غلام محمد

ضلع اٹک سے آئے اور حضرت شاہ غلام علی کے حین حیات شاہ ابوسعید سے نسبت حاصل کی اور وطن (جاکر) لوگوں کو نفع پہنچانے لگے (پھر) حرمین الشریفین چلے گئے' وہاں سے مشرف ہو کر (وطن آتے ہوئے) راستے میں وفات پائی [۱۷۸]

(خلفاءِ شاہ غلام علی)

حضرت مرزا عبدالغفور خورجوی

ایامِ جوانی سے ہی حضرت شاہ غلام علی کی خدمت شریف میں حاضر رہنے لگے اور بہت ہی عنایات حاصل کیں' ان کی توجہ شریف سلب امراض میں اکسیر تھی' آپ مریض اکثر انہیں کی خدمت میں بھیجتے تھے [۱۷۹] کبھی ایک ہی توجہ میں مرض سلب کر لیتے' ایک شخص جو آپ کے طریقہ میں داخل ہوا' فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ تاکہ لطائف جاری ہو جائیں' ایک ہی توجہ میں اس کے لطائف جاری کر کے آپ کی

خدمت میں بھیج دیا' آپ نے دیکھتے ہی معلوم کر لیا' ان کے مریدوں کو کشف حاصل تھا' اور عجائب و غراب بیان کرتے تھے' انہیں روحوں سے ملاقات کا ملکہ بھی حاصل تھا' ان کی لڑکی نے بیان کیا کہ چوری شدہ مال فلاں جگہ موجود ہے' ان کے بعض خلفاء ترکستان میں بہت مشہور ہیں۔ ''شیخ زمن'' سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے سلخ شوال یا غرہ ذیقعدہ کو بلدہ خورجہ [۱۸۰] میں وفات پائی' فرماتے تھے کہ حضرت کے اکثر مریدوں کو (جن میں) میاں محمد اصغر [۱۸۱] اور میاں احمد یار [۱۸۲] (کے علاوہ) غالباً مولوی محمد جان [۱۸۳] نے بھی توجہات [(۱۶۹)] مجھ سے لی ہیں [۱۸۴]

حضرت شاہ رؤف احمد علیہ الرحمۃ

(میرے) حضرت والد (شاہ ابوسعید) کے خالہ زاد بھائی ہیں پہلے پہلے میرے والد کے ہمراہ حضرت شاہ درگاہی کی خدمت میں گئے' جب انہوں نے حضرت شاہ غلام علی کی طرف رجوع کیا تو انہوں (شاہ رؤف احمد) نے بھی اس کا اتباع کیا اور خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کی بے شمار عنایات کا مشاہدہ کیا۔

(حضرت شاہ رؤف احمد)' (حضرت شاہ غلام علی) کے ملفوظات [۱۸۵] مکتوبات [۱۸۶] اور مقامات [۱۸۷] کے جامع ہیں' نیز فقہ وغیرہ پر دیگر تصانیف بھی ہیں [۱۸۸] ان کے ہندی اور فارسی کے اشعار [۱۸۹] بھی (خاصی) شہرت رکھتے ہیں' ان کی نسبت (نسب) حضرت شیخ محمد یحییٰ علیہ الرحمۃ کے توسط سے حضرت مجدد قدس سرہ تک پہنچتی ہے [۱۹۰] (شیخ محمد یحییٰ) حضرت مجدد کے فرزند اصغر تھے۔

خلافت حاصل کرنے کے بعد (شاہ رؤف احمد) بلدۂ بھوپال چلے گئے' وہاں انہیں قبول عام حاصل ہوا' امراء وفقرا ان کے حلقہ میں حاضر ہوتے' میرے والد ماجد کی وفات کے ایک یا دو سال [۱۹۱] بعد تک ہندوستان میں رہے پھر حرمین الشریفین (کے سفر کا) قصد کیا' یلملم میں سمندر (جہاز) میں ہی وفات [۱۹۲] پائی اور بیر علی کے قریب جس کا لقب یلملم ہے' دفن کیے گئے۔

حضرت شاہ خطیب احمد مرحوم

حضرت شاہ رؤف احمد کے فرزند' اخلاقِ حمیدہ سے متصف تھے۔ حلیم اور سخی تھے اور ظلم کو برداشت کرنا ان کا شیوہ تھا' اپنے والد سے نسبت کا کسب کیا' سفر حج میں والد کے ہمراہ تھے' والد کی وفات کے

بعد اپنے آباء کرام کی مجلس کو رونق بخشی' بلدہ بھوپال میں ماہ جمادی الاخریٰ ۱۲۶۶ھ کو وفات پائی''ھو اذا لمن المقربین'' سے تاریخ وفات (نکلتی ہے) جب قبر میں اتارا گیا تو انہوں نے آنکھیں کھول لیں [193] رحمۃ اللہ علیہ۔

شاہ عبدالرحمٰن مجددی جالندھری

ان کی نسبت (اور نسب) حضرت شیخ سیف الدین کے واسطہ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھ ملحق ہوتا ہے [194] ان کے والد شاہ سیف الرحمٰن [195] حضرت شہید (مرزا مظہر) کے مرید تھے' انہوں (شاہ عبدالرحمٰن) نے حضرت (شاہ غلام علی) سے بیعت اور کسب نسبت کی تھی' تہذیب اخلاق میں بے نظیر تھے' پنجاب کے لوگ ان کے اخلاق پر شیفتہ ہیں' بہت سے مرید بھی تھے' ایک بار حج کے لیے بھی گئے تھے' وطن واپس آئے پھر (حج) کے اشتیاق کا غلبہ ہوا اور حرمین الشریفین چلے گئے' واپس آتے وقت سندھ [196] پہنچ کر (راہ میں) ۱۲۵۸ھ میں وفات پائی [197]

مولوی بشارت اللہ صاحب

پہلے اپنے خسر حضرت مولانا نعیم اللہ بہڑائچی [198] سے بیعت کی' اس کے بعد (غالباً بعد وفات مولانا مذکور) حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں حاضر ہوئے' حضرت کی ان کے حال پر خاص عنایت تھی' جو آپ کے مکتوبات [199] سے عیاں ہے' نیز لکھتے ہیں: (۱۷۰)

> مولوی صاحب (بشارت اللہ) میرے اصحاب میں ممتاز ہیں علم ظاہری میں بھی کمال رکھتے ہیں' ان کی نسبت (نسب) حضرت شیخ بڈھن بہڑائچی [200] رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے [201]

مولوی کرم اللہ محدث

ان کے والد [202] مشرف بہ اسلام ہوئے جو مولوی فخر الدین [203] کے مرید تھے اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے تفسیر عزیزی انہیں (مولانا عبداللہ) کے لیے تصنیف [204] کی ہے' مولوی کرم اللہ (شاہ غلام علی) کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور اجازت حاصل کی' اکثر اہل دہلی باواسطہ یا بلاواسطہ فن قرأت اور وجوہات سبعہ میں ان کے شاگرد ہیں' حرمین الشریفین کے راستے میں ہی جب کہ انہوں نے دوسری مرتبہ (سفر حج) کیا تھا' وفات پائی [205]

حضرت مولانا خالد شہر زوری کردی

مشہور عالم تھے ہر فن میں عجیب استعداد رکھتے تھے، حدیث کی پچاس کتابوں کی سند حاصل کی، ہندوستان کے علماء میں سے صرف حضرت شاہ عبدالعزیز کی تعریف کرتے تھے [۲۰۵]

حضرت شاہ غلام علی ان کے اشعار کو عارف جامی کے (کلام) سے مناسبت دیتے تھے، انہوں نے آپ کی مدح میں جو عربی و فارسی قصائد [۲۰۷] لکھے وہ خسرو اور جامی کی ان منظومات سے کسی طرح کم نہیں ہیں جو انہوں نے سلطان المشائخ اور خواجہ احرار (رحمۃ اللہ علیہما) کی مدح میں لکھے ہیں۔

تحصیل علوم کے بعد کسی مدرسے میں درس کا شغل اختیار کیا، خدا طلبی کا جذبہ دل میں موجود تھا۔ اتفاق سے مرزا رحیم اللہ بیگ [۲۰۸] کی جو کہ جہاں گشت تھے ان سے ملاقات ہوگئی، ان سے (کامل) مرشد کی غیر موجودگی کی شکایت کی، مرزا صاحب (رحیم اللہ بیگ) کی رہنمائی پر حضرت دہلی پہنچے [۲۰۹] اور حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں نو ماہ تک رہے۔

جو لوگ حضرت شاہ غلام علی کے بارے میں بدگوئی کرتے وہ مولانا خالد کو خنزیر کی صورت میں نظر آتے جس سے ان کا اعتقاد اور بڑھ گیا (خانقاہ کے لیے) پانی مہیا کرنے کی خدمت اپنے ذمہ لی، (حضرت کے حلقہ میں) جوتوں کی قطار کے پیچھے اور گردن جھکا کر بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت ان پر بہت عنایت مبذول کرتے تھے، ان عنایات کے بعد انہیں خلافت سے بہرہ ور کیا، (روانگی کے وقت) انہیں حضرت شیخ محمد عابد [۲۱۰] کے مزار تک وداع کرنے گئے اور خدا کے سپرد کیا، کہتے ہیں کہ حضرت نے رخصت کے وقت انہیں اس (اپنے) دیار کی قطبیت عنایت کی تھی، یہاں سے جا کر انہوں نے بہت ریاضتیں کی، وہاں خلق کا اتنا ہجوم ہوجاتا کہ گویا سلطنت انہی سے متعلق ہے، ان کے خلفاء (اور پھر) خلفاء کے خلفاء ہزارہا تھے [۲۱۱] (۱۷۱) جب مولانا حضرت غوث الثقلین کی روح کی طرف متوجہ ہوتے تو حضرت خواجہ نقشبند کو دیکھتے کہ فرماتے ہیں کہ ہماری طرف توجہ کرو، شاید کسی نے لکھا ہے کہ ان کا گھوڑا بھی مشتبہ چارہ نہیں کھاتا تھا، الغرض ان سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا، اتنی عزت تو وہاں کے رئیسوں کی بھی نہیں تھی، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بغداد کے والی سے ناراض ہو کر اسے اپنی مجلس سے نکال دیا، ایک مرتبہ لوگوں نے ان کا نام لیا تو بے ہوش ہوگئے۔

شیخ عبدالوہاب جو ان کے خلیفہ، صاحب کرامت اور مرجع خلائق تھے، ان سے منحرف ہوگئے، ان کی

نسبت سلب ہوگئی اور لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو گئے' یہاں تک کہ میرے والد (حضرت شاہ ابوسعید) جب حج کے لیے گئے تو وہ بہزار عجز و انکسار پیش آئے اور حضرت نے توجہات از سرنو دیں' میں نے سنا ہے اس کے بعد انہیں پھر مقبولیت حاصل ہوگئی' چند سالوں کے بعد انہوں نے وفات پائی۔

مولانا مرحوم (خالد کردی) نے اپنے اکثر مریدوں کو میرے والد ماجد کی اطاعت کرنے کا حکم دیا تھا' ان کے جو مرید عرب سے آتے وہ کہتے کہ مولانا آپ (حضرت شاہ ابوسعید) کو مقدم سمجھتے ہیں' وہ مکتوب جو مولانا نے میرے والد کے نام لکھا ہے وہ یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

مکتوب

مرکز دائرہ غربت و مہجوری خالد کردی شہرزوری' عالی مخدومی جناب ابی سعید مجددی معصومی کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اگرچہ آپ کے آباء و اجداد کرام کے جو فیوض حضرت قبلہ عالم روحی فداہ (حضرت شاہ غلام علی) کی ہمت سے' جو اس مقصر اور گم نام کو ملے ہیں وہ احاطہ تحریر اور حوصلہ تقریر سے خارج ہیں لیکن:

بفحوای ما لا یدرك كله لا يترك كله .

(اس قول کے مطابق کہ جو چیز پوری حاصل نہ کی جا سکے اسے بالکل چھوڑنا بھی نہ چاہیے)

شکرگزاری کے طور پر آپ کے حضور عرض کرتا ہوں کہ تمام مملکت روم' عربستان' دیار حجاز' عراق اور قلم رو عجم کے ممالک اور تمام کردستان یک قلم طریقہ علیہ (مجددیہ) کے جذبات و تاثیرات سے سرشار اور حضرت امام ربانی مجدد و منور الف ثانی قدس اللہ سرہ السامی کی مدح سرائی محافل' مجالس' مساجد اور مدارس میں شب و روز اس طرح زبان زد خاص و عام ہے کہ گویا کسی صدی میں دنیا کے اور کسی ملک میں اس زمزمہ کی نظیر نہ دیکھی گئی اور نہ ہی سنی ہے اور نہ فلک نے ایسی رغبت اور اجتماع دیکھا ہے [۲۱۲] چونکہ حضرت صاحب قبلہ (شاہ غلام علی) کی بہت رغبت اس مہجور مسکین کے دل میں تھی اس لیے گستاخی کرتے ہوئے آنجناب اور تمام احباب کی فرحت افزائی ہے' ہرچند اس قسم کے اُمور کا اظہار گستاخی اور خودبینی ہے [۲۱۷] میں اس سے شرمندہ ہوں' لیکن دوستوں کی رعایت کو مقدم جانتے ہوئے بے ادبی ہوئی ہے ورنہ ان اُمور کو تحریر میں لانا مجھ نالائق سے بعید از قیاس تھا۔

امیدوار ہوں کہ آپ (حضرت سے) عندالملاقات یا بذریعہ مکتوب جیسا کہ آپ کی عادت کریمہ

ہے اس مسکین و ذلیل کے ذکر جمیل بہ حضور حضرت بافر وسعادت حضرت صاحب قبلہ کونین (شاہ غلام علی) سے کوتاہی نہیں فرمائیں گے اور کسی تقریب سے ہمیں اس آستانہ میں جو خوش قسمت اور صادقین کے لیے مخصوص ہے، یاد فرمائیں گے [۲۱۳] اور خود بھی کبھی کبھی (اپنی) نیم نگاہی سے ہم بے نواؤں کے دل سے سیاہی کا زنگ دور فرمائیں گے اور کیا لکھوں مہیمن منعم (اللہ تعالیٰ) آپ کو اپنی پناہ اور پیران کرم کی ہمت کا ضمنی بنائے، بمنہ' انتہا

نیز وہ عربی قصیدہ جو مولانا خالد نے حضرت شاہ غلام علی کی مدح (حق) میں لکھا ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین اس سے حظ وافر حاصل کر سکیں [۲۱۴]

(۱۷۸) حضرت شاہ غلام علی (کی وفات) کے بعد مولانا خالد ایک یا دو سال زندہ رہے (وباء) طاعون میں درجہ شہادت پایا [۲۱۵] کہتے ہیں کہ اپنے بعد انہوں نے چار اشخاص کو یکے بعد دیگرے (بہ تعاقب) اپنا جانشین نامزد کیا کہ میرے بعد فلاں اور فلاں کے بعد فلاں ہو' ان چاروں اشخاص نے اسی طاعون میں یکے بعد دیگرے وفات پائی' ان دنوں شیخ عبداللہ [۲۱۶] سلمہ اللہ تعالیٰ (جو کہ) نہایت ''مرد'' بزرگ سنے گئے ہیں ان کے قائم مقام ہیں۔

حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی غزوۂ موتہ میں بہ تعاقب تین صحابہ کرام یعنی زید بن حارثہ' جعفر طیار [۱۷۹] اور عبداللہ بن رواحہ کو امیر مقرر فرمایا' یہ تینوں بزرگ اسی غزوہ میں شہید ہو گئے' ان کے بعد خالد بن ولید نے بہ حکم علم تھاما اور فتح پائی اور سیف اللہ خطاب پایا' رضی اللہ تعالیٰ عنہم [۲۱۷]

مولوی عبدالرحمٰن شاہجہان پوری سلمہ اللہ تعالیٰ

بہت سے بزرگوں کے پاس گئے کچھ حاصل نہ ہو سکا' آخر حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں آئے' سلوک کے بعد خلعت خلافت پایا' اہل دنیا سے عجب قسم کی خلوت اور بے تعلقی رکھتے ہیں کہ ان کی طرف کسی قسم کا التفات نہیں ہے' فرخ آباد کے نواب [۲۱۸] نے کتنی آرزوئیں کیں اور حاضر ہو لیکن ان کی طرف سے کسی قسم کے التفات کا اظہار نہ ہوا' ان سے اجازت یافتہ حضرات کی نسبت قوی اور کشف صحیح ہے' ضلع فرخ آباد اور شاہجہان پور میں ان کا طریقہ بہت مروج ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں طالبوں کے سر پر قائم رکھے۔

میر طالب علی مشتہر بہ مولوی عبدالغفار

ظاہری علم پڑھ کر آپ (حضرت شاہ غلام علی) سے نسبت قلبی کا کسب کیا۔ پھر حرمین الشریفین چلے گئے (ان کے طریقہ کو) ملک یمن کے بلدہ زبید میں رواج ہوا' کہتے ہیں کہ وہ اس ملک کے قاضی بھی تھے'[۲۱۹] اللہ اعلم۔

سید اسمٰعیل مدنی علیہ الرحمۃ

پہلے مولانا خالد سے بیعت ہو کر نقشبندی نسبت حاصل کی' ایک روز خواب میں حضرت سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ دہلی جاؤ اور شاہ غلام علی سے نسبت مجددی کا کسب کرو' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حاضر خدمت ہوئے' اجازت و خلافت حاصل کی اور وطن چلے گئے' ان کا کشف و وجدان صحیح تھا' ان کے آثارِ نبویہ کی زیارت کے لیے جانے اور وہاں (تصاویر کی موجودگی سے) ظلمت کے ادراک کرنے کا ذکر گزر چکا ہے'[۲۲۰]

مرزا رحیم اللہ بیگ مسمی بہ محمد درویش عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ

روزگار ترک کر کے حضرت کی خدمت میں آئے اور نسبت حاصل کی' اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے' سیاہ گدڑی پہن کر حضرت خواجہ نقشبند (کے مزار) کی زیارت کے لیے گئے' اکثر اسلامی شہر (ممالک) مثلاً روم' شام' حجاز' عراق' مغرب' ماوراء النہر' خراسان اور ہندوستان کی سیر کی تھی اور کہتے تھے کہ شاہ غلام علی جیسا شیخ میں نے (کہیں) نہیں دیکھا' والدین سے حقوق معاف کروا لیے تھے'(۱۸۰) امر معروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں انہیں کوئی خوف نہیں تھا'' والیٔ ہرات شہزادہ کامران ان کے مخلصوں میں سے تھا' اس کا سخت اور بے باک الفاظ میں احتساب فرماتے تھے' اسی طرح ترکستان کا والی بھی ان کا معتقد ہو گیا تھا' شرعی اُمور (میں احتساب کی وجہ سے) ہر جگہ سے ناراض ہو کر چلے آتے' قہقند کے بادشاہ سے بھی جو کہ ان کا بہت مخلص تھا' رنجیدہ ہو گئے' آخر شہر سبز میں قرار ملا' وہاں کے حاکم نے ایک بڑا گاؤں ان کی نذر کیا اور وہاں سے اپنی حکومت اٹھا لی' آخری عمر میں نکاح کیا اور ہر آنے جانے والے کی خدمت اپنے ذمہ لی اس لیے وہ مقام آستانہ بن گیا' شافعی مذہب اختیار کیا' اس لیے بخارا وغیرہ میں ان کا لقب شافعی ہے' شہر سبز کے والی سے بعض حکام دشمنی رکھتے تھے' انہیں (مرزا رحیم

اللہ بیگ) کو خفیہ طور پر قتل کر دیا، اس طرح انہوں نے شربت شہادت پیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون [۲۲۱]

حضرت اخوند شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ

علم حاصل کر کے حضرت کی آستانہ بوسی سے مشرف ہوئے، نسبت کے کسب کی اجازت ملی، حضرت اخوند آپ کی خدمت میں تمام ظاہری علوم بھول گئے، فرماتے ہیں کہ میرا حال یہ ہو گیا تھا کہ مجھے علم نحو کی آسان ترکیب بھی مشکل نظر آتی تھی، پھر میں نے علم ظاہر کی طرف رجوع کیا، ایسا نہ ہو کہ تلف ہو جائے، پھر ہزاروں طلبہ کو علم سے بہرہ ور کیا اور اپنے شاگردوں کو وہ تقویٰ اور اچھے کاموں کا حکم دیتے تھے، ان کی مجلس میں اگر کوئی دوسرے طالب علم کی غیبت کرتا تو وہ اسے جرمانہ کرتے، آخر میں بہت ضعیف ہو گئے تھے، کتابیں فروخت کر دیں اور درس و تدریس ترک کر دیا اور انہیں گویا تلاوت قرآن شریف اور فرض نماز کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا [۲۲۲]

آخر ہندوستان کی سکونت کو جو کہ دار الحرب [۲۲۳] ہو چکا تھا مکروہ خیال کرتے ہوئے عین بیماری کی حالت میں ہجری کی نیت سے حرمین الشریفین کی طرف روانہ ہوئے (لیکن) بلدہ ملتان میں پہنچ کر وفات پائی۔

مولانا محمد جان شیخ الحرم رحمۃ اللہ علیہ

علم حاصل کرنے کے بعد آپ (شاہ غلام علی) کی خدمت میں آئے اور بہت ریاضت کی، حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار کی زیارت کے لیے جاتے تھے جو (وہاں سے) سات کوس کے فاصلے پر تھا، رات وہاں عبادت میں مشغول رہتے، صبح (۱۸۱) وہاں سے حضرت کے لیے ایک گھڑا پانی لاتے (کیوں کہ) وہاں کا پانی نہایت زود ہضم ہوتا ہے، ایک خادم سے منقول ہے کہ میرا لڑکا قریب مرگ تھا، میں رات کو اسے حضرت قطب الاقطاب (خواجہ قطب الدین) کی درگاہ میں لایا، مولانا مراقبہ میں تھے، میں بچہ ان کے پاس لے گیا، دعا اور سلب مرض کے لیے درخواست کی، انہوں نے اس کا مرض سلب کر لیا، وہ اسے شفا ہو گئی، ایک اور شخص سے منقول ہے کہ میں ایک عورت کی محبت میں ایسا گرفتار ہوا کہ قریب تھا کہ زنا کا مرتکب ہو جاتا، میں نے ان سے عرض کی اور کہا کہ اب زنا کے سوا چارہ نہیں رہا، اگر میں اس کا مرتکب ہوا تو اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کا نام لوں گا کہ انہوں نے میرے حال پر توجہ نہیں کی، انہوں نے

مجھے لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کی تعلیم دی' میں نے کہا: سبحان اللہ! میں تو ہمیشہ یہی پڑھتا ہوں' انہوں نے کہا: اب میرے کہنے پر پڑھو' میں نے پڑھا تو گویا میرے اور اس عورت کے مابین سکندری دیوار کھڑی ہوگئی اور دو تین سال تک مجھ میں قوت شہوت پیدا نہ ہوئی۔

''مولانا جان محمد'' حضرت سے خلافت و رخصت لے کر حرم محترم چلے گئے' شروع میں بہت تکلیفیں اُٹھائیں آخر فتوح کا سلسلہ شروع ہوا' سلاطین ان کی طرف رجوع کرنے لگے' ان کے خلفا استنبول تک اور روم کے ضلعوں میں پھیلے ہوئے ہیں' سلطان روم کی طرف سے مشاہرہ مقرر ہوا' سلطان (مذکور) کی والدہ ان کے معتقدین میں سے تھی' خانقاہ بنائی تھی اور مسافروں کی خدمت کرتے یہاں تک کہ حدود سنہ ۱۲۶۶ ہجری کو عین مکہ معظمہ میں فوت ہوئے [۲۲۴]

سید احمد کردی

بغداد میں مولانا خالد سے طریقہ اخذ کیا' پھر آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے دہلی آکر حضرت (شاہ غلام علی) سے طریقہ مجددیہ کا کسب کیا' راستے میں بیمار ہو گئے تو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفایابی کے لیے درود شریف کی تعلیم فرمائی تو انہیں شفا ہوگئی۔

سید عبداللہ مغربی

انہوں نے بھی پہلے مولانا خالد علیہ الرحمۃ سے اخذ فیض کیا اور پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت حاصل کی [۲۲۵]

ملا پیر محمد

سلوک (کی تعلیم) حضرت کی خدمت میں رہ کر حاصل کی انہیں عجیب قسم کا استغراق حاصل تھا۔ حضرت شہید (میرزا مظہر) کے مزار پر بیٹھتے' کہتے ہیں کہ ساری رات (اسی طرح) گزر جاتی اور اگر بارش بھی آجاتی تو انہیں اس کی پروانہ ہوتی' ضلع کشمیر میں انہیں بہت شہرت حاصل ہے [۲۲۶]

ملا گل محمد علیہ الرحمۃ

غزنی سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نسبت کا کسب کیا' خلافت سے مشرف ہوئے'

ولایت کے لوگوں کو بہت فوائد پہنچائے ان میں سے چند ایک کو اجازت بھی دی ہے، حج کے لیے گئے اور فوت ہو گئے [۲۲۷]

مولوی ہراتی المشہور بہ مولوی جان محمد علیہ الرحمۃ

حضرت سے کسب فیض کر کے خلافت سے ممتاز ہوئے وہاں کے لوگ ان کی بہت سی کرامات بیان کرتے ہیں، قندھار کے ہزاروں لوگوں کو ہدایت دی [۲۲۸]

مولانا محمد عظیم علیہ الرحمۃ

عجیب مہذب الاخلاق مرد تھے گویا اخلاقِ حمیدہ ان کی جبلت تھی، حضرت کی اجازت سے مشرف ہوئے، آپ (شاہ غلام علی) کی وفات کے بعد حرمین الشریفین چلے گئے اور (وہیں) انتقال کیا [۲۲۹]

مولوی نور محمد علیہ الرحمۃ

بہت ریاضتوں کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی، اشغال اور مراقبات میں مصروف رہ کر اجازت حاصل کی۔

کہتے ہیں کہ حضرت فرماتے تھے کہ چار اشخاص میرے خاندان کے لیے قابل فخر ہیں یعنی مولوی شیر محمد، مولوی محمد جان، مولوی محمد عظیم اور مولوی نور محمد یہ چاروں ہم پیالہ وہم نوالہ تھے اور یہ چاروں ہی متبحر عالم تھے [۲۳۰]

مرزا مراد بیگ علیہ الرحمۃ

کہتے ہیں کہ حضرت ان کے کمال زہد کی وجہ سے انہیں جنید وقت کہا کرتے تھے، ان کی نسبت قوی تھی، لوگوں کو ان سے عظیم کیفیات حاصل ہوئیں، حضرت سے اجازت یافتہ تھے، حضرت کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ حضرت شہید (مرزا مظہر) کے پائیں میں دفن ہوئے۔

محمد منور امام مسجد اکبر آبادی

آپ کے خلفاء میں سے قوی نسبت رکھتے تھے اور فیوض حاصل کیے تھے۔

میاں محمد اصغر صاحب

نہایت قوی نسبت کے مالک تھے، حضرت کے حکم سے میرے والد (شاہ ابوسعید) کی خدمت میں بیٹھتے اور میرے والد کی ان پر بہت عنایت تھی، خانقاہ شریف کا نظم ونسق انہی کے ذمہ ہے، لوگوں کو ان کی توجہات سے بہت حظ ملتا ہے، پہلے حرمین الشریفین کے سفر سے واپس آئے اور وہ پھر میرے والد ماجد کے ہمراہ بھی گئے پھر دہلی آ گئے۔ ۱۲۵۵ھ میں وفات پائی، اسی خانقاہ میں دفن ہیں۔

میر نقش علی

آپ سے نسبت حاصل کر کے لکھنو (۱۸۳) چلے گئے۔

میاں احمد یار علیہ الرحمۃ

سوداگر تھے، تمام نسبت مجددی، حضرت سے حاصل کی تھی ان کی قبر بھی خانقاہ (حضرت مظہر) میں ہے۔

میاں قمر الدین

سلسلہ قادریہ کے بزرگوں میں سے تھے اور پہلے طریقہ مجددیہ کے منکر تھے (پھر) پشاور سے آپ کی خدمت میں آ کر حلقہ بگوش ہوئے اور اجازت لے کر چلے گئے۔

محمد شیر خاں

افغانوں کی ولایت سے آئے نسبت کا کسب کیا اور چلے گئے۔

شیخ جلیل الرحمٰن علیہ الرحمۃ

حضرت کے خاص خادم اور قوی نسبت کے مالک تھے حضرت کی ان پر خاص عنایت تھی، ایک شخص نے حلقۂ ذکر میں جب کہ وہ حضرت کے روبرو بیٹھے ہوئے تھے، ان پر تلوار ماری تو وہ آپ کے پاؤں پر گر پڑے اور فوراً شہید ہو گئے، حضرت کے مرض کے آخری ایام میں یہ واقعہ پیش آیا، اس شہید کی قبر بھی حضرت شہید (میرزا مظہر) کی تربت کے پائیں میں ہے [۲۳۱] اللہ اعلم۔

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا سبحان ربك رب العزت عما یصفون

وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین ۔

(یادداشت ناشر)

الحمد للہ والمنۃ، تکملہ مؤلفہ ومرتبہ مولانا وبالفضل اولینا فخر الافاضل مجد الاماثل ہادی مراحل مقصود مورد مراحم رب ودود مجمع الحسنات منبع البرکات واقف علوم خفی وجلی ۔ یعنی مولانا مولوی شاہ عبدالغنی محدث دہلوی نقشبندی مجددی دامت فیوضہم وافاض اللّٰہ علینا برکاتہم:

ہزار بار بشویم زبان ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

بتاریخ ۸ ذیقعدہ ۱۲۶۹ ہجری کو مطبع احمدی میں طبع ہوا۔

☆☆☆☆☆

حواشی

ا۔ حالات کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا (ابتدائیہ ضمیمۂ حاضر)

۲۔ ان دنوں سے مراد کتاب حاضر مقامات مظہری کا سال طباعت ۱۲۶۹ھ ہے' گویا یہ ضمیمہ حضرت شاہ عبدالغنی نے ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں تالیف کیا۔

۳۔ مولوی عبدالرحمٰن خان' مطبع احمدی' دہلی (محلہ شاہدرہ) کے مالک تھے' تصوف کی نادر و بلند پایہ کتابیں اپنے اسی مطبع سے شائع کی تھیں' مقامات مظہری پہلی مرتبہ انہی کے مطبع سے طبع ہوئی۔ انہوں نے یہ مطبع ۱۸۴۸ء میں قائم کیا تھا (محمد اشرف نقوی: اختر شہنشاہی' لکھنؤ ۱۸۸۸ء' ص ۱۶) مولوی عبدالرحمٰن خان حضرت شاہ غلام علی کے مرید تھے (تاریخ ندوۃ العلماء ۲/۲۴)

۴۔ رسالہ سے مراد مقامات مظہری ہے۔

۵۔ حضرت شاہ غلام علی کے مزید حالات کے لیے ضمیمہ ہذا کے علاوہ مقدمہ کتاب حاضر بھی ملاحظہ کریں۔

۶۔ حالات کے لیے دیکھیے یہی ضمیمہ' فصل احوال خلفاء۔

۷ جواہر علویہ...... حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی کی تالیف ہے جو حدود ۱۲۳۴ھ۔۱۲۴۰ھ میں مکمل ہوئی' یہ کتاب حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے حالات کے لیے ناگزیر ماخذ ہے' اس کے علاوہ اس میں ابتدائی نقشبندی مشائخ کے مختصر حالات بھی شامل کیے گئے ہیں' کتاب کے کل دس ابواب ہیں' یہ کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ فقط ایک غیر مربوط سا اردو ترجمہ ۱۹۱۹ء میں ملک فضل الدین نے لاہور سے شائع کیا تھا' مولانا نور احمد امرتسری مرحوم نے اس کا جوہر (دراحوال حضرت مجدد)' کنز الہدایات کے ساتھ شائع کیا' اسی جوہر کا عربی ترجمہ محمد مراد منزلوی نے کیا جو انہی کے عربی ترجمہ مکتوبات حضرت مجدد کے حواشی پر حال ہی میں ترکی سے

دوبارہ چھپ گیا ہے۔ فارسی کا خطی نسخہ خانقاہ شاہ ابوالخیر' دہلی میں ہے' نیز مولانا آزاد لائبریری' مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ میں بھی ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

۸۔ آپ کے معتقدین کا حلقہ اس قدر وسیع تھا کہ وصال سے نو سال قبل ۱۲۳۱ھ میں جب کہ حضرت شاہ رؤف احمد مجددی نے آپ کے ملفوظات جمع کیے تو اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام کے طالبانِ حق آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ سمرقند' بخارا' غزنی' تاشقند' حصار' کابل وغیرہ میں آپ کے خلفاء سرگرم عمل تھے (درالمعارف' ص ۶۵)۔

۹۔ یعنی مشک وہ ہے جو اپنے آپ کو خود ظاہر کرے نہ کہ عطار بتائے۔

۱۰۔ آپ کے سال ولادت میں اختلاف ہے' شاہ رؤف احمد نے جواہر علویہ' ص ۱۳۹۔ اور درالمعارف' ص ۱۵۳ میں ۱۱۵۶ھ لکھا ہے' یعنی جس کتاب (جواہر علویہ) کا یہ ضمیمہ ملخص ہے اسی میں سنہ ولادت ۱۱۵۶ھ ہے لہٰذا ہم اسی سنہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

۱۱۔ ''مظہر جوؤ'' سے ۱۱۵۸ھ برآمد ہوتے ہیں' اس لیے یہ مادہ تاریخ محل نظر ہے۔

۱۲۔ شاہ عبداللطیف کبرائے عصر میں سے تھے' بٹالہ (پنجاب) کے رہنے والے تھے اور تنہا اپنے پیرو مرشد (شاہ ناصرالدین) کی خدمت کے لیے دہلی میں رہتے تھے (جواہر علویہ' ص ۱۴۰)۔ حضرت شاہ فاضل الدین قادری بٹالوی سے بھی رشتہ داری تھی (ارشاد المسترشدین' ص ۱۸۔ ۱۳۴)۔

۱۳۔ شاہ ناصرالدین قادری' دہلی کے نامور مشائخ میں سے تھے۔ ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۱ء کو انتقال کیا (درالمعارف' ص ۹۷۔ مقدمہ ملفوظات شریفہ' ص ۱۵)۔

۱۴۔ اس مقام کا نام اب شیدی پورہ عقب عیدگاہ پنجابیاں ہے۔ (مزارات اولیائے دہلی' ص ۱۱)۔

۱۵۔ آپ اپنی تالیفات میں اپنا نام ''فقیر عبداللہ عرف غلام علی'' لکھتے ہیں (ایضاح الطریقہ' ص ۲)۔

۱۷۔ روز شنبہ ۱۱ رجب (درالمعارف' ص ۹۷) ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۱ء (جواہر علویہ' ص ۱۴۰)۔

۱۸۔ ۱۱۸۰ھ اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب کہ آپ کی ولادت ۱۱۵۸ھ مانی جائے لیکن ہم نے حاشیہ نمبر ۱۰ میں ۱۱۵۶ھ سال ولادت درست ثابت کیا ہے' اس اعتبار سے یہاں ۱۱۷۸ھ ہونا چاہیے۔

۱۹۔ رافت، رؤف احمد مجددی، جواہر علویہ، اردو ترجمہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۱۹ء، ص ۱۴۱۔

۲۰۔ ایضاً۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ رافت: جواہر علویہ، ص ۱۴۱۔

۲۳۔ ان مستفیدین کے حالات کے لیے دیکھیے فصل ''خلفاء''، ضمیمہ ہذا۔

۲۴۔ آپ نے علم حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث سے پڑھا اور سند لی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ۷/ ۳۵۶۔ درالمعارف، ص ۷۵۔۷۶)۔

۲۵۔ نواب محمد میر خان حضرت خواجہ باقی باللہ کی اولاد سے تھے

نواب میر خان کے خاندان میں سے سید الہدیٰ خواجہ احمد حسنی قادری، عالم گیر ثانی کے عہد میں ہندوستان آئے، حضرت خواجہ باقی باللہ کی پڑپوتی امت الباقی سے ان کا نکاح ہوا۔ جن سے نظام الدین اور سید محمد، دو فرزند متولد ہوئے۔ نظام الدین کے فرزند محمد میر خاں، اکبر شاہ ثانی کے عہد میں معروف تھے۔ خاندانی تذکروں میں اعظم الدولہ معین الملک تہور جنگ جیسے ان کے خطاب بتائے گئے ہیں۔ (ابراہیم بیگ مرزا: تذکرۃ غمگین، ص ۸۔۱۳) ان کے والد شاہ نظام الدین کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: حاشیہ نمبر ۱۴۲، ضمیمہ ہذا۔

۲۶۔ نفحات الانس تالیف مولوی عبدالرحمٰن جامی۔

۲۷۔ آداب المریدین، حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی تالیف ہے، صوفیہ میں یہ کتاب بہت ہی مقبول اور متداول ہے، اس کی کئی شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔

۲۸۔ رافت: جواہر علویہ، ص ۱۴۳۔۱۴۴۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ امام سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی (ف ۱۶۱ھ/ ۷۷۷ء) کی تفسیر القرآن مرتبہ عرشی، مطبوعہ رام پور کا مقدمہ ملاحظہ کریں۔

۳۱۔ شاہ عالم کا ذکر مقدمہ کتاب حاضر میں کیا جا چکا ہے۔

۳۲۔ محمد اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶۔۱۸۳۷ء) بن شاہ عالم ثانی۔

۳۳۔ شاہ غلام علی: مکاتیب شریفہ مرتبہ شاہ رؤف احمد رافت مجددی، مکتوب ۶۰، ص ۴۴۔

۳۴۔ دیکھیے فصل خلفای حضرت شاہ غلام علی (ضمیمہ ہذا)۔

۳۵۔ رافت، رؤف احمد: جواہر علویہ، ص ۱۴۱۔۱۴۲۔

۳۶۔ نواب شمشیر خان بہادر آپ کے مخلصین میں شامل تھا، چنانچہ ان مکاتیب میں اس کے نام ایک مکتوب (۱۰۳/۱۴۶۔۱۴۸) بھی قابل مطالعہ ہے۔

۳۷۔ ایضاً۔

۳۸۔ رافت: جواہر علویہ، ص ۱۴۶۔

۳۹۔ ہماری خاک نشینی ہی بادشاہت ہے اور مجھے بادشاہت عطا کرنے والا بہت ہی قادر و کریم ہے، چالیس سال ہو گئے ہیں، مجھے لباس پہنے ہوئے جو ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوا۔

۴۰۔ نواب امیر خان (متولد ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء متوفی ۱۸۳۴ء) مسلمانوں کے دور زوال میں اہم کردار کے مالک تھے، بعض ریاستی مہمات میں سرگرم عمل رہے، ٹونک کے والی کی حیثیت سے ان کا نام خاصی شہرت رکھتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:
ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ا/۱۰۰۔۱۰۱۔

Buckland: Dictionary of Indian Biography, p. 12.

۴۱۔ ہم فقر و قناعت کی آبرو کو آنچ نہیں آنے دیں گے، امیر خان سے کہہ دو روزی مقرر ہے۔

۴۲۔ القرآن (الذریت) ۵۱/۲۲۔

۴۳۔ اگرچہ ہم بوڑھے، دل شکستہ اور ضعیف ہو چکے ہیں مگر جب بھی یار کے چہرے کا تصور کرتے ہیں تو جوان ہو جاتے ہیں۔

۴۴۔ القرآن (الانعام) ۶/۳۶۔

۴۵۔ ایضاً (النحل) ۲۷/۸۸۔

۴۶۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ چشتی سلسلے میں حضرت شیخ رکن الدین بن حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ممتاز خلیفہ تھے۔

۴۷۔ خصائص و عادات اور صورت و سیرت کی خوبیاں جو دوسرے محبوبوں میں پائی جاتی ہیں، تم ان کے جامع ہو۔

۴۸۔ استاذ ازل جو کچھ کہتا ہے، میں کہہ دیتا ہوں۔

۴۹۔ بلاس (ہندی، مونث) ناس نسوار، ہلاس دانی (مونث) نسوار رکھنے کا چھوٹا ظرف (جامع اللغات ۸۶۱/۴)۔

۵۰۔ الٰہی! وہ کیسے عظیم لوگ تھے اور میں کیا ہوں۔

۵۱۔ اے موسیٰ علیہ السلام! سالکوں کے آداب اور ہیں اور مجاذیب کے آداب اور۔

۵۲۔ حضرت شاہ غلام علی کے ملفوظات کے دو مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں: ایک بہت مشہور مجموعہ درالمعارف ہے جس کے جامع حضرت شاہ رؤف احمد مجددی تھے۔ دوسرا مجموعہ ملفوظات شریفہ جامع حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری ہے جو ہمارے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ لاہور سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ رؤف احمد نے آپ کے بعض ملفوظات جواہر علویہ میں بھی شامل کیے ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جو درالمعارف میں آ چکے تھے۔

۵۳۔ رافت، رؤف احمد: جواہر علویہ، ص ۱۴۸۔۱۴۹۔

۵۴۔ ایضاً۔

۵۵۔ حافظ: دیوان، ص ۱۷۴ میں یہ شعر اس طرح ہے:

شرم می آید از خرقہ آلودہ خویش
کہ بدین فضل و ہنر نام کرامات بریم

۵۶۔ دیوان حافظ، ص ۱۰۱ طبع بمبئی۔ لیکن متن مقامات مظہری میں یہاں ''جای'' کی بجائے ''وقتی'' ہے۔

۵۷۔ رافت: ایضاً، ص ۱۴۹۔

۵۸۔ ایضاً۔

۵۹۔ ایضاً۔

۶۰۔ ایضاً۔

۶۱۔ ایضاً' ص۱۵۰۔۱۵۱۔

۶۲۔ ایضاً۔

۶۳۔ ایضاً۔

۶۴۔ ایضاً۔

۶۵۔ ایضاً۔

۶۶۔ (ترجمہ:) عشق کی ملت تمام ملتوں سے جدا ہے' عاشقوں کا مذہب وملت رضائے خدا ہے۔

۶۷۔ رافت: ایضاً' ص۱۵۱۔

۶۸۔ ایضاً۔

۶۹۔ ایضاً۔

۷۰۔ ایضاً۔

۷۱۔ ایضاً۔

۷۲۔ جو چیزیں لطافت وحسن کے پردہ غیب میں چھپی ہوئی تھیں وہ تمام وکمال تیری اچھی صورت میں عیاں کر دی گئی ہیں' جو کچھ صفحہ فکر پر خیال کے قلم نے تصور بنائی ہے تیری پسندیدہ صورت اس سے بھی زیبا تر ہے۔

۷۳۔ رافت: ایضاً' ص۱۵۲۔

۷۴۔ ایضاً۔

۷۵۔ ایضاً۔

۷۶۔ سعدی کے یہ اشعار اکثر تذکروں میں اس طرح پائے جاتے ہیں:

مرا شیخ دانای مرشد شہاب
دو اندرز فرمود بر روی آب
یکی آنکہ در جمع بد بین مباش
دگر آنکہ در نفس خود بین مباش

(ترجمہ:) میرے پیر ومرشد شیخ شہاب الدین سہروردی نے جب کہ وہ کشتی میں سوار تھے' دو

نصیحتیں فرمائیں' ایک یہ کہ خود بینی ترک کر دو' دوم یہ کہ دوسرے کو بُرا مت سمجھو۔

۷۷۔ یا نیلی قمیص والے دوست کے ساتھ نہ جا یا اپنے خاندان پر نیل کی انگلی پھیر دے' یا ہاتھی والوں کے ساتھ دوستی نہ کر یا اپنے گھر کو اس طرح بنا کہ ہاتھی اس میں سما سکے۔

۷۸۔ عاشق تیری گلی میں اس طرح جان دے دیتے ہیں کہ وہاں موت کے فرشتہ کو اپنا فریضہ ادا نہیں کرنا پڑتا۔

۷۹۔ القرآن (الزمر) ۳۹۔۴۲)۔

۸۰۔ ایضاً' (سجدہ) ۳۲/۱۱۔

۸۱۔ شیخ ابن یمین فارسی کے مشہور شاعر تھے' ان کا دیوان ایران سے طبع ہو چکا ہے۔

۸۲۔ ایک مسلمان کے لیے کھانے پینے' خوراک' پوشاک اور قرآن پاک اور حدیث کے ساتھ چند نفع بخش علمی کتابوں کی ضرورت ہے۔ نہ کہ بوعلی سینا کی لغویات اور عنصری کی فضولیات۔

۸۳۔ ایک چادر نیچے ایک اوپر ہے میرے تن کا لباس' اس لیے نہ چور کا غم ہے اور نہ ڈاکا کا خطرہ' حلقہ احباب' بوریا' پوستین اور گدڑی جو دوستوں کے درد سے پر ہے' عاش رند لا ابالی یعنی جمالی کے لیے یہی کافی ہے۔

۸۴۔ دیوان حافظ طبع بمبئی' ص ۲۳۹۔

(ترجمہ:) دو عقل مند دوست اور کثیر مقدار میں پرانی شراب ہو' فراغت' کتاب اور گوشۂ چمن ہو تو میں اس کو دنیا و آخرت کے بدلے نہیں دوں گا اگرچہ بہت سے لوگ تقاضا کریں تو پھر بھی میں یہ مقام نہیں دوں گا' جس شخص نے گوشۂ قناعت کو دنیا کے خزانے کے عوض دے دیا گویا اس نے یوسف مصری کو کھوٹے داموں پر دیا۔

۸۵۔ اے خسرو شربت عاشقی خون جگر کی آمیزش کے بعد نہیں پیا جاتا۔

۸۶۔ محض دنیا کے طالب مطلقاً کافر ہیں اور وہ رات دن بق بق کرتے ہیں۔

۸۷۔ رافت: جواہر علویہ' ص ۱۵۴۔

۸۸۔ ایضاً۔

۸۹۔ ایضاً' ص ۱۵۵۔

۹۰۔ ایضاً۔

(ترجمہ:) میں نے اللہ کے دین کا انکار کیا اور یہ انکار میرے نزدیک واجب ہے، جب کہ مسلمانوں کے نزدیک معیوب ہے۔

۹۱۔ ایضاً، ص ۱۵۶۔

۹۲۔ ایضاً: رافت۔

۹۳۔ ایضاً۔

(ترجمہ:) میں اپنی کمزوری کو اس قدر بیان کرسکتا ہوں کہ یار کے چہرے سے اپنی آنکھیں بھی نہیں ہٹا سکتا۔

۹۴۔ یہ فصل جواہر علویہ کے جوہر پنجم و ششم سے ملخصاً ماخوذ ہے، ص ۱۵۷۔۱۶۱۔

۹۵۔ حضرت میرزا مظہر کے خلفاء میں میر روح اللہ کا نام نہیں ملتا، البتہ میر روح الامین کا ذکر آتا ہے۔(مقاماتِ مظہری) ممکن ہے یہاں سہو کتابت سے روح الامین کی بجائے روح اللہ لکھا گیا ہو۔

۹۶۔ حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ (ف ۷۷۲ھ/۱۳۷۰ء) اکابر مشائخ نقشبندیہ میں سے تھے۔

۹۷۔ مشکوٰۃ شریف (باب رؤیا)، ص ۳۹۴، طبع سعیدی، کراچی۔

۹۸۔ سلطان المشائخ یعنی حضرت نظام الدین اولیاء (ف ۷۹۱ھ)۔

۹۹۔ حضرت خواجہ نقشبند یعنی خواجہ بہاء الدین نقشبند (ف ۷۹۱ھ)۔

۱۰۰۔ مولانا خالد کردی رومی کے حالات ضمیمہ ہذا میں فصل خلفا میں ملاحظہ کریں۔

۱۰۱۔ حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ)۔

۱۰۲۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (ف ۶۳۳ھ)۔

۱۰۳۔ حضرت خواجہ محمد زبیر کے حالات مقامات مظہری کی فصل ششم، حاشیہ نمبر ۲۔۳ میں ملاحظہ کریں۔

۱۰۴۔ سیدۃ النساء یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۱۰۵۔ یہ فصل جواہر علویہ کے جوہر ہفتم سے ملخصاً ماخوذ ہے، ص ۱۶۱۔۱۶۵۔

۱۰۶۔ اولیاء اللہ کا کہنا، اللہ کا کہنا ہے، اگرچہ وہ بات اللہ کے بندے کے منہ سے نکلتی ہے۔

۱۰۷۔ درِ دوست کے منگتوں میں شامل ہو جا، جوان کے پاس بیٹھ جاتا ہے، وہ بادشاہ بن کر اُٹھتا ہے۔

۱۰۸۔ مولوی کرامت اللہ کے حالات ہمیں معلوم نہیں ہو سکے۔

۱۰۹۔ میاں احمد یار کے احوال ضمیمہ ہذا فصل خلفاء میں ملاحظہ کریں۔

۱۱۰۔ میر اکبر علی کے حالات ہمیں معلوم نہیں ہو سکے۔

۱۱۱۔ شاہ نظام الدین کے حالات کے لیے دیکھیے ضمیمہ ہذا، حاشیہ نمبر ۱۴۴ اور ۲۵۔

۱۱۲۔ مولانا فضل امام خیر آبادی (ف ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء) نامور عالم، مصنف اور مدرس تھے، حضرت شاہ غلام علی کے زمانے کے مقبول ترین مدرسین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

ملاحظہ ہو: تذکرہ علمائے ہند، ص ۳۷۶۔۳۷۸۔

۱۱۳۔ یہ فصل جواہر علویہ کے جوہر نہم، ص ۲۳۶۔۲۳۸ سے ملخصاً ماخوذ ہے۔

۱۱۴۔ ابن ماجہ، ص ۱۸۸ (طبع نور محمد، کراچی) میں یہ روایت قدرے مختلف ہے، یعنی:

لزوال الدنیا اھون علی اللّٰہ من قتل مومن بغیر حق ۔ گویا متن مقامات مظہری میں ''علی اللہ'' کی بجائے ''عنداللہ''، ''مومن'' کی بجائے ''نفس مومن'' اور ''بغیر حق'' تو موجود ہی نہیں ہے۔

۱۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ضمیمہ ہذا فصل خلفاء۔

۱۱۶۔ القرآن (النساء) ۴/ ۸۷۔

۱۱۷۔ (ترجمہ:) ہم مفلس تیری گلی میں آئے ہیں، اللہ کے لیے اپنے چہرۂ انور کی کچھ خیرات دیجیے۔ ہماری کشکول کی طرف دست کرم بڑھایئے، آپ کے دست عطا اور سخاوت پر آفرین۔

اس کا پہلا شعر مکتوبات معصومیہ (۱/ ۱۶۳/ ۳۲۴) میں بھی نقل ہوا ہے۔

۱۱۸۔ (ترجمہ:) میں قلب سلیم کے ساتھ صاحب لطف و کرم کے پاس گیا کہ نیکیوں کے زاد سے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا، جب کسی کے پاس جانا ہو تو اپنے ساتھ کچھ لے کر جانا بہت بُری بات ہے۔

۱۱۹۔ ''احتباء'' کا مطلب ہے اکڑوں بیٹھنا، یعنی پاؤں کے بل بیٹھنا چونکہ حضرت شاہ غلام علی کو ''دائی حضور'' کا مرتبہ حاصل تھا، اس لیے ادب سے پاؤں نہیں پھیلاتے تھے اور اسی حالت میں وصال

ہوا تھا۔

۱۲۰۔ احاطہ سے مراد وہ خاص چبوترہ ہے جہاں اب ان چار بزرگوں کے مزارات ہیں:

(۱) حضرت میرزا مظہر۔

(۲) حضرت شاہ غلام علی دہلوی (مؤلف مقامات مظہری)۔

(۳) حضرت شاہ ابوسعید۔

(۴) حضرت شاہ ابوالخیر مجددی۔ (دیکھیے' تازہ ترین عکس مزارات' شامل کتاب ہذا)۔

۱۲۱۔ حضرت شاہ ابوسعید کا اسم گرامی زکی القدر تھا (مقامات خیر' ص ۷۰)۔

۱۲۲۔ مولوی ضیاء النبی بن عنایت النبی' حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے' ولادت سرہند میں ۱۱۶۸ھ۔/۱۷۵۴ء۔۱۱۷۰ھ/ ۱۷۵۶ء کے درمیان ہوئی' سکھوں کے تیسرے حملہ سرہند کے وقت اپنے شیخ محمد ارشد کے ہمراہ رام پور چلے گئے اور وہیں زہد و ورع میں زندگی گزار دی۔ ۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۰ء میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو: علم و عمل از عبدالقادر' ص ۷۹' ۸۴' ۸۶ بہ بعد جلد اوّل۔ تذکرہ کاملان رام پور از شوق' ص ۱۷۷۔۱۷۸۔

۱۲۳۔ مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ میں عمر گیارہ سال تحریر ہے' ص ۵۹۔

۱۲۴۔ مفتی شرف الدین حنفی رام پوری (ف ۱۲۶۸ھ) اس دور میں رام پور کے مشہور ترین علماء و مدرسین میں سے تھے' نامور علماء نے ان سے تحصیل علم کی (نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۰۷۔۲۰۸)۔

۱۲۵۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدث (ف ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء)۔

۱۲۶۔ حضرت شاہ سراج احمد مجددی (ولادت ۱۱۷۶ھ۔ وفات ۱۲۳۰ھ) علم حدیث پر کامل دستگاہ رکھتے تھے' خاندان مجددیہ کے انساب پر ایک کتاب سیر الرشدین تالیف کی تھی' کثیر التصانیف عالم تھے' کتاب خانہ رضا' رام پور' ہندوستان میں شرح جامع ترمذی کا ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ موجود ہے۔ (عرشی: فہرست مخطوطات عربی کتاب خانہ رضا ۱/ ۴۳۶)۔

ملاحظہ ہو: تذکرہ کاملان رام پور' ص ۱۴۷۔۱۴۹۔

۱۲۷۔ مولانا محمد مرشد بن مولانا محمد ارشد بن علامہ فرخ شاہ بن خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم۔ (ولادت ۱۱۱۷ھ وفات ۱۲۰۱ھ) ۱۱۷۷ھ میں سرہند پر سکھوں کے تیسرے حملہ

کے دوران سرہند سے ہجرت کی اور رام پور (ہندوستان) میں سکونت اختیار کر لی' علوم عقلی و نقلی میں کامل' محدث و مفسر تھے۔ (تذکرہ کاملان رام پور' ص ۳۸۸۔۳۹۱۔

۱۲۸۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ر۔ک مقدمہ کتاب ہذا۔

۱۲۹۔ نواب نصر اللہ خان نواب عبداللہ خان (ص ۱۱۶۱۔۱۲۲۵ھ/ ۱۷۴۷۔۱۸۱۰ء) رئیس اوجھیانی' نواب فیض اللہ خان کے خاص ساتھی تھے' شاعر بھی تھے' سلطان تخلص تھا۔ (علم و عمل ۱/ ۶۸)۔

۱۳۰۔ حضرت شاہ محمد صفی القدر بن حضرت عزیز القدر' مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ' ص ۵۹ میں ان کی تاریخ وفات ۲۵ شعبان درج ہے۔

۱۳۱۔ (وفات ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء)۔

۱۳۲۔ ایضاً۔

۱۳۳۔ شیخ فیض بخش درگاہی نقشبندی' ولادت تخت ہزارہ پنجاب میں ہوئی' بدایوں میں شیخ جمال اللہ رام پوری سے بیعت ہو کر سلوک کا کسب کیا' حضرت شاہ رؤف احمد مجددی نے بھی اوائل حال میں ان سے استفادہ کیا۔ (جواہر علویہ' ص ۲۷۱)۔ شاہ درگاہی کا انتقال رام پور میں ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء کو ہوا (نزہۃ الخواطر ۷۔۱۶۵' رشحات عنبریہ' حواشی) امام الدین رامپوری: مجمع الکرامات' (قلمی) و اُردو ترجمہ از احسن مارہروی' مطبوعہ دہلی۔

۱۳۴۔ ملاحظہ ہو: حواشی مقامات مظہری' فصل درہم۔

۱۳۵۔ جواہر علویہ' ص ۲۷۲۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۶۶ میں سال وفات ۱۱۶۰ھ ہے جو زیادہ معتبر ہے۔

۱۳۶۔ ''معدن فیض حق'' سے ۱۱۶۲ھ برآمد ہوتے ہیں۔

۱۳۷۔ جواہر علویہ' ص ۲۷۲ میں یہ لقب سلطان العارفین لکھا ہوا ہے۔ جو درست ہے کیوں کہ سلطان التارکین تو خود شاہ درگاہی کا لقب تھا۔ ایضاً' ص ۲۷۲۔

۱۳۸۔ سید حافظ جمال اللہ' سید قطب الدین محمد اشرف حسین (مؤلف وہب زبیر) بن عنایت اللہ کے جانشین تھے' وفات رام پور میں ۳ صفر ۱۲۰۹ھ کو ہوئی' کثیر الارشاد تھے' رام پور میں دفن ہیں۔ (جواہر علویہ' ص ۲۷۲۔۲۷۷' مسالک السالکین ۱/ ۴۲۹۔۴۳۵)۔

۱۳۹۔ نواب احمد یار خان بن نواب محمد یار خان (علم و عمل ۱/ ۵۳)۔

۱۴۰۔ اس سے ۱۲۲۶ھ برآمد ہوتے ہیں' یعنی شاہ درگاہی کا سال وفات ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء ہے۔

۱۴۱۔ محمد مظہر مجددی: مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ' ص ۶۰۔ ایضاً' رشحات عنبریہ' ص ۴۱ (تعلیقات)۔

۱۴۲۔ شاہ نظام الدین' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی کی اولاد میں سے تھے۔

مشہور مرہٹہ سردار سندھیا (۱۷۵۹۔۱۷۹۴ء) نے انہیں اگست ۱۷۸۹ء کو دہلی میں اپنا گورنر مقرر کیا' بادشاہ عالم ثانی ان کی بہت عزت کرتا تھا' سندھیا نے ایک مرتبہ پہلے بھی انہیں سیاسی مقاصد کے لیے اپنا نمائندہ بنا کر دربار میں بھیجا تھا' سندھیا بخوبی جانتا تھا کہ شاہ جی (شاہ نظام الدین) کی مؤثر شخصیت سندھیا کے دہلی میں عمل دخل کے بارے میں نہ صرف رائے عامہ کو ہموار کرے گی بلکہ وہ جانتا تھا کہ بادشاہ اس قسم کے مقدس لوگوں کا بہت ہی احترام کرتا ہے' معاصر دستاویزات میں بادشاہ کی عقیدت مندی کے بکثرت حوالے ملتے ہیں گویا مرہٹوں کے ساتھ ان کے سیاسی تعلقات تھے' مرہٹہ ریکارڈز میں ان کا ذکر مرہٹہ ایجنٹ کی حیثیت سے بھی آیا ہے' ملاحظہ ہو:

Poona Residency Correspondence, vol, I, (Mahadji Sindhia and North Indian affairs, 1785-1797), ed by J.N. Sarkar, Bombay, 1936 (بامداد اشاریہ) vol. II, (Malet's Embassy 1786-1797) ed, by Sardesai, No. 209, Michael Edwards: King of the World, pp. 215, 216, 230......

ان کے علاوہ جادو ناتھ سرکار نے اپنے ایک خط میں شاہ نظام الدین کے حالات کے مآخذ کی ایک طویل فہرست دی ہے' دیکھیے: ابراہیم بیگ' مرزا: تذکرہ غمگین' مطبوعہ گوالیار' ۱۳۴۸ھ' ص ۱۲۲' ۱۰۔۱۳۔

نیز ملاحظہ ہو: قاضی عبدالودود: غمگین دہلوی' برہان۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء' مسعود احمد: حضرت غمگین اور غالب' معارف۔ مئی ۱۹۶۱ء۔ ذکر میر مرتبہ نثار احمد فاروقی ۳۲۶۔

۱۴۳۔ ہمارے خیال میں حضرت شاہ غلام علی کی ان سے ناراضگی کا سبب یہی ہوگا کہ وہ اپنے مشائخ

کے قاعدہ کے خلاف اس پُر آشوب دور میں مسلمانوں کی دشمن طاقت مرہٹوں کی نہ صرف حمایت کر رہے تھے' بلکہ دہلی پر سندھیا کے قبضہ کے لیے راستہ ہموار کرنے میں مصروف تھے۔

۱۴۴۔ یہاں رسالہ سے مراد ہدایت الطالبین ہے' یہ رسالہ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے' متعدد خطی نسخے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں' مولانا نور احمد امرتسری مرحوم نے نہایت اہتمام سے اس کا متن مرتب فرمایا اور مع اُردو ترجمہ امرتسر سے ۱۳۴۴ھ میں شائع کیا۔

۱۴۵۔ ان تعریفی سطور کا مفہوم یہ ہے:

فقیر عبداللہ عرف غلام علی نے اس رسالے کا مطالعہ کیا' اور اس کے مندرجات سے بہت ہی مسرور و محظوظ ہوا صاحب رسالہ کے حق میں دعائے خیر کی' اس رسالہ میں جو کچھ انہوں نے درج کیا ہے' وہ تمام حضرت مجدد الف ثانی کے علوم و معارف کے موافق ہے' اس ناچیز بندہ کا تذکرہ اس رسالہ میں ضروری نہیں تھا' ہاں البتہ نعمت کا اظہار اور منعم کا شکر تو واجب و لازم ہے۔

۱۴۶۔ مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ میں بھی یہی عبارت ہے:

بعضی از بزرگان در مکہ معظمہ آن را عربی نیز کردہ اند' ص ۶۳۔

لیکن مترجم کا نام درج نہیں کیا گیا۔

۱۴۷۔ ہدایت الطالبین کے ترکی ترجمہ کے بارے میں ہمیں تفصیل معلوم نہیں ہو سکیں۔

۱۴۸۔ نواب امیر خان کے حالات حاشیہ نمبر ۴۰ میں ملاحظہ کریں۔

۱۴۹۔ معشوق اس معاملے میں تاخیر کیا کرتے ہیں۔

۱۵۰۔ سلطان ہر غلام کا خریدار نہیں ہوتا اور نہ ہر گدڑی والا بزرگ ہوتا ہے۔

۱۵۱۔ مولوی بشارت اللہ کے حالات اسی فصل میں ملاحظہ کریں۔

۱۵۲۔ مولانا زید ابوالحسن فاروقی کی تحقیق کے مطابق حضرت شاہ ابوسعید نو سال تین ماہ مسند ارشاد پر جلوہ افروز رہے۔ مقاماتِ خیر' ص ۷۳۔

۱۵۳۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو: فصل خلفائے حضرت شاہ غلام علی ضمیمہ ہذا۔

۱۵۴۔ شیخ محمد عابد سندھی (ف ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء) دیار عرب میں خاصی شہرت کے مالک تھے شیخ

الاسلام لقب اسی دیار متبرک کی یادگار ہے' ملاحظہ ہو:

(۱) الیانع الجنی' ص ۴۰' ۶۱' ۶۹۔

(۲) نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۴۶۔۴۴۹۔

(۳) تذکرہ علمائے ہند' ص ۴۴۹۔

۱۵۵۔ نواب وزیر الدولہ بن امیر خان (ر۔ک بآن) اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ٹونک کے نواب تھے۔ ان کی ولادت ۱۲۲۲ھ/ ۱۸۰۷ء' مسند نشینی ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء اور وفات ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۳ء میں ہوئی' ذی علم اور پابند شرع تھے' ضخیم کتاب ''وصایا الوزیر علی الطریقۃ النذیر والبشیر'' (طبع ٹونک ۱۲۸۵ء) انہی کی تصنیف ہے۔

(ملاحظہ ہو: کاروان ایمان وعزیمت از ابوالحسن علی ندوی' لاہور ۱۹۸۰ء' ص ۱۲۶۔۱۳۰)۔

۱۵۶۔ شاہ عبدالمغنی' حضرت شاہ ابوسعید کے تیسرے فرزند تھے' ولادت بمقام لکھنو ۱۲۳۹ھ (تاریخی نام فضل الرحمٰن) میں ہوئی اور ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء کو مدینہ منورہ میں انتقال کیا' ملاحظہ ہو: مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ' ص ۶۶' مقامات خیر' ص ۸۱۔۸۲۔

۱۵۷۔ مولوی حبیب اللہ ملتانی حضرت شاہ احمد سعید کے خلفا میں سے تھے' علوم معقول ومنقول کے جامع' اولاد حضرت مجدد کے استاذ' حضرت شاہ ابوسعید سے طریقہ کی تعلیم پائی اور حضرت شاہ ابوسعید کے ہمراہ حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ (مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ' ص ۲۲۰۔ ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین' ص ۴۳۔۴۴)۔

۱۵۸۔ قاضی خلیل الرحمٰن رام پوری بن عرفان بن عمران بن عبدالحلیم ولادت رام پور میں ہوئی' ٹونک میں عرصہ تک قیام رہا' نواب امیر خان اور وزیر الدولہ کے عہد میں ٹونک کے قاضی تھے' سال وفات معلوم نہیں ہے' ملاحظہ ہو علم وعمل ۱/ ۷۰۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۶۰۔۱۶۱۔

۱۵۹۔ ''مولوی خلیل احمد مجددی کہ از مقربان آنجناب بودند وبحضرت والدی (شاہ احمد سعید) کمال خصوصیت داشتند''۔ (مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ ص ۶۴) مقامات خیر ۹۰۷ حاشیہ

۱۶۰۔ متن میں ''فتاذ'' ہے اگر پورے مصرعہ کے اعداد جمع کیے جائیں تو پانچ عدد کی کمی رہتی ہے' یعنی ۱۲۴۵ھ برآمد ہوتے ہیں اور اگر اسے ''فتادہ'' پڑھا جائے تو صحیح سال وفات یعنی ۱۲۵۰ھ نکل آتا

ہے۔اس تصحیح سے شعر کے وزن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۱۶۱۔ مولانا فضل امام خیر آبادی کے حالات کے لیے حاشیہ نمبر۱۱۲ ملاحظہ کریں۔

۱۶۲۔ حالات کے لیے دیکھیے حاشیہ نمبر۱۲۴۔

۱۶۳۔ مولانا رشید الدین خان دہلوی (ف۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء) بن امین الدین، علم کلام میں دسترس تھی، ہیئت و ہندسہ میں کمال حاصل تھا، کئی اہم علمی کتابوں کے مصنف تھے، ملاحظہ ہو: علم و عمل ۱/ ۲۵۱۔۲۵۲، تذکرہ علمائے ہند، ص۱۹۱، نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۷۷۔۱۷۸۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی ۲/ ۴۰۹۔۴۱۰۔

۱۶۴۔ یہاں رسالہ سے مراد حضرت شاہ غلام علی کی تالیف کمالاتِ مظہریہ ہے، جو حدود ۱۲۳۷ھ/ ۱۸۲۱ء میں لکھی گئی، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقدمہ کتاب حاضر۔

۱۶۵۔ ''حضرت احمد سعید فرزند حضرت ابو سعید بہ علم و عمل و حفظ قرآن مجید و احوال نسبت شریفہ قریب است بوالد ماجد خود'' (مناقب احمدیہ و مقاماتِ سعیدیہ، ص۷۴)۔

۱۶۶۔ محمد مظہر مجددی: مناقب احمدیہ و مقاماتِ سعیدیہ، ص۵۴۔۵۵۔

۱۶۷۔ حضرت شاہ احمد سعید کے خلفاء کے ناموں کے ساتھ وطنی نسبتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً پورے عالم اسلام سے ان کا رابطہ تھا، حضرت شاہ محمد مظہر نے خلفاء کی تعداد اسّی بتائی ہے، (مناقب احمدیہ و مقاماتِ سعیدیہ، ص۲۱۴۔۲۳۸)۔

۱۶۸۔ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے حالات ضمیمہ ہذا کے ابتدائیہ میں ملاحظہ کریں۔

۱۶۹۔ حضرت شاہ احمد سعید کا وصال ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۷۰ء کو مدینہ منورہ میں ہوا، ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں حرمین الشریفین کے لیے روانہ ہوئے اور ۱۸۵۸ء کو وہاں حاضر ہوئے، (رشحات عنبریہ، ص۱۳)۔

۱۷۰۔ یہاں سہو ہوا ہے حافظ عبدالمغنی کا تاریخی نام فضل الرحمٰن تھا جس سے ۱۲۳۹ھ برآمد ہوتے ہیں۔(مقاماتِ خیر، ص۸۲) ان کی ولادت ۱۷ ربیع الاخریٰ سنہ مذکور کو بمقام لکھنو ہوئی اور ۱۲ ربیع الاوّل ۱۲۹۲ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی، ان کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں یعنی محمد (مصباح الغنی) اور ابراہیم، باقی نام معلوم نہیں ہو سکے مقاماتِ خیر، ص۸۱۔۸۲)۔

۱۷۱۔ حضرت شاہ محمد مظہر مجددی نے بعض نکات کا اضافہ کیا ہے، مثلاً حضرت شاہ ابو سعید کے اجل

خلفاء میں سے تھے۔ بعض طلاب کو خلافت بھی دی تھی اور حضرت شاہ احمد سعید سے بھی فیض پایا (مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ' ص ۶۷۔۶۸)۔

۱۷۲۔ یاقوت حموی نے بلغار کا تفصیلی تعارف کروایا ہے' معجم البلدان ۱/ ۴۸۵۔۴۸۸ وحواشیٔ مقاماتِ مظہری'

۱۷۳۔ مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ' ص ۶۸۔

۱۷۴۔ ایضاً۔

۱۷۵۔ شاہ سعد اللہ براہ کرنول ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء میں حیدر آباد دکن پہنچے (احوال العارفین' ص ۷)۔

۱۷۶۔ حضرت شاہ سعد اللہ کا مولد موضع اچڑی' علاقہ پکلی (پنجاب) ہے' قوم تاجیک سے تھے (ایضاً' ص ۴) اپنے پیر بھائی مولوی اخوند شیر محمد سے تحصیل علم کی (ص ۶) ۱۲۴۵ھ میں حیدر آباد دکن پہنچے وہاں دو سال قیام کے بعد گولکنڈہ چلے گئے (ص ۸) بخارا' کابل' قندھار اور پشاور وغیرہ سے علماء وفضلا ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے' ڈیڑھ دو سو کا مجمع اہل حق ان کے ہاں ہوتا تھا (ص ۹)' نواب افضل الدولہ مغفرت مکان انہی کے معتقد تھے (ص ۱۷) حضرت شاہ سعد اللہ کا وصال ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۰ھ میں ہوا' (ص ۱۸)۔ ان کے خلفاء کے نام یہ ہیں: مولوی محمد عثمان پشاوری' میر اشرف علی حیدر آبادی' مولوی عبدالرحیم حیدر آبادی' مولوی محمد عبدالقوی برادر مولوی عبدالرحیم مذکور' مولوی محمد سعید' مولوی محمد حسین بخاری' مولوی محمد افضل اللہ عرف فیض اللہ' مولوی محمد حسن' مولوی فضل علی' میر رفعت علی نبیرہ نواب فتح الدولہ' پیر عبدالوہاب' مولوی اسماعیل بخاری' مولوی نیاز محمد بدخشانی' حکیم میر آصف علی' مولوی محمد نواز' مولوی سید سعید الدین حسین (مصنف مناظرہ طریقت' مطبوعہ) مولوی محمد نعیم المعروف بہ مسکین شاہ۔ (ماخوذ از احوال العارفین از محمد قطب الدین ومحمد خلیل الرحمٰن' مطبوعہ دکن ۱۳۱۷ھ) شاہ سعد اللہ دونوں پاؤں سے معذور تھے' ان کے مزار پر جو گنبد ہے وہ افضل الدولہ مذکور کے استاد محمد حسین مذکور نے تعمیر کرایا۔ (مکتوب جناب محمد اکبر الدین صدیقی بنام محمد اقبال مجددی مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۷۸ء)۔

۱۷۷۔ مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ' ص ۶۸۔

۱۹۴۔ یعنی شاہ عبدالرحمٰن بن شاہ سیف الرحمٰن بن شیخ سیف اللہ بن شیخ کلمۃ اللہ بن خواجہ سیف الدین بن حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی قدس اسرارہم۔ (ہدیہ احمدیہ' ص ۸۳۔ انساب الانجاب' ص ۴۱)

۱۹۵۔ حضرت شاہ سیف الرحمٰن ۱۱۲۶۔۱۲۵۱ھ (ایضاً)۔

۱۹۶۔ سندھ' پاکستان کا بلدہ اکھوڑہ مراد ہے جو ان دنوں خیر پور' سندھ میں کھوڑہ کے نام سے مشہور ہے۔ (انساب الانجاب' ص ۴۱)۔

۱۹۷۔ حضرت شاہ عبدالرحمٰن کی ولادت ۱۱۹۴ھ میں ہوئی (ایضاً' ص ۱۴) (ہدیہ احمدیہ' ص ۸۳)۔ علوم عقلی و نقلی' فقہ و حدیث' تفسیر اور تصوف کے جامع تھے' جالندھر (پنجاب) میں صاحب ارشاد تھے جہاں ان کے بکثرت مریدین تھے' انہیں دوآبہ جالندھر میں قبول عام حاصل تھا (خزینۃ الاصفیاء ا۔۷۰۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(۱) رافت' رؤف احمد: جواہر علویہ' ص ۲۳۸۔

(۲) غلام سرور' مفتی: خزینۃ الاصفیاء ا۔۷۰۴۔

(۳) احمد مکی: ہدیہ احمدیہ' ص ۸۳۔

(۴) محمد حسن جان مجددی: انساب الانجاب' ص ۴۱۔

۱۹۸۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو فصل خلفائے حضرت مظہر (مقامات مظہری)۔

۱۹۹۔ حضرت شاہ غلام علی کے دو مکاتیب ان کے نام ہیں' مکتوب نمبر ۸۱ اور ۱۰۵ اور آپ کا ایک مکتوب (نمبر ۴۲) ان کی والدہ محترمہ کے نام بھی ہے۔ (مکاتیب شریفہ' ص ۳۶' ۷۰' ۱۴۸)۔

۲۰۰۔ شیخ بڈھن' حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید تھے' بہرائچ میں مولانا نعیم اللہ مذکور کے مزار کے قریب دفن ہیں۔ (آئینہ اودھ' ص ۱۳۵)۔

۲۰۱۔ مولوی بشارت اللہ کے ایک صاحبزادے ابوالحسن' آئینہ اودھ کی تالیف ۱۳۰۵ھ کے وقت بقید حیات اور مولوی نعیم اللہ مذکور کے مزار کے متولی تھے۔ (ایضاً' ص ۱۳۵)

۲۰۲۔ مولوی کرم اللہ کے والد کا نام عبداللہ تھا (نزہۃ الخواطر ۷۔۳۹۴)۔

۲۰۳۔ مولوی فخر الدین سے مراد غالباً حضرت فخر جہاں شاہ فخر الدین دہلوی (ف ۱۱۹۹ھ) ہیں۔

۲۰۴۔ مولوی کرم اللہ کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ حدائق الحنفیہ اور تذکرہ علمائے ہند میں ۱۲۵۸ھ لکھا ہے جو بے سند ہے۔ نزہۃ الخواطر (۷/۳۹۴) نے بحوالہ حدیقۃ الاحمدیہ ۱۲۵۲ھ دیا ہے جسے ہم نے ترجیح دی ہے۔
ان کی ولادت و پرورش دہلی میں ہوئی علوم ظاہری کی تحصیل حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ سے کی اور شاہ رفیع الدین سے بھی تلمذ تھا ۴۳ سال کی عمر میں حج سے واپس آ کر خلق کثیر کو فیض یاب کیا' سورت میں دفن ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ۷/۳۹۴)۔

۲۰۵۔ مولوی کرم اللہ کے والد مولانا عبداللہ بھی ذی علم اور اس درجہ کی شخصیت کے مالک تھے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی کے دیباچہ میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"۱۲۰۸ھ میں فخر الملت والدین شیخ مصدق الدین عبداللہ کے جذب شوق کے نتیجہ میں میں نے سورۃ فاتحہ اور اخیر کے دو پاروں کی تفسیر املا کرائی اور انہوں نے قلم بند کیا"۔

(تعارف مخطوطات کتب خانہ دارالعلوم دیوبند ۱/۶۱) ہم نے ملفوظات شریفہ کے حواشی (ص ۱۰۰) میں خود مولوی کرم اللہ کو اس تفسیر کا محرک لکھ دیا ہے' جو صریحاً غلط ہے۔

۲۰۶۔ مولانا خالد نے حضرت شاہ عبدالعزیز سے صحاح ستہ کی اجازت بھی لی تھی۔ (محمد بن عبداللہ: البہجۃ السنیہ' ص ۸۲)

۲۰۷۔ بعض قصائد ضمیمہ ہذا کی اسی فصل میں شامل ہیں نیز مولانا خالد کا فارسی دیوان ترکی سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۰۸۔ حالات کے لیے اسی فصل کا صفحہ ۶۱۹ ملاحظہ کریں۔

۲۰۹۔ مولانا خالد ۱۲۲۴ھ میں درس و تدریس ترک کر کے وطن سے روانہ ہوئے اور ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں دہلی پہنچے۔ (البہجۃ السنیہ' ص ۸۰)۔

۲۱۰۔ حضرت شیخ محمد عابد سنامی کے حالات مقامات مظہری' حاشیہ نمبر ۱۴۵ ضمیمۂ ہذا میں ملاحظہ کریں۔

۲۱۱۔ ۱۲۳۱ھ تک مولانا خالد کے مریدین کی تعداد ایک لاکھ تھی اور عالم اسلام کے ایک ہزار متبحر علماء ان سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ (درالمعارف' ص ۶۵)

۲۱۲۔ مولانا خالد کے قیام بغداد (۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء) کے دوران ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ایک

ہزار صاحب تصنیف علماء ان کے حلقہ بگو ہو کر ہمہ وقت سامنے کھڑے رہتے تھے۔ (عریضہ مولانا خالد مشمولہ در المعارف' ص ۷۰)۔

ایک اور عریضے میں مولانا کہتے ہیں: ایک ہزار متبحر عالم داخل طریقہ ہو کر میرے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں اور ایک لاکھ ''مرد مان'' مجھ سے بیعت ہو چکے ہیں۔ (ایضاً' ص ۱۰۸)۔

۲۱۳۔ مولانا خالد اور حضرت شاہ غلام علی کے مابین مراسلت بھی تھی حضرت شاہ غلام علی کے ان کے نام تین مکاتیب ملتے ہیں۔ (مکاتیب شریفہ نمبر ۲۳' ۳۸' ۱۱۰)

۲۱۴۔ مولانا خالد نے حضرت شاہ غلام علی کی مدح میں عربی و فارسی میں طویل قصائد لکھے تھے جو اس ضمیمہ کے علاوہ اس سلسلہ کے مناقب کی کتابوں میں بھی مل جاتے ہیں اور مولانا خالد کے دیوان مطبوعہ استنبول' ترکی ۱۹۵۵ء (ص ۲۔۷' ۲۰۔۲۳) میں یہ دونوں قصائد موجود ہیں' انہیں ہم نے طوالت کے خوف سے اس ضمیمہ سے نکال دیا ہے' عربی قصیدہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے

کملت مسافۃ کعبۃ الامال
حمدا لمن قد من بالاکمال

یہ قصائد ضمیمہ مقامات مظہری فارسی' ص ۱۷۲۔۱۷۸ میں منقول ہیں۔

۲۱۵۔ ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۶ء میں شہادت پائی۔

۲۱۶۔ شیخ محمد مراد قزانی کی تحقیق کے مطابق یہاں شیخ سے مراد ''شیخ عبداللہ ہروی'' ہیں' جانشینی کے واقعہ کی پوری تفصیل اور ان چاروں کے ناموں کے لیے ملاحظہ ہو:
قزانی: تکملہ رشحات' ص ۱۷۷۔
محمد خانی: بہجۃ السنیہ' طبع مصر ۱۳۱۹ھ۔

۲۱۷۔ حضرت مولانا خالد کثیر التصانیف شیخ تھے ان کا فارسی دیوان ترکی سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے ان فارسی رسائل کا سراغ ملتا ہے:
رسالہ اعتقادیہ' قلمی مخزونہ کتاب خانہ عارف حکمت مدینہ منورہ' دیگر رسالہ تصوف' مخزونہ مکتبہ عارف حکمت' شجرات منظوم طریقہ نقشبندیہ' قلمی' کتاب خانہ مرکزی دانش گاہ تہران' سلسلہ طریقہ نقشبندیہ' مطبورہ قاہرہ' کتب درسیہ کی شروح بھی لکھی تھیں۔

(ملاحظہ ہو: ملفوظات شریفہ مقدمہ ص ۲۸۔۲۹ اور مولانا خالد نقشبندی و پیران طریقت او مؤلفہ مبینہ خست معتمدی)۔

۱۸۹۲ء میں جبکہ مولانا شبلی نعمانی قسطنطنیہ آئے تو وہاں ان کی ملاقات مولانا خالد کے بھتیجے شیخ عبدالفتاح سے ہوئی نیز مولانا شبلی نے مولانا خالد کو حضرت مظہر کا مرید لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔(سفرنامہ روم و مصر و شام، ص ۳۳)۔

۲۱۸۔ فرخ آباد کے نواب اس دور میں بدلتے رہے۔ مولوی عبدالرحمن کے زمانہ حیات میں غالباً نواب خادم حسین خان شوکت جنگ (۱۸۱۳۔۱۸۲۳ء) تھے' عہد بنگش' ص ۴۳۵) مولوی عبدالرحمن شاہ جہانپوری کے ایک نواسے مولوی عبدالغفور نقشبندی صاحب علم تھے' ان کے فرزند عبدالقادر خان' شاہ جہان پور میں افسر الاطباء تھے (گنجینۂ سلیمانی ۲۲۷)

۲۱۹۔ مولانا خالد کردی رومی سے انہوں نے حدیث کی پچاس کتب کی سند لی خواب میں حضور ﷺ کے حکم سے حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے تھے۔ (جواہر علویہ' ص ۲۴۰) عبدالغفار شاہ ۱۲۶۴ھ کو مدراس گئے اور اپنے آخری ایام حیات میں حرمین جا کر بس گئے اور مکہ مکرمہ میں ۹ شوال ۱۲۸۳ھ کو انتقال ہوا (خانوادہ قاضی بدر الدولہ ۳۳۶)

۲۲۰۔ جواہر علویہ' ص ۱۴۱۔۱۴۲۔

۲۲۱۔ جواہر علویہ' ص ۲۴۲' ان کی نسبت کتابی تھی یعنی موضع کتاب شہر سبز میں قیام تھا۔ (سمات القدس ۹۸۔ا' ب) مؤلف ضمیمہ ہذا شاہ عبدالغنی نے جواہر علویہ کے مندرجات میں یہاں خاصا اضافہ کیا ہے۔ (ر۔ک مقالہ مناظر احسن گیلانی: مرزا رحیم بیگ' برہان' ۱۴/۲)
شیخ محمد درویش کے تین رسائل تصوف کا ایک مخطوطہ جناب خلیل الرحمن داؤدی' لاہور کے پاس ہے۔

۲۲۲۔ ایضاً' ص ۲۴۳۔

۲۲۳۔ دارالحرب کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو' مقدمہ کتاب حاضر......ہم نے مقدمہ میں مختلف عنوانات کے تحت دارالحرب کے نکات پر بحث کی ہے۔ ''غلبہ مرہٹہ''، ''آشوب سکھاں'' اور ''غلبہ ہنود'' کے باعث ہندوستان کے کئی علاقوں کو علماء نے دارالحرب قرار دیا تھا اور آخر میں پاک و ہند کی

مختلف اسلامی ریاستوں پر انگریزوں کے قبضہ کے باعث اس کے دارالحرب ہونے یا نہ ہونے کے موضوع پر علماء نے کئی مستقل رسائل تالیف کیے تھے۔

۲۲۴۔ جواہر علویہ، ص ۲۴۳-۲۴۴، اس ضمیمہ میں ان کے حالات میں خاصا اضافہ کیا گیا ہے، شیفتہ نے اپنے سفر نامہ (ص ۱۹۰) میں شیخ جان محمد کا ذکر کیا ہے۔ مولانا محمد جان نے ۱۶ صفر ۱۲۶۷ھ/ ۲۲ دسمبر ۱۸۵۰ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی (خانوادہ قاضی بدر الدولہ ۳۶۶) مولانا محمد جان کے خلیفہ مولانا ضیاء الدین علی رضا تھے جن سے ترکی میں ان کا فیض جاری ہوا (رسائل شجرات مملوکہ داؤدی صاحب)

اخوند جان محمد شاہ عبدالباری امروہوی کے کہنے پر شاہ غلام علی سے منسلک ہوئے، مکہ میں جبل بوقبیس پر رہتے تھے، جنت المعلیٰ میں دفن ہیں، ان کے فرزند عبدالعلیم قادری حج کے لیے گئے تو راستے میں انتقال ہو گیا، بھوپال میں دفن ہیں عبداللہ خویشگی انہی کے فرزند تھے جو خورجہ میں مدفون ہیں۔ (مقالہ نثار احمد فاروقی، روہیل کھنڈ کی وراثت اور تصوف، مشمولہ رضا لائبریری، جرنل ۴-۵ ص ۱۶۲)

(مولانا محمد جان کے حالات نسمات القدس ورق ۹۳-۹۸)۔

۲۲۵۔ جواہر علویہ: ص ۲۴۲-۲۴۳۔

۲۲۶۔ ایضاً۔

۲۲۷۔ ایضاً۔

۲۲۸۔ ایضاً، ص ۲۴۳۔

۲۲۹۔ ایضاً۔

۲۳۰۔ ایضاً۔

۲۳۱۔ حضرت شاہ غلام علی کے لاتعداد خلفاء تھے اگرچہ مؤلف ضمیمہ ہذا نے جواہر علویہ میں شامل خلفاء کی فہرست میں ان حضرات مولوی عبدالرحمٰن شاہ جہاں پوری، سید احمد کردی، محمد منور، میاں اصغر، میاں قمر الدین پشاوری اور محمد شیر خان کے ناموں کا اضافہ کیا ہے لیکن ان کے علاوہ بھی تذکروں میں کئی ایسے اصحاب کے اسماء ملتے ہیں جو حضرت شاہ غلام علی سے فیض یافتہ تھے اور عرب وعجم

میں مصروف تلقین وارشاد تھے' مولانا سید ابوالقاسم ہسوی (ف ۱۲۶۶ھ) مؤلف مآثر الابرار اور ان کے لڑکے شاہ عبدالسلام ہسوی' حضرت شاہ احمد سعید کے خلیفہ تھے (پشت نامہ ہسوی' ص ۹' نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۹) ہم نے اپنی زیر تالیف کتاب احوال وافکار حضرت مظہر میں ان کی فہرست دی ہے۔

☆☆☆☆☆

ضمیمہ جات

مرتبہ

محمد اقبال مجددی

ضمیمہ دوم: آباؤ اجداد حضرت مظہر

سوم: حضرت مظہر کے معاصر سلاطین مغلیہ

چہارم: فرہنگ اصطلاحات تصوف شامل مقاماتِ مظہری

ضمیمہ دوم

اجداد حضرت مظہر

حضرت مظہر نے اپنے مختصر حالات زندگی ایک مکتوب میں لکھے تھے جو مقامات مظہری میں شامل ہے[1] ان میں سے امیر مجنون خان قاقشال اور بابا خان قاقشال جو دونوں بھائی اور مغلیہ حکومت کے معزز عہدیدار تھے' کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے جا رہے ہیں' حضرت مظہر بابا خان کی اولاد میں سے تھے۔

امیر مجنون خان قاقشال

امیر مجنون خان' علوی سادات میں سے تھے چونکہ آٹھویں صدی ہجری میں اس خاندان کے ایک فرد کا سلسلہ ازدواج ترکستان کے قبیلہ قاقشلان[2] سے ہو گیا تھا اور یہ اس علاقے کے حاکم بن گئے تھے[3] اس لیے اس کے بعد انہیں ''خانان قاقشال'' کہا جانے لگا۔

جب ہمایوں بادشاہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت شاہ ایران کی مدد سے واپس لینے کے لیے ہندوستان آیا تو ان دونوں بھائیوں (مجنون اور بابا خان) کو ہمراہ ہندوستان لے آیا' والدہ کی طرف سے ان بھائیوں کا سلسلہ نسب امیر تیمور پر ختم ہوتا ہے۔

ہمایوں کی وفات کے بعد اکبر کے زمانے میں اعلیٰ منصب پر فائز رہے' عارف قندھاری نے مجنون خان کو عمدۃ الامراء لکھا ہے:

عمدۃ الامراء فی الدوران مجنون خان کہ ہمراہ نواب خان خانان در بکسر بود[4] ......

ہمایوں کے عہد میں نارنول کی جاگیرداری پر مقرر ہوئے' اکبر کے عہد میں مالک پور کی جاگیر ملی۔ خان زمان کی بغاوت فرو کرنے کے دوران وہ اکبر بادشاہ کے ہمراہ تھے اور ''شائستہ خدمات'' انجام دیں' چودھویں سال جلوس اکبر (۱۵۶۸ء) میں شاہی حکم کے مطابق وہ کالنجر کے قلعہ کے محاصرہ پر مقرر ہوئے'

اس فتح کے بعد وہاں کی حکومت بھی مجنون خان کو سونپ دی گئی' سترھویں سال جلوس اکبری (۱۵۷۱ء) میں وہ گورکھپور کی فتح کے لیے خان خانان کے ہمراہ بھیجے گئے۔

۹۸۲ھ/ ۱۵۷۵ء میں تسخیر بنگال کے دوران وہ خان خانان کے ساتھ تھے' مجنون خان نے علاقہ گھوڑا گھاٹ[۵] (بنگال) میں بہت لڑائیاں لڑیں اور بہادری دکھائی حدود ۹۸۳ھ/ ۱۵۷۶ء میں مجنون کا انتقال ہوا' طبقات اکبری میں ہے کہ ان کا منصب پانچ ہزاری تھا اور مآثر الامراء میں ہے کہ تین ہزاری اور پانچ ہزار سواران کے ملازم تھے[۶]

مجنون خان کا لڑکا جباری بیگ تھا جس کی شادی سلیمان خان منگل کی لڑکی سے ہوئی تھی[۷]

جباری خان کے ایک پوتے محمد براری امی بن محمد جمشید بن جباری خان بن مجنون خان کی ایک کتاب عقول عشرہ جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے کتب خانہ (حیدرآباد' سندھ) میں موجود ہے[۹] دوسرا نسخہ ذخیرہ عبدالسلام' مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ میں ہے جو ایک دائرۃ المعارف ہے' اس کتاب کا سال تصنیف ۱۰۸۳-۱۰۸۴ھ ہے نیز اُمی نے فارسی نثر میں تاریخ پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کی پہلی جلد کا نام مجمل مفصل ہے اس میں ابتدائے عالم سے لے کر شاہ جہان کی تخت نشینی (۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۸ء) تک حالات درج ہیں یہ جلد ۱۰۶۵ھ/ ۱۶۵۵ء کو مکمل ہوئی' اس کی دوسری جلد کا نام طبقات تیموری ہے' جس میں ایران اور ہندوستان کے تیموری سلاطین کی تاریخ بیان کی گئی ہے' یہ جلد ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء کو مکمل ہوئی پہلی جلد کا خطی نسخہ خدا بخش پبلک لائبریری بانکی پور پٹنہ میں ہے اور دوسری جلد کا قلمی نسخہ باڈلین لائبریری' آکسفورڈ میں محفوظ ہے۔ (فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ۵۴۱-۵۴۸) مجنون خان کے حالات اور مہمات کا تذکرہ عہد اکبری کی دیگر کتب تاریخ میں بھی ملتا ہے[۹]

بابا خان

اپنے بھائی مجنون خان کی طرح بابا خان بھی عہد اکبری کی مہمات میں پیش پیش رہے' حتیٰ کہ اکبر بادشاہ کے ہمراہ بعض معرکوں میں شرکت بھی کی[۱۰]

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' گھوڑا گھاٹ (شمالی بنگال) قاقشالوں کو جاگیر میں دیا گیا تھا اور بھائی کے انتقال کے بعد اس خانوادہ کے کارکن بابا خان ہی تھے' جب گھوڑوں کو داغنے کا قانون رائج ہوا تو پیش کاروں نے لالچ اور ہوس کا مظاہرہ کیا' چنانچہ بابا خان نے بنگالہ کے صوبیدار مظہر خان سے کہا کہ

میں ستر ہزار روپے بطور نذر کار پردازوں کو دے چکا ہوں اور ابھی تک سواروں کے داغ نہیں ہوا ہے میں نے اس کا کوئی تدارک نہیں کیا۔

جب پچیسویں سال جلوس اکبری میں اس وجہ سے معصوم خان کابلی نے بہار کے چند جاگیرداروں کے ساتھ مل کر بغاوت کی تو بابا خان نے بھی جو پہلے سے موقع کی تلاش میں تھے بنگالہ کے چند جاگیرداروں سے ہم راہ آگے بڑھ کر بغاوت کا اظہار کیا۔ باغیوں نے بہت تباہی مچائی اگلے سال باغیوں نے مظفر خان مذکور کو قتل کر ڈالا اور پورے علاقہ پر ان کا قبضہ ہو گیا' علاقے آپس میں تقسیم ہوئے عہدے اور خطاب بھی تجویز کیے گئے بابا خان نے ''خان خانان'' اپنا خطاب مقرر کر کے صوبہ بنگالہ کی حکومت خود سنبھال لی اور اسی سال سرطان کی بیماری میں انتقال کیا[11] لیکن مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے بابا خان کی بغاوت کا یہ سبب بتایا ہے کہ چونکہ اکبر نے اپنے پچیسویں سال جلوس میں دین و اسلام سے انحراف کیا تھا اس لیے بابا خان نے بغاوت کر دی[12] ان کا یہ بیان کتب تاریخ کی روشنی میں صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا[13]

اس بغاوت کے نتیجہ میں اس خاندان کے لیے اعلیٰ مناصب کے دروازے بند ہو گئے[14] لیکن یہاں یہ سمجھنا غلط فہمی ہو گی کہ انہیں سرکاری ملازمت ہی نہیں ملتی تھی بعض تذکرہ نویسوں مثلاً خوش گو کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے[15] خود حضرت مظہر کا بیان ہے کہ سلاطین تیموریہ کی خدمت و رفاقت اس خاندان کا شعار تھا[16] بقول مولوی نعیم اللہ بہرائچی حضرت مظہر کے پردادا میرزا محمد امان کی شادی اکبر بادشاہ کی بیٹی سے ہوئی تھی[17] صاحب مقامات مظہری نے اسی لیے میر عبد السبحان کو دو واسطوں سے اکبر کا نواسہ بتایا ہے[18] اسی طرح مرزا عبد السبحان بھی شاہی منصب پر فائز تھے خود حضرت مظہر کے والد اورنگ زیب کے منصب دار تھے[19]

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ مقامات مظہری فصل مکاتیب (مکتوب اول ص ۲۷۴) و فصل چہارم در سلسلہ نسب ص ۲۵۹۔ ۲۷۹۔

۲۔ یہ ترکستان کے ایک قبیلہ کا نام ہے بقول بلوخمان

"Name of a Turkish Clan, Like the Usbake". Ain-i-Akbari, vol. I, P. 399, f.n

فرشتہ نے اس قبیلے کا نام خانشال لکھا ہے ملاحظہ ہو: تاریخ فرشتہ کا انگریزی ترجمہ

Briggs: History of the Rise of the Muhammadan Power in India, Lahore, 1977, vol. VI, p. 585.

۳۔ مظہر: مکتوب اول تا اول مقامات مظہری۔ لیکن خوشگو نے "سفینہ خوشگو" میں لکھا ہے کہ حضرت مظہر مجنون خان کی اولاد سے تھے' حضرت مظہر کے اپنے بیان کی موجودگی میں خوشگو کی تحریر کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ (قریشی میرزا مظہر' ص ۲۳)۔

۴۔ قندھاری' حاجی محمد عارف: تاریخ اکبری مرتبہ امتیاز علی عرشی' رام پور ۱۹۶۲ء' ص ۱۶۔

۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے غلام حسین سلیم' ریاض السلاطین' مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۹۰ء' ص ۲۴۷' ۵۶' ۲۱۸' ۲۲۹' ۳۰۴۔

۶۔ صمصام الدولہ: مآثر الامراء ترجمہ محمد ایوب قادری' لاہور ۱۹۷۰ء' ۳/ ۱۷۹۔۱۹۲۔

۷۔ ایضاً' ۳/ ۱۸۱۔

۸۔ سراج احمد خان: مکتوبات امام ربانی کی دینی اور معاشرتی اہمیت' حیدرآباد سندھ ۱۹۷۷ء' ص ۳۶۷۔ سراج البیان ۱۷۹۔۱۸۲۔

۹۔ ملاحظہ ہو: اکبر نامہ ۳/۱۳۱۔ طبقات اکبری ۲/۴۴ آئین اکبری ۱/۲۸۱ انگریزی ترجمہ بلوخمان ۱/۳۳۹ (بامداد اشاریہ)' تاریخ اکبری از عارف قندھاری (بامداد اشاریہ) منتخب التواریخ ۲/۹۴۔ بہ بعد (وانگریزی ترجمہ بامداد اشاریہ)۔ مآثر الامراء ۳/۱۷۹۔۱۸۲۔ ذخیرۃ الخوانین ۱/۲۱۸۔ تذکرہ ہمایوں و اکبر (بامداد اشاریہ)۔ ایلیٹ: تاریخ ہند' جلد پنجم' ص ۲۹۷۔۲۹۸ (بامداد اشاریہ)' سمتھ: اکبردی گریٹ' ص ۷۲۔

۱۰۔ ابوالفضل: اکبر نامہ' جلد سوم' کلکتہ (بامداد اشاریہ)' نیز مآثر الامراء ۱/۲۸۹۔

۱۱۔ صمصام الدولہ: مآثر الامراء ۱/۳۸۹۔۳۹۰ (اردو ترجمہ)۔ تذکرہ ہمایوں و اکبر ص ۲۹۳' ۳۴۱۔ تاریخ اکبری ص ۱۸۹۔۱۹۴ (تعلیقات' ص ۳۶۵)۔ منتخب التواریخ ۲/۲۸۰ (و انگریزی ترجمہ' جلد دوم' بامداد اشاریہ) اور آئین اکبری جلد اوّل انگریزی ترجمہ بلوخمان (فٹ نوٹ' ص ۳۹۹)۔ جباری خان بن مجنون خان نے بھی ۹۹۰ (۲۸ جلوس اکبری) میں صوبہ بہار میں بغاوت کی اور حاجی پور پر تصرف کر لیا۔ (اکبر نامہ ۳/۳۸۴) لیکن جلد ہی گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۰۰۲ھ (۳۹ سال جلوس اکبر) میں اسے رہائی ہوئی اور نوازشات بھی کی گئیں (ایضاً ۳/۶۵۰)۔

۱۲۔ نعیم اللہ بہڑا ئچی: بشاراتِ مظہریہ' ورق ۱۶ ب۔

۱۳۔ قریشی: میرزا مظہر اور ان کا کلام' ص ۲۵۔

۱۴۔ مظہر: مکاتیب' مکتوب شامل مقامات مظہری۔

۱۵۔ خوشگو: سفینۂ خوشگو' ص ۳۰۱۔

۱۶۔ بہڑائچی: معمولات' ص ۱۴۔

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ مقامات مظہری' ص ۲۵۹۔

۱۹۔ مقامات مظہری فصل چہارم کے حواشی میں والد حضرت مظہر کے مفصل حالات ملاحظہ ہوں۔

☆☆☆☆☆

ضمیمہ سوم

حضرت مظہر کے معاصر سلاطین مغلیہ

حضرت مظہر کی ولادت ۱۱۱۱ھ/ ۱۷۰۰ء اور وفات ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء میں ہوئی تھی، اس دور میں حسب ذیل سلاطین مغلیہ تخت نشین ہوئے:

(۱) اورنگ زیب عالمگیر ۱۰۶۸۔۱۱۱۸ھ/ ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء

(۲) بہادر شاہ اوّل ۱۱۱۸۔۱۱۲۵ھ/ ۱۷۰۷۔۱۷۱۲ء

(۳) جہاندار شاہ (معز الدین) ۱۱۲۴۔۱۱۲۵ھ/ ۱۷۱۲۔۱۷۱۳ء

(۴) فرخ سیر ۱۱۲۵۔۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۳۔۱۷۱۹ء

(۵) نکوسیر ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء

(۶) رفیع الدرجات ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء (سوا تین ماہ)

(۷) محمد شاہ ۱۱۳۱۔۱۱۶۱ھ/ ۱۷۱۹۔۱۷۴۸ء

(۸) احمد شاہ ۱۱۶۱۔۱۱۶۷ھ/ ۱۷۴۸۔۱۷۵۴ء

(۹) عالمگیر ثانی ۱۱۶۷ھ۔۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۴۔۱۷۵۹ء

(۱۰) شاہ عالم ثانی ۱۱۷۳۔۱۲۲۱ھ/ ۱۷۵۹۔۱۸۰۶ء

☆☆☆☆☆

ضمیمہ چہارم

اصطلاحات تصوف شامل مقامات مظہری

مخففات

اس فرہنگ کی تیاری کے لیے مفصلہ ذیل کتابیں پیش نظر رہی ہیں:

اجمیری	=	مصطلحات علوم و فنون عربیہ از محی الدین غازی اجمیری، کراچی ۱۹۷۸ء
دستور	=	دستور العلماء از قاضی عبدالنبی احمد نگری، بیروت ۱۹۷۵ء (۴ جلد)۔
لوحیات	=	رسالہ شکوی الغریب از عین القضاۃ ہمدانی، ترجمہ قاسم انصاری، تہران ۱۳۴۵ش۔
رسالہ قدسیہ	=	قدسیہ (ملفوظات حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند) از خواجہ محمد پارسا بخاری، مرتبہ احمد طاہری عراقی، تہران، ۱۹۷۰ء، ومرتبہ ملک محمد اقبال، راولپنڈی۔
رسک	=	رجوع کنید بآن۔
اسٹینگاس	=	فرہنگ فارسی بہ انگریزی، طبع لاہور ۱۹۸۱ء
سجادی	=	فرہنگ لغت و اصطلاحات و تعبیرات عرفانی از جعفر سجادی، تہران ۱۳۵۴ش
سرِدلبران	=	سرِدلبران (اصطلاحات تصوف) از سید محمد ذوقی، کراچی ۱۴۰۰ھ
شرح منازل	=	شرح منازل السائرین از عبدالرزاق کاشانی، تہران ۱۳۱۵ش
صراح	=	صراح از جمال القرشی (لغت عربی بفارسی)، نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۸ء
کاشانی	=	اصطلاحات الصوفیہ مرتبہ سپرنگر لاہور ۱۹۷۴ء

نوٹ: اس فہرست میں شامل بعض کتابوں کی تفصیل "ماخذ مقدمہ و حواشی" میں ملاحظہ کریں۔

کشاف تھانوی	=	کشاف الاصطلاحات الفنون از محمد علی تھانوی، بیروت، خیاط ۱۹۶۶ء
لسان العرب	=	لسان العرب از ابن منظور تکملہ اصطلاحات علمیہ از مجلس محققین، بیروت۔ (اس کی جلد چہارم بطور تکملہ ہے یہ جلد اصطلاحات کی ایک دائرۃ المعارف ہے)۔
متن	=	بعض ایسے الفاظ جن کے معانی مروجہ کتب اصطلاحات میں نہیں مل سکے، ہم نے مقامات مظہری کے متن سے ان کا مفہوم اخذ کیا ہے۔
مکتوبات	=	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مرتبہ مولانا نور احمد امرتسری، طبع عکسی، استانبول، ۱۹۷۷ء
منتہی	=	منتہی الارب (لغت عربی بفارسی) از عبدالرحیم صفی پوری، چار جلد، لاہور، ۱۹۲۵ء
نفائس	=	نفائس الفنون فی عرایس العیون از شمس الدین آملی، ترتیب و تلخیص بہروز ثروتیان، تبریز، ۱۹۷۴ء

☆☆☆☆☆

فرہنگ اصطلاحات

الف

آدمی المشرب - تجلی فعلی (ر۔ک بآن) اور فنائے قلب کا عمل‘ اس لطیفہ کی ولایت حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ (مکتوبات حضرت مظہر ۲۴)

ابراہیمی المشرب - اس میں سالک اپنی صفات کو مسلوب پاتا ہے اور حق تعالیٰ سے منسوب کرتا ہے‘ اس حالت کو تجلی صفات کہتے ہیں‘ اس لطیفہ کی ولایت زیر قدم حضرت ابراہیم ہے۔ (مکتوبات حضرت مظہر ۲۴)

اتصال بے کیف - محبوب اور محب کے وصال اور فنائے محب کے بعد مشاہدہ۔ یہاں اتصال شہودی مراد ہے۔ (شرح منازل السائرین ۲۰۶)

اثبات غیریت - نفی حق و اثبات غیر (رسالہ قدسیہ‘ طبع ملک اقبال ۱۴۹)

اثر - اسماء وصفات کے جمال وکمال کے مظاہر۔ (سردلبراں ۴۲)

احدیت صرفہ - مرتبہ لاتعین‘ مرتبہ سلب صفات‘ خالص ذات وجود بحت‘ اول لانہایت‘ آخر لابدایت۔ (سجادی: فرہنگ لغات و تعبیرات عرفانی ۱۷‘ سرّ دلبراں ۲۰۰‘ ۲۴۹‘ ۳۴۷‘ ۳۴۹)

احسان - وہ مقام جس میں بندہ خدا کے اسماء وصفات کے آثار دیکھتا ہے۔ (سردلبراں ۴۲)

احوال تازہ - مواہب فائضہ بندے پر رب کی طرف سے یا بہ جزائے اعمال نیک بہ سبب تزکیہ نفس وتصفیہ قلب یا محض امتنان۔

اذواق	-	وہ حالت جو کلام محبوب سن کر طالب میں پیدا ہوتی ہے۔ مشاہدہ حق کا پہلا اثر ذوق ہے' صوفیہ نے درجہ اوّل کے شہود کو ذوق کا نام دیا ہے۔ (سر دلبران ۱۷۰' سجادی ۲۲۳)
اربابِ کشف	-	وہ اصحاب جو مشاہدہ حق اور اس کی تجلی میں تکرار نہیں کرتے۔ (سجادی ۳۳)
اربابِ جہل	-	طالبوں کی وہ قسم جو طلب میں مردہ دل اور ادراک حقائق سے عاری ہو۔ (ر۔ک جہل)
استغراق	-	ذکر حق میں حصول فنا کا نام۔ (سجادی ۳۷۔۳۸)
استہلاک	-	ہر وقت مشاہدہ جمال الٰہی میں ڈوبے رہنا' اپنی ذات کو ذاتِ حق میں مستہلک پانا۔ (لسان العرب ۳/۸۲۱)
استیلای غیب	-	(ر۔ک غیب)
اسرار توحید	-	وحدانیت کا علم مع اقسام توحید۔ (سجادی ۱۴۱' لسان العرب ۳/۸۸۹)
اسماء وصفات	-	اسم اس لفظ کو کہتے ہیں' جس سے حق تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا جائے اور وہ اشارہ اس کی ذات سے ہو یا صفت سے۔ (سجادی ۱۴۱۔ سر دلبراں ۴۷)
اسماع نفس	-	ذکر قلبی مع ذکر لسانی کی قسم اول یعنی ذکر خفی۔
اسم الباطن	-	بطون حق کو اسم الباطن کہتے ہیں' از اسم ذات۔ (سجادی ۱۴۱)
اسم صغیر	-	انسان کا خلق اور امر کا جامع ہو کر اسم کا مستحق ہونا۔
اسم الظاہر	-	ظہور حق کو اسم الظاہر سے تعبیر کرتے ہیں۔ (از اسم ذات)
اشراف خواطر	-	دلوں کے بھید جاننا' کشف قلوب۔ (سجادی ۳۹۱)
اصطفاء	-	ایک مقام سے دفعتاً دوسرے مقام پر فائز ہونا' منتخب کر لینا۔ (سجادی ۴۷)
اضمحلال	-	فنا ہونا' نیستی' وارفتگی۔ (لسان العرب ۲/۵۴۶)

اعدام	-	اعیان ثابتہ جو علم حق تعالیٰ میں تو موجود ہیں لیکن خارجاً معدوم ہیں۔ (سر دلبراں ۲۵۳' سٹینگاس' فارسی ۷۴)
اعدام اضافیہ	-	جن پر آثار و احکام کا تحقق ہو' جو فیضان وجود کے بعد وجود کا صالح ہو۔ (اجمیری ۱۹۹)
اعیان ثابتہ فی العلم	-	حقائق ممکنات جو علم حق تعالیٰ میں ہیں۔ (قول سید شریف۔ دستور ا/ ۱۳۸)
اعیان خارجیہ	-	موجودات ذہنی کے مقابلے میں موجودات خارجی مراد ہیں اور صور علمیہ جو کہ اعیان ثابتہ ہیں (ر۔ک اعیان ثابتہ) (فرہنگ معارف اسلامی از سجادی ۲۵۰)
افاضہ کمالات	-	متابعت کا ایک درجہ جو صرف محبت سے متعلق ہے۔
افاقہ	-	حالت صحو۔
القاء	-	واردات ربانی سے عبارت ہے۔ (سجادی ۵۶)
امر انتزاعی	-	وجود بمعنی کون اور حصول بھی ہے جسے امر انتزاعی کہتے ہیں۔ (دستور ا/۱۷۳۔۱۷۷۔ سر دلبراں ۷۶)
امکان	-	موصوف کے لیے کسی صفت کی نسبت کا غیر ضروری ہونا۔ (اجمیری ۵۹۔۶۰' دستور ا/۱۶۴)
انا	-	اشارہ ہے مرتبہ وحدت اور حقیقت محمدی کی طرف کہ برزخ اور جامع ہے' اس کو علم مجمل اور تعین اوّل بھی کہتے ہیں۔ (سر دلبراں ۷۸)
انا الشمس	-	صوفی کی نظر اپنی جہت اور اپنے انوار مستعار پر پڑے تو وہ انا الشمس کا دعویٰ کرتا ہے۔
انوار جمعیت	-	ہمت کو مجتمع کرنا اور اپنی توجہ سوئے حق کرنے سے جو انوار حاصل ہوں۔ (سجادی ۱۵۷' ۱۷)
اول الاوائل	-	مفہوماً لاہوت ہی اول الاوائل ہے۔ (عبقات)

اولیائے عزلت	- ایسے افراد جنہوں نے انقطاع از ماسوا کر لیا ہو' اولیائے مستور' (سر دلبراں ۱۷۳)
اوتاد	- رجال اللہ کی بارہ اقسام میں سے ایک قسم' اوتاد چار ہوتے ہیں۔ (سر دلبراں ۱۷۵)

ب

بازگشت	- طالب بوقت ذکر اپنے دل میں یہ دعا کرے ''الٰہی میرا مقصود تو اور تیری رضا ہے......'' مشائخ نقشبندیہ کی شرائط میں سے چھٹی شرط ہے۔ (رسالہ قدسیہ' طبع عراقی)
باطن وجود	- ''ہر چیز کا وجود علم میں ثابت ہے''۔ اس مرتبہ کو صوفیہ کی اصطلاح میں باطن وجود کہتے ہیں۔
بسط	- واردات قلبی کے بند ہو جانے کو قبض اور کھل جانے کو بسط کہتے ہیں۔ (نفائس ۲۱۹)
بسیط حقیقی	- وجودِ خداوندی۔ (اجمیری ۷۷' دستور ا/ ۴۴۸)
بعد الجمع	- نفس کو حقیقت فنا ملنے کے بعد اسے دعوت و ارشاد کا حق مل جاتا ہے اس مقام کو بعد الجمع کہتے ہیں۔ (سر دلبراں ۱۲۸' سجادی ۱۵۶)
بے خطرگی	- خطرہ ایک قسم کا خطاب ہے جو ضمیر پر وارد ہوتا ہے' بے خطرگی ایسا مقام ہے جب طالب کو نفس مطمئنہ حاصل ہو جائے تو وہ ان خطرات شیطانی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ (سر دلبراں ۱۵۶' سجادی ۱۹۴' دفاعیات ۹۰)
بے خودی	- مرحلہ فنا' حالت سکر' (سجادی ۱۵۸)
بے رنگی	- وحدانیت کا ظہور (متن)
بیعت مع اقسام	- اپنی جان و مال کو خدا یعنی مالک حقیقی کے حوالے کر دینا' احکام شرع کی پیروی کے لیے کسی رہنما کے ساتھ پابندی احکام کا عہد کرنا' اس کی

اقسام کا متن میں ذکر کیا گیا ہے۔

ت

تجلی - ذات واسماء وصفات وافعال الٰہی کا کسی پر پڑنے کا نام تجلی ہے' اس کی بہت سی اقسام ہیں۔ (نفائس ۶۴)

تجلی افعال - اللہ تعالیٰ صفات ازلی اور صفات ربوبیت سے سالک پر ظاہر ہوتا ہے۔ تجلی افعالی کے وقت بندہ افعال کی نسبت اپنی طرف نہیں کر سکتا۔

تجلی ذات - جب ذات کی تجلی سالک پر ہوتی ہے تو سالک فانی مطلق ہو کر اپنے علم وشعور سے بے تعلق ہو جاتا ہے' تجلی ذاتی میں اس فنائیت عبد کے بعد بقائے حق سے باقی ہونے کو' بقا باللہ کہتے ہیں۔

تجلی ذات بحت - بحت کہتے ہیں خالص کو تجلی ذات (ر۔ک بآن) کی تعریف کے پیش نظر اسے فنائیت کا حاصل کہہ سکتے ہیں۔

تجلی صفائی - اس میں سالک حق تعالیٰ کو اُمہت صفات میں متجلی پاتا ہے۔

تجلی صوری - رؤیت الٰہی۔

تجلی فعلی - اس میں سالک صفات فعلیہ ربوبیہ میں سے کسی صفت کے ساتھ حق تعالیٰ کو متجلی پاتا ہے' اس میں بندے سے قول وفعل وارادہ سلب ہو جاتا ہے اور وہ ہر چیز میں قدرت کو دیکھتا ہے۔

(سجادی ۱۱۸' نفائس ۶۴' اجمیری ۸۶)

تنزلات - وجود نے مرتبہ وراء الوراء سے جن منازل سے علی الترتیب نزول فرما کر کائنات میں گلشن آرائی کی انہیں تنزلات سے موسوم کرتے ہیں' جملہ تنزلات شہود میں واقع ہوئے ہیں۔ (سر دلبراں ۲۴۲' اجمیری ۱۰۴) مقامات مظہری میں کئی مقامات پر تنزل وجوبی' روحی' مثالی اور جسدی استعمال ہوا ہے۔

تنزیہ - ذات حق تعالیٰ کا صفات نقص یا صفات ممکنات سے پاک ومنزہ ہونا۔

(اجمیری ۱۰۴' سجادی ۱۳۶)

تعدد و تکثر - دراصل کثرت شیونات کی وجہ سے ہے' ملاحظہ ہو ''شیونات''۔
تعین - حق تعالیٰ کا اپنی ذات کو پانا۔
(سر دلبراں ۱۲۰' سجادی' ۱۳۰' نفائس ۳۷' دستور ۱/ ۳۲۵)
تعین امر - وہ عالم جو کہ موجد امر سے دفعتاً بے مادہ و مدت کے موجود ہو گیا' عالم امر ہے۔ (سر دلبراں ۲۵۱)
تمکن و ثبات - وہ مقام ہے جس میں سالک مغلوب الحال نہیں ہوتا' تلوین کا متضاد ہے۔ (نفائس ۷۹)
توجہ - تمام ماسویٰ اللہ سے روگرداں ہو کر حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونا۔
(سر دلبراں ۱۲۲' سجادی ۱۴۱)

ج

جمیعت قلبی - ہمت کو مجتمع کر کے اپنی توجہ سوئے حق کرنا اور دل کو ماسویٰ سے کندن کرنا۔ (سجادی ۱۵۷)
جہل - ''مرگ دل'' کو صوفیہ کنایتاً جہل سے تعبیر کرتے ہیں۔
خواہ سالک نے سالہا سال تک علم حاصل کیا ہو۔ (سجادی ۱۶۱' اجمیری ۱۱۷)

ح

حبس نفس - ذکر کے دوران سانس روکنا۔ (متن)
حبل المتین - احکامِ الٰہی کی پیروی (قرآن و حدیث)۔
حسن - کمالات ذات احدیت۔ (سجادی ۱۷۲)
حسن محض - حسن کامل' حسن لازوال' خالص کمالات ذات احدیت۔ (ر۔ک حسن)
حصول جمیعت - ر۔ک جمیعت۔
حضور - قلب کا خلق سے غافل ہو کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا' مقام وحدت' صاحب لمع کہتے ہیں کہ حضور سے مراد حضور قلب ہے۔
(سر دلبراں ۱۴۴' ۱۷۲' سجادی ۱۷۳)

حق - صوفیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں' چنانچہ ''حق بسیط'' اسی طرح اصطلاحاً مستعمل ہے۔ (سجادی ۱۷۵)

حق نفس - فرائض کی ادائیگی کے لیے بقدر توانائی کھانا کھانا۔ (متن)

حقائق - وہ علم ہے جس سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو' حقائق کی کئی اقسام ہیں جن میں حقائق سبعہ کا ذکر مقامات مظہری میں شامل ضمیمہ شاہ عبدالغنی میں کیا گیا ہے۔

حقائق ممکنات یا حقائق کونی - اعیان ممکنات اور کثرت حقیقی کو کہتے ہیں۔ (سردلبراں)

حقیقت الحقائق - مراد ذات احدیت ہے' ''حقیقة کل شئی ھو الحق''۔ (سجادی' سردلبراں)

حقیقت محمدی - حقیقت انسانی کی اصل حقیقت محمدی ہے' حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات (۱۲۴/۳) میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔

حقیقت حال - طالب کے احوال و واردات (ر۔ک بآں) میں بعض اوقات خاص لمحات میں ''غلبہ احوال'' سے افاقہ ہوتا ہے' خصوصاً نماز کے اوقات میں ایسی حالت کو جو غیر استقراری ہو' حقیقت حال کہتے ہیں۔ (متن)

خ

خلت - دوستی' مراد ہے حق تعالیٰ کا بندہ کا دوست بننا' خصوصاً حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرف اشارہ۔ (مکتوبات حضرت مجدد میں کئی مقامات پر تشریح)

خیر محض - فلاسفہ وجود کو ''خیر محض'' تصور کرتے ہیں اور وہ وجود صوفیہ کے نزدیک ذات مطلق اور مقام جمع الجمع احدیث مطلقہ ہے۔ (سجادی)

دائرہ صفات کبریٰ - ان دوائر کی تفصیل سے صوفیہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

دائرہ ظلال وولایت صغریٰ ملاحظہ ہو: سرِ دلبراں ۳۰۰

دائرہ ظلال اسماء وصفات

دائرہ ولایت

دائرہ ولایت علیا

دائمی حضور - ر۔ک حضور۔ حضور میں دوام حاصل ہونا۔

دائمی حضوری - ایضاً۔

ذ

ذکر - اللہ کی یاد' یادِ الٰہی میں جمیع غیر اللہ کو دل سے فراموش کر کے حضورِ قلب کے ساتھ قرب ومعیت حق تعالیٰ کا انکشاف حاصل کرنے کی کوشش کو ذکر کہتے ہیں' صوفیہ نے اس کی بہت سی اقسام بیان کی ہیں۔ (ر۔ک مکتوب حضرت مظہر نمبر ۱۱ شامل مقامات مظہری)
چنانچہ ذکرِ خفی' ذکرِ جلی' ذکر رابطہ' ذکر قلبی' ذکر لسانی کے معانی اس کتاب میں متعدد مرتبہ بیان ہوئے ہیں۔

ر

ربط ظلیت - صوفیہ اضافی موجودات کو ظل قرار دیتے ہیں' یہ اضافی موجودات اعیان ممکنہ ہیں' جو درحقیقت معدومات ہیں لیکن وجودِ حقیقی کے نور اور فیضان کے طفیل ان کی ظلیت' عدمیت' ظلی وجود اختیار کر گئی ہے۔
(دستور ۲/ ۲۸۷' اجمیری ۱۹۲)

ربودگی - شیفتگی۔ (متن)

رضا - محبت خدا میں کسی حالت میں بھی فرق نہ ڈالنا' خوشی' غم اور تکلیف میں رضائے الٰہی پر شاکر رہنا۔ (متن۔ سرِ دلبراں ۱۷۸)

رؤیت - کسی چیز کو آنکھ سے دیکھنا نہ کہ بصیرت سے معلوم کرنا' رؤیت حق ولقاء خدا (نفائس ۱۴۶' سجادی ۲۳۹)

رؤیت الٰہی - ر۔ک تجلی صوری۔

ز

زوال عین - عین سے مراد عین ثابت ہے جو کہ عالم کے اس آئینہ کو کہتے ہیں جو علم حق تعالیٰ میں قبل تخلیق عالم موجود تھا اور اب بھی ہے' اسے مقام واحدیت بھی کہتے ہیں۔ (سجادی ۳۴۷' نفائس ۲۰۵)

س

سُکر - بے خودی' تعطل عقل جو مشاہدہ جمال معشوق حقیقی کا نتیجہ ہو' یہ وہ حالت ہے جو غیبت سے تقویت پاتی ہے۔
(سر دلبراں ۱۹۸' نفائس ۱۶۰' سجادی ۲۶۷)

سیر علمی - سیر کا مطلب ہے سالک کا ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک فعل سے دوسرے فعل' ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہونا۔ (متن مکتوب ۴) ر۔ک علم۔

ش

شرط محاذات - مقامات سلوک کے لیے مرشد کی موجودگی لازم ہے۔ (متن)

شہود - رؤیت حق بحق شہود' حق تعالیٰ کا اس طرح مشاہدہ کہ سالک مراتب تعینات عبور کر کے توحید عیانی کے مقام میں پہنچ جائے۔ غیریت کو دور کرے (سر دلبراں ۲۳۷' مکتوبات حضرت مجدد' نفائس ۱۷۶)

شہودیہ - نظریہ وحدت الشہود (ر۔ک بآن) کو ماننے والے۔

شیونات - مرتبہ علم میں تعینات وجود حق' شیونات الٰہی خاص ذات الٰہی کی قسم ہیں اور صفاتِ الٰہی ان شیونات کی فرع ہیں......
(معارف لدنیہ از حضرت مجدد)

ص

[illegible]

[illegible]

[illegible]

صفاتِ حقیقیہ [illegible]

صفاتِ سلبیہ [illegible]

[illegible]

صورِ علمیہ - اسمائے الٰہی جن صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں انہیں مظاہرِ اسماء کہتے ہیں۔ وہ صورتیں جن میں اسمائے الٰہی علمِ حق میں ظاہر ہوتے ہیں عینِ ثابتہ اور صورِ علمیہ کے نام سے موسوم ہیں۔ ([illegible])

ط

طریقہ احمدیہ - سلاسل تصوف میں سے سلسلہ نقشبندیہ کی وہ شاخ جس کو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے ترقی دی اور انہی کے نام سے طریقہ یا سلسلہ احمدیہ کہلاتا ہے اسے سلسلہ مجددیہ بھی کہتے ہیں۔ (متن)

طفرہ - ادنیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچنا۔ (صراح)

طمانیت - سالک کے قلب و نفس کا حق تعالیٰ کے ساتھ سکون و قرار پانا۔ (سردلبراں ۲۴۵)

ظ

ظل - جملہ ظہورات و تعینات وجود اضافی جو اعیان ممکنات و تعینات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ (سردلبراں ۲۴۷' سجادی ۳۲۲)

ظلمانی عقل - وہ عقل جو رہنما کی مدد سے راہِ راست پر آئے۔ (متن)

ظلمانی و نورانی حجاب - حجاب کا مطلب ہے ہر وہ چیز جو بندہ کو حق سے محتجب کرے۔ سالک کو سب سے پہلے حجاب ظلمانی کو دور کرنا ہوتا ہے جو گناہ اور لذاتِ طبیعی سے عبارت ہیں' پھر اسے حجاب نورانی کو دفع کرنا پڑتا ہے جو علوم رسمیہ سے مکلف ہوتا ہے۔ (سجادی ۱۶۶' (ر۔ک حجاب))

ع

عالم ارواح - اس سے مراد عالم ملکوت ہے' عالم ملکوت کی فرع عالم محسوس ہے' عالم ارواح بمقابلہ عالم محسوس' ذوق شہود میں ظاہر تر اور زیادہ قوی ہے' اس میں معانی محسوس صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔
(سردلبراں ۱۴۴' سجادی ۳۲۷' نفائس ۱)

عالم امر - وہ عالم جو بلا مدت و مادہ حق تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آیا۔
(سردلبراں ۲۵۱' اس کا نام عالم امر بھی ہے۔ سجادی ۳۲)

عالم خلق	-	عالم شہادت' وہ عالم جو مادہ سے پیدا کیا گیا۔(سجادی ۳۲۷)
عالم مثال	-	یہ عالم برزخ ہے' درمیان عالم ملکوت اور عالم ناسوت کے' اس کا نام عالم مثال اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ عالم جسمانی کی صورتوں پر مشتمل ہے۔(سجادی ۳۲۸)
عبودیت	-	خروج از اختیار' عبودیت کی نہایت حریت ہے۔(سجادی ۳۲۹)
عدم	-	معدوم' ناپید' سلب محض' نفی محض۔(اجمیری ۱۹۸)
عدم اضافی	-	یہ وجود کی ضد نہیں ہے۔(سجادی ۳۳۰)
عدم القدرت	-	عجز۔ر۔ک عدم۔
عدم العلم	-	جہل ر۔ک عدم۔
عدم محض	-	وجود کا تنقیض ہے جیسے کہ شریک باری تعالیٰ۔(متن)
عروج	-	اجسام سے احدیت تک پہنچنا' سالک اپنے جسم کو محو کر کے عالم مثال میں اور عالم مثال کو گم کرنے کے بعد عالم ارواح میں' اسی طرح عالم اعیان میں اور وہاں سے وحدت میں اور وحدت سے احدیت میں۔ (سر دلبراں ۲۰۰۔۲۰۱)
علم	-	کسی چیز کو کما حقہ جاننا' حیات جس طرح ذات کے اقرب اوصاف میں سے ہے' صوفیہ نے اس کی (باطنی علوم) بہت سی اقسام بتائی ہیں' ان میں سے بعض قسموں پر حضرت مظہر نے اپنے مکتوب (نمبر ۴ شامل مقامات مظہری) میں بحث کی ہے' جیسے علم حصولی' علم حضوری' علم ازلی وغیرہ۔
عناصر اربعہ	-	صوفیہ نے چار عناصر کو "چہار نفس" سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی آتش کو نفس امارہ' ہوا کو نفس لوامہ' پانی کو نفس طہمہ اور خاک کو نفس مطمئنہ سے۔(سجادی)
عیسوی المشرب	-	لطیفہ خفی کا شغل جس کی ولایت حضرت عیسیٰ کے زیر قدم ہے اس لطیفہ کا سالک عیسوی المشرب ہوگا۔(مکتوب حضرت مظہر نمبر ۲۴ شامل مقامات مظہری)

عین	-	ذات حق تعالیٰ کے ساتھ اتحاد' ہستی حق میں گم ہونا' سالک کا ذات حق میں محو ہو جانا۔ (سجادی)
عینیت و اتحاد	-	وصال پانا' مقام بقا میں پہنچنا۔ (ر۔ک عین)

غ

غلبہ	-	وہ حالت مغلوبی جس میں سالک کے لیے سبب کا ملاحظہ اور ادب کی رعایت ناممکن ہو۔ (سر دلبراں ۲۷۱' سجادی ۳۵۰)
غیبت	-	اپنے نفس سے اور خلق سے غائب اور حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہنا کبھی مقام کثرت کو اور کبھی اللہ سے محجوب اور خلق کے سامنے حاضر ہونے کو غیبت کہتے ہیں۔ (سجادی ۳۵۲)
غیرت	-	شرم کرنا' یہ دو طرح سے ہے ایک خلق سے اور دوسری حق سے۔ (سجادی ۳۵۳' سر دلبراں ۲۶۵' ۲۷۳)
غیرت از خلق	-	سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو اور کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ (سر دلبراں ۲۷۳)

ف

فنا	-	فنائیت عدم شعور کو کہتے ہیں' ذات احد میں اس درجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے' اس کے کئی مدارج بیان کیے گئے ہیں۔
فنائے افعالی	-	اپنے افعال اور خلق کے افعال کو افعال حق میں فنا کر دینا' اسی طرح دیگر اقسام فنائے صفاتی' فنائے ذاتی' فنائے قلب (ر۔ک بہ قلب) فنا و بقا (ر۔ک بہ بقا۔ سر دلبراں ۲۷۷' سجادی ۳۶۶' نفائس ۲۱۶)

ق

قبض	-	واردات قلبی کے بند ہو جانے کو قبض کہتے ہیں۔ (نیز ر۔ک بہ بسط)
ب	-	قلب ایک جوہر نورانی ہے جو مادہ سے مجرد اور روح اور نفس انسانی کے

قل — مابین ایک درمیانی چیز ہے۔ (سردلبراں' سجادی نے اس سے متعلق بہت سے اقوال نقل کیے ہیں' ص ۳۸۰-۳۸۲)

قلب صنوبری - گوشت کا لوتھڑا' صنوبری یا مخروطی شکل کا بائیں پستان کے نیچے اس کا نور زرد ہے سرسوں کے پھل جیسا۔ (متن)

قناعت - مالوفات طبع کے معدوم ہونے کی صورت میں سکون قلب کا ہونا۔

(سردلبراں ۲۸۳' سجادی ۳۸۳)

ک

کثرت ظلی - مخلوقات اور کثرت ظہور اسماء۔

کسب - بندہ کی قدرت اور اس کے ارادہ کے تعلق سے عبارت ہے جس کے کرنے کی اسے قدرت حاصل ہے' اس میں عموماً کسب خیر اور کسب شر کی انواع کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ (سجادی ۳۹۰)

کشف - اُمورِ غیبی اور معانی حقیقی پر سے حجابات (ر۔ک بآن) کا اُٹھنا اور حقیقت ورائے حجاب پر وجوداً اور شہوداً اطلاع پانا کشف ہے' اس کی دو اقسام ہیں: کشف صوری اور کشف معنوی۔

(سجادی ۳۹۰' سردلبراں)

کشف کونی - کشف صوری میں وہ معاملات جو خواب میں پیش آتے ہیں وہ بیداری میں بھی نظر آنے لگتے ہیں' کشف صوری کی وہ قسم جس سے مغیبات دنیوی پر اطلاع یابی ہوتی ہے اسے کشف کونی کہتے ہیں۔ (ر۔ک بہ کشف)

کمال - صفات اور آثار مادہ سے منزہ ہونے کا نام کمال ہے' اس کی دو قسمیں ہیں: اول کمال ذاتی جس کا تعلق ظہور حق تعالیٰ سے ہے' دوم کمال اسمائی ظہور حق کا بنفس خود اور شہود ذات خود سے تعلق ہے۔ (کشاف تھانوی' سجادی)۔ چنانچہ صوفیہ کے ہاں کمالاتِ الٰہیہ' کمالات اولوالعزم' کمالات ثلاثہ وغیرہ کا استعمال اسی ضمن میں آیا ہے۔

ل

لطائف - جسمِ انسانی کے مختلف مواضع جن پر فیوض وانوار و برکاتِ الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے اس کی صوفیہ نے عموماً چھ اقسام گنوائی ہیں لیکن حضرات مجددیہ نے بتایا ہے کہ انسان دس لطائف سے مرکب ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، مکتوب حضرت مظہر نمبر ۲۴ شامل مقامات مظہری)

لطیفہ - اشارہ دقیق جو بآسانی سمجھ نہ آ سکے مختلف واردات کا نزول اس کی مختلف اقسام جیسے لطیفۂ دماغی لطیفہ روح، سرِ خفی، اخفی، نفس، سر کی تشریحات مذکورہ بالا مکتوب میں درج ہیں۔ (ر۔ک لطائف)

م

مبداء - جائے ظہور، سالک کی ابتداء چونکہ اسمائے کلی کونی (ر۔ک بآن) کی راہ سے ہوتی ہے۔ اس لیے اسے مبداء کہتے ہیں صوفیہ نے مبداء و معاد کے موضوع پر مستقل رسائل تالیف کیے ہیں۔ چنانچہ مقاماتِ مظہری میں مبداء فیاض اور مبداء المبادی کا استعمال بھی ہوا ہے۔

محمدی المشرب - لطیفہ اخفی (ر۔ک بآن) کا شغل جس کی ولایت حضرت نبی آخر الزمان ﷺ کے زیرِ قدم ہے اس لیے ایسے سالک کو محمدی المشرب کہتے ہیں (ر۔ک مکتوب نمبر ۲۴ شامل مقامات مظہری)

محویت - منتہی کا وہ مقام محویت کہلاتا ہے جہاں پہنچ کر کشف و کرامات بند ہو جاتے ہیں اور لذت حضوری سے بھی سیری نہیں ہوتی۔ (سر دلبراں)

مرأت - علم الٰہی کو کہتے ہیں۔

مرأت کونی - وجود (ر۔ک بآن) مضاف وحدانی سے عبارت ہے کیوں کہ تمام اکوان، اوصاف، مظاہر اور احکام کا اس میں ظہور ہوتا ہے۔
(سجادی ۴۲۳)

مرأت الوجود - تعینات شیون (ر۔ک بآن) باطنی سے عبارت ہے۔

(ر۔ک بہ وجود)

مراقبہ - دل کی ماسویٰ سے نگہبانی‘ مراقبہ لفظ ترقب سے لیا گیا ہے جس کے معنی انتظار کے ہیں‘ یعنی انتظار فیض الٰہی‘ مراقبہ میں دو شرائط ہیں: اول ملاحظہ ذات احدیت‘ دوم اپنا دل۔

(شاہ غلام علی: ملفوظات شریفہ‘ ص ۳۷‘ سجادی ۴۲۴)

مرتبہ - جس پر اشیا کا ترتب ہو سکے۔

مراتب - جمع مرتبہ کی۔

مرج البحرین یلتقیان - وجوب (ر۔ک۔ بآن) اور امکان کے دونوں دریا ملتے ہیں مگر یہ برزخ ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں ہونے دیتا۔

مستی - حیرت اور ولولہ جو سالک صاحب شہود کو جمال دوست میں پیدا ہو۔

(سر دلبراں ۳۰۵‘ سجادی ۴۳۲)

مشہود - ر۔ک بہ شہود۔

مصنوع - ر۔ک بہ صانع۔

مقام رضا - ر۔ک بہ رضا۔

مقام - جب حال دائمی ہو جاتا ہے اور سالک کا ملکہ واضح ہو جائے تو اسے مقام کہتے ہیں۔ (سجادی ۴۴۴)

ملکہ - اعمال کا پختہ ہونا‘ نیک اعمال کا عادی ہونا۔ (سر دلبراں ۳۰۷)

ملکۂ حضوری - ر۔ک بہ حضور اور حضوری۔

مواجید - وہ حالات جو صوفیہ پر بطریق کشف و وجد ظاہر ہوں۔ (سجادی ۴۵۵)

موسی المشرب - لطیفہ سر کا شغل‘ جس کی ولایت زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے اس لیے ایسے سالک کو موسی المشرب کہتے ہیں۔

(ر۔ک مکتوب حضرت مظہر نمبر ۲۴ شامل مقامات مظہری)

ن

نسبت	-	وہ تعلق جو خدا اور بندہ کے درمیان ہوتا ہے' صوفیہ نے اس کی کئی اقسام بیان کی ہیں چنانچہ نسبت بقائی' نسبت محاذات اور نسبت فنا کی تفصیلات حضرت مظہر کے مکتوب نمبر ۳ (شامل مقامات مظہری) میں ملاحظہ کریں۔
نفس	-	بدن سے تعلق اور بدن کی تدبیر کی جہت سے اسے نفس کہتے ہیں۔ (سر دلبراں ۳۲۳' سجادی ۴۲۷)
نفس امارہ	-	جب نفس حیوانی کا قوت روحانی پر غلبہ ہو جائے تو اسے نفس امارہ کہتے ہیں۔ (سر دلبراں' سجادی' مقامات مذکور)
نفس الامر	-	بعض صوفیہ کے نزدیک عقل اول یہی ہے (سجادی) محل اعیان ثابتہ (ر۔ک بآن) اور صور علمیہ (ر۔ک بآن) سے بھی اس کی تعبیر کی گئی ہے۔
نفس مطمئنہ	-	نفس کا خود کو بُرے اعمال پر ملامت کرتے رہنے کے عمل کو نفس لوامہ کہتے ہیں' جب قلبی انوار نفس میں قوت حیوانی پر غالب آ جاتے ہیں تو اس سے نفس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے جسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ (سجادی ۴۷۱)
نفی و اثبات	-	توحید کی دو جہتیں ہیں' نفی اور اثبات' کلمہ طیبہ ان کا مرکب ہے' نفی سے ذاتِ باری تعالیٰ ان اوصاف ناقص سے منزہ ہے' انہی اوصافِ ناقصہ سے اس کی نفی کی جاتی ہے اور ان اسمائے حسنہ سے جن کو اس نے خود اپنی شان میں بیان کیا ہے اس کا اثبات کیا جاتا ہے لیکن حقیقت خداوند تعالیٰ نفی اور اثبات دونوں سے منزہ ہے۔ (سر دلبراں ۳۲۷' سجادی ۴۷۱)
نورانی عقل	-	جو بلا واسطہ مقصود پر دلالت کرے (نیز ر۔ک بہ ظلمانی عقل)

نور منبسط - وہ نور جس کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہو۔ (متن)

نیستی - نیستی کے مقابلہ میں ہستی، ہستی کی تعبیر تحقق اور یافت سے کی جاتی ہے کیوں کہ ہستی ہی پائی جاتی ہے، نیستی کے لیے نہ یافت ہے نہ تحقق۔ (سجادی ۴۷۵)

و

واردات - قسم معانی میں سے جو چیز بلا کوشش دل پر صادر ہو، خواطر محمودہ، وہ بات جو بندہ بغیر آواز کے ہی سمجھ جائے۔ (واحد، وارد، سر دلبراں ۳۳۱)

وجوب - ذات واجب تعالیٰ کا اپنے وجود کا مقتضی ہونا، کبھی وجوب سے حق تعالیٰ مراد لیتے ہیں۔ (سر دلبراں ۳۵۳)

وجود - ہستی، ذات بحت (ر۔ک بآن) ہستی مطلق، واحدیت ذات کا وہ مرتبہ جہاں صفات سلب ہوں، صوفیہ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس اصطلاح کی تعبیرات کی ہیں۔ (سر دلبراں ۳۳۱، سجادی ۴۸۱)

وجود منبسط عام - یہ ظل وسایہ وجود ہے، رحمت واسعہ حق وجود خارجی اور وجود ذہنی ظل اسی سایہ کا ظل ہیں۔ (سجادی ۴۸۲ بحوالہ شرح فصوص داؤد قیصری)

وجود خارجی - احکام ممکنات جو کہ دراصل معدومات سے ہیں اسم نور سے ظاہر ہوئے، اس لیے اس ظہور کو وجود اضافی اور وجود خارجی کہتے ہیں۔

(اجمیری ۲۸۳، سر دلبراں ۳۴۱)

وحدت الوجود - ر۔ک بہ مکتوب حضرت مظہر نمبر ۲۳ (شامل مقامات مظہری)۔

وحدت الشہود - ر۔ک بہ مکتوب حضرت مظہر نمبر ۲۴ (شامل مقامات مظہری)۔

وصل - محبوب سے ملنا جو ہجر کے بعد کی لذت ہے، وداع اور وصل صوفیہ کے نزدیک دونوں ہی لذیذ ہیں۔ (سجادی ۴۸۷، سر دلبراں ۳۴۴)

وقوف قلبی - ذاکر کا حق تعالیٰ سے واقف وآگاہ رہنا۔

(دستور ۳/۴۶۳، سجادی ۴۹۲)

ولایت	-	وہ مقام ہے جس میں بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ تصرفات عطا ہوتے ہیں جن سے طلب الٰہی کی استعداد رکھنے والوں پر اثرات ڈالے جاتے ہیں اور سالکان طریقت کو مقامات قرب تک پہنچایا جاتا ہے' ولایت کی مختلف اقسام کے لیے ملاحظہ ہو: (سر دلبراں ۳۱۶۔۳۱۷)
ولایت علیا	-	ملائکہ کی ولایت۔
ولایت صغریٰ	-	جب ذکر کثیر انتہا کو پہنچتا ہے تو ولایت صغریٰ یعنی وحدت الوجود کی ابتداء ہوتی ہے۔ (معیار السلوک ۱۰۸) اس ولایت کا مقام لطیفہ قلب ہے۔ (سر دلبراں ۳۱۸)
ولایت کبریٰ	-	سالک کا انانیت کبریٰ میں فنا ہو کر بقا حاصل کرنا ہی ولایت کبریٰ ہے۔

ہ

ہبا	-	تنزلات وجود (ر۔ک بآن) کا وہ مرتبہ جس میں اجسام عالم کو کشادہ کیا جاتا ہے' یہ مرتبہ عینی نہیں بلکہ عنقا ہے' یہ عقل اوّل کے بعد چوتھا مرتبہ ہے۔ (سر دلبراں ۳۳۶' سجادی ۴۸۵)
ہجوم	-	کسی چیز کا دل پر قوت کے ساتھ وارد ہونا' اس میں کوشش کو دخل نہیں ہوتا۔ (سر دلبراں ۳۳۶)

☆☆☆☆☆

مآخذ

مقدمہ وحواشی

مآخذ

مقدمہ وحواشی

مخطوطات

۱۔ امام بخش لاہوری: مراۃ الغفوریہ (درحالات مشائخ پنجاب خصوصاً رجال نوشاہیہ) بسال ۱۱۹۰ھ/ ۱۷۷۷ء، روٹو گراف، مملوکہ مولانا سید شرافت نوشاہی، ساہن پال، گجرات۔

۲۔ امام الدین کھوتکی: مقامات طیبین (بسال ۱۳۰۸ھ)، مخزونہ کتب خانہ خانقاہ مولانا غلام نبی للّٰہی، لِلّٰہ شریف، ضلع جہلم (دورحاضر میں اس نادر مخطوطہ سے پہلی مرتبہ استفادہ کیا گیا ہے)۔

۳۔ امام الدین رامپوری: مجمع الکرامات (درحالات شاہ درگاہی) قلمی، مملوکہ محمد اقبال مجددی، لاہور

۴۔ ثناء اللہ پانی پتی، قاضی: رسالہ دراحوال اولاد حضرت مجدد الف ثانی، مخزونہ کتب خانہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی شریف، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

۵۔ جامی، مولانا عبدالرحمٰن: مراتب ستہ، مخزونہ کتب خانہ مولوی شمس الدین مرحوم، تاجر کتب نادرہ، لاہور۔

۶۔ شرافت، شریف احمد نوشاہی: شریف التواریخ، جلد سوم، جلد دوم و چہارم، مملوکہ مولانا سید شراف نوشاہی (مؤلف خود)۔

۷۔ ایضاً: تاریخ عباسی۔ مملوکہ مؤلف خود سید شرافت۔

۸۔ ایضاً: انوار السیادت فی آثار السعادت، (مملوکہ ایضاً)۔

۹۔ ایضاً: سیادت علویہ، (مملوکہ ایضاً)۔

۱۰۔ صداقت، محمد ماہ کنجاہی: ثواقب المناقب، مملوکہ مولانا سید شراف نوشاہی نیز اورینٹل کالج

میگزین (فروری، مئی، اگست ۱۹۶۰ء اور فروری ۱۹۶۱ء) میں باہتمام ڈاکٹر وحید قریشی اس کا کچھ حصہ طبع ہوا تھا۔

۱۱۔ صفر احمد معصومی: مقامات معصومی (احوال حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی)، مرتبہ محمد اقبال مجددی۔

۱۲۔ عبدالباقی، میر: مآل الکمال (مسائل تصوف مع معارف حضرت مظہر) مخزونہ خانقاہ اخوند نسیم، نور محل، دیر (ریاست اوچ) (سلسلہ مظہریہ کی تاریخ میں اس ماخذ سے پہلی بار استفادہ کیا گیا ہے)۔

۱۳۔ عبیداللہ، خواجہ: زاد المعاد، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی (زیر طبع)

۱۴۔ غلام علی دہلوی، شاہ: احوال بزرگان (رسالہ در......) مملوکہ جناب جی معین الدین، لاہور۔

۱۵۔ غلام یحییٰ بہاری: کلمات الحق (رد نظریہ انطباق وحدت الوجود والشہود) بسال ۱۱۸۴ھ۔ مخزونہ کتب خانہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی شریف، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

۱۶۔ محمد امین بدخشی: المفاضلہ بین الانسان والکعبہ، مخزونہ کتب خانہ اسلامیہ کالج، پشاور۔

۱۷۔ محمد ایوب قادری: اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ (شمالی ہندوستان میں ۱۸۵۷ء تک) مقالہ برائے حصول درجہ ڈاکٹری، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۸۰ء۔

۱۸۔ محمد بن فضل اللہ برہانپوری، تحفہ مرسلہ، مخزونہ کتب خانہ مولوی شمس الدین مرحوم، تاجر کتب نادرہ، لاہور۔

۱۹۔ محمد حسن جان مجددی سندھی: رسالہ در نفی رفع سبابہ، بخط مصنف، مخزونہ کتب خانہ مولانا محمد ہاشم جان مرحوم، ٹنڈو سائین داد، سندھ۔

۲۰۔ محمد صالح کنجاہی: سلسلۃ الاولیاء، بخط مصنف، مملوکہ ڈاکٹر قریشی احمد حسین احمد، گجرات، پاکستان۔

۲۱۔ محمد میرن جان اجملی نقشبندی: خازن الشعراء، مخزونہ کتب خانہ انڈیا آفس، نمبر I.O.3899۔ روٹوگراف، مملوکہ جناب مشفق خواجہ، کراچی۔

۲۲۔ موسیٰ خان دہ بیدی: نوادر المعارف، مملوکہ حاجی عبدالغنی قندھاری، تاجر کتب، قندھار، افغانستان

(اس ماخذ سے پہلی مرتبہ استفادہ کیا جا رہا ہے)۔
۲۳۔ نجم الدین بن محمد ہاشم خوندوی: فیوضات (تکملہ فوائح العرفان)، قلمی ذخیرہ انجمن ترقی اردو، مخزونہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی نمبر 1ق نمبر ۸۴۔
۲۴۔ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، برٹش میوزیم نمبر 220 or (مخطوطات فارسی)۔ مائیکروفلم، مملوکہ محمد اقبال مجددی۔
۲۵۔ ایضاً: رسالہ در احوال خود (مولوی نعیم اللہ بہرائچی)، مخزونہ کتب خانہ انڈیا آفس، لندن۔ (سلسلہ مظہریہ کی تاریخ میں اس ماخذ سے پہلی بار استفادہ کیا جا رہا ہے)۔
۲۶۔ وحدت سرہندی، عبدالاحد: لطائف (رسالہ)، مشمولہ بیاض مرزا عبدالقادر بیدل، مخزونہ برٹش میوزیم لندن، نمبر B.M. Ms. Add. No 16802, ff. 12-23۔

مطبوعات عربی

۲۷۔ آزاد بلگرامی، غلام علی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، بمبئی، ۱۳۰۳ھ۔
۲۸۔ ابن العربی، محی الدین (شیخ الاکبر): رسائل ابن العربی، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۹۴۸ء، طبع جدید، دار احیاء التراث العربی، لبنان، بیروت۔
۲۹۔ احمد نگری، عبدالنبی: دستور العلماء (جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون)، ۴ جلدیں، بیروت، ۱۹۷۵ء۔
۳۰۔ بروکلمان، کارل: تاریخ الادب العربی، ترجمہ از عبدالحلیم النجار و یعقوب بکر (چھ حصے)، قاہرہ، دار المعارف، ۱۹۶۸۔۱۹۷۷ء۔
۳۱۔ بغدادی، اسماعیل پاشا: ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون مرتبہ محمد شرف الدین یالتقایا۔ بغداد، مکتبہ المثنیٰ، (طبع عکسی)۔
۳۲۔ ایضاً: ہدیۃ العارفین (اسماء المولفین و آثار المصنفین، بغداد، مکتبہ المثنیٰ۔
۳۳۔ البیرونی، ابوریحان محمد بن احمد: تحقیق ماللہند، حیدرآباد، دکن، ۱۹۵۷ء۔
۳۴۔ ثعلبی، امام: کتاب العرائس، مصر، ۱۳۱۵ھ۔
۳۵۔ ثناء اللہ پانی پتی، قاضی: تفسیر مظہری، دہلی، اشاعت العلوم، دس جلدیں۔

۳۶۔ جامی، عبدالرحمٰن: شرح فصوص الحکم، فیروز پور، ۱۹۰۷ء۔

۳۷۔ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ: کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون۔ مرتبہ محمد شرف الدین یالتقایا، بغداد، مکتبہ المثنیٰ، (طبع عکسی از ترکی ایڈیشن)۔

ایضاً: سلم الاصول الیٰ طبقات الفحول، استنبول۔

۳۸۔ زغلول، محمد سعید: موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف، بیروت، ۱۹۸۹ء۔

۳۹۔ ذھبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلاء مرتبہ شعیب الارنووط، بیروت، ۱۹۸۱ء (۲۵ جلد)۔

۴۰۔ سرکیس، یوسف لیان: معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ۔ مصر، ۱۹۲۸ء (طبع جدید، بغداد، مکتبۃ المثنیٰ)۔

۴۱۔ سُلمی، عبدالرحمٰن: طبقات الصوفیہ، مرتبہ نورالدین شربیہ، مصر، ۱۹۵۳ء۔

۴۲۔ سہروردی، شہاب الدین: عوارف المعارف۔ مطبوعہ برحاشیہ احیاء العلوم، مصر، ۱۳۵۲ھ۔

۴۳۔ سیوطی، امام جلال الدین: شرح الصدور، مصر، ۱۹۶۰ء۔

۴۴۔ ایضاً: تاریخ الخلفاء، طبع کراچی، نور محمد، تاجر کتب، ۱۹۵۹ء۔

۴۵۔ شامی، علامہ: سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی، مشمولہ رسائل ابن عابدین، لاہور، سہیل اکیڈمی، ۱۹۸۰ء۔

۴۶۔ عبدالحی حسنی: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، دمشق، مجمع العلمی، ۱۹۵۸ء۔

۴۷۔ ایضاً: نزہۃ الخواطر، ۸ جلد، حیدرآباد دکن، دائرۃ المعارف عثمانیہ، ۱۹۶۲۔۱۹۷۰ء۔

۴۸۔ عبدالرزاق کاشی سمرقندی: اصطلاحات الصوفیہ، مرتبہ اشپرنگر، لاہور، ۱۹۷۴ء (طبع عکسی)۔

۴۹۔ علی نواز شکارپوری، میر: بشارہ لاہل الاشارۃ، لاہور، ۱۳۲۳ھ۔

۵۰۔ غزالی، امام: احیاء علوم الدین، ۴ جلد، مصر، ۱۳۵۲ھ۔

۵۱۔ فقیر اللہ علوی شکارپوری: قطب الارشاد، کوئٹہ، ۱۳۹۷ھ۔

۵۲۔ قزانی، محمد مراد مکی: نفائس السانحات فی تذییل الباقیات الصالحات (معروف بہ تکملہ رشحات)، بکر، ترکی (س۔ن)۔

۵۳۔ قشیری، امام ابوالقاسم: رسالہ قشیریہ، مصر، ۱۹۵۹ء۔

۵۴۔ کتانی، عبدالحی الفاسی: فہارس الفہارس۔ فاس، مغرب، جلد اول ۱۳۴۶ھ، دوم ۱۳۴۷ھ۔

۵۵۔ کحالہ، عمر رضا: معجم المؤلفین (۱۵ جلدیں)، بغداد، مکتبۃ المثنی، (طبع عکسی جدید)۔

۵۶۔ کلاباذی، ابوبکر محمد: التعرف لمذہب اہل التصوف، مرتبہ عبدالحلیم محمود، قاہرہ، ۱۹۶۰ء۔

۵۷۔ کلیم اللہ جہان آبادی، شاہ: تلک عشرہ کاملہ مع اردو ترجمہ، دہلی، (س۔ن)۔

۵۸۔ محبی، محمد بن فضل اللہ: خلاصۃ الاثر، ۴ جلد، بیروت، (طبع عکسی)۔

۵۹۔ محسن ترہتی: الیانع الجنی، دیوبند ۱۳۴۹ھ (برحاشیہ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار)۔

۶۰۔ محمد حیات سندھی: تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ السلام، مرتبہ و مترجمہ محمد عبدالجلیل سامرودی، سامرود، سورت، ۱۳۵۷ھ۔

۶۱۔ محمد بن عبداللہ خان خالدی: البہجۃ السنیہ فی آداب الطریقۃ الخالدیہ، مصر ۱۳۱۹ھ۔

۶۲۔ محمد بیگ برہانپوری. عطیۃ الوہاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب (طبع برحاشیہ عربی ترجمہ مکتوبات حضرت مجدد مترجمہ محمد مراد قزانی، جلد سوم)، ترکی، (مطبوعہ عکسی از طبع مکہ، ۱۳۱۷ھ)۔

۶۳۔ ایضاً: ملحق خلاصۃ التسیر، مرتبہ ظہور احمد اظہر، لاہور، ۱۹۷۰ء۔

*___ محمد مراد مکی = قزانی، محمد مراد مکی۔

۶۴۔ محمد مظہر مجددی مہاجر مدنی: المناقب الاحمدیہ والمقامات السعیدیہ، قزان، ۱۸۹۶ء۔

۶۵۔ ایضاً: رشحات عنبریہ، مرتبہ محمد اقبال مجددی، استنبول ۱۹۷۹ء۔

۶۶۔ مرادی، محمد خلیل: سلک الدرر، بغداد، مکتبۃ المثنی، (طبع عکسی جدید)۔

۶۷۔ نبہانی، یوسف بن اسمٰعیل: جامع کرامات الاولیاء، مصر ۱۳۲۹ھ۔

۶۸۔ نورالدین، ابی الحسن شطنوفی: بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار، مصر، ۱۳۰۴ھ۔

۶۹۔ ولی اللہ، شاہ: اتحاف النبیہ، مرتبہ عطاء اللہ حنیف، لاہور ۱۹۶۹ء۔

۷۰۔ ونسنک: المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، لائیڈن، بریل، ۱۹۳۶ء۔۱۹۶۹ء۔ (سات جلد)۔

۷۱۔ یاقوت الحموی: معجم البلدان، (۵ جلد)، بیروت، (طبع عکسی از اشاعت قدیم)۔

مطبوعات فارسی

۷۲۔ آزاد بلگرامی، غلام علی: مآثر الکرام، لاہور، مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ، ۱۹۷۱ء۔

۷۳۔ ایضاً: سروآزاد، مرتبہ عبداللہ خان و عبدالحق، حیدرآباد دکن، کتب خانہ آصفیہ، ۱۹۱۳ء۔
۷۴۔ ایضاً: خزانہ عامرہ، نولکشور، ۱۸۷۱ء۔
۷۵۔ ابوسعید مجددی: ہدایت الطالبین، مرتبہ و مترجمہ نور احمد امرتسری، ۱۳۴۴ھ۔
۷۶۔ ابوطالب لندنی: تفضیح الغافلین، مرتبہ عابد رضا بیدار، رام پور، ۱۹۶۵ء۔
۷۷۔ ابوطاہر سمرقندی: سمریہ (احوال مدفونین سمرقند)، مرتبہ ایرج افشار، تہران، ۱۳۴۳ خ۔
۷۸۔ ابوالفضل علامی: آئین اکبری، ۳ جلد کلکتہ، ۱۸۶۷ء۔۱۸۷۷ء۔ و انگریزی ترجمہ از بلوخمان، جلد اول، طبع عکسی، لاہور، ۱۹۷۵ء۔
۷۹۔ ایضاً: اکبرنامہ، جلد سوم، طبع کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۸۶ء۔
۸۰۔ ابن طوفان: تذکرہ شعراء، مرتبہ قاضی عبدالودود، پٹنہ، ۱۹۵۴ء۔
۸۱۔ احمد مکی، ابوالخیر: ہدیہ احمدیہ (انساب اولاد حضرت مجدد الف ثانی)، کانپور، ۱۳۱۳ھ۔
۸۲۔ احمد سعید مجددی: اربع انہار (اشغال و معارف سلسلہ نقشبندیہ)، دہلی، ۱۸۹۳ء۔
۸۳۔ ایضاً: اثبات مولد والقیام (عربی و فارسی) مرتبہ محمد اقبال مجددی (عکس مبنی بر خود نوشت نسخہ مصنف)۔ طبع ترکی، ۱۹۷۹ء۔
۸۴۔ ایضاً: مکتوبات، جامع حضرت حاجی دوست محمد قندھاری، مرتبہ غلام مصطفیٰ خان، کراچی، ۱۳۷۳ھ (تحفہ زواریہ)۔
۸۵۔ اخلاص، کشن چند: ہمیشہ بہار (تذکرہ شعرای فارسی)، مرتبہ وحید قریشی، کراچی، ۱۹۷۳ء۔
۸۶۔ اشرف جہانگیر سمنانی: لطائف اشرفی، جامع نظام غریب یمنی، دہلی، نصرۃ المطابع، ۱۲۹۵ھ۔
۸۷۔ ایضاً: مکتوبات اشرفیہ، جامع عبدالرزاق کچھوچھوی، لکھنؤ، مطبع دبدبہ احمدی، ۱۳۰۹ھ۔
۸۸۔ اکبر حسینی بن خواجہ گیسودراز: تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ، مرتبہ سید عطاء حسین، گلبرگہ، ۱۳۶۵ھ۔
۸۹۔ اکبر علی نقشبندی: فوائد عثمانیہ، ملتان، ۱۳۸۳ھ۔
۹۰۔ الہدیہ چشتی: سیر الاقطاب (تراجم مشائخ سلسلہ چشتیہ صابریہ) لکھنؤ، نولکشور، ۱۹۱۳ء۔
۹۱۔ امداد علی قلندر: انوار محمد، حیدرآباد دکن، ۱۳۱۹ھ۔
۹۲۔ امیر احمد، ابوالحسن: تذکرہ مسرت افزاء، مرتبہ قاضی عبدالودود، مشمولہ رسالہ معاصر، پٹنہ، ۱۹۵۴ء۔

۹۳۔ انصاری ہروی، عبداللہ: منازل السائرین (مختلف شروح و اقوال انصاری سے تقابل)، مرتبہ روان فرہادی، کابل، ۱۳۵۵خ۔
۹۴۔ ایضاً: طبقات الصوفیہ، مرتبہ عبدالحی حبیبی، کابل، ۱۳۴۱خ۔
۹۵۔ ایمان، رحم علی خان: منتخب اللطائف، (تذکرہ شعرا) مرتبہ امیر حسن عابدی و محمد رضا جلالی نائینی، تہران، ۱۳۴۹خ۔
۹۶۔ بایزید بیات: تذکرہ ہمایوں و اکبر، مرتبہ ہدایت حسین، کلکتہ، ۱۹۴۱ء۔
۹۷۔ بدایونی، عبدالقادر: منتخب التواریخ، ۳ جلد، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۶۸ـ۱۸۶۹ء۔
۹۸۔ بدرالدین سرہندی: حضرات القدس، دفتر دوم، مرتبہ محبوب الٰہی، لاہور، ۱۹۷۱ء۔
۹۹۔ ثناء اللہ پانی پتی، قاضی: ارشاد الطالبین، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۹۱۵ء۔
۱۰۰۔ ایضاً: رسالہ در مسئلہ سماع، دہلی، مطبع مجتبائی۔
۱۰۱۔ جامی، عبدالرحمٰن: نفحات الانس، لکھنؤ، ۱۳۱۷ھ۔
۱۰۲۔ ایضاً: سررشتہ طریقہ خواجگان (نقشبندیہ) باہتمام عبدالحی حبیبی، کابل، ۱۹۶۴ء۔
۱۰۳۔ جلال الدین تھانیسری: ارشاد الطالبین، مرتبہ نور احمد امرتسری، امرتسر، ۱۳۲۷ھ۔
۱۰۴۔ حارثی، محمد بن رستم: تاریخ محمدی مرتبہ امتیاز علی خان عرشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء۔
۱۰۵۔ حاکم، عبدالحکیم لاہوری: تذکرہ مردم دیدہ، مرتبہ سید عبداللہ، لاہور، ۱۹۶۱ء۔
۱۰۶۔ حجۃ اللہ، محمد نقشبندی ثانی: وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول (مجموعہ مکتوبات خواجہ محمد نقشبند ثانی) مرتبہ غلام مصطفیٰ خان، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۶۳ء۔
۱۰۷۔ حمید اورنگ آبادی، خواجہ خان: گلشن گفتار (تذکرہ شعراء)، مرتبہ سید محمد، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۹ھ۔
۱۰۸۔ خافی خان، محمد ہاشم: منتخب اللباب، جلد دوم، حصہ دوم، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۷۴ء۔
۱۰۹۔ خوشگو، بندرابن داس: سفینۂ خوش گو (تذکرہ شعرای فارسی) مرتبہ عطاء الرحمٰن کاکوی، پٹنہ، ۱۹۵۹ء۔
۱۱۰۔ داراشکوہ: سرِ اکبر (ترجمہ اوپنیشد)، مرتبہ تاراچند و محمد رضا جلالی نائینی، تہران، ۱۹۶۱ء۔
۱۱۱۔ ایضاً: بھگود گیتا، طبع نائینی، تہران، ۱۹۸۰ء۔

۱۱۲۔ ایضاً: سکینۃ الاولیاء (درحالات حضرت میاں میر لاہوری)، مرتبہ تاراچند و جلالی نائینی، تہران، ۱۹۶۵ء۔

۱۱۳۔ ایضاً: سفینۃ الاولیاء، مطبوعہ نولکشور، ۱۹۰۰ء۔

۱۱۴۔ دانش پژوہ، محمد تقی: ''خرقہ ہزار میخی''۔ مقالہ شامل مجموعہ سخن رانیہا و مقاہا دربارہ فلسفہ و عرفان اسلامی، باہتمام مہدی محقق و ہرمان لندلت، تہران، ۱۳۴۹خ (وزڈم آف پرشیا سیریز)

۱۱۵۔ ایضاً: فہرست نسخہ ہای خطی دانش گاہ، تہران، جلد ۱۳، دانشگاہ تہران۔

۱۱۶۔ درد، خواجہ میر: رسائل اربعہ درد، بھوپال، ۱۳۱۰ھ۔

۱۱۷۔ درگاہ، نواب ذوالقدر جنگ: مرقع دہلی با مقدمہ حکیم سید مظہر حسین، حیدرآباد دکن (س۔ن)۔

۱۱۸۔ دوست محمد قندھاری، حاجی: مکتوبات، جامع محمد عادل کاکڑی، ملتان، ۱۳۸۳ھ۔

۱۱۹۔ رافت، رؤف احمد مجددی: درالمعارف (ملفوظات حضرت شاہ غلام علی دہلوی)، استنبول، ۱۹۷۴ء۔

۱۲۰۔ رحمٰن علی، مولوی: تذکرہ علمای ہند، لکھنؤ، نالکشور، ۱۹۱۴ء۔

۱۲۱۔ رضا شعبانی (مرتب): ''حدیث نادرشاہی'' (مجموعہ پانچ مختصر معاصر اور غیر مطبوعہ رسائل دربارہ نادرشاہ یعنی مشتمل بر رسالہ احوال نادرشاہ، حادثہ نادرشاہی، فتح نامہ نادرشاہ، نامہ ہای منظوم احمد شاہ درانی و نادرشاہ بہ یکدیگر، رسالہ واقعہ خرابی نادرشاہ)، ایران، انتشارات دانشگاہ ملی، ۲۵۳۶ش۔

۱۲۲۔ رفعت جنگ، محمد بدرالدین خان: شجرہ آصفیہ، مرتبہ حکیم سید شمس اللہ قادری، حیدرآباد، دکن، ۱۹۳۸ء۔

۱۲۳۔ رفیع الدین دہلوی: دمغ الباطل (دررد کلمات الحق تالیف مولانا غلام یحییٰ بہاری)، مرتبہ عبدالحمید سواتی، گوجرانوالہ، ۱۹۷۶ء۔

۱۲۴۔ سجادی، سید جعفر: فرہنگ لغات و اصطلاحات و تعبیرات عرفانی، تہران، ۱۳۵۴خ۔

۱۲۵۔ سرور، میر محمد خان بہادر: عمدہ منتخبہ (تذکرہ شعراء)، مرتبہ خواجہ احمد فاروقی، دہلی یونیورسٹی، ۱۹۶۱ء۔

۱۲۶۔ سلیم، غلام حسین: ریاض السلاطین، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۹۱ء۔

۱۲۷۔ سیف الدین مجددی سرہندی، خواجہ: مکتوبات سیفیہ، طبع ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، کراچی (س۔ن)۔

۱۲۸۔ شفیق، پچھمی نرائن: شام غریبان (تذکرہ شعراء)، مرتبہ محمد اکبرالدین صدیقی، کراچی، ۱۹۷۷ء۔

۱۲۹۔ شورش، میر غلام حسین: تذکرہ شورش (شامل دو تذکرے) مرتبہ کلیم الدین احمد، پٹنہ ۱۹۵۹ء۔

۱۳۰۔ شوق، قدرت اللہ: طبقات الشعراء، مرتبہ نثار احمد فاروقی، لاہور ۱۹۶۸ء۔

۱۳۱۔ شیفتہ، غلام مصطفیٰ خان: گلشن بے خار، مطبع نولکشور ۱۸۷۴ء۔

۱۳۲۔ شیو داس لکھنوی: شاہ نامہ منور کلام مرتبہ حسن عسکری، پٹنہ ۱۹۶۸ء۔

۱۳۳۔ صبا، محمد مظفر حسین: روز روشن (تذکرہ شعراء)، تہران ۱۳۴۳خ۔

۱۳۴۔ طباطبائی، غلام حسین: سیر المتاخرین، کلکتہ ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء۔

۱۳۵۔ ظہور حسن: ارشاد المسترشدین، آگرہ، مطبع اکبری، ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء۔

۱۳۶۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، میرٹھ ۱۲۷۸ھ مطبع مجتبائی۔

۱۳۷۔ ایضاً: شرح سفر السعادت، لکھنؤ ۱۹۰۳ء۔

۱۳۸۔ ایضاً: قرع الاسماع باختلاف احوال المشائخ واقوالہم فی السماع۔ طبع برحاشیہ اخبار الاخیار، اشاعت مجتبائی (دہلی)۔

۱۳۹۔ عبدالرحمن سلہٹی: سیف الابرار، استنبول ۱۹۷۷ء۔

۱۴۰۔ عبدالعزیز دہلوی، شاہ: تحفہ اثنا عشریہ طبع ۱۲۶۹ھ۔

۱۴۱۔ عشقی: تذکرہ عشقی، مرتبہ کلیم الدین احمد (شامل دو تذکرے)، پٹنہ ۱۹۵۹ء۔

۱۴۲۔ عضد الدین محمد چشتی: مقاصد العارفین مرتبہ نثار احمد فاروقی، ٹونک ۱۹۸۴ء۔

۱۴۳۔ غجدوانی، خواجہ عبدالخالق: وصایا۔ مشمولہ مجموعۂ وصایا، مرتبہ نواب صدیق حسن خان، بھوپال۔

۱۴۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیا، لکھنؤ مطبع ثمر ہند ۱۸۷۳ء۔

۱۴۵۔ غلام علی دہلوی (مؤلف مقامات مظہری): ایضاح الطریقۃ، لاہور ۱۳۷۶ھ۔

۱۴۶۔ ایضاً: مکاتیب شریفہ، جامع شاہ رؤف احمد رافت مجددی، لاہور ۱۳۷۱ھ۔

۱۴۷۔ ایضاً رسائل سبعہ سیارہ، مطبع علوی ۱۲۸۴ھ۔

۱۴۸۔ غلام علی نقوی: عماد السعادت، لکھنؤ ۱۲۸۱ھ۔

۱۴۹۔ غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر (مرتب): لوائح خانقاہ مظہریہ (مجموعہ مکاتیب حضرت مظہر و مراسلت

مابین حضرات سلسلہ)' حیدرآباد' سندھ ۱۹۷۵ء۔

۱۵۰۔ غلام نبی للّٰہی: القول القوی فی ذکر الخفی والجلی' لاہور' مطبع محمدی' ۱۳۰۱ھ (شرح مکتوب حضرت مظہر نمبر ۱۱ در ذکر خفی وجلی)۔

۱۵۱۔ غلام محی الدین قصوری: ملفوظات شریف حضرت شاہ غلام علی دہلوی' تحقیق وتعلیق محمد اقبال مجددی' ترجمہ اقبال احمد فاروقی' مع متن' لاہور' ۱۹۷۸ء۔

۱۵۲۔ فراقی' کنور پریم کشور: وقائع عالم شاہی' مرتبہ امتیاز علی خان عرشی' رام پور' کتاب خانہ رضا' ۱۹۴۹ء۔

۱۵۳۔ فرید بھکری: ذخیرۃ الخوانین' مرتبہ معین الحق' ۳ جلد۔ کراچی' ۱۹۶۸۔۱۹۷۰ء۔

۱۵۴۔ فضل اللہ مجددی قندھاری: عمدۃ المقامات (حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ)' ٹنڈو سائیں داد' سندھ' ۱۳۵۵ھ۔

۱۵۵۔ قائم چاندپوری: مخزن نکات' مرتبہ اقتداء حسن' لاہور' ۱۹۶۶ء۔

۱۵۶۔ قانع' میر علی شیر: مقالات الشعراء (تراجم شعرائے سندھ)' مرتبہ حسام الدین راشدی' حیدرآباد' سندھ' سندھی ادبی بورڈ' ۱۹۵۷ء۔

۱۵۷۔ ایضاً: تحفۃ الکرام' طبع بمبئی' ۱۳۰۴ھ' وجلد سوم حصہ اول' مرتبہ حسام الدین راشدی' حیدرآباد' سندھ' سندھی ادبی بورڈ' ۱۹۷۱ء۔

۱۵۸۔ قشیری' امام ابوالقاسم: رسالہ قشیریہ' شرح از خواجہ گیسودراز' گلبرگہ' ۱۳۶۱ھ۔

۱۵۹۔ کاشانی' عزالدین محمود بن علی: مصباح الہدایہ ومفتاح الکفایہ' مرتبہ جلال الدین ہمائی' تہران' ۱۳۲۲خ۔

۱۶۰۔ کاشفی' فخرالدین علی: رشحات عین الحیات' مطبع نولکشور' ۱۹۱۲ء۔

۱۶۱۔ کامورخان' محمد ہادی: تذکرۃ السلاطین چغتا' مرتبہ مظفر عالم' بمبئی' ۱۹۸۰ء۔

۱۶۲۔ گردیزی' فتح علی حسینی: تذکرہ ریختہ گویان' مرتبہ عبدالحق' اورنگ آباد' ۱۹۳۳ء۔

۱۶۳۔ قاسم' قدرت اللہ: مجموعہ نغز' مرتبہ حافظ محمود شیرانی' طبع لاہور' دانشگاہ پنجاب' ۱۹۳۳ء۔

۱۶۴۔ قمرالدین نقشبندی اورنگ آبادی: نورالطہور' حیدرآباد دکن' مطبع انصاریہ' (س۔ن)۔

۱۶۵۔ قندھاری، حاجی محمد عارف: تاریخ اکبری، مرتبین اظہر علی، حاجی معین الدین، امتیاز علی عرشی، رام پور ۱۹۶۲ء۔

* ___ قندھاری، دوست محمد، حاجی = دوست محمد قندھاری، حاجی۔

۱۶۶۔ گوپاموی، قدرت اللہ: نتائج الافکار، بمبئی، ۱۳۳۶خ۔

۱۶۷۔ گیسودراز، محمد حسینی: خاتمہ (ترجمہ وشرح آداب المریدین)، گلبرگہ ۱۳۵۷ھ۔

۱۶۸۔ لاری، ملا عبدالغفور: تکملہ نفحات الانس، کابل، ۱۳۴۳خ۔

۱۶۹۔ مبتلا، مردان علی خان: گلشن سخن، مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب، علی گڑھ ۱۹۶۵ء۔

۱۷۰۔ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی: مکتوبات، تین جلد، مصحح نور احمد امرتسری، کراچی ۱۳۹۲ھ۔

۱۷۱۔ ایضاً: مکاشفات عینیہ مجددیہ، طابع غلام مصطفیٰ خان، کراچی ۱۹۶۵ء۔

۱۷۲۔ ایضاً: معارف لدنیہ، بجنور ۱۳۵۱ھ۔

۱۷۳۔ ایضاً: مبداء و معاد، لاہور ۱۳۷۶ھ۔

۱۷۴۔ ایضاً: رد روافض، مرتبہ غلام مصطفیٰ خان، استانبول ۱۹۷۷ء۔

۱۷۵۔ ایضاً: رسالہ تہلیلیہ، مرتبہ غلام مصطفیٰ خان، کراچی (س۔ن)۔

۱۷۶۔ ایضاً: اثبات النبوۃ، مرتب غلام مصطفیٰ خان، استانبول ۱۹۷۴ء۔

۱۷۷۔ محب اللہ الہ آبادی: تسویہ مع شرح از حضرات قلندریہ، طبع خانقاہ کاکوری۔

۱۷۸۔ محمد اعظم دیدہ مری: تاریخ کشمیر اعظمی، مقبوضہ کشمیر ۱۳۵۵ھ۔

۱۷۹۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار (حالات مشائخ چشتیہ صابریہ)، لاہور ۱۸۹۵ء۔

۱۸۰۔ محمد باقر لاہوری، مفتی: کنز الہدایات، مرتبہ نور احمد امرتسری، امرتسر ۱۳۳۵ھ۔

۱۸۱۔ محمد پارسا بخاری، خواجہ: فصل الخطاب، تاشقند ۱۳۳۱ھ۔

۱۸۲۔ ایضاً: تحقیقات (تحفۃ السالکین)، دہلی، افغانی دارالکتب ۱۳۹۱ھ۔

۱۸۳۔ ایضاً: رسالہ قدسیہ (ملفوظات حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری)، مرتبہ احمد طاہری عراقی، تہران ۱۹۷۵ء، وطبع دیگر مرتبہ ملک محمد اقبال، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ۱۹۷۵ء۔

۱۸۴۔ محمد حسن جان مجددی: انساب الانجاب (انساب اولاد حضرت مجدد)، ٹنڈو سائیں داد، سندھ

۱۳۴۰ھ۔

۱۸۵۔ محمد حسین مراد آباد: انوار العارفین، بریلی، ۱۲۹۰ھ۔

۱۸۶۔ محمد عالم صدیقی علوی: لمحات من نفحات القدس (حالات مشائخ نقشبندیہ)، تاشقند، ۱۳۲۷ھ۔

۱۸۷۔ شاہ محمد غوث لاہوری: ''رسالہ در کسب سلوک و بیان معرفت''، پشاور، ۱۲۸۳ھ۔

۱۸۸۔ محمد مظہر مجددی: مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ، دہلی، اکمل المطابع ۱۲۸۴ھ۔

۱۸۹۔ محمد معصوم سرہندی بن حضرت مجدد: مکتوبات، مرتبہ جلد اول و دوم غلام مصطفیٰ خان و مرتب جلد سوم نور احمد امرتسری، حیدر آباد سندھ، ۱۹۷۶ء۔

۱۹۰۔ ایضاً: حسنات الحرمین (ملفوظات و مکاشفات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی)، جامع خواجہ عبید اللہ، مرتبہ محمد اقبال مجددی، موسیٰ زئی، پاکستان، ۱۹۸۱ء۔

۱۹۱۔ محمد نظام الدین قادری: عقیدۃ الطالبین (در حالات شاہ رحمت اللہ نقشبندی، ف ۱۱۹۵ھ)، حیدر آباد، دکن، ۱۳۲۵ھ۔

۱۹۲۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، نولکشور، ۱۳۰۷ھ۔

۱۹۳۔ محمود: ملفوظات نقشبندیہ (ملفوظات بابا شاہ مسافر اورنگ آبادی، ف ۱۱۲۶ھ)، اورنگ آباد، ۱۳۵۲ھ۔

۱۹۴۔ مخلص، انند رام: بدائع وقائع (مشمولہ مقالات مولوی محمد شفیع جلد پنجم) لاہور۔

۱۹۵۔ ایضاً: سفرنامہ مخلص مرتبہ سید اظہر علی، رام پور، ۱۹۴۶ء۔

۱۹۶۔ ایضاً: مرقع مخلص مرتبہ عبادت بریلوی، مشمولہ اورنٹیل کالج میگزین لاہور، ج ۵۱۔ ش ۱۰۰۔ ۱۰۱، مارچ۔ جون ۱۹۷۵ء۔

۱۹۷۔ مست، ذوالفقار علی: ریاض الوفاق، تلخیص از عبدالرسول خیام پور، تبریز، ۱۳۴۳ خ۔

۱۹۸۔ مصحفی: تذکرہ ہندی، مرتبہ عبدالحق، اورنگ آبادی، ۱۹۳۳ء۔

۱۹۹۔ ایضاً: ریاض الفصحاء، مرتبہ عبدالحق، اورنگ آباد، ۱۹۳۴ء۔

۲۰۰۔ ایضاً: عقد ثریا، مرتبہ عبدالحق، کراچی، ۱۹۷۸ء۔

۲۰۱۔ مظہر جان جاناں شہید: دیوان مع خریطہ جواہر، کانپور، مطبع مصطفائی، ۱۲۷۱ھ۔

۲۰۲۔ ایضاً: رقعات کرامت سعادت شمس الدین حبیب اللہ مظہر' کول' مطبع فتح الاخبار' ۱۲۷۱ھ۔

۲۰۳۔ ایضاً: مکاتیب میرزا مظہر' مرتبہ عبدالرزاق قریشی' بمبئی' ۱۹۶۶ء۔

۲۰۴۔ ایضاً: مکاتیب (شامل کلمات طیبات)' دہلی' مجتبائی' ۱۳۰۹ھ۔

۲۰۵۔ ایضاً: لوائح خانقاہ مظہریہ (مجموعہ مکتوبات حضرت مظہر و مکاتبت مابین حضرات سلسلہ)

۲۰۶۔ مہیند خت معتمدی: مولانا خالد نقشبندی و پیروان طریقت او' تہران' ۱۳۶۸ش۔

۲۰۷۔ میر تقی میر: نکات الشعراء' اورنگ آباد' ۱۹۳۵ء۔

۲۰۸۔ ایضاً: ذکر میر' تحقیق و ترجمہ نثار احمد فاروقی' لاہور' ۱۹۹۶ء۔

۲۰۹۔ نامعلوم: تاریخ عالمگیر ثانی' مرتب علی عباس حسینی' (حصہ اول بطور مقالہ شامل جرنل پنجاب یونیورسٹی ہسٹاریکل سوسائٹی' لاہور' جلد ۱۹' جنوری۔ اپریل ۱۹۶۶ء)۔

۲۱۰۔ نامعلوم: جنگ نامہ احمد شاہ درانی' (درانی کے پہلے حملہ لاہور کی روداد' منظوم فارسی)' مرتبہ محمد اقبال مجددی' شامل مجلہ تحقیق' پنجاب یونیورسٹی' لاہور' ج ۲۔ ش ۲۔

۲۱۱۔ نظام الدین سہالوی: مناقب رزاقیہ (درحالات شاہ عبدالرزاق بانسوی) لکھنؤ' ۱۳۱۳ھ۔

۲۱۲۔ نظام الدین احمد بخشی: طبقات اکبری' کلکتہ' ایشیاٹک سوسائٹی' ۱۹۱۳۔ ۱۹۳۱ء' ۳ جلد۔

۲۱۳۔ نظام الدین بلخی مزاری: تحفۃ المرشد (درحالات حاجی فضل احمد معصومی پشاوری)' لاہور' ۱۹۱۲ء۔

۲۱۴۔ نظام' عماد الملک غازی الدین خان: مناقب فخریہ (حالات و ملفوظات حضرت شاہ فخر دہلوی)' دہلی' مطبع احمدی' ۱۴۱۵ھ۔

۲۱۵۔ نظامی' خلیق احمد: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' (فارسی مع اردو ترجمہ)' دہلی' ندوۃ المصنفین' ۱۹۶۹ء۔

۲۱۶۔ نعیم اللہ بہرائچی: انفاس الاکابر وانوار الضمائر' لکھنؤ' مطبع اسدی' ۱۲۹۱ھ۔

۲۱۷۔ ایضاً: معمولات مظہریہ' کانپور' مطبع نظامی ۱۲۷۵ھ وطبع دوم' ۱۲۸۴ھ' ولاہور' مطبع گلزار محمدی ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء۔

۲۱۸۔ نورالدین حسین فخری فخر الطالبین (حالات وملفوظات شاہ فخر جہان دہلوی)' دہلی' ۱۳۱۵ھ۔

۲۱۹۔ نور محمد' قاضی: جنگ نامہ (درانی کے ساتویں حملہ ہند کے واقعات) مرتبہ گنڈا سنگھ' امرتسر'

۱۹۳۹ء۔

۲۲۰۔ وارد، محمد شفیع تہرانی: تاریخ نادر شاہی (نادر نامہ)، مرتبہ رضا شعبانی، تہران، ۱۳۴۹خ۔

۲۲۱۔ وحدت، عبدالاحد: گلشن وحدت (مکتوبات حضرت وحدت) جامع شیخ محمد مراد ننگ کشمیری، مرتبہ عبداللہ جان فاروقی، کراچی، ۱۹۶۶ء۔

۲۲۲۔ وکیل احمد سکندر پوری: ہدیہ مجددیہ (رد اعتراضات حضرت شیخ عبدالحق بر حضرت مجدد)، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۰۹ھ۔

۲۲۳۔ ایضاً: انوار احمدیہ، دہلی، مجتبائی، ۱۳۰۹ھ۔

۲۲۴۔ وکیلی، عزیز الدین فوفلزئی: تیمور شاہ درانی، طبع دوم، دو جلد، کابل، ۱۳۴۶خ۔

۲۲۵۔ ولی اللہ دہلوی، شاہ: الطاف القدس، مرتبہ عبدالحمید سواتی، گوجرانوالہ، ۱۹۶۴ء، واردو ترجمہ فاروق القادری، لاہور، ۱۹۷۵ء۔

۲۲۶۔ ایضاً: انفاس العارفین، دہلی، مجتبائی، ۱۳۳۵ھ۔

۲۲۷۔ ہندی، بھگوان داس: سفینہ ہندی (تذکرہ شعرای فارسی)، مرتبہ عطاء الرحمٰن کاکوی، پٹنہ، ۱۹۵۸ء۔

۲۲۸۔ یکتا، احمد علی: دستور الفصاحت، مرتب امتیاز علی خان عرشی، رام پور، ۱۹۴۳ء۔

۲۲۹۔ جعفر زٹلی: کلیات، مرتبہ نعیم احمد، علی گڑھ، ۱۹۷۹ء۔

مطبوعات اردو

۲۳۰۔ آزاد، محمد حسین: آب حیات، طبع لاہور۔

۲۳۱۔ آفتاب، شاہ عالم ثانی: نادرات شاہی (آفتاب کا اردو، فارسی، ہندی کلام) مرتبہ امتیاز علی عرشی، رام پور، ۱۹۴۴ء۔

۲۳۲۔ ابوالحسن، سید: آئینہ اودھ، کانپور، مطبع نظامی، ۱۳۰۵ھ۔

۲۳۳۔ ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید، جلد اول، طبع لاہور، (س۔ن)۔

۲۳۴۔ ایضاً: تذکرہ شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، لکھنؤ، ندوۃ العلماء، ۱۳۷۷ھ۔

۲۳۵۔ ایضاً: تاریخ دعوت و عزیمت، جلد چہارم (حالات و کمالات حضرت مجدد الف ثانی) کراچی، ۱۹۸۰ء۔

۲۳۶۔ ابوالبیان محمد داؤد امرتسری: سیرت غوث الاعظم، موسیٰ زئی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، ۱۹۷۹ء۔

۲۳۷۔ ابوزہرہ مصری: حیات امام احمد بن حنبل، اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری، لاہور، ۱۹۶۱ء۔

۲۳۸۔ احمد خان، سرسید: آثار الصنادید، دہلی، ۱۹۶۵ء۔

۲۳۹۔ احمد رضا خان بریلوی: حرمت سجدہ تعظیمی، لاہور، ۱۹۷۷ء۔

۲۴۰۔ ایضاً: الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی، لاہور، ۱۳۲۵ھ۔

۲۴۱۔ ادریس احمد: سرہند میں فارسی ادب، دہلی، ۱۹۸۸ء۔

۲۴۲۔ ادیب، مسعود حسن رضوی: آب حیات کا تنقیدی مطالعہ، لکھنؤ، ۱۹۶۴ء۔

۲۴۳۔ اقبال احمد: تاریخ شیراز ہند جونپور، جونپور، ۱۹۶۳ء۔

۲۴۴۔ اکبر شاہ خان نجیب آباد: ''جنگ پانی پت'' مقالہ مشمولہ رسالہ عبرت، نجیب آباد، مئی ۱۹۱۶ء۔

۲۴۵۔ اکرام چغتائی، محمد: ''فتوحات مکیہ'' مقالہ، مشمولہ رسالہ ''معاصر'' لاہور، شمارہ اول، ۱۹۷۹ء۔

۲۴۶۔ الطاف علی بریلوی: حیات حافظ رحمت خان، کراچی، ۱۹۶۳ء۔

* ___ انجم = خلیق انجم۔

۲۴۷۔ بحر العلوم، ملا عبد العلی: وحدت الوجود (رسالہ)، ترجمہ و حواشی زید ابوالحسن فاروقی، دہلی، ۱۹۷۱ء۔

۲۴۸۔ البیرونی، ابوریحان: کتاب الہند، اردو ترجمہ از اصغر علی، دہلی، (دو جلد) ۱۹۴۱۔۱۹۴۲ء۔

۲۴۹۔ پولیر: شاہ عالم ثانی کے عہد کا دہلی دربار ترجمہ از نصیب اختر، کراچی، ۱۹۶۷ء۔

۲۵۰۔ تاباں، عبد الحی: دیوان تاباں، مرتبہ عبد الحق، اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء۔

۲۵۱۔ تصوف برصغیر میں (تصوف کے نادر مخطوطات پر جنوبی ایشیائی سیمینار منعقدہ ۱۹۸۵ء علی گڑھ)، پٹنہ: خدا بخش لائبریری، ۱۹۹۲ء۔

۲۵۲۔ تبارک علی: مرزا مظہر جان جاناں، افکار عہد اور اردو شاعری، دہلی، ۱۹۸۸ء۔

۲۵۳۔ ثناء اللہ پانی پتی، قاضی: السیف المسلول، اردو ترجمہ از محمد رفیق اثری، ملتان، ۱۹۷۹ء۔

۲۵۴۔ جمیل، محمد خاور: شاہ عالم ثانی آفتاب (احوال و ادبی خدمات) لاہور، ۱۹۹۷ء۔

۲۵۵۔ جہلمی، فقیر محمد: حدائق الحنفیہ، مطبع نولکشور، ۱۹۰۶ء۔

۲۵۶۔ جہاندار شاہ: دیوان مرتبہ وحید قریشی۔ لاہور۔

۲۵۷۔ حالی‘ الطاف حسین: حیات جاوید‘ کانپور‘ ۱۹۰۱ء۔
۲۵۸۔ خباز‘ ملا حسین کشمیری: ہشت شرائط خواجگان نقشبندیہ‘ لاہور‘ (س۔ن) اردو ترجمہ۔
۲۵۹۔ خلیق انجم: مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط‘ دہلی‘ مکتبہ برہان‘ ۱۹۶۲ء۔
۲۶۰۔ ایضاً: مرزا محمد رفیع سودا‘ علی گڑھ‘ ۱۹۶۶ء۔
*___ خلیق احمد نظامی = نظامی‘ خلیق احمد۔
۲۶۱۔ خورشید حسن بجنوری: مخزن برکت (حالات شیخ پیر محمد لکھنوی ف ۱۰۸۵)‘ لکھنؤ ۱۳۰۹ھ۔
۲۶۲۔ درد‘ خواجہ میر: دیوان درد (اردو)‘ مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی‘ لاہور‘ ۱۹۶۲ء۔
۲۶۳۔ ذکاء اللہ دہلوی: تاریخ ہندوستان‘ جلد نہم‘ علی گڑھ‘ ۱۹۱۹ء۔
۲۶۴۔ ذوالفقار‘ غلام حسین: اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر‘ لاہور‘ پنجاب یونیورسٹی‘ ۱۹۶۶ء۔
۲۶۵۔ ذوقی‘ سید محمد شاہ: سردلبراں (اصطلاحات تصوف)‘ کراچی‘ ۱۹۸۰ء۔
۲۶۶۔ رافت‘ رؤف احمد مجددی: جواہر علویہ (حالات مشائخ نقشبندیہ خصوصاً حضرت شاہ غلام علی دہلوی)‘ لاہور‘ ۱۹۱۹ء۔
۲۶۷۔ رحمٰن علی‘ مولوی: تذکرہ علمائے ہند‘ ترجمہ و تحقیق محمد ایوب قادری‘ کراچی‘ ۱۹۶۱ء۔
۲۶۸۔ رفیع الدین مرادآبادی: سفرنامۂ حجاز‘ ترجمہ از نسیم احمد فریدی‘ لکھنؤ‘ مکتبہ الفرقان‘ ۱۳۸۰ھ۔
۲۶۹۔ زید‘ ابوالحسن فاروقی: حضرت مجدد اور ان کے ناقدین‘ دہلی‘ ۱۹۷۷ء۔
۲۷۰۔ ایضاً: مقامات خیر (حالات حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی)‘ دہلی‘ ۱۳۹۲ھ۔
۲۷۱۔ ایضاً: ہندوستانی قدیم مذاہب اور میرزا مظہر‘ دہلی ۱۹۹۰ء۔
۲۷۲۔ سراج احمد خان: ”مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کی دینی و معاشرتی اہمیت“ حیدرآباد‘ سندھ ۱۹۷۷ء۔
۲۷۳۔ سعید احمد اکبرآبادی: صدیق اکبر‘ دہلی‘ ندوۃ المصنفین‘ ۱۹۵۷ء۔
سلیم حامد رضوی: اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ‘ بھوپال‘ ۱۹۶۵ء۔
۲۷۴۔ سلیمان ندوی‘ سید: سیرت عائشہ‘ اعظم گڑھ‘ ۱۹۵۳ء۔
○...... سلیمانی‘ مظفر حسین: گنجینۂ سلیمانی (حالات حکیم فرزند علی شاہ آبادی)‘ علی گڑھ ۱۹۲۷ء

۲۷۵۔ شبلی نعمانی: مقالات شبلی، جلد پنجم، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۵۵ء۔

۲۷۶۔ ایضاً: سفرنامہ روم ومصر وشام، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۴۰ء۔

۲۷۷۔ شبیر شاہ: انوار محی الدین (درحالات حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری)، لائل پور، ۱۹۶۶ء۔

۲۷۸۔ شمس تبریز خان: تاریخ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء۔

۲۷۹۔ شوق، احمد علی رام پوری: تذکرہ کاملان رام پور، دہلی، ۱۹۲۹ء۔

۲۸۰۔ شیرانی، حافظ محمود خان: پنجاب میں اردو، لاہور (س۔ن)۔

۲۸۱۔ صباح الدین عبدالرحمٰن: ''ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر''، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۶۴ء۔

۲۸۲۔ صمصام الدولہ شاہ نواز خان: مآثر الامراء، ترجمہ از محمد ایوب قادری، تین جلد، لاہور، ۱۹۶۸۔ ۱۹۷۰ء۔

۲۸۳۔ ضیاء، محمد یعقوب: اکمل التاریخ، (رجال واعیان بدایوں)، بدایوں، مطبع قادری، ۱۳۳۳ھ۔

۲۸۴۔ طرب، رحیم الدین احمد دہلوی: مخزن حقیقت (ترجمہ معمولات مظہریہ) دہلی، رضوی پریس، ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء۔

۲۸۵۔ عارف، محمود الحسن: تذکرہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی۔ لاہور، ۱۹۹۵ء۔

۲۸۶۔ عبادت بریلوی: مرزا مظہر جان جاناں، مقالہ مشمولہ اورینٹل کالج میگزین، اگست، ۱۹۵۹ء۔

۲۸۷۔ عبدالاول جونپوری: مفید المفتی، لکھنؤ، مطبع آسی، ۱۳۲۶ھ۔

۲۸۸۔ عبدالحق: ''اردو شاعری میں ایہام گوئی'' مقالہ مشمولہ ''مجموعہ تحقیقات علمیہ'' جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، جلد دوم، ۱۹۳۴ء۔

۲۸۹۔ عبدالحی حسنی: اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند کا ترجمہ)، مترجم ابوالعرفان ندوی، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۷۰ء۔

۲۹۰۔ ایضاً: دہلی اور اس کے اطراف، دہلی، ۱۹۵۸ء۔

۲۹۱۔ عبدالستار، قاضی: اردو شاعری میں قنوطیت، (۱۹۵۸ء) علی گڑھ، (س۔ن)۔

۲۹۲۔ عبدالعزیز دہلوی، شاہ: فیصلہ شاہ صاحب دہلوی (دربارہ وحدت الوجود) ترجمہ از مشتاق احمد

انیٹھوی' (مع متن)' حیدرآباد دکن' (س۔ن)۔

۲۹۳۔ ایضاً: ملفوظات عزیزی' ترجمہ محمد علی لطفی' کراچی' ایجوکیشنل پبلشرز' ۱۹۶۰ء۔

۲۹۴۔ عبدالقادر رام پوری: علم و عمل' ترجمہ معین الدین افضل گڑھی' مرتبہ محمد ایوب قادری' کراچی' ۱۹۶۱ء۔

۲۹۵۔ غلام سرور لاہوری' مفتی: حدیقۃ الاولیاء (حالات اولیائے پنجاب) تحقیق و حواشی محمد اقبال مجددی' لاہور' ۱۹۷۶ء۔

۲۹۶۔ غلام مصطفیٰ خان: حضرت مجدد الف ثانی......ایک تحقیقی جائزہ' حیدرآباد' سندھ' ۱۹۶۵ء۔

۲۹۷۔ غلام مصطفیٰ خان: چند فارسی شعراء' حیدرآباد' سندھ ۱۹۸۹ء۔

۲۹۸۔ ایضاً: سراج البیان' کراچی' ۱۹۹۲ء۔

۲۹۹۔ فریدی' محمد عالم: مزارات اولیائے دہلی' طبع دوم' دہلی' ۱۳۴۶ھ۔

۳۰۰۔ فریدی' نسیم احمد امروہوی: تجلیات ربانی' تلخیص مکتوبات امام ربانی' موسیٰ زئی' ضلع ڈیرہ اسماعیل خان' ۱۹۷۸ء۔

۳۰۱۔ ایضاً: خواجہ باقی باللہ اور صاحب زادگان وخلفاء' لکھنؤ' مکتبہ الفرقان' ۱۹۷۸ء۔

۳۰۲۔ ایضاً: قافلۂ اہل دل (سوانح شاہ غلام علی دہلوی)' لکھنؤ' ۱۹۸۹ء۔

۳۰۳۔ قدیر احمد: خواجہ میر درد (ذکر و فکر)' دہلی' ۱۹۶۴ء۔

۳۰۴۔ قدوائی' صدیق الرحمٰن: ماسٹر رام چندر' دہلی' ۱۹۶۱ء۔

۳۰۵۔ قریشی' عبدالرزاق: میرزا مظہر جان جاناں اور ان کا اردو کلام' بمبئی' ۱۹۶۱ء' طبع ثانی' اعظم گڑھ' دارالمصنفین' ۱۹۷۹ء۔

۳۰۶۔ ایضاً: بشارات مظہریہ' تعارفی مقالہ' مشمولہ معارف' اعظم گڑھ' دارالمصنفین' مئی ۱۹۶۸ء۔

۳۰۷۔ قمر' نصر اللہ خان خویشگی: گلشن ہمیشہ بہار (تذکرۂ شعراء)' مرتبہ اسلم فرخی' کراچی' ۱۹۶۷ء۔

۳۰۸۔ قیصر' محمود حسن' فہرست مخطوطات ذخیرہ احسن مارہروی' مخزونہ مولانا آزاد لائبریری' مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ' ۱۹۸۳ء۔

۳۰۹۔ کریم الدین: طبقات الشعراء (طبقہ سوم) مرتبہ عطاء الرحمٰن کاکوی' پٹنہ' ۱۹۶۷ء۔

۳۱۰۔ کوکن' محمد یوسف عمری: خانوادہ قاضی بدرالدولہ' مدراس' ۱۹۶۱ء۔

۳۱۱۔ کیپن' ایچ۔ ٹی: ماڈھو جی سندھیا' ترجمہ از محمد عبدالسلام' جامعہ عثمانیہ' حیدرآباد دکن' ۱۹۲۳ء۔

۳۱۲۔ گل حسن: تذکرہ غوثیہ (حالات وملفوظات سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی)' لاہور' (س۔ن)۔

۳۱۳۔ لطف' میرزا علی: گلشن ہند مرتبہ شبلی نعمانی و عبدالحق' حیدرآباد دکن' ۱۹۰۶ء۔

۳۱۴۔ محمد احسان' کمال الدین ابوالفیض: روضۃ القیومیہ (حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ)' لاہور' ۱۳۳۵ھ۔

۳۱۵۔ محمد اسلم پسروری: فرحت الناظرین (باب تراجم اعیان) ترجمہ از محمد ایوب قادری' کراچی' ۱۹۷۲ء۔

۳۱۶۔ محمد اشرف نقوی: اختر شہنشاہی (مطابع و اخبارات ہند کی تاریخ)' لکھنؤ' ۱۸۸۸ء۔

۳۱۷۔ محمد اقبال' علامہ ڈاکٹر: مکتوبات اقبال' مرتبہ نذیر نیازی' لاہور' ۱۹۵۷ء۔

۳۱۸۔ محمد اقبال مجددی' احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری' لاہور' ۱۹۷۲ء۔

۳۱۹۔ ایضاً: ''حضرت مجدد کے دفاع میں لکھی جانے والی کتابیں'' مقالہ مشمولہ' نور اسلام' حضرت مجدد نمبر' شرق پور۔

۳۲۰۔ ایضاً: شیخ محمد مراد تنگ نقشبندی کشمیری' مقالہ مشمولہ' نور اسلام ''اولیائے نقشبند نمبر'' شرقپور' ۱۹۷۹ء۔

۳۲۱۔ محمد اکرام' شیخ: رود کوثر' لاہور' ۱۹۷۰ء۔

۳۲۲۔ محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء' کراچی' ۱۹۷۶ء۔

۳۲۳۔ محمد حسن' خلیفہ' سید: تاریخ پٹیالہ' امرتسر' ۱۸۷۸ء۔

۳۲۴۔ محمد حیات سندھی: الایقاف علی سبب الاختلاف' مع ترجمہ محمد حسین بٹالوی' لاہور' ۱۹۵۹ء۔

۳۲۵۔ محمد ظفر الدین: تعارف مخطوطات کتب خانہ دارالعلوم دیوبند' جلد دوم' ۱۹۷۳ء۔

۳۲۶۔ محمد عمر: ''ہندو تہذیب اور مسلمان'' مقالہ مشمولہ برہان' دہلی' ندوۃ المصنفین' ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۰ء (بالاقساط)۔

۳۲۷۔ ایضاً: ''میر کا سیاسی وسماجی ماحول'' مقالہ مشمولہ برہان' ۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۰ء (بالاقساط)۔

۳۲۸۔ ایضاً: اٹھارھویں صدی میں ہندوستانی معاشرت (میر کا عہد)۔ دہلی' ۱۹۷۳ء۔
۳۲۹۔ محمد قطب الدین و محمد خلیل الرحمن: احوال العارفین (حالات شاہ سعد اللہ نقشبندی)' حیدر آباد دکن' ۱۳۱۷ھ۔
۳۳۰۔ محمد قمر الدین: احوال و افکار و آثار عماد الملک نظام' بھاگلپور' ۱۹۸۵ء۔
۳۳۱۔ محمد محبوب جنیدی: حیات آصف (نظام الملک آصف جاہ اول)' حیدر آباد دکن' ۱۳۶۵ھ۔
۳۳۲۔ محمد معصوم رام پوری: ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین' رام پور' مطبع مظہر العلوم' ۱۳۰۸ھ۔
۳۳۳۔ محمد معظم عباسی' خلیفہ: جنگ نامہ آصف الدولہ و نواب رام پور (۱۷۹۴ء)' مرتبہ محمد ایوب قادری' کراچی' ۱۹۸۰ء۔
۳۳۴۔ محمد ہاشم خوندوی: مناقب الحسن رسول نما (ترجمہ فوائح العرفان) از عمر بخش' لاہور' ۱۹۲۱ء۔
۳۳۵۔ مسعود انور علوی کاکوروی: دو معاصرین (شاہ ولی اللہ و حضرت مظہر) کے باہمی روابط' مقالہ مشمولہ برہان دہلی۔ مارچ ۱۹۸۴ء۔
۳۳۶۔ مراد اللہ عرف غلام کاکی: تفسیر مرادیہ' بمبئی' ۱۲۷۱ھ۔
۳۳۷۔ معین الدین ندوی' شاہ: تاریخ اسلام' جلد اول' اعظم گڑھ' دار المصنفین' ۱۹۶۶ء۔
۳۳۸۔ ملکاپوری' عبدالجبار: محبوب الزمن (تذکرہ شعرای دکن)' حیدر آباد دکن' ۱۳۲۹ھ۔
۳۳۹۔ مناظر احسن گیلانی: "حضرت شاہ ولی اللہ" مقالہ مشمولہ الفرقان' شاہ ولی اللہ نمبر' لکھنؤ' ۱۹۴۱ء۔
۳۴۰۔ منظور الحق صدیقی: مآثر الاجداد' لاہور' ۱۹۶۴ء۔
۳۴۱۔ ناصر' سعادت خان: تذکرہ خوش معرکہ زیبا' مرتبہ مشفق خواجہ' ۲ جلد' لاہور' ۱۹۷۰ء۔
۳۴۲۔ نجم الاسلام (مرتب): مکتوبات بہرائچ (مشمولہ تحقیق' حیدر آباد سندھ' شمارہ ۶' ۱۹۹۲ء)
۳۴۳۔ نجم الغنی رام پوری: تذکرۃ السلوک' مراد آباد' ۱۳۱۸ھ۔
۳۴۴۔ نساخ' عبدالغفور: سخن شعراء' نولکشور' ۱۲۹۱ھ۔
*___ نسیم احمد فریدی = فریدی' نسیم احمد امروہوی۔
۳۴۵۔ نظامی' خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت' جلد چہارم' (طبع عکسی لاہور ۱۹۷۵ء)' جلد اول' طبع دہلی' ۱۹۸۰ء۔

۳۴۶۔ ایضاً: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دہلی ۱۹۵۴ء۔

۳۴۷۔ ایضاً: تاریخی مقالات، دہلی ۱۹۶۶ء۔

۳۴۸۔ ایضاً: اوراق مصور (عہد وسطیٰ کی دہلی)، دہلی، دہلی یونیورسٹی ۱۹۷۲ء۔

۳۴۹۔ نورالحسن انصاری: فارسی ادب بعہد اورنگ زیب، دہلی ۱۹۶۹ء۔

۳۵۰۔ وحید اختر: میر درد (تصوف وشاعری)، علی گڑھ ۱۹۷۱ء۔

۳۵۱۔ وحید، واحد علی: پشت نامہ ہنسوہ، بہرائچ ۱۹۲۹ء۔

۳۵۲۔ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ: انصاف ترجمہ باسم ''کشاف'' از محمد احسن نانوتوی، دہلی ۱۹۰۹ء۔

۳۵۳۔ ایضاً: شفاء العلیل، ترجمہ قول الجمیل، مطبع احمدی (س۔ن)۔

۳۵۴۔ ولی اللہ دہلوی، شاہ: نادر مکتوبات، ترجمہ نسیم احمد فریدی، لاہور ۱۹۹۹ء۔

۳۵۵۔ ولی اللہ فرخ آبادی: عہد بنگش، ترجمہ شریف الزمان شریف، مرتبہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۵ء۔

مطبوعات انگریزی

356- Abdul Majid Khan: The Transition in Bengal (1756-75, A study of Saiyid Muhammad Reza Khan), Cambridge, 1969.

357- Arshi, Imtiaz Ali: Catalogue of Arabic Manuscripts in Raza Library Rampur, Rampur, 6 vols. 1963-77.

358- Ashraf, K. M: Life and Conditions of the People of Hindustan, Dehli, 1970.

359- Basham, A. L, (ed): Cultural History of India, Oxford, 1975.

360- Bernier, F: Travels in the Mughal Empire London, 1891.

361- Buckland, C. E: Dictionary of Indian Biography, Lahorre, 1975.

362- Buehler, A. F: Sufi Heirs of the Prophet (The Indian Naqshbandiyya and the Rise of the Mediating Sufi Shaykh),

Columbia, University of South Carolina Press, 1998.

363- Calender of Persian Correspondence, X vols. Calcutta, Dehli, 1911-59.

364- Cambridge History of India, vol. v. (ed) Dodwell, Cambridge, 1929.

365- Chandra, Satish: Parties and Politics at the Mughal Court, (1707-1740), Aligarh, 1959.

366- Ibid: Medieval India, Society, The Jagirdari Crisis and the Village, Dehli, 1982.

367- Chatterji, Nandalal: Mir Qasim, Allahabad, 1935.

368- Datta, K: Alivardi and his times, Calcutta, 1939.

369- Dwivedi, g.c: The Jats (Their Role in Mughal Empire), Dehli, 1989.

370- Dodwell, H: Dupleix and Clive, London, 1920.

371- Duff, J.: History of the Marhathas, Calcutta, 1912.

372- Eaton, Richard, M: Sufis of Bijapur, Princeton, 1978.

373- Edwards, Michael: King of the World (Life and Times of Shah Alam II.), London, 1970.

374- Elliot and Dowson: History of India as told by its own Historians, 8 vols. Lahore, 1976. (rept.).

375- Ethe, H: Catalogue of Persian Manuscripts in the Library of India Office, 2 vols. Oxford, 1903-37.

376- Fakhri, Nuruddin Hussain: An Accout of Najibuddaulah,

(trans) Sh. Abdur Rashid, Aligarh, 1952.

377- Fisher, M: Indirect Rule in India (1764-1858), Delhi, 1991.

378- Floor, W: Dutch East India Company (Voc) and Diewel Sind, Karachi, 1994.

379- Forrest, G. Life of Lord Clive, London, 1918.

380- Franklin, W: The History of the Reign of Shah Aulum, London, 1798.

381- Friedmann, Yohanan: Shaykh Ahmad Sirhindi, (An outline of his Thought and Study of his image in the eyes of Posterity). Montreal, McGill University, 1971.

382- Ibid: Medieval Muslim Views of Indian Religions, Journal of American Oriental Society, vol. 95, No.2(1975).

383- Fauja Singh (ed.): Sirhind Through the Ages, Patiala, Punjabi University, 1972.

384- Ganda Singh: Banda Singh Bahadur (Life of……), Amritsar, 1935.

385- Ibid: Ahmad Shah Durrani, Quetta, 1977.

386- Ibid: Sirhind in the eighteenth Century, (Sirhind Through the Ages, pp. 91-114).

387- Ghulam Mustafa Khan: Persian Literature in Indo-Pak, Lahore, 1972.

388- Gupta, H.R: Later Mughal History of the Punjab, Lahore, 1976.

Ibid: Marathas and Panipat, Chndigarh, Punjabi University,

1961.

389- Imperial Gazetteer of India, (25. vols), Oxford, 1909.

390- Irfan Habib: The Agrarian System of Mughal India, Bombay, 1963.

391- Iqbal Nama by an anonymous Contemporary Writer, trans. by S. H. Askari, Patna, 1983.

392- Irvine, W: Later Mughals (ed. by) J. N. Sarkar, Calcutta, 1922.

393- Kashi Raj: An Account of the Last Battle of Panipat, (tr.) J. Brown, (ed. by) Rawilson, Bombay, 1926.

394- Keene, H. G. : Sindhia (Madhoji Patel), Oxford, 1916.

395- Khushwant Singh: History of the Sikhs (1469-1974) Delhi, 1977.

396- Kirpal Singh: Life of Maharaja Ala Singh of Patiala, Amritsar, 1954.

397- Kumar, D, (ed.by): Cambridge Economic History of India, Delhi, 1984. (vol. II)

398- Lockhart, L: Nadir Shah, Lahore, 1976 (reprint).

399- Malik, Zahir Uddin: The Reign of Muhammad Shah, Bombay, 1977.

400- Ibid: Khan-i-Dauran, Bombay, 1973.

401- Muhammad Yasin: A Social History of Islamic India, Lucknow, 1958.

402- Muhammad Ishaq: India's Contribution to the Study of Hadith

Literature, Dacca University, 1955.

403- Muhammad Saeed: The Sharqi Sultanate of Jaunput, Karachi, 1972.

404- Muhammad Mujeeb: The Indian Muslims, London, 1967.

405- Muhammad Umar: Islam in Northern India (During eighteenth Century), Delhi, 1993.

406- Ibid: Mirza Mazhar Jan-i-Jahan, (Studies in Islam, vol. vi. J. I. I S. Hyderabad,) Delhi, pp. 118-154).

407- Muzaffar Alam: The Crisis of Empire in Mughal North India (Awadh and the Punjab, 1707-1748), Delhi, 1986.

408- Naqvi, H. K. Urbanistan and Urban Centres under the Great Mughals, Simla, 1972.

409- Ibid: Urban Centres and Industries in Upper India, Bombay, 1968.

410- Nizami, K. A: Akbar and Religion, Delhi, 1989.

411- Ibid: Naqshbandi Influence on Mughal Rulers and Politics, Islamic Culture, Hyderabad, Deccan, vol. xxxix, No. 1, January, 1965.

412- Ibid: On Sources and Source Material, Delhi, 1995.

413- Nijjar, B. S: Punjab Under the Later Mughals, Lahore, 1980.

414- Poona Residency Correspondence, vol. I. ed. J. N. Sarkar, vol. II. ed. Sardesai, Bombay, 1936.

415- Pearson, J. D: Index Islamicus, London, 1974-76.

416- Qureshi, I. H: Ullema in Politics, Karachi, 1974.

417- Radhakrishnan: The Philosophy of the Upanisads, London, 1935.

418- Rieu, Charles: Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum, 3 vols, London, 1879-95.

419- Rizvi, S. A. A: Shah Wali-Allah and His times, Australia, 1980.

420- Ibid: Shah Abdul Aziz Dehlavi, Australia.

421- Sarkar, J. N: History of Aurangzeb, (5 vols.) Calcutta, 1912-24.

422- Ibid: Fall of the Mughal Empire, (4 vols), Calcutta, 1932-50.

423- Schimmel, A: Pain and Grace (A Study of Mystical Writers, Kh. Mir Dard and Sh. Abdul Latif of Bait), Leiden, 1976.

424- Shiv Das Lakhnawi,: Shahnama Munawwar Kalam trans. by S. H. Askari, Patna, 1980.

425- Siddiqi, N. A: Land Revenue Administration Under the Mughals (1700-1750), Dehli, 1989.

426- Sinha, J. C: Economic Annals of Bengal, London, 1927.

427- Srivastava, A. L: Shuja-ud Daula, vol. I, Calcutta, 1939. vol. II, Lahore, 1945.

428- Ibid: Marathas and Najibuddaulah, Islamic Culture, Hyderabad, Deccan, January, 1946.

429- Srivastava, M. P: Social Life Under the Great Mughals, (1526-1700), Allahabad, 1978.

430- Ibid: Social and Cultural Trends in Islamic India (1206-1719),

Allahabad, 1989.

431- Sorley, H. T: Shah Abdul Latif of Bhit. Karachi, 1966.

432- Storey, C. A: Persian Literature, London, 1970-72.

433- Spear, P: Twilight of the Mughals, Oxford, 1973.

434- Tara Chand: Society and State in the Mughal Period, Lahore, 1979.

435- Ibid: Influence of Islam on Indian Culture, Lahore, 1979.

436- Trimingham, J. S: The Sufi Orders in Islam, Oxford, 1971.

437- Tripathi, A: Trade and Finance in the Bengal Presidency (1793-1833), Calcutta, 1979.


438- Trotter, L. J: Waren Hastings, London, 1910.

439- Pant,: Economic History of India Under the Mughals, Delhi, 1990.

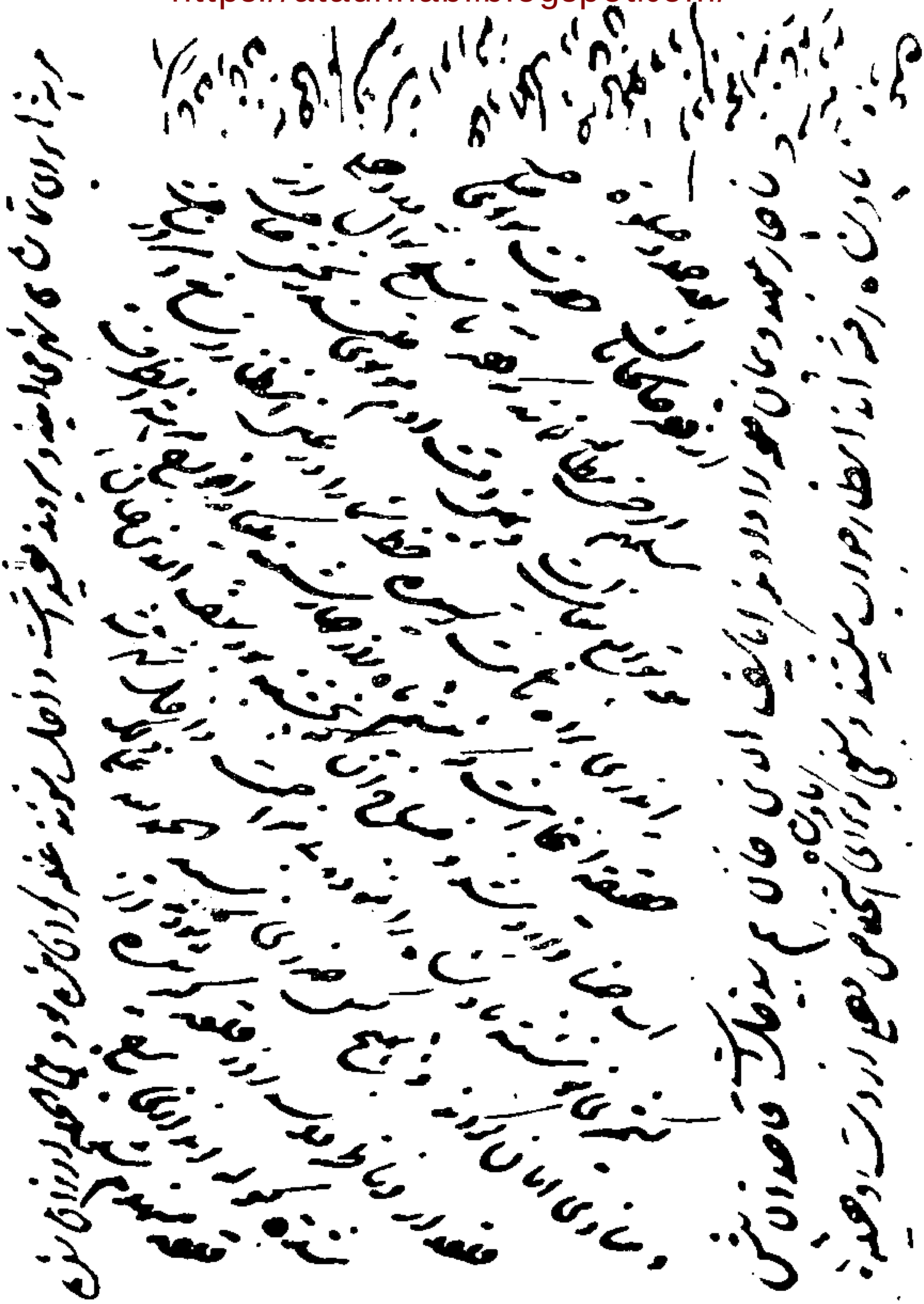
440- Vansittart, H: A Narrative of the transactions in Bengal (1760-1764) ed. by A. C. Banerjee, Calcutta, 1976.

441- Yusuf Hussain Khan: Glimpses of Medieval Indian Culture, Bombay, 1962.

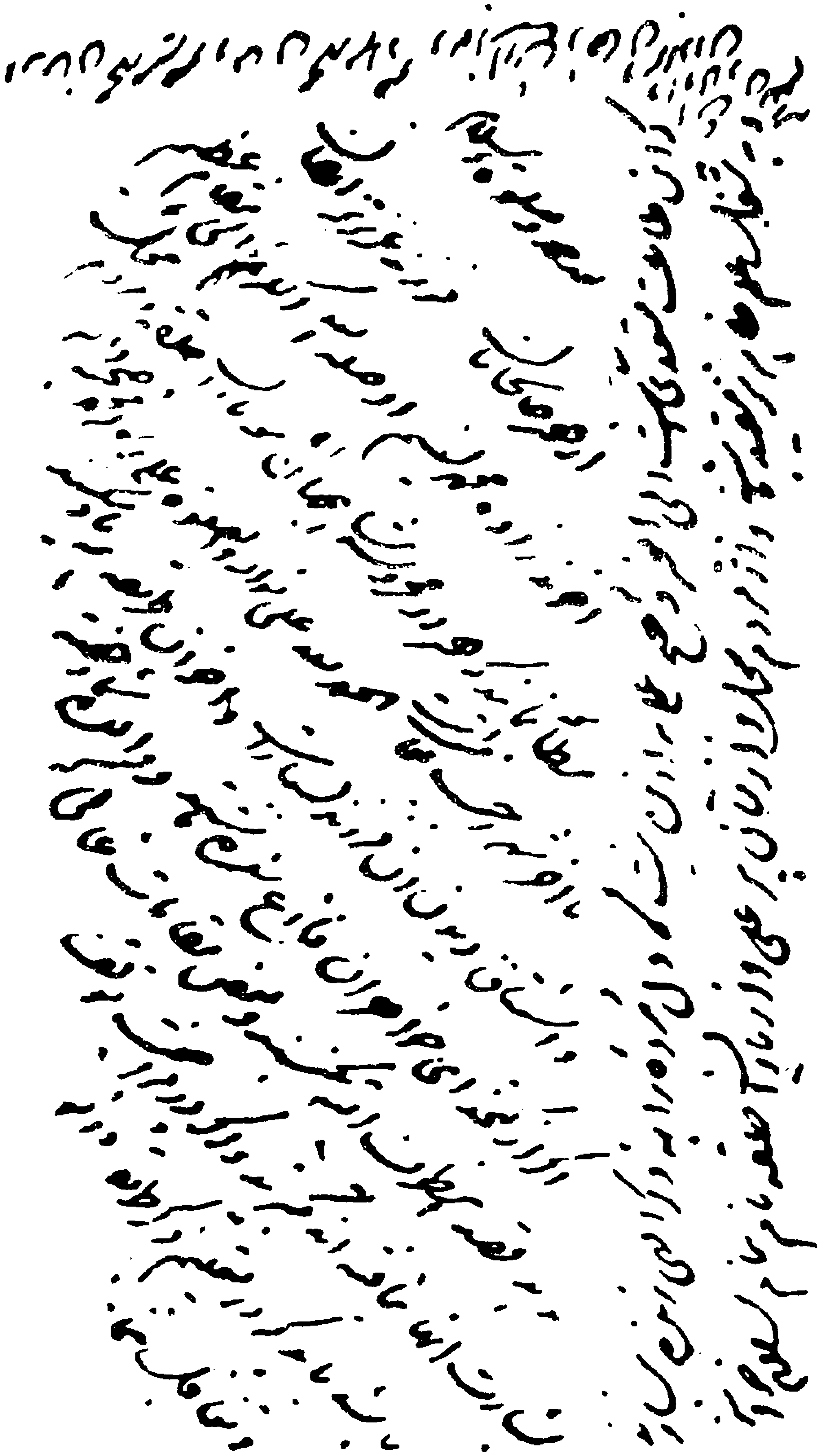
☆☆☆☆☆



۱۰- دیوان مظہر و خریطہ جواہر، طبع اول، مطبع مصطفائی، کانپور، ۱۲۷۱ھ، ص .



۲- خود نوشت تحریر حضرت مظہر یعنی مکتوب بنام قاضی ثنا اللہ پانی پتی،



عکس مکتوب حضرت مرزا مظہر جان جاناں

۳- خود نوشت مکتوب حضرت مظہر بنام اخوند مُلا نسیم (از لوائح)،

صورت انفصال نامہ

بفتوی شریعت غرا فیصل

بتاریخ سیزدہم رجب ۱۲۴۴ چهل و چهار جلوس مبارک اسد علی وکیل شاہ غلام علی بدربار حاضر شدہ قطعہ عرضی گذرانید

که غریب پرور سلامت هر دو حویلی مملوکه بی بی صاحبه مرحومه مریدان حضرت میرزا جانجانان رحمة الله علیه بمبلغ خود ها

از رهن رها کرده ایم و بی بی صاحبه مرحومه هر دو حویلی مملوکه مرحومه خود برای مقبره وقف کرده اند و وقف نامه بمهر ایشان و مهر

قاضی موجود است و مقبره را پخته کرده و نوشته بی بی صاحبه مرحومه هر دو حویلی ایشان از شکسته بمبلغ خود ها ساخته ام

و غلام علی شاه دالان و حجره بمبلغ خود ها بنا کرده و چبوتره و چار دیواری نیز ساخته اند و در اینجا فقیر بسیار واقع شده

با میان آفاق و برادر ایشان بتغلب در اینجا تصرف دارند در عهد سابق داد و بیداد ما غریبان حاکم نشنید و تغافل نمود

درینولا که ملک از عدل و انصاف صاحب عالیشان آباد شده و اهل حق بحق خود رسیده امیدوار است که این قضیه

موافق شرع تفصیل فرمایند و هرکاره بنام محمد آفاق متعین نمایند که این قضیه بقاضی رجوع کرده انفصال معامله بکنند بعطای

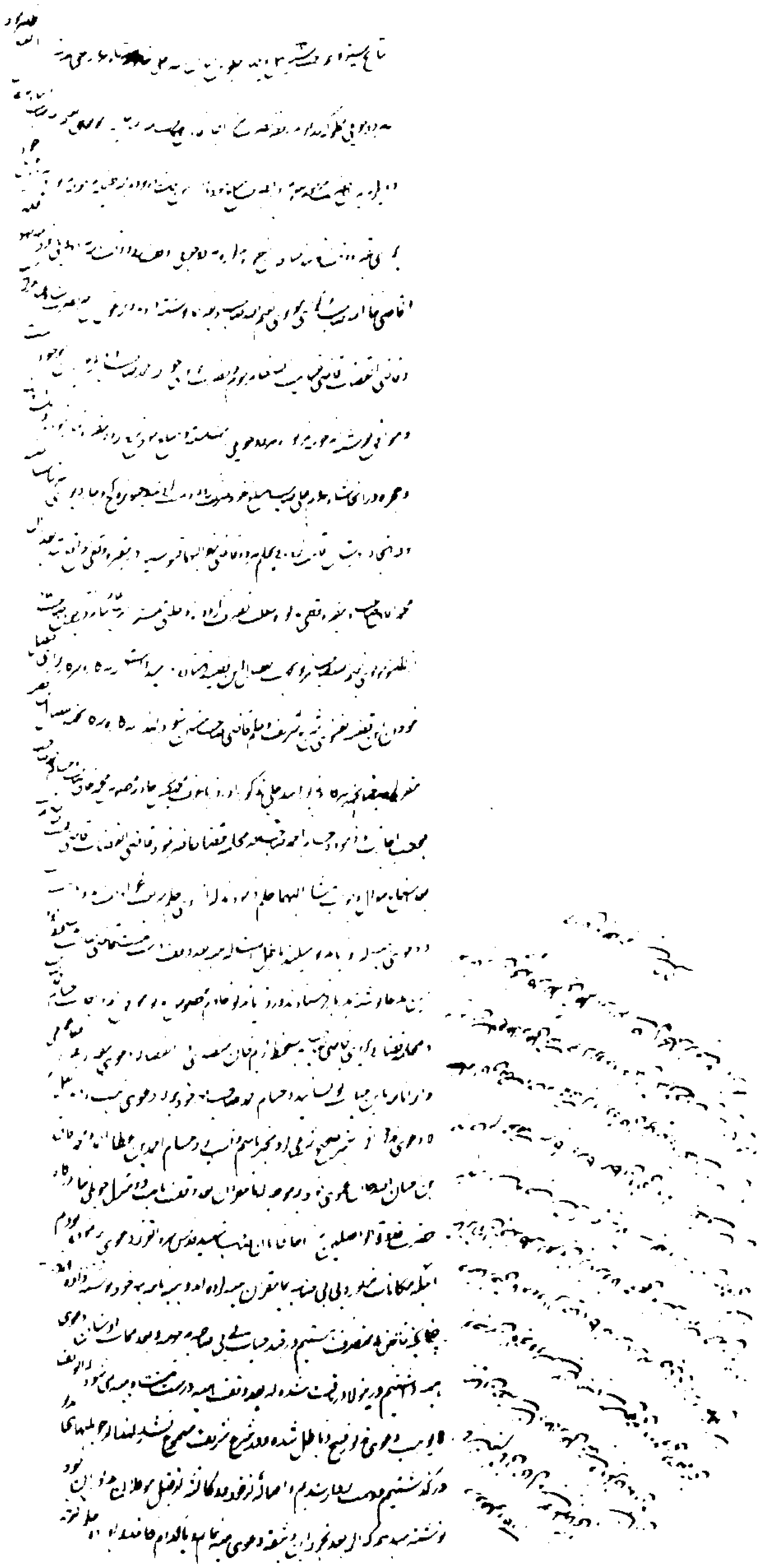
درخواست زبانی هرکاره حکم حضور بنام قاضی القضاة قاضی محمد اسد خان صادر شد که موافق شریعت غرا قضیه را

تحقیق کرده بهر جانب که حق ثابت شده ثابت نموده بحضور اطلاع دهند تا برده بقاضی القضاة حکم رسانیده بخانه مدعی علیه

طلب نمود که بیشتر قاضی القضاة حاضر شده جواب سوال نماید مرکند میان حسام احمد برادر زاده محمد آفاق مذکور به میان

عطای احمد ... هرکاره ظاهر نمود که از هر دو حویلی وقفی مذکوره که در اینجا مقبره بست ما را سرو کاری نیست بهر طوریکه جواب باشد شنید

۴۔ وقف نامہ اول متعلقہ خانقاہ حضرت مظہر، مملوکہ پروفیسر منظور الحق صدیقی، ص ۱۵۸۔



۳۔ وقف نامہ دوم متعلقہ خانقاہ مظہری ،

۱

از ما نوشته بگیرند و تزویر یا عوض محمد بخش را که فهیم جانه محمد آفاق مذکور است از جانب خود همراه هرکاره بدار القضا فرستاد

واو به تحاکم کریم خان متصدی محکمه قضا قطعه لا دعوی و ابرا نامه نویسانیده آورده و حسام احمد مذکور مهر خود ثبت کرده

حواله هرکاره نامبرده نمود به این مضمون که اقرار معتبر صحیح شرعی کرد مجیبا باسم ولد خود حسام احمد بن عطا احمد اصالتاً از خود و وکالتاً

از قبل پدر خود مسمی به عطا احمد بن والده خود و محمد آفاق بن احسان الله خان عموی خود بر این موجب که ما معترفان

بعد وقف نامه دو منزل حویلی بازار درگاه حضرة قدوة الواصلین میرزا جانجانان شهید قدس سره دعوی هبه نموده بودیم

بنابر که مکانات مذکوره بیبی صاحبه بما معترفان هبه کرده اند و هبه نامه بمهر خود نوشته داده اند چنانچه فالحال در دست ما هست

در قید حیات بیبی صاحبه مرحومه و بعد ممات ایشان دعوی هبه داشتیم در ... باشد که بعد وقف هبه درست نیست

و هبه مشهور که الوقف لا یوهب دعوی مذکور فسخ و باطل شده و در شرع شریف مسموع نشد لهذا از جملهای مسطور دریدند

و دست بر داشتیم و اصالتاً از خود و وکالتاً از قبل موکلان خود نوشته میدهیم که اگر بعد تحریر این وثیقه دعوی هبه نمائیم

و یا کدام ما عذر آورده علم کنیم در وعکو ... باشیم تا الحال از بابت جملهای مذکور بر مکانات ... علی و دیگر ...

ایشان بوجهی من الوجوه و سبب من الاسباب ... حقی و دعوی و منازعتی نمانده واگر احیاناً کاغذ هبه نامه مهری بر آید

برآید باطل است بنابر آن چند کلمه بطریق ابرا نامه و فارغ خطی نوشته داده شد تحریر بتاریخ چهاردهم شهر رجب المرجب سنه ۱۲۱۶ هجریه

و هر دو مهر ... حالی کرده و ... علی ... بموجب حکم شرع شریف ... حضور ... معرفت شد

راقم ... تحریر فی التاریخ ... رجب المرجب سنه ۱۲۴۴

۴- وقف نامہ اول مسلسل

و تصوف وغیره مدون نموده از نظر مبارک حضرت ایشان
گذشته و بسیار پسند نموده اند خاصه که در ضمن مکاتیب حضرت
ایشان حالات بشارت بآن گذشت خارج از دایره
اوصاف است و فقیر کاتب مکتوبی از مکاتیب حضرت
مولانا که از نظر آنحضرت گذشته به نیت تبرک و یادگار
درین صحیفه درج میکند بسم الله الرحمن الرحیم محمد و ما سفر عقلا
للممکن فی نفسه لیس وله من علته ایس پس ممکن را تا لیسی با علته
او که فی نفسه او را لیس و وجود ثابت نهد و واجب الوجود نبود
متحقق نباشد هیچ خبر را بر وحمل نتوان کرد که برای حمل بجائی وجود
موضوع شرط است و در حالت عدم سلب شئی از نفس صحیح است
و زید زید نتوان گفت پس ممکن را علته او از ذات او قریب است
قال الله تعالی نحن اقرب الیه من حبل الورید بسیر کلام دراز است
که ممکن چنانکه در وجود محتاج است بواجب در بقا هم محتاج بواجب
است تا به بعضی متکلمان در میان ممکن و واجب نسبت گوزه و کلال
فهمیده گفته اند که در بقا محتاج نیست و درین قول برخلاف جمهور
عقلا استغنای عالم از صانع لازم می آید و نص قطعی دال بر دوام
احتیاج است حیث قال یا ایها الناس انتم الفقراء الی الله والله
هو الغنی الحمید لهذا قائلان این قول برای تقصی ازین قباحت تجدد
امثال قائل شده تا دوام احتیاج ثابت شود و در واقع برای اثبات
دوام احتیاج احتیاج این همه تکلفات نیست لیستی که ممکن با

غلام علی

۵- عکس تحریر حضرت شاه غلام علی مولف مقامات مظهری (حاشیه بشارات مظهریه قلمی)،

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

این رسالہ
شریفہ در بیان
حالات و مقامات حضرت
شمس الدین حبیب اللہ جناب مرزا
جان جانان مظہر شہید قدس اللہ سرہ از تصانیف
حضرت غوث الاسلام والمسلمین الہادی الی الصمد حضرت مرشدنا
شاہ غلام علی الملقب بشاہ عبد اللہ المجددی
طریقۃ والعلوی نسبا والدہلوی
مسکنا و مدفنا رحمۃ اللہ
علیہ

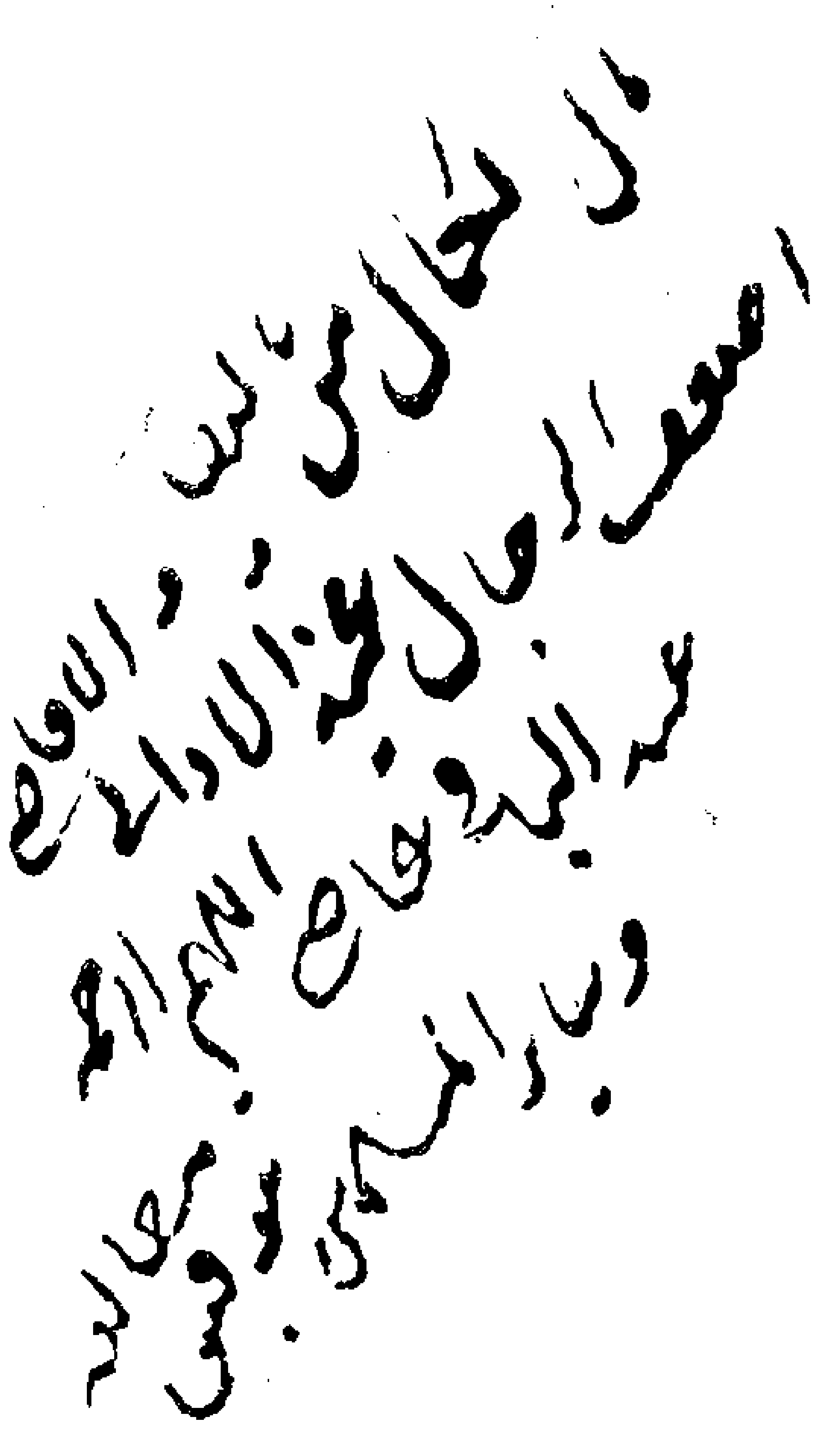
در مطبع احمدی باہتمام ظفر علی طبع شد

۶- مقامات مظہری، طبع اول، مطبع احمدی، دہلی، ۱۲۶۹ھ،





۸- حضرت مظہر کے خلیفہ اخوند ملا نسیم کی دو مہریں (مخزونہ نور محل، اوچ، دیر)،



۹۔ دستخط میر عبدالباقی خلیفہ حضرت مظہر ، ص

سقطهائی بعض ایما مقصا ... بحمد الله که اختتام یافت بالطاف رب [illegible] و در حل‌های آن

که مست و دم شهر حماد الله ... الفا و امداد تا برکات روح ... اد

موجب افزونی برکات ... طالبان گردد و دیگر اگر از

اقوال قیومان مجدد الف ثانی رضی الله عنه در هر سه جلد مکتوبات و رسایل مسطور است

بالاجمال در تسوید احسنت اگر کسی از رسالهٔ مطالعه آرد احوال تمام کمال از پیا

دیگر به تفصیل احوال در این رساله تکلفات ... التفصیل یدل علی الکثرة والتحقیقه

یدل علی السدید التفصیل لشرف الکلال والاجمال یخلو عن الملال

والله اعلم بحقیقة الحال اللهم اکمل الطالبین الکمال بفضلک انوار ... مدة النظر

التشریف و تعالی منه الکمال وفتح لنا ابواب المآل تمت

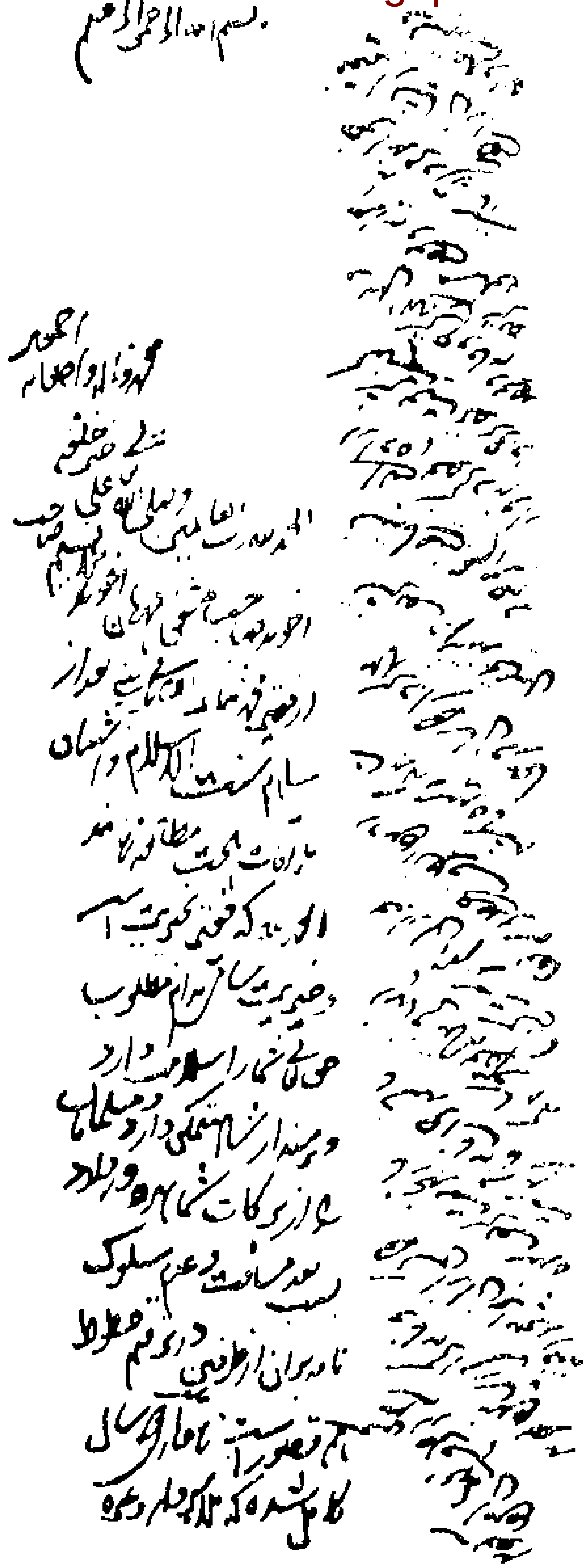
رسالهٔ مآل الکمال من تصنیف عاصی پر معاصی عبدالباقی بتاریخ ۲۹ رمضان

المبارک سنه ۱۲۱۷ هجریه صلوة الله علیه روز دوشنبه از خط احقر الناس [illegible]

قاریا بر من مکن چندین عتاب :: گر خطائی رفته در کتاب

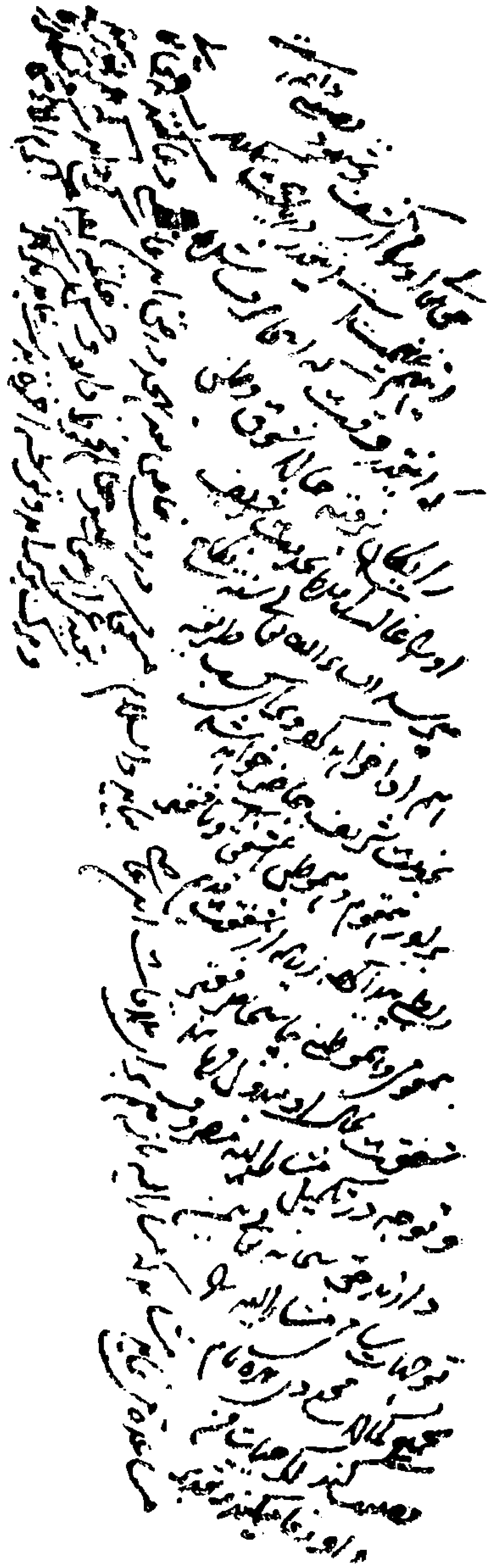
آن خطائی را بلطف تصحیح کن :: از کرم والله اعلم بالصواب

۱۰ - تحریر میر عبدالباقی مذکور ،



عکس مکتوب از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی صفحۂ اول

۱۱- تحریر قاضی ثنا اللہ پانی پتی (ماخوذ از لوائح)، ۱



عکس مکتوب ۵ از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ، صفحہ ۲

۱۱- تحریر قاضی ثناء اللہ پانی پتی ، مسلسل ،

۱

LA VITA PERFETTA DI MÎRZÂ MAZHAR JÂN-I JÂNÂN (1699-1781)

Sufi e poeta di Delhi, nel racconto dei suoi discepoli (Maqâmât-i Mazhariyya)

Prefazione di
Alberto Ventura

مقامات مظہری کے اطالین ترجمہ کا سرورق

MIMESIS
Sīmory

بسم الله الرحمن الرحيم وبه نستعين

اللهم يا من السبل الطرق بعدد انفاس الخلائق، صل وسلم على سيدنا محمد المنعوت باكرم الخلائق، المبعوث رحمة للصامت والناطق، وعلى آله واصحابه واتباعه ما دام النجم نور زر شارق، بعده وارستهٔ قید تذکار و اوزاده بیان و اشعار اولدیغی وجهله حضرت مولانا خالد شهرزوری و مولانا محمد جان خراسانی باجوری قدس الله روحهما ورزقنا فتوحهما وصبوحهما ایکی اخ معنوی محترم و انتساب طریقهٔ علیه‌ده توأملر یعنی ایکیسی ده خی، برجامدن ایچدیلر شرابی، بر بادهٔ نك اولدیلر خرابی، نشئه بخش مرشد دینپناه عالیجاه حضرت عبد الله غلام علی شاه دهلوی قدس سره دن اجازت ارشاد ایله حائز شرف امتیاز و خلعت خلافتله سرافراز اولمشلر در شاه مشار الیه حضرتلرینك پیر ناشر عالی مدارج و رفیق طریق فیض مناهج مولانا محمد نعیم الله آرابجی قدس سره جنابلری پیر دستگیر و مرشد روشن ضمیرلری حضرت شمس الدین حبیب الله میرزا مظهر جانجانان قدس الله سره نك سیر و احوال و اخلاق و عاداتنی شامل و طریقهٔ نقشبندیهٔ مجددیه دائر نتیجه فرائد فوائد فیض آیاتی و کشف و حل مبهمات و معضلاتی مشتمل و علوم و خواص حقنده دنیوی و اخروی انواع منافعی محتوی معمولات خانقاه شمسیهٔ مظهریه نامیله بر کتاب لطیف تدوین و تألیف بیورمش مشار الیه حضرت غلام علی شاه و سائر اجلهٔ خلفادن اولان اخوان حقائق آگاهك معروض انظار عالیلری اولدقده آخر کتابده تکمله عنوانده مذکور و مسطور اولدیغی و زره جمله سی بردن حسن قبوله قرین و تقریظات



۱۲- گنبد مزارات چبوترۂ حضرت مظہر، تعمیر ۱۳۰۰ھ، ص



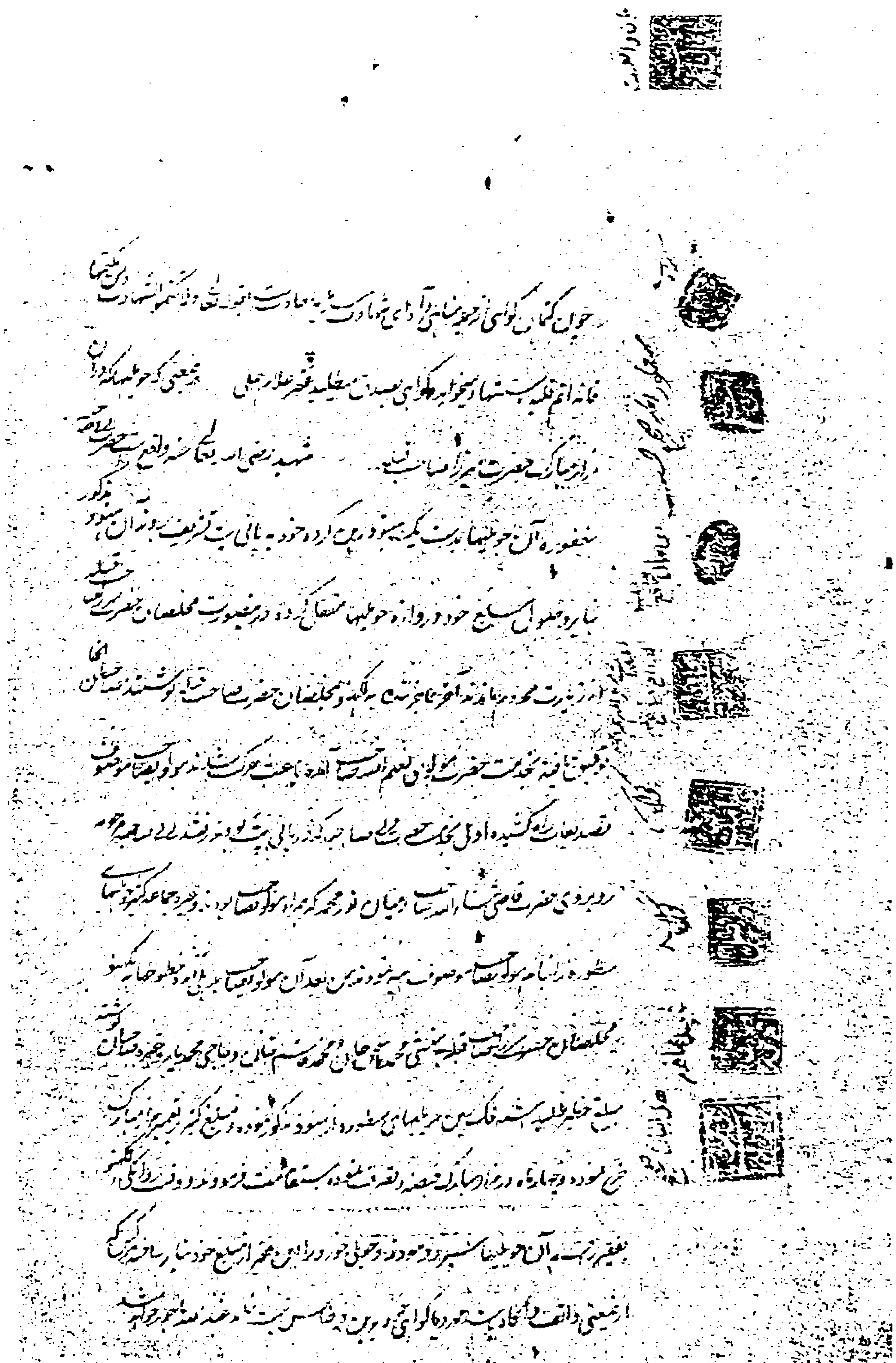
۱۳- مزارات مرشد و مرید یعنی حضرت مظہر و مولف مقامات مظہری ،
ص ۱۵۸



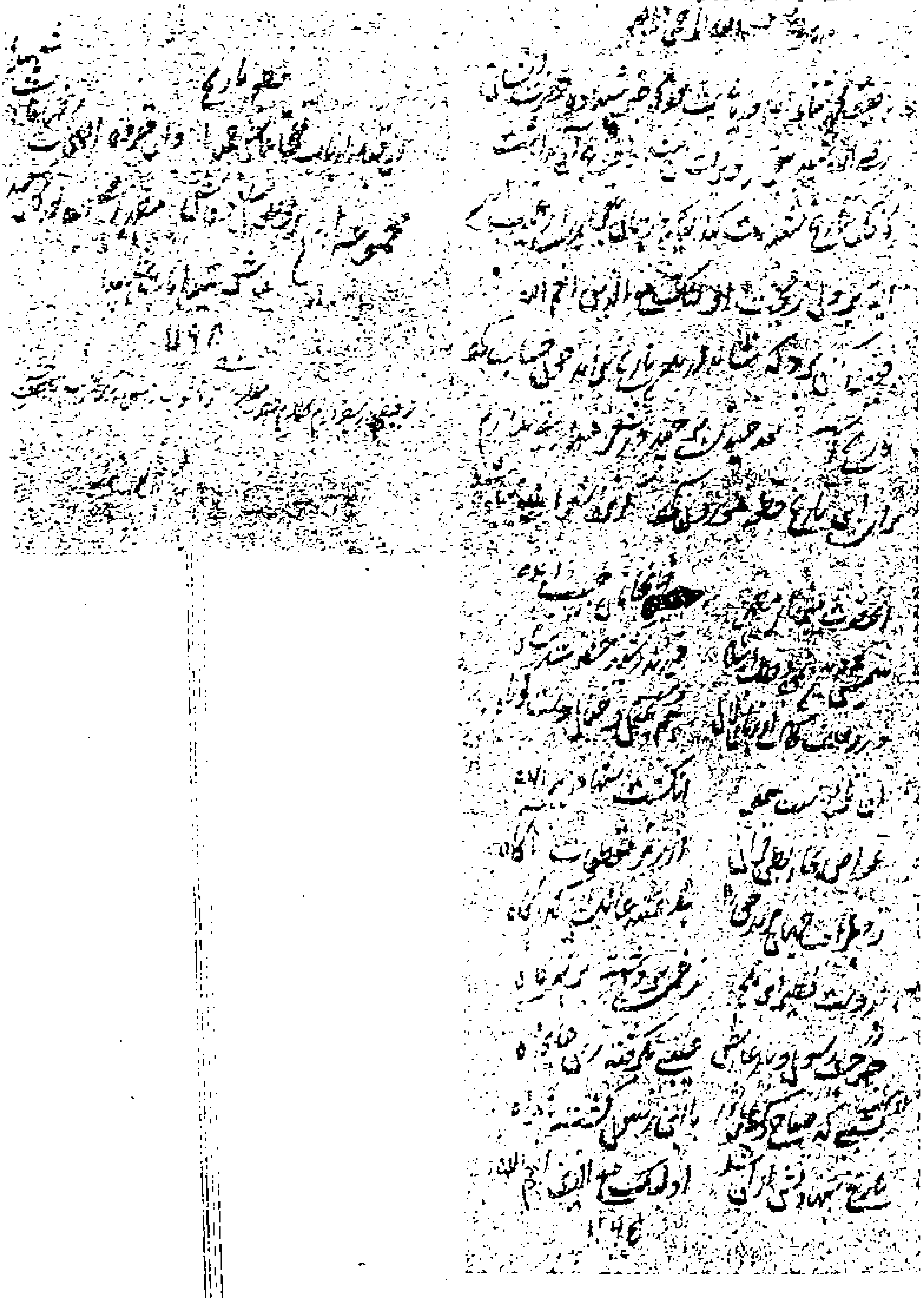
حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی مسجد ، ص ۱۹۰



(بائیں جانب) مزار حضرت سید نور محمد بدایونی مرشد حضرت مظہر ، ص ۲۰۰



(۱۴) خانقاہِ مظہریہ دہلی سے متعلق حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کی ایک خاص تحریر



(۶۵) خود نوشتہ تحریر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی

Foreword

The tradition of scholarship, combining a thorough knowledge of the subject studied directly from the sources, with modern methodology, best represented in Pakistan by the late Professor Muhammad Shafi and the late Sayyid hussamuddin Rashidi which once seemed to be on the way out, has of late shown signs of new vigour. Muhammad Iqbal Mujaddidi is undoubtedly one of the most accomplished and the most productive of the new generation of scholars who are striving to raise aloft once again the flag of oriental scholarship. The editing of the book under review is a marvel of thorough-going research In order to place Mirza Mazhar Jan-i-Janan's utterances and letters in proper perspective, Mr. Mujaddidi has added a long, learned introduction which is itself a feat of scholarship. In this broad survey he brings under review the political setting in which the saintly Mirza lived and worked, and the tradition of Naqshbandi sufism, especially its Mujaddidi branch. His introduction not only illuminates the entire socio-political scenario but also enables the perceptive reader to appreciate the true significance of Mirza Jan-i-Janan's teachings.

Mirza Jan-i-Janan was tha last of the great sufi saints of South

Asia. His fame and following spread for beyond the confines of the subcontinent. He was fortunate in having in Shah Ghulam Ali a great disciple and successor who also compiled his master's *malfuz*. This collection of *malfuz* is possibly the best of its class since after the era of great *malfuzats* four centuries earlier.

A spiritual preceptor of great force of character, the literary mentor of the leading Urdu poets of the age, a poet of note himself Mirza Jan-i-Janan was a man of fine sensibility and deep spiritual powers. He was indeed a person of rare parts, for not many sufi saints could boast of such a broad range of gifts. He was also a trend-setter in the literary world of the day, guiding the poets of the age to shift their gaze from Persian to Urdu and from the tricky but narrow path of "double-entendre" to the lyrical expression of the whole gamut of human emotions. The 18th century witnessed the decline of Mughaul civilization and the disintegration of Mughul political authority. It was inevitably an age of much civil strife. The squalor of a declining culture was only relieved by the high spirituality of men like Mirza Jan-i Janan and Shah Ghulam Ali and the poetic sensibility of Mir and Sauda who both drew inspiration from the former.

Credit goes to Mr. Iqbal Mujaddidi for bringing the spoken words and the letters of such a unique personality within the reach of educated men by translating them into Urdu and by his

enlightening comments on all matters needing explanation. Mr. Mujaddidi is in the developing stage of his career and we expect many more equally solid and more drilliant work from him.

Prof. Riazul Islam

Secretary,

Institute of Central of west Asian Studies,

University of Karachi, Karachi.

☆☆☆☆☆

MAQAMAT-I-MAZHARI

Life , works and teachings of a prominent Sufi and poet MIRZA MAZHAR JAN-I-JANAN

(d. 1195 A.H./ 1781 A.D.)

Compiled By:

SHAH GHULAM ALI DEHALVI

Translated and annotated with a comprehensive Introduction by

MUHAMMAD IQBAL MUJADDIDI

2015

Published By:

PROGRESSIVE BOOKS

6-YOUSIF MARKET GHAZANI STREET, URDU BAZAR LAHORE

PH: 042-37352795, FAX: 042-37124354

پروگریسو بکس

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795